

میں ذکرہ صوفیائے سرحد

اعجاز الحق قدوسی

مرکزی اردو بورڈ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ
 ۱۴۰۶
 ۱۳۶۶
 تذکرہ صوفیائے سرحد



اعجاز الحق قدوسی



مرکزی اردو بورڈ - لاہور

جملہ حقوق محفوظ

بار اول

مئی ۱۹۶۶ء

ناشر : احمد الدین اظہر

ڈائریکٹر مرکزی اردو بورڈ ، لاہور

طابع : سید ظفرالحسن رضوی

مطبع عالیہ ، ۱۲۰/۵ ٹمپل روڈ ، لاہور



رقعتہ اقبال



قیمت : ساڑھے دس روپے

فہرست

صفحہ

عنوان

۲۹

کچھ کتاب کے متعلق

۳۷

مقدمہ

(۱)

پیر کبار

۳۹

نام و نسب

(۲)

۵۲

شیخ آدم ملی

۵۳

حالات

۵۳

ایک کار نامہ

(۳)

۵۵

سید علی غواص ترمذی

۵۵

مشہور بہ پیر بابا

۵۶

نام و نسب

۵۷

مسللہ نسب

۵۷

تعلیم و تربیت

۵۷

مسللہ کبرویہ میں اجازت

۵۷

دادا کی وفات

(۵)

| | |
|----|---|
| ۵۷ | ہایوں کے دربار میں |
| ۵۸ | پانی پت میں تشریف آوری |
| ۶۱ | شیخ سیلوٰنہ کی خدمت میں حاضری |
| ۶۱ | شیخ سیلوٰنہ سے بیعت کی درخواست |
| ۶۲ | شیخ سالار روحی کی خدمت میں حاضری |
| ۶۳ | سلسلہ طریقت |
| ۶۴ | سلسلہ کبرویہ |
| ۶۵ | (۱) سلسلہ چشیتہ عزیزہ |
| ۶۶ | سلسلہ سہروردیہ |
| ۶۷ | سلسلہ ناجیہ حلاجیہ |
| ۶۸ | رشد و ہدایت کے لیے شیخ کا حکم |
| ۶۸ | پہلے مرید |
| ۶۸ | کوہستان جانے کا حکم |
| ۶۹ | والد سے دوبارہ ملاقات |
| ۷۰ | اجمیر کو واپسی |
| ۷۱ | خرقہ خلافت اور شیخ سالار روحی کی ہدایت |
| ۷۲ | پشاور میں تشریف آوری |
| ۷۲ | یوسف زئی علاقے میں دو پیران ملحد |
| ۷۳ | سدم میں تشریف آوری |
| ۷۴ | از دواج |
| ۷۴ | والدین کی خدمت میں حاضری اور علاقہ یوسف زئی میں سکونت |
| ۷۵ | پیر تاریک اور پیر جال کی گمراہیاں |
| ۷۶ | تحریک روشنائی کی مخالفت |
| ۸۰ | باجا کلے (یونیر) میں قیام |
| ۸۱ | وقات |

اولاد

۸۱

خلفاء

۸۱

(۲)

پیر بازید انصاری

(پیر روشن یا پیر تاریک)

حالات

۸۲

نام و نسب ، خاندان

۸۲

پیدائش

۸۲

بچپن

۸۲

پیر روشن یا روشن کی وجہ تسمیہ

۸۲

بیعت

۸۲

اپنے والد سے مشورہ

۸۲

خواجہ اسماعیل کے طریقوں پر عمل

۹۰

والد کے متعلق قرآن سے مشورہ

۹۱

ایک خواب

۹۱

خواب کے بعد

۹۲

وحد الوجود کا عقیدہ

۹۳

مقام قرب پر رسائی

۹۳

والد کی تمنا

۹۳

مجاہدے اور ریاضتیں

۹۳

قندھار کا سفر

۹۵

پیرم خان کے کارندوں کا ظلم

۹۵

پانچ سال تک ریاضت

۹۶

خلوت خانے میں پانچ سال

۹۶

| | |
|-----|---|
| ۹۸ | ارشاد و تلقین کا حکم |
| ۹۸ | رشد و ہدایت |
| ۹۹ | رسالے کے لیے تصنیف کا حکم |
| ۱۰۰ | تعلیمات (۶) |
| ۱۰۰ | توحید |
| ۱۰۰ | عذاب و راحت آخرت |
| ۱۰۱ | بنیادی عقائد کی وضاحت |
| ۱۰۱ | کامل و مکمل کی توضیح |
| ۱۰۱ | عبادت |
| ۱۰۲ | سیرت و کردار کے متعلق نصائح |
| ۱۰۳ | اتباع شریعت |
| ۱۰۵ | فضیلت عقل |
| ۱۰۶ | پیر بایزید کی تعلیم کا خلاصہ |
| ۱۰۸ | بایزید کی تحریک ایک مذہبی اور ملی تحریک تھی |
| ۱۰۹ | تحریک روشنائی کا پہلا مرکز |
| ۱۰۹ | کلہ ڈھیر اور علاقہ ہشت نگر میں آمد |
| ۱۱۰ | تحریک روشن کا دوسرا مرکز کلہ ڈھیر |
| ۱۱۰ | دعوت نامے |
| ۱۱۱ | شیخ علی کو دعوت نامہ |
| ۱۱۱ | سید علی غواص اور پیر بایزید کی ملاقات |
| ۱۱۱ | مغللوں سے جنگ |
| ۱۱۲ | جنگ ہشت نگر |
| ۱۱۳ | جنگ تیراہ |
| ۱۱۳ | جنگ توراغہ |
| ۱۱۳ | بایزید کی وفات |

(ت)

(۲)

صفحہ

عنوان

بیوی

۱۱۳

اولاد

۱۱۶

نیابت

۱۱۷

محمد عمر اور حمزہ خاں کی جنگیں

۱۱۷

جلال الدین یا جلالہ

۱۱۸

تحریک روشنائی کا آخری علم بردار شیخ احمد

۱۲۰

تحریک روشنائی کا خاتمہ

۱۲۲

پیر بایزید اپنے آئنے میں

۱۲۳

نام و نسب

۱۲۳

ابتدائی حالات

۱۲۶

عبداللہ کی کوهستان میں واپسی

۱۲۶

عبداللہ کا بھائی ہندوستان میں

۱۲۶

عبداللہ کی اپنے ہال بچوں کی طلبی

۱۲۷

پیر بایزید اپنی والدہ کے ساتھ کوهستان میں

۱۲۸

عبداللہ کا بایزید اور اُن کی والدہ کے ساتھ طرز عمل

۱۲۸

بایزید کو باپ کی نصیحت

۱۲۸

ذوق معرفت الہی

۱۲۹

ریاضتیں اور مجاہدے

۱۳۰

مرید خاص

۱۳۰

چلے کے ختم ہونے کے بعد

۱۳۱

مخالفین تحریک روشنائی

۱۳۳

عثمان کی مخالفت

۱۳۳

میاں اور پیر روشن کا لقب

۱۳۵

عبداللہ کا علی شیر سے ایک سوال

۱۳۶

خداداد کے بیٹے محمد کی بیعت

۱۳۷

| صفحہ | عنوان |
|------|---|
| ۱۳۸ | ہند کی خلافت |
| ۱۳۹ | ماننے اور نہ ماننے والوں کی تقسیم |
| ۱۴۰ | مخالفین کے پیر بایزید پر اعتراضات |
| ۱۴۱ | مولانا زکریا سے مناظرہ |
| ۱۴۳ | مذاکرہ قاضی خان |
| ۱۴۶ | لوگوں کو بایزید کی نصیحتیں |
| ۱۴۶ | اہل وطن کی مخالفت |
| ۱۴۷ | ترک وطن |
| ۱۴۷ | باپ اور بیٹے کی گفتگو |
| ۱۴۸ | بات کا اعتراف |
| ۱۴۹ | تحریک روشنائی کا پہلا تبلیغی مرکز |
| ۱۴۹ | پشاور میں مخالفت |
| ۱۵۰ | قبائل سمد زئی میں آمد |
| ۱۵۲ | سباع مع مزامیر |
| ۱۵۲ | دو خزانے |
| ۱۵۳ | مغلوں سے مخالفت |
| ۱۵۵ | مغلوں اور پیر بایزید میں مخالفت کی وجوہ |
| ۱۵۸ | جنگ |
| ۱۵۸ | دعا |
| ۱۵۹ | شکست |
| ۱۵۹ | تیراہ میں آمد |
| ۱۵۹ | مغلوں کی دوسری شکست |
| ۱۶۰ | وصیت اور وفات |
| ۱۶۰ | اولاد |
| ۱۶۰ | خلافت |

- ۱۶۱ یوسف زئیوں اور شیخ عمر میں مخالفت
- ۱۶۲ پیر بایزید کے صندوق کی غرقابی اور شیخ عمر کی وفات
- ۱۶۲ بی بی شمسو کی پشین گوئی
- ۱۶۲ پیر بایزید کے صندوق کی بازیابی اور تدفین
- ۱۶۳ جلال الدین جلالہ کی مسند نشینی
- ۱۶۵ پیر بایزید اپنے موافقین اور مخالفین کی نظر میں
- ۱۶۵ پیر بایزید کے متعلق شیخ فرید بکھری صاحب ذخیرۃ الخوانین کا اظہار خیال
- ۱۶۵ عبدالشکور صاحب مصحح کتاب صراط التوحید کا بایزید کے متعلق اظہار خیال
- ۱۶۵ صاحب مآثر الامرا کا بیان
- ۱۶۵ صاحب دبستان مذاہب کا اظہار خیال
- ۱۶۵ صاحب تاریخ فرشتہ کا بیان
- ۱۶۵ ملا عبدالقادر ہدایونی صاحب منتخب التواریخ کا بیان
- ۱۶۹ بایزید کی تصنیف
- ۱۸۰ خیرالبیان
- ۱۸۹ صراط التوحید
- (۳)
- ۱۸۹ فخرالطالین
- ۱۹۰ مقصود المومنین
- ۱۹۲ حالنامہ
- ۲۰۰ پشتو ادب اور شاعری پر پیر روشن کے اثرات
- (۵)
- ۲۰۲ حضرت اخوند پنجو بابا
- ۲۰۶ نام و وطن

ولادت

۲۰۶

تعلیم

۲۰۸

وطن کو واپسی

۲۰۸

اکبر پور میں تشریف آوری

۲۰۹

رشد و ہدایت

۲۰۹

درس و تدریس

۲۰۹

تبلیغ و اصلاح

۲۰۹

بیعت

۲۱۰

ریاضتیں اور مجاہدے

۲۱۳

اخلاق

۲۲۱

شاہان وقت کی عقیدت

۲۲۱

معمولات

۲۲۱

فضائل و مناقب

۲۲۲

وفات

۲۲۲

اولاد

۲۲۳

خلفاء

۲۲۳

(۶)

حضرت اخوند درویش

۲۲۵

حالات

۲۲۵

خاندان

۲۲۹

درغان کے موضع پائی میں اقامت

۲۳۱

اخوند درویش کے والد کی گرفتاری اور رہائی

۲۳۲

اخوند درویش کا نام

۲۳۲

بچپن

۲۳۴

| | |
|-----|-------------------------------------|
| ۲۳۴ | اپنے اُستاد کے سامنے ایک پیشین گوئی |
| ۲۳۵ | تحصیل علم اور پہلا اُستاد |
| ۲۳۶ | زمانہ طالب علمی میں خشیت الہی |
| ۲۳۷ | ملا جال الدین سے تعلیم |
| ۲۳۷ | شیخ سید علی قمری کی خدمت میں حاضری |
| ۲۳۷ | تجدید توبہ |
| ۲۳۸ | بیعت |
| ۲۳۹ | زہد و ریاضت |
| ۲۳۹ | شیخ کا ارشاد |
| ۲۴۰ | رسالہ جام جہاں نما کی تعلیم |
| ۲۴۰ | شیخ کی تاثیر گفتار اور کردار |
| ۲۴۰ | خلافت |
| ۲۴۱ | مناظرے |
| ۲۴۲ | پیر بایزید سے ایک مناظرہ |
| ۲۴۳ | پیر تاریک کا خطاب |
| ۲۴۳ | شیخ کی ایک نصیحت |
| ۲۴۳ | شیخ کی وفات |
| ۲۴۴ | رشد و ہدایت |
| ۲۴۵ | گمراہیوں کی جڑ |
| ۲۴۶ | توسیع علم |
| ۲۴۶ | اتباع شریعت |
| ۲۴۸ | مناظروں میں مہارت |
| ۲۴۸ | اسلامی علوم کی اشاعت |
| ۲۴۹ | فخرن اسلام |
| ۲۵۱ | ارشاد المریدین |

صفحہ

عنوان

| | |
|-----|-------------------------|
| ۲۵۲ | ارشاد الطالبین |
| ۲۵۳ | تذکرۃ الابرار و الاشرار |
| ۲۵۴ | شاعری |
| ۲۵۵ | شہباز قلندر |
| ۲۵۵ | پیر ہلوان |
| ۲۵۶ | پیر طیب |
| ۲۵۶ | وفات پیر ولی |
| ۲۵۷ | کریم داد |
| ۲۵۷ | شیخ الیاس |
| ۲۶۲ | وفات |
| ۲۶۲ | اولاد |
| ۲۶۳ | سلسلہ طریقت |

(۷)

| | |
|-----|--------------------|
| ۲۶۴ | میان ابوبکر پٹھاری |
| ۲۶۴ | حالات |
| ۲۶۴ | اظہار حق |
| ۲۶۴ | اتباع سنت |
| ۲۶۵ | عبادت و ریاضت |
| ۲۶۵ | فضائل و مناقب |

(۸)

| | |
|-----|---------------------|
| ۲۶۶ | شیخ نور محمد پشاوری |
| ۲۶۶ | حالات |
| ۲۶۶ | رشد و ہدایت |
| ۲۶۶ | وفات |

(۹)

| | |
|-----|-------------------------------------|
| ۲۶۸ | حضرت شیخ رحمہ کار (حضرت کا کا صاحب) |
| ۲۶۸ | نام و نسب |
| ۲۶۸ | اجداد |
| ۲۷۳ | ولادت |
| ۲۷۳ | تعلیم |
| ۲۷۳ | سیلہ میں قیام |
| ۲۷۳ | اکبر کی عقیدت |
| ۲۷۶ | بیعت |
| ۲۸۱ | عشق الہی |
| ۲۸۲ | استغنا و بے نیازی |
| ۲۸۳ | تواضع و انکسار |
| ۲۸۳ | علم و فضل |
| ۲۸۵ | تذکیر و وعظ |
| ۲۹۰ | حسن اخلاق و سادگی |
| ۲۹۳ | ہمعصر صوفیہ سے ملاقاتیں |
| ۲۹۶ | مرض الموت |
| ۲۹۷ | وصیت |
| ۲۹۷ | نصیحتیں |
| ۲۹۸ | خوشحال خان کی اجازت طلبی |
| ۲۹۹ | وفات |
| ۳۰۰ | تہمیز و تکفین |
| ۳۰۰ | تدفین |
| ۳۰۱ | گنبد |

عنوان

صفحہ

اولاد

| | |
|-----|------------------------------------|
| ۳۰۱ | شیخ ضیاء الدین (شمید بابا) |
| ۳۰۲ | شیخ محمد گل |
| ۳۰۵ | شیخ خلیل گل |
| ۳۰۶ | شیخ عبدالعلیم |
| ۳۰۶ | خلفاء و مریدین |
| ۳۱۲ | خواجہ شمس الدین ہروی |
| ۳۱۲ | خواجہ جمال الدین |
| ۳۱۳ | شیخ اخ الدین |
| ۳۱۴ | غازی خان بابا |
| ۳۱۵ | میاں عبدالرحیم مشہور بہ میاں جی گل |
| ۳۱۵ | شیخ علی گل و ملی گل |
| ۳۱۶ | شیخ محمد حیات |
| ۳۱۷ | جمیل بیگ ، مشہور بہ فقیر صاحب |
| ۳۱۸ | خوشحال خان خٹک |
| ۳۶۰ | فضائل و مناقب |

(۱۰)

| | |
|-----|-------------------------|
| ۳۶۶ | مولانا عبدالکریم ہشاوری |
| ۳۶۶ | حالات |

(۱۱)

| | |
|-----|--------------------------------------|
| ۳۶۸ | حضرت حاجی بہادر (کوھاٹ) |
| ۳۶۸ | نام و نسب |
| ۳۶۹ | حضرت سید آدم ہنوری کی خدمت میں حاضری |

| | |
|-----|---------------------------------|
| ۳۶۹ | بیعت |
| ۳۷۲ | کوہاٹ میں تشریف آوری |
| ۳۷۳ | خدا بینی کا دعویٰ |
| ۳۷۳ | اورنگ زیب کی جانب سے طلبی |
| ۳۷۸ | عطیہ شاہی |
| ۳۷۹ | حضرت شیخ رحمکار سے اخلاص و محبت |
| ۳۷۹ | حقیقت تصوف |
| ۳۸۰ | وفات |
| ۳۸۰ | خلفاء |
| ۳۸۱ | (۱) مولانا نور محمد مدقق |
| ۳۸۱ | (۲) اخوند نعیم کامہ ننگرہاری |
| ۳۸۲ | (۳) شاہ ولی اللہ ننگرہاری |
| ۳۸۲ | (۴) نیک محمد خٹک |

(۱۲)

| | |
|-----|------------------------|
| ۳۸۵ | حاجی محمد اسماعیل غوری |
| ۳۸۵ | حالات |
| ۳۸۵ | ذریعہ معشیت |
| ۳۸۵ | سیاحت |
| ۳۸۵ | اکتساب روحانی |
| ۳۸۵ | کشف و کرامات |
| ۳۸۵ | وفات |
| ۳۸۵ | تاریخ وفات |
| ۳۸۵ | خلفاء |

(۱۳)

| | |
|-----|----------------------|
| ۳۸۶ | مید حسن پشوری |
| ۳۸۶ | نام و نسب |
| ۳۸۷ | پاکستان میں آمد |
| ۳۸۸ | پشاور میں تشریف آوری |
| ۳۸۸ | بیعت |
| ۳۸۸ | زہد و ریاضت |
| ۳۸۹ | ازدواج |
| ۳۹۱ | اخلاق |
| ۳۹۱ | وفات |
| | اولاد |
| ۳۹۱ | شاہ محمد غوث لاہوری |

(۱۴)

| | |
|-----|-----------------------------|
| ۴۱۷ | مخدوم حافظ عبدالغفور |
| ۴۱۷ | حالات |
| ۴۱۸ | بچپن |
| ۴۱۹ | حفظ قرآن سے ذوق |
| ۴۲۰ | میرسید علی ہمدانی کی خانقاہ |
| ۴۲۰ | ایک خواب |
| ۴۲۰ | خلافت |
| ۴۲۰ | ریاضتیں اور مجاہدے |
| ۴۲۰ | عشق الہی |
| ۴۲۰ | استغنا |
| ۴۲۱ | خدمت خلق |

عنوان

صفحہ

وفات

۴۲۱

خلفا

۴۲۱

(۱۵)

عبدالرحمان بابا

۴۲۴

موسیقی سے لگاؤ

۴۲۶

عجب خاں کی ایک روایت

۴۲۷

علماء کا فتویٰ

۴۲۸

رحمان بابا کا دیوان

۴۲۸

رحمان اور خوشحال خاں خٹک

۴۲۹

رحمان بابا کی شاعرانہ عظمت

۴۳۱

اردو شاعری

۴۳۳

دیوان

۴۳۴

وفات

۴۳۴

اولاد

۴۳۴

(۱۶)

شیخ المشائخ حضرت بڑیسی بابا

۴۳۶

نام و نسب

۴۳۶

ولادت

۴۳۸

تعلیم

۴۳۹

بیعت

۴۳۹

سیری کی پیش کش

۴۳۹

انبار میں سکونت

۴۴۰

رشد و ہدایت

۴۴۰

وفات

۴۴۰

صفحہ

عنوان

| | |
|-----|-------|
| ۴۴۰ | اولاد |
| ۴۴۱ | خلفاء |

(۱۷)

| | |
|-----|----------------------------------|
| ۴۴۲ | حضرت یحییٰ صاحب معروف بہ حضرت جی |
| ۴۴۲ | نام و نسب |
| ۴۴۲ | حالات |
| ۴۴۲ | اخلاق |
| ۴۴۳ | عبارت و ریاضت |
| ۴۴۴ | مرشد کی عقیدت |
| ۴۴۴ | رشد و ہدایت |
| ۴۴۴ | وفات |
| ۴۴۴ | اولاد |
| ۴۴۴ | خلفاء |

(۱۸)

| | |
|-----|---------------------------------|
| ۴۴۵ | حضرت میر محمد لقی نوشاہی پشاوری |
| ۴۴۵ | حالات |

(۱۹)

| | |
|-----|---------------|
| ۴۴۸ | میان گلو بابا |
| ۴۴۸ | حالات |
| ۴۴۸ | وفات |

(۲۰)

| | |
|-----|--------------------------|
| ۴۵۰ | حضرت میان محمد عمر چمکنی |
| ۴۵۰ | نام و نسب |
| ۴۵۰ | قادر خان کو جاگیر |

صفحہ

عنوان

| | |
|-----|-----------------------------|
| ۴۵۱ | پشاور کا قحط |
| ۴۵۲ | تعلیم و تربیت |
| ۴۵۳ | بیعت اور خلافت |
| ۴۵۳ | رشد و ہدایت |
| ۴۵۳ | شاہان وقت کی عیقت |
| ۴۵۴ | سیاسی بصیرت |
| ۴۵۴ | درس و تدریس، ریاضت و مجاہدے |
| ۴۵۵ | تصانیف |
| ۴۵۵ | وفات |
| ۴۵۵ | اولاد |
| ۴۵۵ | خلفاء |

(۲۱)

| | |
|-----|----------------------------------|
| ۴۵۷ | حضرت شاہ عبداللہ بہا بانی نوشاہی |
| ۴۵۷ | حالات |
| ۴۵۹ | وفات |

(۲۲)

| | |
|-----|--------------------|
| ۴۶۱ | حضرت شیخ محمد شعیب |
| ۴۶۱ | نام و نسب |
| ۴۶۴ | بیعت |
| ۴۶۵ | رشد و ہدایت |
| ۴۶۵ | مدرسہ |
| ۴۶۵ | اتباع شریعت |
| ۵۶۵ | وفات |
| ۴۶۵ | اولاد |

صفحہ

عنوان

(۲۶)

| | |
|-----|-------------------------------------|
| ۵۴۷ | خواجہ فقیر محمد ملقب بہ خواجہ خضریٰ |
| ۵۴۷ | حالات |
| ۵۴۷ | وفات |
| ۵۴۷ | اولاد |

(۲۷)

| | |
|-----|--------------------------------------|
| ۵۴۹ | محمد افضل بابا عرف حضرت حاجی گل بابا |
| ۵۴۹ | نام و نسب |
| ۵۵۰ | کسب معاش |
| ۵۵۰ | اتباع شریعت |
| ۵۵۰ | وفات |
| ۵۵۰ | اولاد |
| ۵۵۰ | خلفاء |
| ۵۵۰ | حلیہ و لباس |
| ۵۵۰ | |

(۲۸)

| | |
|-----|--------------------------|
| ۵۵۱ | حضرت اخوند صاحب سوات |
| ۵۵۱ | حالات |
| ۵۵۱ | تعلیم |
| ۵۵۱ | سکھوں اور درانیوں سے جنگ |
| ۵۵۱ | شید احمد شہید سے ملاقات |
| ۵۵۲ | وطن کو واپسی |
| ۵۵۲ | میدو میں سکونت |
| ۵۵۳ | ملی نظم |
| ۵۵۳ | |

| | |
|-----|------------------------------------|
| ۵۵۳ | شریعت اسلامیہ کے نام سے پہلی حکومت |
| ۵۵۴ | پہلا دارالسلطنت |
| ۵۵۴ | مید اکبر شاہ کی وفات |
| ۵۵۴ | مید اکبر شاہ کے بعد |
| ۵۵۵ | جنگ امبیلہ |
| ۵۵۵ | اخوند صاحب کے نام ایک خط |
| ۵۵۶ | جہاد میں اخوند صاحب کی شرکت |
| ۵۵۷ | امبیلہ میں تشریف آوری |
| ۵۵۷ | انگریز کمشنر کا مکتوب |
| ۵۵۸ | اخوند صاحب کا جواب |
| ۵۵۹ | صاحب حیات افغانی کا بیان |
| ۵۶۰ | وفات |

(۲۹)

| | |
|-----|--------------------------------------|
| ۵۶۱ | حضرت مید امیر معروف بہ کوٹا ملا صاحب |
| ۵۶۱ | حالات |
| ۵۶۱ | شاہ شجاع کی عقیدت |
| ۵۶۲ | تحریک مجاہدین سے وابستگی |
| ۵۶۳ | عظمت و جلالت |
| ۵۶۳ | اخلاق |

(۳۰)

| | |
|-----|---------------------|
| ۵۷۳ | ہڈے ملا صاحب |
| ۵۷۴ | حالات |
| ۵۷۴ | تعلیم |
| ۵۷۵ | ہڈے میرے تشریف آوری |

| صفحہ | عنوان |
|------|-------|
| ۵۷۸ | بیعت |
| ۵۸۱ | جہاد |
| ۵۸۴ | وفات |
| ۵۸۴ | خلفاء |

(۳۱)

| | |
|-----|---------------------------------------|
| ۵۸۵ | حضرت عبدالوہاب مشہور بہ پر مانکی شریف |
| ۵۸۵ | حالات |
| ۵۸۶ | بیعت و خلافت |
| ۵۸۶ | جنگ امیلہ |
| ۵۸۶ | رشد و ہدایت |
| ۵۸۷ | ریاحی چٹان |
| ۵۸۷ | مانکی شریف میں شریف آوری |
| ۵۸۸ | مانکی شریف کے شیخ |
| ۵۸۸ | قروعی مسائل میں اختلاف |
| ۵۸۹ | مغربی تہذیب سے نفرت |
| ۵۸۹ | سادگی |
| ۵۸۹ | وفات |
| ۵۸۹ | اولاد |
| ۵۹۰ | سجادگی |
| ۵۹۰ | خلفا |
| ۵۹۱ | تصانیف |

(۳۲)

| | |
|-----|-----------------------------|
| ۵۹۲ | حضرت خواجہ عبدالرحیم باغدری |
| ۵۹۲ | حالات |

عنوان

صفحہ

| | |
|-----|-------------|
| ۵۹۲ | بیعت |
| ۵۹۲ | رشد و ہدایت |
| ۵۹۲ | زہد و ریاضت |
| ۵۹۳ | ارشادات |
| ۵۹۳ | خلقا |

(۳۳)

| | |
|-----|---------------|
| ۵۹۶ | ملا صاحب بابۃ |
| ۵۹۶ | حالات |

(۳۴)

| | |
|-----|-----------------------------------|
| ۵۹۷ | حضرت خواجہ عبدالرحمن چھوڑوی |
| ۵۹۷ | نام و نسب |
| ۵۹۸ | اخوند سوات سے ملاقات |
| ۵۹۸ | بیعت و خلافت |
| ۶۰۰ | حج |
| ۶۰۱ | رشد و ہدایت |
| ۶۰۱ | دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ کا قیام |
| ۶۰۱ | سفرا اور مبلغین کا تقرر |
| ۶۰۲ | مساجد کی تعمیر |
| ۶۰۲ | اخلاق |
| ۶۰۳ | وفات |
| ۶۰۵ | مزار |
| ۶۰۵ | اولاد |
| ۶۰۶ | خلقا |
| ۶۰۸ | تصانیف |

(۳۴)

| | |
|-----|-----------------------------|
| | حاجی ترنگ زئی |
| ۶۰۹ | نام و نسب و خاندان |
| ۶۱۴ | ولادت |
| ۶۱۴ | تعلیم |
| ۶۱۵ | جہاد کا ذوق |
| ۶۱۵ | ہڈے سلا صاحب سے ملاقات |
| ۶۱۶ | تجدید بیعت |
| ۶۱۶ | امر بالمعروف ونہی عن المنکر |
| ۶۱۸ | پہلی جنگ عظیم اور ترک وطن |
| ۶۱۸ | سور کمر میں سکونت |
| ۶۱۹ | شب قدر پر حملہ |
| ۶۱۹ | میخی اوغلی میں جہاد |
| ۶۱۹ | دو سازشیں |
| ۶۱۹ | فیصلہ کن جنگ |
| ۶۲۰ | وصال |
| ۶۲۰ | مدفن |
| ۶۲۰ | اولاد |

فهرست توضیحی حواشی

| صفحه | هاشیه مع نمبر |
|-----------|---|
| ۴۸ | خویشگی : (۱) |
| ۵۰ | خواجه مودود چشتی : (۲) |
| ۵۷ | همایون : (۱) |
| ۶۰ - ۵۸ | شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی : (۲) |
| ۶۲ - ۶۱ | شیخ سیلونه : (۱) |
| ۷۰ - ۶۹ | شیر شاه موری : (۱) |
| ۸۹ - ۸۸ | شیخ بهاء الدین زکریا ملتانی : (۱) |
| ۱۰۹ | کانٹری گرام : (۱) |
| ۱۵۱ | خلیفه مودود : (۲) |
| ۱۶۴ | راجا مان سنگھ : (۱) |
| ۱۸۵ - ۱۸۲ | ملا ارزانی : (۲) |
| ۱۹۳ | علی محمد بن ابابکر مصصح حالنامه : (۱) |
| ۱۹۷ - ۱۹۵ | (۱) میرزا خان انصاری : |
| ۲۰۰ - ۱۹۷ | دولت خان لوحانی : (۲) |
| ۲۰۴ - ۲۰۲ | ابوالفضل : (۲) |
| ۲۰۵ | ابراہیم لودھی : (۱) |
| ۲۰۶ - ۲۰۵ | بابر : (۲) |
| ۲۰۷ - ۲۰۶ | گجو خان : (۱) |
| ۲۰۸ - ۲۰۷ | جلال الدین اکبر : |

| | |
|-----------|---|
| ۲۱۰ - ۲۱۳ | شیخ جلال تھانسیری : (۲) |
| ۲۱۳ - ۲۱۶ | شیخ جلال پانی پتی : (۱) |
| ۲۱۶ - ۲۲۰ | شیخ عبدالقدوس گنگوہی : (۲) |
| ۲۲۵ - ۲۲۶ | سلسلہ چشتیہ : (۱) |
| ۲۲۶ - ۲۲۹ | شیخ نظام الدین بلخی (تھانسیری) : (۱) |
| ۲۶۹ | مہرورد : (۱) |
| ۲۴۳ - ۲۴۴ | مولانا جامی : (۲) |
| ۲۴۶ | اولسیہ : (۱) |
| ۲۴۸ | اخوند اساعیل : (۲) |
| ۲۸۳ | شیخ دریا خان چمکنی |
| ۲۹۳ - ۲۹۴ | حضرت شیخ احمد سرحدی (مجدد الف ثانی) |
| ۳۰۹ - ۳۱۰ | سید محمد حسین : (۲) |
| ۳۱۰ - ۳۱۱ | حضرت شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری |
| ۳۱۶ | نواب سعد اللہ خاں : (۲) |
| ۳۱۶ - ۳۱۷ | عہد حکومت شاہجہاں : (۳) |
| ۳۳۹ - ۳۵۱ | نظیر اکبر آبادی : (۱) |
| ۳۵۱ - ۳۵۲ | کیسو داس : (۱) |
| ۳۶۰ | حضرت پایزید بسطامی : (۱) |
| ۳۶۱ - ۳۶۲ | ضیاء الدین نخشبی : (۲) |
| ۳۶۹ - ۳۷۱ | سید آدم بنوری : (۱) |
| ۳۷۳ - ۳۷۴ | اورنگ زیب : (۱) |
| ۳۷۵ - ۳۷۶ | ابوالمغیث حسن حلاج بن محمد البیضاوی : (۱) |
| ۳۷۷ | اخوند شیخ الہ داد : (۱) |
| ۳۸۶ - ۳۸۷ | شیخ عبدالقادر جیلانی : (۱) |
| ۳۸۹ - ۳۹۰ | امیر کبیر سید علی ہمدانی : (۲) |

| | |
|-----------|--|
| ۳۹۳ | میان نور محمد : (۳) |
| ۳۹۳ | شاہ محمد فاضل : (۵) |
| ۳۹۳ | شاہ زندہ فقیر : (۵) |
| ۳۹۴ | اخوند محمد نعیم : (۶) |
| ۳۹۴ | شاہ چراغ پوٹھوہار : (۷) |
| ۳۹۴ | شاہ لطیف : (۱) |
| ۳۹۴ | پیر محمد سچیار : (۲) |
| ۳۹۵ | حاجی گلگو : (۱) |
| ۳۹۵ | شیخ جان محمد دوم سہروردی لاهوری : (۲) |
| ۳۹۵ | شیخ سرور : (۳) |
| ۳۹۶ | میان عصمت اللہ حاجی : (۱) |
| ۳۹۹ - ۳۹۶ | شاہ کلیم اللہ جہان آبادی : (۳) |
| ۴۰۱ - ۳۹۹ | سعید میران بھیک : (۴) |
| ۴۰۳ - ۴۰۱ | میان میر : (۱) |
| ۴۰۶ - ۴۰۳ | حضرت پیر علی ہجویری (داتا گنج بخش) : (۱) |
| ۴۱۶ - ۴۰۷ | حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی : (۱) |
| ۴۱۹ - ۴۱۷ | شیخ سعدی بلخاری : (۱) |
| ۴۳۶ | عبدالرشید ملقب بہ پٹھان : (۱) |
| ۴۳۸ - ۴۳۷ | میر حسن خان (میان حسن خان) : (۱) |
| ۴۴۲ | سلسلہ نقشبندیہ : (۱) |
| ۴۴۵ | شیخ عبدالرحمان (مشہور بہ پاک رحمان نوشاہی) : (۱) |
| ۴۴۲ | شیخ عصمت اللہ نوشاہی : (۱) |
| ۴۵۰ | عہد حکومت شاہجہان : (۱) |
| ۴۵۷ | حضرت شاہ حاجی محمد نوشہ گنج : (۱) |
| ۴۶۱ | حضرت اخوند غازی : |

صفحہ

حاشیہ مع نمبر

| | |
|-----------|-------------------------------------|
| ۴۶۴ - ۴۶۱ | احمد شاہ ابدالی : (۲) |
| ۴۷۸ | مسجد اکبری : (۱) |
| ۴۹۲ - ۴۹۰ | تالپور : (۱) |
| ۵۰۷ | گودڑی شہزادہ : (۱) |
| ۵۳۱ | شاہ عبدالغنی : (۱) |
| ۵۳۱ | شاہ ولی اللہ دہلوی : (۲) |
| ۵۳۴ | شاہ عبدالقادر دہلوی : (۱) |
| ۵۳۵ | شاہ عبدالعزیز دہلوی : (۱) |
| ۵۴۰ - ۵۳۸ | شاہ رفیع الدین (عبدالوہاب) |
| ۵۷۵ | شیخ سید مصطفیٰ محمد : (۱) |
| ۵۸۱ - ۵۷۶ | شیخ فقیر اللہ علوی جلال آبادی : (۱) |
| ۵۸۱ | میان محمد نعیم جلال آبادی : (۲) |
| ۵۸۳ - ۵۸۲ | عمرا خان : (۱) |
| ۵۸۶ | موضع ڈیری کٹی خیل : (۱) |
| ۵۹۹ - ۵۹۸ | شاہ محمد یعقوب : (۱) |
| ۶۰۰ - ۵۹۹ | شاہ شمس الدین سیالوی : (۲) |
| ۶۰۳ - ۶۰۲ | سید مہر علی شاہ گولڑوی : (۲) |
| ۶۱۳ - ۶۰۹ | شاہ عبداللطیف بری : (۱) |
| ۶۱۴ | سلطان شہاب الدین غوری : (۱) |



تعارف

جناب شاہد احمد دہلوی مدیر ماہنامہ ساقی ، کراچی

مشرق کے قدیم علما اور محققین کے بارے میں ہم طرح طرح کی روایات سنتے آئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی ادھیڑ میں ایسے کھوٹے رہتے ہیں کہ انہیں اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ اسی قبیل کے سلف کا نمونہ اگر آجکل دیکھنا ہو تو مولانا قدوسی کو دیکھیے ، یہ جب تک جاگتے رہتے ہیں (سوتے کم ہیں ، دنوں سوتے بھی نہیں) ان پر بھی دھن سوار رہتی ہے کہ کہیں سے صوفیائے کرام کا کوئی قدیم تذکرہ ملے ، کسی مخطوطے کی کوئی نشان دہی کرے۔ دن رات انہیں اسی کی کھوج رہتی ہے۔ انہیں بس یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں صاحب کے پاس کچھ چیزیں ہیں اسے حاصل کرنے کے لیے سرگاڑی اور پاؤں پیا کر دیں گے۔

پتا چلا کہ پشاور میں پشتو زبان میں صوفیائے سرحد کے بارے میں کچھ سرمایہ ہے ، بے قرار ہو گئے۔ بس نہیں چلتا کہ اڑ کر پہنچیں۔ اڑنے کی توفیق نہیں ہے تو پیدل ہی روانہ ہو جائیں۔ دن کا چپن اور رات کا آرام حرام ہو گیا۔ نیند کے ساتھ بھوک بھی اڑ گئی۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح مولانا پشاور پہنچے۔ عربی ، فارسی اور اردو کی سب کتابیں مولانا چاٹ جاتے ہیں، مگر پشتو کا کیا کریں ؟ اپنے ایک کرم فرما مولانا عبدالقادر ڈالرکٹر پشتو اکیڈمی، پشاور اور دوسرے مہربان پیر محمد شارق اسسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ اباسین (پشتو) کے توسط سے اس ہفت خواں کو طے کرتے ہیں ، اور جھولیاں بھر کے خوش خوش واپس آتے ہیں۔ پھر اس خام مواد میں ایسے غرق ہوتے ہیں کہ ۱۸ مہینے تک سر پیر کا بھی انہیں ہوش نہیں رہتا۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

دن کو آٹھ گھنٹے ترقی اردو بورڈ میں لغت کا کام کرتے ہیں۔ یہ بھی بڑی دماغ سوزی اور دیدہ ریزی کا کام ہے۔ شام ہوتے گھر آئے، اور اپنے کام پر جٹ گئے۔ نتیجہ یہ کہ جب ۱۸ مہینے کی محنتِ شاقہ کے بعد سات آٹھ سو صفحے کی کتاب تیار ہوتی ہے، تو مولانا کا نظامِ عصبی بھی جواب دے دیتا ہے۔ ڈاکٹر انہیں مکمل آرام، اچھے علاج اور اچھی غذا کی تاکید کرتا ہے، مگر مولانا کے مالی وسائل اس ’عیش‘ کی اجازت نہیں دیتے۔ دفتر سے جو مشاہرہ ملتا ہے، وہ بس اتنا ہے کہ اپنے اور اپنے لواحقین کے جسم و جان کے رشتے کو قائم رکھ سکیں۔ کتابوں کے پاڑے اس لیے بیلے ہیں کہ مولانا ذوقِ خامہ فرسا کے ستم رسیدہ ہیں، غالباً اس اذیتِ کوشی کے بغیر ان کی تسکین نہیں ہوتی۔ ایک کتاب ختم کر لیتے ہیں تو دوسری کے لیے سرگرداں ہو جاتے ہیں، اور یوں وہ ضخیم جلدیں تیار ہو رہی ہیں جو صوفیائے سندھ، صوفیائے پنجاب، صوفیائے بنگال، شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور صوفیائے سرحد کے روپ میں ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔

ہم انہیں دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ایک اچھا اور ضروری کام سلیقے سے ہو رہا ہے۔ مولانا کی تعریف ہوتی ہے، اور مولانا کی کتابوں کی تعریف ہوتی ہے، مگر ہم میں سے کتنے ایسے ہیں، جو یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مولانا نے ان کی تسوید میں کتنا خون پانی ایک کیا ہے، کتنی بے خواب راتیں گزاری ہیں، کتنا آنکھوں کا نور ان پر نپھاور کیا ہے، دل و دماغ کی کتنی توانائی ان کی بھینٹ چڑھائی ہے۔ اگر مولانا کسی مغربی ملک میں پیدا ہوئے ہوتے، اور اس نوع کا تحقیقی کام کرتے تو کروڑ پتی نہ سہی، لکھ پتی ہوتے۔ یونیورسٹیاں انہیں اعزازی ڈگریاں دیتیں، علمی انجمنیں اپنی رکنیت فخر کے ساتھ پیش کرتیں، اور ان کی آخر عمر کا یہ حصہ راحت و آسودگی میں بسر ہوتا۔ یا یہ حال ہے کہ صحت جواب دے رہی ہے، آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک چڑھی ہوئی ہے، آپ ان کی ظاہری وضع دیکھیں تو سمجھیں کہ شاید کوئی اللہ والا ہے، جی نہیں، اللہ والوں کی تلاش نے انہیں اس

ہڈڑے کو پہنچا دیا ہے ، انہوں نے اپنے آپ کو کھو کر انہیں پایا ہے ،
 لہذا اپنی فروتنی پر قانع ہو گئے ہیں ، کیا مجال کہ جو کوئی حرفِ شکایت
 منہ پر آجائے۔ لبوں پر تبسم ہر وقت رہتا ہے ۔
 اہلِ کمال کی یہ آشفتنہ حالی قوم اور ملک کے ایسے ایسا کلنک کا ٹیکا
 ہے ، جو جلد از جلد دور ہونا چاہیے ۔

شاہد احمد دہلوی

کراچی

۲۴ نومبر ۱۹۶۴



کچھ کتاب کے متعلق

۱۹۶۳ء کی بات ہے کہ میں ”صوفیائے بنگال“ لکھ چکا تھا ، اور اس خیال میں مگن تھا کہ اب کچھ دن آرام لوں گا ، اور چھ ماہ کے بعد پھر کسی موضوع کو اختیار کر کے قلم اٹھاؤں گا ۔ ذہنی طور پر یہ طے کر کے میں نے تمام کتابیں لیٹ کر رکھ دیں ۔ ایک یا دو ہفتے اسی طرح گزرے ، میرا دماغ کتابوں سے خالی تھا ، اور میں لکھنے پڑھنے سے بے نیاز ہو کر اپنے دوستوں کی دنیا میں وقت گزار رہا تھا کہ جون ۱۹۶۳ء کی ایک صبح کو جب میں اپنے دفتر ترقی اردو بورڈ میں بیٹھا ہوا کام کر رہا تھا ، ایک خط میرے نام آیا ۔ اس کا رسم الخط میرے لیے نامانوس تھا ۔ میں نے لفافے ہی سے محسوس کر لیا کہ یہ کسی اجنبی کا خط ہے ۔ میں نے اسے کھولا اور پڑھا ۔ یہ خط عبدالرؤف خان صاحب نوشہروی ، ریڈر شعبہ کیمسٹری پشاور یونیورسٹی کا تھا ، جنہیں میں اس وقت بالکل نہیں جانتا تھا ۔ انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ نے پاکستان کے مختلف علاقوں کے صوفیائے کرام کی تاریخ لکھی ہے ، ہمارا یہ دور اقتادہ علاقہ بھی اس کا مستحق ہے کہ آپ یہاں کے صوفیائے کرام پر قلم اٹھائیں ، اگر آپ اس لیے پشاور کا سفر کریں ، اور اس موضوع پر پشتوا کیڈمی اور اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں جو مخطوطات اور نوادر موجود ہیں ، انہیں دیکھ لیں تو اس موضوع پر بہت عمدہ کام ہو سکے گا ۔ دورانِ قیام پشاور میں آپ میرے ساتھ ہوں گے ، اور مجھ سے اس سلسلے میں جو ممکن مدد ہوگی ، میں اس کے لیے حاضر ہوں ۔

اس خط میں خلوص کی سہک تھی ، اور یہ جس انداز میں لکھا گیا تھا ، اس نے مجھے بے حد متاثر کیا ۔ مجھے اندازہ تھا کہ یہ کتاب کس قدر

محنت لے گی ، اور مواد کی فراہمی میں کس قدر دشواریوں کا سامنا ہوگا ، پھر پشاور کا سفر بھی میرے لیے آسان نہ تھا ۔ ان سب حالات پر غور کر کے میں نے اس کام کے لیے معذرت ہی مناسب سمجھی ، اور لکھا کہ فی الوقت میرے لیے یہ ممکن نہیں ، آئندہ جب حالات اجازت دیں گے تو میں انشاء اللہ آپ کی فرمائش کی تکمیل کروں گا ۔ میں نے یہ رسمی جواب ان کو دے دیا ، اور مطمئن ہو گیا کہ جان چھوٹ گئی ، لیکن وہ کب ماننے والے تھے ۔ ان کے متواتر خط آتے رہے ، ہر خط میں ان کا اصرار بڑھتا گیا ، یہاں تک کہ میرے انکار نے ان کے خلوص کے سامنے سپر ڈال دی ، اور میں نے ان سے وعدہ کر لیا کہ اچھا میں اس کتاب کو شروع کرتا ہوں ۔ میرا یہ خط ان کو ملنا ہی تھا کہ ان کی طرف سے یہ تقاضے شروع ہوئے کہ آپ کب اس کتاب کو لکھنا شروع کر رہے ہیں ۔ اب میرے پاس معذرت کے لیے بھی چارہ کار کیا تھا ، سوائے اس کے کہ ان کے ارشاد کی تعمیل کروں ۔

آخر ۲۵ - جون ۱۹۶۳ ع کی شب میں بسم اللہ کہ کر میں نے ”صوفیائے سرحد“ کا ایک خاکہ مرتب کیا اور اس خاکے کے مطابق کام شروع کر دیا ، لیکن میری راہ کی دشواریوں میں سب سے بڑی دشواری مآخذ کی کتابوں کی کمی تھی ۔ میں حیران تھا کہ میں کس طرح اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں گا کہ پردہ غیب سے اس کتاب کی تکمیل کے سامان شروع ہوئے ۔ میں نے اپنے تمام علمی دوستوں کو خطوط لکھے ، اور ان سے گزارش کی کہ وہ اس سلسلے میں جو کچھ میری مدد کر سکتے ہیں کریں ۔ سب سے پہلے میری اس آواز پر محترمی عبدالرؤف خان صاحب نوشہروی ریڈر شعبہ کیمسٹری پشاور یونیورسٹی نے توجہ دی ، اور پشتو ، فارسی اور اردو کی دس پندرہ کتابیں روانہ کیں ، پھر میرے مکرم مشہور اہل قلم شیخ محمد اکرام صاحب ناظم اعلیٰ اوقاف نے میری اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا ۔ وہ ”صوفیائے بنگال“ میں بھی اپنی علمی معاونت سے مجھے اپنا رہین منت بنا چکے تھے ، اس مرتبہ بھی انھوں نے مجھے اپنے کرم سے محروم نہیں رکھا ، اور تقریباً تیس (۲۳) کتابیں اس سلسلے

تذکرہ صوفیائے مرحومہ

کی روانہ فرمائیں۔ جناب سید حسام الدین راشدی جو میرے عزیز ترین دوست ہیں، اور علمی تعاون کو ہر اہل علم کے لیے خواہ وہ اجنبی ہو یا شناسا اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں، ان کی نوازشوں سے بھلا میں کیسے محروم رہ سکتا تھا۔ راشدی صاحب نے بھی دو تین اہم کتابیں اس موضوع پر عطا کیں۔ کراچی کے نوجوان دانشور محمد ایوب قادری لیکچرار شعبہ اردو، اردو کالج نے بھی اپنی عنایتوں سے نوازا، اور اس موضوع سے متعلق دو تین کتابیں مجھے دیں۔ جناب قاری عباس علی خان صاحب قادری خطیب پشاور نے بھی اپنی زہر تالیف کتاب سیرۃ رحانیہ کا بڑا حصہ مجھے نقل کر کے بھیجا۔ میرے عزیز دوست حضرت سید یوسف بخاری نے بھی پیر روشن کا شجرۂ نسب رسالہ اورینٹل کالج میگزین لاہور سے نقل کر کے مجھے دیا۔ میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ اس شجرے کو میں نے اورینٹل کالج میگزین لاہور کے حوالے سے مجسمہ کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ میں اپنے عزیز دوست زیڈ سٹیج-انصاری پروپرائٹر انصاری اینڈ کمپنی، سول ایجنٹس شیفر کمپنی (برائے پاکستان) کا ممنون ہوں کہ انہوں نے حسب عادت قدیم شیفر کا ایک خوبصورت، مضبوط اور پائیدار قلم عنایت فرمایا۔ میں نے اب تک جتنے تذکرے بھی صوفیائے کرام کے اس سے قبل لکھے ہیں، ہمیشہ ان کے دیے ہوئے شیفر کے لئے قلم سے لکھے ہیں۔ اور ہمیشہ شیفرز کے اس قلم کی روانی کو اپنے ذہن کی روانی سے تیز پایا ہے۔ میں آج اپنے ان تمام دوستوں کا بصمیم قلب شکر گزار ہوں کہ ان حضرت نے اپنے مخلصانہ تعاون سے ان رکاوٹوں کو دور کر دیا، جو میری راہ میں سنگِ گراں بنی ہوئی تھیں۔

اب اشہبِ قلم نے تیزی سے منزلِ مقصود کی راہ اختیار کی۔ میں دنوں کو ان کتابوں کا مطالعہ کرتا، اور راتوں کو اپنے مسودے کے مکمل کرنے میں مشغول رہتا۔ آٹھ ماہ تک شب و روز اس کتاب پر مسلسل کام کرتا رہا، یہاں تک کہ فارسی، عربی اور اردو کی حد تک جب میں مآخذ سے استفادہ کر چکا، تو میری راہ میں بڑی دشواری پشتو کی کتابوں سے استفادے کی تھی۔ میں پشتو زبان نہیں جانتا، اس لیے پشتو کے تمام مآخذ

میرے لیے ایک عقدہ لاینحل بنے ہوئے تھے۔ میں بے حد حیران و سرگردان تھا، اور سوچتا تھا کہ ان کتابوں کے معانی و مطالب تک کس طرح رسائی حاصل کی جائے۔ میں اسی حیرانی و پریشانی میں تھا کہ اتفاقاً ایک دن میری ملاقات مولوی عبدالواحد ایڈیٹر نین زندگی (سندھی) سے ہوئی۔ میں نے اپنی مشکلات ان سے بیان کیں، وہ میری بات سن کر کہنے لگے، مولانا قدوسی! میری نظر میں صرف ایک آدمی ایسا ہے، جس سے تمہاری یہ مشکل حل ہو سکتی ہے، اور وہ ہیں پیر محمد شارق اسسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ اباسین (پشتو)۔ چلو میں تمہیں ان کے پاس لے چلتا ہوں۔ وہ مجھے اباسین کے دفتر لے کر گئے، اور انہوں نے میری ملاقات اس نوجوان سے کرائی، جو مجسمہ اخلاق اور پیکر اخلاص ہے، جس نے مغربی تعلیم، یونیورسٹیوں میں حاصل کی، مگر ذہنی تربیت علما و صوفیہ کی بارگاہ میں پائی۔ اس نوجوان نے نہایت خلوص سے میری بات سنی، اور ہنس کر کہا ”حضرت! آپ تو وہ کام کر رہے ہیں، جو ہمیں کرنا چاہیے تھا، میری تمام خدمات آپ کے لیے حاضر ہیں، آپ وہ سب کتابیں مجھے دیجیے، اور جن جن حصوں کے ترجمے آپ کو مطلوب ہیں، ان پر نشان لگا دیجیے، میں وہ سب ترجمے کر کے آپ کو دوں گا، آپ ذرہ برابر بھی اس کے لیے فکر نہ کیجیے“۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ پیر شارق کے لباس میں قدرت نے میرے لیے ایک فرشتہ رحمت بھیجا ہے۔ دوسرے دن پشتو کی تمام کتابیں نشان ڈال کر میں نے شارق صاحب کے حوالے کیں، وہ راتوں کو میرے نشان زدہ حصوں کا ترجمہ کرتے، اور تقریباً ہر روز مجھے پہنچاتے، کئی ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کتاب کے ضمن میں کہیں بھی کوئی چیز ان کی نظر سے گزری، وہ میرے لیے نقل کر کے لائے، انہوں نے مزید کرم یہ بھی فرمایا کہ مسودہ مکمل ہونے کے بعد اس پر نظر ثانی میں بھی میرا ہاتھ بٹایا، اور مقامات اور اشخاص کے نام جو خالص پشتو میں تھے، ان کے درست کرانے میں شارق صاحب نے میری بڑی مدد کی۔

حقیقت یہ ہے کہ شارق صاحب نے اس کتاب کی تکمیل میں جو اہم

کردار ادا کیا ہے ، اس کے شکرے سے میری زبان اور قلم دونوں قاصر ہیں ۔
اپنی بے غرضی ، خلوص ، قومی جذبے اور علمی لگن کا انہوں نے جو نقش
میرے دل پر قائم کیا ہے ، وہ کبھی مٹ نہیں سکتا ۔ انہیں دیکھ کر دل
سے دعائیں نکلتی ہیں ، اور یہ تمنا دل میں کروٹیں لینے لگتی ہے کہ کاش
ہماری قوم کے تعلیم یافتہ نوجوان اسی مخلصانہ جذبے سے سرشار ہوں ، جو
خدائے تعالیٰ نے اس نوجوان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے ۔

میری بڑی مشکل شارق صاحب نے حل کر دی تھی ۔ کتاب کا
کاروان اپنی منزلیں روان دوان طے کر رہا تھا ، یہاں تک کہ رھوار قلم اس
سفر کی سب سے کڑی منزل پر آکر رک گیا ۔ یہ تاریخ کے مشہور بدنام
ہیرو پر روشن یا پیر تاریخ کی زندگی تھی ، جن کے منہ پر اکثر مؤرخین
نے دو جہاں کی سیاہی مل کر اس قدر تاریخ کر دیا ہے کہ تاریخ کے
دھندلکوں میں اس کے صحیح خد و خال کو پہچاننا ایک تذکرہ نگار کے لیے
بے حد مشکل ہو گیا ہے ۔ مجھے اپنے نگار خانے میں آراستہ کرنے کے لیے
پیر روشن کی صحیح تصویر کی ضرورت تھی ، اور یہ اس وقت تک ممکن نہ
تھا ، جب تک کہ پیر روشن کی کتابیں نہ پڑھی جاتیں ۔ پیر روشن کی
کتابوں میں اب تک صرف ”صراط التوحید“ شائع ہوئی ہے ، باقی ان کی
اکثر کتابیں مخطوطات کی شکل میں پشتو اکیڈمی پشاور اور پنجاب یونیورسٹی
لاہوری میں موجود ہیں ۔ میرے لیے پشاور کا سفر ناگزیر تھا ،
مگر وسائل سفر ناپید ۔ میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اس کے لیے کیا
صورت اختیار کی جائے ۔ اتفاقاً ایک دن رائٹرز گلڈ رین کراچی کی ایک
میشنگ میں جاتے ہوئے ، میں نے برسبیل تذکرہ اس کا ذکر اپنے عزیز
دوستوں حضرت شاہد احمد دہلوی مدیر رسالہ ساقی اور جمیل جالبی سے
کیا ۔ انہوں نے میری بات کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے کہا ، بھیا ! تم اس
سفر کے لیے رائٹرز گلڈ رین کراچی میں درخواست دیدو ، گلڈ اس سفر کے
لیے جو واقعی ایک اہم اور ضروری سفر ہے ، تمہارے لیے ضرور کوئی صورت
نکالے گا ۔ میں رائٹرز گلڈ رین کراچی کا اور ان دونوں دوستوں کا بے حد ممنون و
شکر گزار ہوں کہ گلڈ نے اس سفر کا فوراً ہی میرے لیے انتظام کر دیا ۔

اب میں نے فوراً ہی رختِ سفر پشاور کے لیے باندھا ، یہ مٹی کا گرم اور سخت حابس مہینہ تھا ، گرمی کی شدت کو دیکھ کر سفر کی ہمت نہ بڑھ رہی تھی ، مگر پیر روشن کی کتابوں کا اشتیاق مجھے آخر پشاور کی دور افتادہ وادی میں کھینچ کر لے گیا پشاور کے سٹیشن پر میں نے دیکھا کہ عبدالرؤف خان صاحب نوشہروی میرے لیے سراپا انتظار بنے ہوئے کھڑے ہیں ۔ سلام و ملاقات کے بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ مسافر کا گھر سرائے ہوتا ہے ۔ آپ مجھے کسی متوسط ہوٹل کا پتہ دیں کہ میں وہاں قیام کر کے اپنا کام شروع کروں ، مگر وہ اصرار کر کے مجھے اپنے گھر لے گئے ۔ دورانِ قیام پشاور میں انہوں نے جو مسافر نوازی فرمائی اس کے شکرے سے حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں وہ ایک نہایت ہی سعادتمند نوجوان ہیں ، اور ذوقِ علم سے سرشار ۔ ان کا تمام وقت پڑھنے لکھنے میں صرف ہوتا ہے ۔ انہوں نے اپنی خدمت سے میرے قلب میں اپنے لیے جس جذبہٴ عظمت کو ابھارا ہے ، حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ان کی عظمت کی دلیل ہے ۔ اس کتاب کے محرکِ اول بھی وہی ہیں ، اور اس کا سہرا بھی ان کے سر ہے کہ ان کے پیہم تقاضوں اور شدید مطالبوں سے یہ کتاب اس قدر جلد پایۂ تکمیل کو پہنچی ، ورنہ خدا جانے یہ کب تک معرضِ التوا میں پڑی رہتی ۔

عبدالرؤف خان صاحب ، مجھے سب سے پہلے مولانا عبدالقادر ڈاکٹر پشتو اکیڈمی ، پشاور کے پاس لے کر گئے ۔ مولانا سے مجھے پہلے سے نیاز حاصل تھا ، مولانا بڑے تپاک سے پیش آئے اور پشتو اکیڈمی کی لائبریری کو میرے مطالعے کے لیے وقف کر دیا اور اپنے رقبائے کار کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہر طرح کی سہولت میرے لیے سہیا کریں ۔ پشتو اکیڈمی اور اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں مجھے بہت کچھ ملا ، جس کی مجھے تلاش تھی ۔ پشتو اکیڈمی میں خود مولانا نے اور محترمی ڈاکٹر انوار الحق اور اکیڈمی کے دوسرے رقبائے کار نے جو کچھ تعاون فرمایا ، میں ان تمام بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوش گوار فریضہ سمجھتا ہوں ۔

مولانا عبدالقادر کی شخصیت ایک باغ و بہار شخصیت ہے ، خدا نے ان کو علم و فضل سے بھی نوازا ہے اور شرافت و انسانیت کے جوہر سے بھی سرفراز فرمایا ہے ، میں پشتو اکیڈمی میں جب کام کرتے کرتے تھک جاتا تو تھوڑی دیر کے لیے مولانا کے پاس آ بیٹھتا ۔ مولانا کی گفتگو میں بڑا رس اور بڑی کشش ہے ۔ وہ باتوں ہی باتوں میں میری ہمت افزائی کرتے ، کتاب کے حصوں کو جستہ جستہ سنتے اور اپنے گران قدر مشوروں سے مجھے نوازتے ۔ میں نے دن رات ایک کر کے ان تمام مخطوطوں کے نوٹ لیے جو میری کتاب کے لیے ضروری تھے ۔ 'حال نامہ' جو پشتو اکیڈمی میں فلم کی صورت میں ہے ، جسے میں مائیکروفلم مشین پر پڑھتے پڑھتے عاجز آ چکا تھا ، اس کا آخری حصہ پڑھنے سے باقی رہ گیا تھا ، چونکہ اس کا اصل نسخہ جس سے یہ فلم لیا گیا ہے پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے ، میں نے لاہور آ کر پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے اس بقیہ حصے کے نوٹ لیے اور کراچی واپس آیا ۔

کراچی واپس آنے کے بعد میں نے اس تمام خام مواد کو مرتب کرنا شروع ہی کیا تھا کہ "انسائیکلو پیڈیا مطبوعات فرینکن" لاہور کے سندھ پر ۵۳ مقالوں کا کام بھی میرے سپرد ہوا ۔ اب میرا سارا دن دفتر میں ، راتیں اس کتاب اور ان مقالوں کی تکمیل میں گزرتی تھیں ۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ گذشتہ پانچ ماہ میں میں کبھی رات کو ایک بجے سے پہلے سویا ہوں ۔ اس محنتِ شاقہ نے میرے دل و دماغ کو تھکا دیا ۔ میرے اعصاب کو کمزور کر دیا ، یہاں تک کہ میں شدید بلڈپریشر میں مبتلا ہوا ۔ میرے معالج ڈاکٹر مجھ سے کہتے تھے کہ آپ کا سب سے بڑا علاج یہ ہے کہ آپ لکھنا پڑھنا بند کر کے آرام لیں ، میں ان سے کہتا تھا کہ لکھنا پڑھنا تو میرا سب بڑا نالک ہے ، پھر میں انہیں باہر کا یہ مصرعہ سنانا جسے میں اپنی زندگی میں شمع راہ بنائے ہوئے ہوں ،

ع ۔ ما زندہ از آئیم کہ آرام نگیریم

میں نے اس زمانے میں بھی جب کہ مجھے لکھنے پڑھنے کی سخت ممانعت تھی اور میری بیوی ایک پولیس کے سپاہی کی طرح میری نگرانی کرتی تھی رات

کے پچھلے پہروں میں ، جب کہ سارے گھر والے بے خبر سوتے تھے ، اس کتاب کو لکھا ہے ۔

یہاں تک کہ ۶ نومبر ۱۹۶۴ ع کو ایک سال آٹھ ماہ کے بعد گردشِ قلم نے اپنے منزلِ مقصود کو پایا ۔ اب یہ قارئین کے سامنے ہے ۔ میری یہ محنت کہاں تک اہلِ نظر کے نزدیک حسنِ قبول حاصل کرتی ہے ، اس کا فیصلہ تو وہی کریں گے ، میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں :

اے روحِ عصرِ حاضر و اے سرزمینِ پاک
لایا ہے اک نغمہ سخندانِ ترے لیے
اس نغمۂ عظیم کی اللہ ری وسعتیں
چھوڑا نہیں ہے کوئی گلستانِ ترے لیے

اعجاز الحق قدوسی

۲۳ نومبر ۱۹۶۴ ع

ایک بجے شب

۵ — — — لیاقت آباد ،

۴۵۷

کراچی نمبر ۵

مقدمہ

اب تک افغان قوم کے حسب و نسب کے متعلق جس قدر نظریات قائم کیے جا چکے ہیں ، ان میں سے اکثر نظریاتی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔

غیر پٹھان مستشرقین کی قیاس آرائیاں خاصی حد تک ناقص اور غیر مستند واقعات پر مبنی ہیں ۔

خود پٹھان محققین کا ابھی تک یہی نظریہ رہا ہے کہ یہ قوم یہود کے ان بارہ گم شدہ قبائل کی اولاد ہے جن کو بخت نصر نے بیت المقدس کی بربادی اور قبضے کے بعد وہاں سے جلاوطن کیا تھا ۔

ان قبائل میں سے چند تو غور اور فیروزہ کے کوہستانوں میں اور بعض عرب کے ریگ زاروں میں جا کر آباد ہو گئے ۔ ان کے مورث اعلیٰ کا نام افغانہ تھا ، اسی موروثی نسبت سے یہ قوم افغان کے نام سے مشہور ہوئی ۔

ان محققین میں بعض ایسے بھی ہیں جو افغانوں کے سلسلہ نسب کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاتے ہیں ۔

کہا جاتا ہے کہ آغاز اسلام تک یہ قبائل اپنے آبائی دین ، دین موسوی پر قائم رہے ، اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضہ مشرف باسلام ہوئے تو انہوں نے اپنے عزیزوں کو جو غور میں آباد تھے ، کہلا بھیجا کہ وہ دعوت اسلام قبول کر لیں ۔ غور کے آباد شدہ قبائل نے حضرت خالد بن ولید کے اس پیغام پر تحقیق حال کے لیے ایک وفد قیس نامی رہنما کی سرکردگی میں مدینہ منورہ روانہ کیا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وفد کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ آپ نے وفد کے سربراہ کو عبدالرشید کا خطاب دیا، اور چند روز کے قیام کے بعد اس وفد کے ساتھ چند مبلغین کر کے رخصت کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرشید کے لقب کے علاوہ اس وفد کے سربراہ کو ایک اور لقب ’بطان‘ سے بھی سرفراز فرمایا۔

وطن واپس آنے پر اس وفد نے تبلیغ اسلام کے فرائض پوری سرگرمی سے انجام دیے۔ جس کے نتیجے کے طور پر کچھ عرصے کی جد و جہد کے بعد افغان قوم کے تمام قبائل اسلام میں داخل ہو گئے۔

افغانوں کے مشہور صوفی اور صاحب علم و فضل بزرگ حضرت اخوند درویش نے بھی اپنی کتاب ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ میں افغانوں کے نسب کے سلسلے میں اسی روایت کو ترجیح دی، بلکہ انہوں نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا کہ

”بعثت نبوی کے بعد عرب و عجم سے فرداً فرداً لوگ آپ کی خدمت میں پہنچے، لیکن افغانوں کے سترہ ملک ایک جماعت کی صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔“

”جب یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو حضرت خیر البشر علیہ السلام کو ان کا صدق بہت پسند آیا اور خوش ہو کر اپنا علم مبارک ان کے سپرد کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کفار سے جنگیں ہوتیں تو افغانوں کی عورتیں ان جنگوں میں حاضر ہوتیں، تیروں کو جمع کرتیں اور پانی لاتیں، اور غازیوں تک میدان جنگ میں پہنچاتیں، لیکن حضرت رسالت پناہ صلعم ان کو منع نہیں کرتے تھے... الخ (۱)۔“

افغانوں کے نسب کے سلسلے میں یہ روایت اہل افغان میں جس قدر متواتر ہے، اسی قدر یہ درایت کی کسوٹی پر مجروح ہے۔ کیونکہ ہمیں

تذکرہ صوفیائے سرحد

اس کا پتہ نہ حدیث کی کتابوں میں چلتا ہے اور نہ یہ روایت سیرت کی کتابوں میں کہیں نظر آتی ہے۔ جو وفود مختلف ممالک سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان تمام کا تذکرہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ بہر حال ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایت افغانوں میں کہاں سے آئی اور اس کا ماخذ کیا ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اکثر مؤرخین افغانوں کے نسب کے سلسلے میں اس روایت کو اپنی سند بناتے ہیں اور یہی روایت ان کے نسب کے سلسلے میں سب سے زیادہ قابل ترجیح سمجھی گئی ہے۔

پٹھانوں کے حسب و نسب کے متعلق ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ حضرت طالوت جو قوم یہود کے بادشاہ تھے، ان کے دو بیٹے تھے، ان میں سے ایک کا نام ”افغان“ تھا، اور یہی پٹھان قوم کے مورث اعلیٰ تھے۔

تاریخ میں پہلی بار اس قوم کے لیے لفظ افغان کا استعمال سلطان ابوسعید مرزا (۱۳۱۶ ع) کے زمانے میں ہوا۔

پٹھان قوم کے مشہور مؤرخ نعمت اللہ خان نے پٹھانوں کے سلسلہ نسب کے متعلق اپنی تحقیق و نظریہ کو پیش کرتے ہوئے لکھا کہ ابنِ یامین حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک پوتے کا نام قیس تھا، اسی قیس کے ایک بیٹے کا نام سارول تھا، آئندہ چل کر اپنے بلندیٰ قد و قامت کی وجہ سے طالوت کے لقب سے مشہور ہوا۔ جب طالوت کو بادشاہت ملی تو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے گیارہ بھائیوں نے انتہائی خلوص و وفاداری سے امورِ مملکت میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ اس کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت طالوت کے داماد بھی تھے۔ طالوت کی وفات پر قوم نے حضرت داؤد کو ان کا جانشین مقرر کیا۔ طالوت کی وفات کے چند ماہ بعد ان کی دو بیوہ بیویوں کو خدائے تعالیٰ نے ایک ایک فرزند سے نوازا، ان میں سے ایک کا نام ’برکیا‘ اور دوسرے کا نام ’ارمیا‘ رکھا گیا۔ جب یہ دونوں صاحبزادے سن بلوغ کو پہنچے تو برکیا کو وزیر اعظم اور ارمیا کو سپہ سالار کا عہدہ تفویض کیا گیا۔ ادھر

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات پر ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام سریر آرائے تخت سلطنت ہوئے۔ برکیا اور ارمیا کی وفات کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے خاندانی اعزاز و مراتب کو برقرار رکھا اور ارمیا کے صاحبزادے افغانہ کے سپرد سپہ سالاری کے علاوہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام بھی کیا گیا۔

بیت المقدس افغانہ کی زندگی میں تعمیر ہوا۔ خدائے تعالیٰ نے افغانہ اور آصف کی اولاد میں برکت عطا فرمائی، افغانہ کے چالیس اور آصف کے اٹھارہ لڑکے تھے۔ پھر ان کی طاقت و قوت اتنی بڑھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے وقت ان سے زیادہ طاقتور قبیلہ بنی اسرائیل میں کوئی نہ تھا۔

وقت گزرتا گیا، دن، ماہ و سال میں تبدیل ہوتے رہے، آخر عروج کے دروازے کو فصل خزاں نے آکھٹکھٹایا اور گردشِ دوراں وہ منحوس ساعت بھی ساتھ لائی جب کہ بخت نصر نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس نے ستر ہزار سے زائد یہود کو قتل کرایا اور باقی ماندہ کو جلا وطن کیا۔ اس تباہی و بربادی کے باعث ان میں سے کچھ قبائل ڈر کے مارے کوہستان غور چلے آئے اور کچھ عرب میں جا کر اس خیال سے آباد ہوئے کہ اب حضرت سلیمان کا بنایا ہوا قبلہ تو ہاتھ سے جاتا رہا کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔ بیت اللہ کی محافظت کا جذبہ انہیں نواحِ مکہ مکرمہ میں لے آیا اور وہ مکہ مکرمہ کے اطراف میں آباد ہو گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے ۱۵۰۰ ع سال بعد فاران کی وادیوں میں اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور بعثتِ نبوی کے نو سال بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے غور میں آباد شدہ اپنے نسبی بھائیوں کو ایک قاصد کے ذریعہ سے دعوتِ اسلام دی۔ اس قاصد کے پہنچنے پر غور کے متوطن بنی اسرائیلیوں کا ایک وفد قیس کی سرکردگی میں دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ قیس کا شجرہ طالوت علیہ السلام

سے ۳۷ پشت پر جا کر مل جاتا ہے ۔

ملک عبدالرشید (قیس) کے نکاح میں حضرت خالد بن ولید نے اپنی ایک صاحبزادی بھی دی تھی ۔ ان بی بی کے بطن سے قیس کے تین صاحبزادے تولد ہوئے ۔ (۱) سٹراین ، (۲) بٹن ، (۳) غورغشت ۔ خدائے تعالیٰ نے عبدالرشید (قیس) کے ان تینوں صاحبزادوں کی اولاد میں بڑی برکت عطا فرمائی ، ہر ایک کی نسل سے قبیلے چلے ۔

سٹراین کے دو لڑکے تھے ، شرخبون اور خرشبون ۔ شرخبون کے پانچ بیٹے شیرانی ، ترین ، میانہ ، اوڑمڑ اور بڑیچ تھے ۔

خرشبون کے تین بیٹے ، کند ، زمند اور کانسی تھے ۔ بٹن اور غورغشت کی اولاد سے بھی پٹھانوں کے کئی قبیلے چلے اور یہ سب قبائل اب تک مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد ، قبائلی علاقوں اور افغانستان کے علاوہ پاکستان کے مختلف علاقوں اور برصغیر پاک و ہند کے مختلف خطوں میں آباد ہیں ۔

مختصر یہ ہے کہ پٹھان نسلِ بنی اسرائیل ہیں ، ان کی شکل و شباہت ، وضع و قطع ، زبان کے بعض الفاظ رسوم بنی اسرائیل سے مشابہ ہیں ، بلکہ ان کے پہاڑوں ، وادیوں اور آبادیوں کے نام بھی بنی اسرائیل کے زعماء کے نام سے مشہور ہیں ۔ اس لیے قیاس غالب یہی ہے کہ پٹھان قوم کا نسلی تعلق بنی اسرائیل کے ان بارہ گم شدہ قبائل سے ہے ۔

پٹھانوں کے حسب و نسب کے متعلق خارجی تاثر کی بنا پر ایک نظریہ یہ بھی جنم لے رہا ہے کہ یہ آریہ نسل سے ہیں ۔ اس دعوے کی مدعیان نے اپنے دعوے کے ثبوت میں بعض مستند روایات اور بعض قیاس آرائیوں سے کام لیا ہے ۔ لیکن باوجود ان سب تحقیقات کے جمہور کا عقیدہ یہی ہے کہ پٹھان بنی اسرائیل سے ہیں ۔ اگرچہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ کچھ اور قومیں بھی ان میں مل گئی ہیں ، لیکن ان کی منفرد نسلی حیثیت صدیاں گزرنے پر بھی اسی طرح قائم ہے ۔

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ پٹھانوں کا مسکن غور اور اس کے اطراف و نواح کے علاقے تھے ، اور اسلام پہلی صدی کے نصف اوائل ہی

تذکرہ صوفیائے سرحد

میں یہاں پہنچ چکا تھا ، اور یہ قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان قبائل کے اسلام قبول کرنے کا ایک بڑا شرف یہ بھی ہے کہ ان قبائل کو دعوتِ اسلام دینے والے صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ تاریخِ شاہد ہے کہ صحابہ اور تابعین نے جہاں بھی شجرِ اسلام کی آبیاری کی ہے اس میں کچھ ایسا خلوص ، الہیت اور جذبہٴ ایمانی تھا کہ صدیاں گزرنے پر بھی اس شجر کی سرسبزی و شادابی میں فرق نہیں آیا۔ جن اقوام نے ان بزرگوں کے ہاتھوں اسلام قبول کیا ، وہ پھر کبھی اس سے منحرف نہیں ہوئیں۔ انہیں خوش بخت اور سعادت مند اقوام میں قوم پٹھان بھی ہے۔

یہ انک حقیقت ہے کہ اسلام افغانستان ، فارس ، ، کرمان کے علاوہ بنو امیہ کے عہدِ خلافت تک سندھ تک پھیل چکا تھا۔ سندھ کا رقبہ اس وقت موجودہ مغربی پاکستان بشمول قبائلی علاقہ و کشمیر پر مشتمل تھا ، اور پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے قبل ہی پٹھان قوم کے نواحی علاقے اسلامی حکومت کے زیر اثر آ چکے تھے ، اور وہاں کے باشندوں کی اکثریت نے دینِ حق قبول کر لیا تھا۔

عموماً ملوک و سلاطین نے ملک و مال کے حصول کے لیے تلوار اور قوت کو اپنا ذریعہ بنایا ہے لیکن تحریکِ اسلام کا مقصد بجائے ملک و مال کے تسخیرِ قلوب تھا ، اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے یہ ایک آفاقی جد و جہد تھی۔ وہ ایک ایسا ضابطہٴ حیات لے کر آیا تھا ، جس میں مظلوموں کی حمایت تھی ، اور حکمران طبقے کی نفسیات اسے چھو کر بھی نہ گزری تھیں۔ غازیانِ اسلام ملک و مال کے لیے نہیں بلکہ ایک نظریاتی انقلاب برپا کرنے کی خاطر میدان میں نکلتے تھے۔ وہ جہاں بھی جاتے ان کا مقصد باطلِ ثقافت کو حق آشنا کرنا ہوتا۔ وہ لوگوں کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لانے کی کوشش کرتے ، خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دیتے ، جاہلانہ رسوم اور رواجی بندھنوں سے انسان کو آزاد کر کے اشرف المخلوقات کے بلند ترین منصب پر لانے کی سعی کرتے۔ اسی مقصدِ اعلیٰ نے ہر غازی کو ایک مبلغ بنا دیا تھا ، وہ میدانِ کارزار میں بھی اس رفیع مقصد کو نہ بھولتا تھا ، اور اس مقصد کی شمع کو لیے کر دنیا کے

ظلمت کدوؤں کو منور کرتا ہوا آگے بڑھتا تھا ، لیکن ایک ایسا نازک وقت بھی آیا کہ مرکزی خانہ جنگیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی ترقی کی یہ رفتار سست پڑ گئی ، اور قریب تھا کہ وہ شمع ، جس کو عرب کے غازیوں نے برصغیر پاک و ہند کی وادی سندھ میں روشن کیا تھا ، داخلی اختلافات کی وجہ سے گل ہو جائے کہ اچانک اسے خیر کے راستے سے ایک نئی طاقت ملی ، اور پرچم اسلام اس سر زمین پر سرنگوں ہوئے ہوئے بیچ گیا ۔

اس مرتبہ اس نشاۃ ثانیہ کا مقدمہ العیش پٹھان قوم کے جاں باز سپاہی تھے ، اور اس کا سپہا ان غیور و جہور افغانوں کے سر رہے جن کے رگ و ریشے میں اسلام کچھ اس طرح سرايت کرچکا تھا کہ ان کا ہر فرد جذبہ شوق شہادت میں مست و سرشار تھا ۔

دستور دیرینہ کے مطابق اس مرتبہ بھی غازیان لشکر کے ہمراہ علمائے حق اور صوفیائے کرام کا اشتراک عمل تھا ۔ سلطان محمود نے اگر سرزمین ہند میں بت شکن کا لافانی لقب حاصل کیا تھا تو عین اسی زمانے میں حضرت شیخ علی ہجویری بہ معروف دانا گنج بخش (متوفی ۷۰۷ھ) نے لاہور تشریف لا کر عرفان و ایقان کی وہ شمع روشن کی جس کی ضیاءریوں نے پاک و ہند کے گوشے گوشے کو منور و تاباں بنا دیا ۔ ان کی تعلیمات روشنی کا وہ مینار ہیں کہ صدیاں گزرنے پر آج بھی اہل طریقت کے کاروان انہیں کی روشنی میں آگے بڑھ رہے ہیں ۔ ان کی کتاب ”کشف المحجوب“ کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین معیاری کتابوں میں کیا جاتا ہے ۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی میں تصوف پر سب سے پہلے مغربی پاکستان کے دار الخلافہ لاہور میں حضرت ہجویری نے لکھی ۔ اسی کتاب کے متعلق بعض اہل طریقت کا خیال ہے کہ جس شخص کا پیر نہ ہو اس کے لیے ”کشف المحجوب“ کافی ہے ۔

سلطان محمود کے بعد مسلمانوں کی آمد کا جب سلسلہ قائم ہوا تو پھر خیبر ہی کے راستے سے ان نفوس قدسیہ کی آمد شروع ہوئی جن کے فیضانِ ہدایت کا سرچشمہ کوہستان غور سے نکلتا ہوا مدراس و برما کی سرزمین کو بھی سرسبز و شاداب کر گیا ۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

میں نے ان اوراق میں مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد کے ان مشاہیر صوفیائے کرام کی تاریخ کو قلم بند کیا ہے ، جنہوں نے اس علاقے میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے تھے ، اور جو اپنی زندگیوں کو اخلاقی قدروں کی سرپرستی ، اتباع رسول کریم اور خدمتِ خلق کے لیے وقف کیے ہوئے تھے ۔ جن کی ساری زندگی خلق کی دردمندی میں گزری ، اور جنہوں نے انسانیت کو سرپرست کرنے کی عظیم ترین کوششیں کیں ۔ میرے لیے یہ کام بڑا صبر آزما اور کٹھن تھا ، ایک طرف علمی اور مستند مواد کی کمی ، بلکہ نایابی ، پھر اس کے حصول کے وسائل محدود ، پشتو زبان سے ناواقفیت ۔ یہ سب چیزیں میری راہ میں آڑ بنی ہوئی تھیں ۔ پھر حال میں نے ان تمام مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی ، اور اب میں اس کوشش کو اس کتاب کی صورت میں ”صوفیائے سرحد“ کے نام سے پیش کر رہا ہوں ، جو مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد کی اسلامی ثقافتی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے ۔ میں نے کوشش کی ہے کہ مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد کے مشاہیر صوفیائے کرام میں سے کسی کا تذکرہ اس کتاب میں چھوٹے نہ پائے ۔ اس سلسلے میں خود سرحد کا سفر کرنے کے علاوہ ، وہاں کے مختلف اہل قلم سے بذریعہ خط کتابت اس کتاب کے لیے مواد حاصل کرنے کی استدعا کی گئی ، جن میں سے اکثر نے اشتراکِ عمل کر کے مجھے اپنا رحین منت بنا لیا ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں طریقت کے مشہور چاروں سلسلوں کی مختصر تاریخ بیان کر دوں کہ جو اس وقت پاک و ہند میں رائج ہیں ۔ بارہویں صدی عیسوی میں فلسفہ تصوف نے ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل کی ، اور اسی زمانے میں طریقت کے سلسلوں کی بنیاد پڑی ، لیکن تیرہویں صدی عیسوی میں طریقت کے یہ سلسلے باقاعدہ وجود میں آئے ، اور اسی صدی میں ان کی ترقی و تشکیل ہوئی ۔

پہلا سلسلہ ترکستان میں سلسلہ خواجگان ہوا ، جس کے بانی خواجہ محمد انالیسوی متوفی ۵۶۲ھ (۱۱۶۶ء) تھے ۔ اس سلسلے کو ان کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانی متوفی ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) نے فروغ دیا ، لیکن

اس سلسلے کو جس نے بام ترقی پر پہنچایا ، وہ تیرھویں صدی عیسوی کے مشہور بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند متوفی ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) تھے ۔ یہ سلسلہ آئندہ چل کر سلسلہ نقشبندیہ کے نام سے موسوم ہوا ۔

اس سلسلے کے بعد تاریخی نقطہ نظر سے جو سلسلہ ہمارے سامنے آتا ہے ، وہ سلسلہ قادریہ ہے جس کے سربراہ مشہور شیخ طریقت حضرت شیخ عبدالقادر (متوفی ۱۱۶۶ء) تھے ۔ سلسلہ نقشبندیہ کے بعد اس کا فروغ ہوا ، اور تیرھویں صدی عیسوی میں آپ کے خلفا نے اس سلسلے کی ترویج و ترقی میں اسلامی ممالک کے مختلف خطوں میں کام کیا ۔

سلسلہ قادریہ کے بعد تاریخی اعتبار سے جو سلسلہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ سلسلہ چشتیہ ہے ۔ اگرچہ اس سلسلے کے بانی مہدی حضرت ابواسحاق شاشی (متوفی ۹۳۰ء) تھے لیکن اس سلسلے کی توسیع و اشاعت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری (متوفی ۱۲۳۵ء) کے ہاتھوں عمل میں آئی ۔

سب سے آخر میں ہمیں سلسلہ سہروردیہ ملتا ہے ، جس کے شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۱۲۳۴ء) ہیں ۔ سلسلہ سہروردیہ کے کارواں کو جس بزرگ نے آگے بڑھایا ، وہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلفائے خاص تھے ، جنہوں نے اس سلسلے کو تیرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں انتہائی عروج پر پہنچا دیا ۔

پاک و ہند میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی بدولت سب سے پہلے سلسلہ چشتیہ آیا ، پھر یہاں سلسلہ سہروردیہ نے فروغ پایا ۔ اس کے بعد پندرھویں صدی عیسوی میں یہاں سلسلہ قادریہ و شطاریہ کی داغ بیل پڑی ، آخر میں اکبری عہد حکومت میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے پاک و ہند میں سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت کی ۔

یہ ہے مختصر سے طریقے پر پاک و ہند میں مشہور روحانی سلاسل کی آمد کی تاریخ ۔ لیکن یہ سوال خود بخود ذہن میں ابھرتا ہے کہ اس خطے میں کہ جس سے اس کتاب کا تعلق ہے ، طریقت کا سب سے پہلے کون سا سلسلہ آیا تھا ؟ ، لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش

تذکرہ صوفیائے سرحد

و جستجو کے ہمیں کوئی ایسی مستند روایت نہیں مل سکی کہ جس سے ہم یقینی طور پر بتا سکتے کہ مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد میں سب سے پہلے کون سا سلسلہ آیا ، اور یہاں کا پہلا صوفی کون تھا جس نے اپنی ضیاباریوں سے اس علاقے کو منور و تاباں بنایا ۔ لیکن قیاس چاہتا ہے کہ سلاسلِ اربعہ میں سے سب پہلے سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں نے اس سر زمین کو اپنے قدمِ میحنت لزوم سے مفتخر فرمایا ہوگا ، کیونکہ پٹھان قوم کے قدیم قبیلے بڑیچ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس قبیلے کے دو بزرگ شیخ ثابت و شیخ الیاس حضرت مودود چشت کے خلفاء میں سے تھے ۔ اس کے علاوہ شیخ کبار بھی ، جن کا تذکرہ سب سے پہلے اس کتاب کی زیب و زینت ہے ، چشتی تھے ، اور انہوں نے بھی خرقہ خلافت حضرت مودود چشت سے حاصل کیا تھا ۔ ہمارا خیال ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے بعد شاہ ہمدانی کی وساطت سے پہلے نقشبندیہ اور پھر قادریہ سلسلہ یہاں پھیلا ہوگا ۔ سلسلہ سہروردیہ کے نقوش اس علاقے میں بہت کم ملتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ اس علاقے میں کم ہیں ۔ عجیب بات یہ ہے کہ صوفیائے سرحد کی مستند تاریخی کڑی جس دور سے شروع ہوتی ہے اس وقت سے اصفیائے سرحد کے بعض عظیم رہنما فروعی مسائل اور نظریاتی مصاف میں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا نظر آتے ہیں ۔ تاریخِ صوفیائے سرحد کے ان حصوں کو خالص تاریخ کی روشنی میں بغیر کسی جانبداری کے میں نے پیش کر دیا ہے ۔

حضرت اخوند درویش اور پیر روشن کے معرکہ آرا مباحث کا معلوماتی پہلو ابھی تک تشنہ تھا ، میں نے جہاں تک میری دسترس تھی ، مستند مآخذ سے صحیح حالات کو پیش کرنے کی سعی کی ہے ۔

میں نے اس کتاب کو حروفِ تہجی کے اعتبار سے نہیں بلکہ ہر بزرگ کے سنہ وفات کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے ، اور یہی طریقہ مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے ۔

آخر میں یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان تمام کاوشوں اور محنتوں کے باوجود جو میں نے اس کتاب کے لکھنے میں برداشت کی ہیں

تذکرہ صوفیائے سرحد

۷۴

اور جن کا تذکرہ میں "کچھ کتاب کے متعلق" کے تحت ابتدائی اوراق میں کر آیا ہوں، میں اپنی اس کتاب کو حرفِ آخر نہیں بلکہ نقشِ اول سمجھتا ہوں۔ مجھ سے جو ممکن ہوا میں نے نردیا، میری دلی تمنا ہے کہ کش قوم کا کوئی نوجوان اس ثقافتی اور روحانی تاریخ کو آگے بڑھائے اور وہ بنیاد جو میں نے رکھی ہے، اس کو کمال تک پہنچائے کہ یہ ابتدا ہے، انتہا نہیں ہے۔

گیاں مہر کہ بیاباں رسید کارِ مغان
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

اعجاز الحق قدوسی

۲۵ نومبر ۱۹۶۴ء

قدوسی منزل،

۳/۵۵، لیاقت آباد،

کراچی - ۱۹

the first of these is the fact that the
 second of these is the fact that the
 third of these is the fact that the
 fourth of these is the fact that the
 fifth of these is the fact that the

the first of these is the fact that the
 second of these is the fact that the
 third of these is the fact that the
 fourth of these is the fact that the
 fifth of these is the fact that the

the first of these is the fact that the
 second of these is the fact that the
 third of these is the fact that the
 fourth of these is the fact that the
 fifth of these is the fact that the

the first of these is the fact that the
 second of these is the fact that the
 third of these is the fact that the
 fourth of these is the fact that the
 fifth of these is the fact that the

the first of these is the fact that the
 second of these is the fact that the
 third of these is the fact that the
 fourth of these is the fact that the
 fifth of these is the fact that the

the first of these is the fact that the
 second of these is the fact that the
 third of these is the fact that the
 fourth of these is the fact that the
 fifth of these is the fact that the

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

(۱)

پیر کبار

نام و نسب :

پیر کبار کا اصل نام دتو تھا ، لیکن وہ اپنی عظمت و بزرگی کے لحاظ سے پیر کبار کے نام سے اس طرح مشہور ہوئے کہ لوگ ان کا اصل نام بھول گئے ۔ وہ قوم افغان سے تھے ۔ قوم شورپانی و خویشگی (۱) کے وہ لوگ جو فقرائے اہل چشت سے تعلق رکھتے ہیں ، انہیں کی اولاد سے ہیں ۔ پیر کبار کے والد کا نام شورہ بن خویشگی ہے ۔ شورہ کے تین صاحبزادے

۱ ۔ خویشگی ، قیس عبدالرشید کے بیٹے خرشبون (خیر الدین) کے بیٹے زمند کی اولاد سے بیان کیے جاتے ہیں ۔ ان کی زیادہ تر آبادی تحصیل نوشہرہ میں ہے ، اور کچھ خاندان یوسف زئیوں کے ساتھ بھی مقیم ہیں اور اسی قبیلے کے نام پر تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں دریائے کابل کے اس پار ایک بڑا قصبہ بنام خویشگی آباد ہے ، جس کے متعلق کئی ضرب الامثال بھی مشہور ہیں ۔ (یوسف زے پٹھان - ص ۵۳۲)

تھے ، ایک پیر کبار ، دوسرے حسین خویشگی ، تیسرے خلف خویشگی ۔
ان تینوں صاحبزادوں میں پیر کبار اپنی عمر اور مرتبے کے لحاظ سے افضل
تین تھے ۔
تلاش مرشد

جب ان میں جذبہ شوق الہی بیدار ہوا تو وہ ایک طویل عرصے
تک شیخ کامل کی تلاش میں سرگرداں رہے ۔ جس شیخ کی خدمت میں
پہنچتے اور ان کی زیارت سے مشرف ہوتے ، ان کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا ۔
اسی تلاش و جستجو میں وہ حضرت قطب الدین خواجہ مودود چشتی (۱) کی
زیارت سے مشرف ہوئے ۔ حضرت مودود چشتی نے ان کو اپنے پاس رکھا ،
اور باورچی خانے کے لیے پانی لانے کی خدمت ان کے سپرد کی ۔ چالیس سال
تک اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر اس خدمت کو بخا لاتے رہے ، یہاں تک
کہ جب حضرت خواجہ مودود چشتی کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں

۱۔ خواجہ مودود چشتی کا لقب قطب الدین ہے ۔ انہوں نے سات سال
کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور علوم ظاہری کے حصول
میں مشغول ہو گئے ۔ ۲۶ سال کی عمر تھی کہ والد ماجد کا
سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا ۔ چونکہ آپ اوصاف حمیدہ سے
متصف اور بلندی سیرت و کردار میں مشہور تھے ، اس علاقے
کے لوگ آپ سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے ۔ آپ
نے ابتدائی روحانی تربیت شیخ الاسلام احمد الناقی سے حاصل
کی تھی ۔ جب شیخ الاسلام احمد جام ہرات پہنچے ، اور آپ
نے ان سے اپنی تربیت اور خلوص کے متعلق درخواست کی تو
حضرت احمد جام نے ان کو اپنی آغوش میں بٹھا کر تین بار
فرمایا بشرط علم ۔ پھر تین روز تک آپ شیخ الاسلام احمد جام
کی خدمت میں رہے ۔ اس کے بعد آپ تحصیل علوم و تکمیل
معارف کے لیے بلخ و بخارا تشریف لے گئے ، اور تقریباً چار سال
تک حصول علم و تکمیل معارف میں کوشش کرتے رہے ۔
خواجہ مودود چشتی نے ۵۹۷ھ (۱۲۰۰ء) میں وفات پائی ۔
(ماخوذ از نفعات الانس - ص ۲۹۹ - ۳۰۰)

نے پیر کبار کو بلا کر خلعت اور خرقہ خاص سے سرفراز فرمایا ، اور اپنے وطن واپس جانے کا حکم دیا ، لیکن وہ اپنے پیر کی وفات کے بعد شدتِ محبت کی بنا پر وہیں مقیم رہے اور اپنے پیر کے مزارِ گوہر بار کی جاروب کشی کرتے رہے ۔ دوسری مرتبہ پھر پیر نے عالمِ رویا میں ارشاد فرمایا اور تاکید کی کہ وہ اپنے وطن واپس جائیں ۔

وطن کی واپسی :

اپنے پیر کے مکرر ارشاد پر اپنے وطن کوہستان پشاور میں واپس لوٹے ۔ کوہستان کے لوگ ان سے کرامت کے طالب ہوئے ، چنانچہ ان سے بعض کرامات کے صدور کو دیکھ کر عام طور پر کوہستانی لوگ ان کے مرید و معتقد ہو گئے ، خصوصاً قبیلہ خویشگی تو بالکل ان کا مرید ہو گیا ۔
رشد و ہدایت :

پیر کبار نے اس علاقے میں شمعِ رشد و ہدایت کو روشن کیا ، اور بہت سے طالبانِ حق نے ان سے ہدایت کی راہ پائی ۔
وفات

پیر کبار ۵۵۰ھ (۱۱۵۵ء) میں واصل الی اللہ ہوئے ۔ متقی غلام سرور لاہوری نے ذیل کے قطعے میں ان کی تاریخِ وفات قلم بند کی :

از جہاں چوں شیخِ دتو شیخِ دیں
رفت در دربارِ جنت یافت بار
متقی آمد وصالِ پاک او
۵۵۰ھ

ہم ولی دو جہاں پیر کبار
۵۵۰ھ

خلفاء :

پیر کبار کے خلفاء میں جس بزرگ نے شہرت و عظمت حاصل کی وہ شیخ بتک ہیں ۔ صاحب ”حزینۃ الاصفیاء“ ان کے فضائل و مناقب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

از اکمل مریدانِ وے شیخ بتک بود کہ صاحب
کشف و کرامت و ولایت و ہدایت و ارشاد شد ۔

پیر بتک کے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ وہ خویشگی کے صاحبزادے ، اور پیر کبار کے بھائی کے لڑکے تھے ، اور بعض کہتے ہیں کہ بتک خواجہ بودود چشتی کے نواسے تھے ، اور ان کے والد کا نام خواجہ عمر تھا ، پیر کبار نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ تا قیامت ان کی اولاد اور مرید معرفت سے خالی نہ ہوں ۔



(۲)

شیخ آدم ملی

حالات :

شیخ آدم بن ملی قبیلہ دلازاک (۱) میں سے تھے۔ ان کے تورع اور زہد کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویش نے لکھا ہے کہ وہ اس قدر زاہد اور متورع تھے کہ ایک روز ایک شخص ایک چڑیا شکار کر کے آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ چڑیا کہاں سے شکار کی ہے۔ اس شخص نے اس جگہ کا پتہ بتایا۔ آپ نے اس کے کھانے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ، وہاں کے لوگ، رھڑی اور حرام خوری میں مشہور ہیں، شاید اس چڑیا نے آق کے دانوں میں سے کوئی دانہ کھایا ہو۔

ایک کارنامہ :

شیخ آدم ملی کا سب سے بڑا کارنامہ وہ انتظام اراضی بند و بست ہے جو انہوں نے ایک کتاب کی صورت میں دفتر کے نام سے مرتب کیا تھا، اور اس کے مطابق قبائل یوسف زئی، مندثر، اور ان کے معاون قبائل نے سابقہ گندھارا یعنی موجودہ وادی پشاور بشمول ریاستہائے صوبہ سرحد

۱۔ اگرچہ حضرت اخوند درویش نے شیخ آدم بن ملی کو قبیلہ دلازاک سے لکھا ہے، لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں شیخ آدم قبیلہ یوسف زئی کے مشاہیر میں سے تھے، اور یوسف زئیوں کے مشہور ملک، ملک احمد خاں کے ہم عصر اور ان کے رفقا میں سے تھے۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

کی زمینوں کی تقسیم کی تھی۔ اس کی رو سے قبائل میں اراضی کی تقسیم بذریعہ قرعہ اندازی ہوتی تھی۔ تقسیم کے بعد ہر خیل کو دستور کی مقرر کردہ مدت کے مطابق اس علاقے کی اراضی پر رہنا پڑتا تھا۔ یہ مدت بارہ سال کی تھی۔ اس مدت کے گزرنے پر دوبارہ قرعہ اندازی ہوتی تھی، پھر جو اراضی جس قبیلے کے نام لکھتی تھی، وہ قبیلہ اس اراضی پر مستقل ہو جاتا تھا۔ شیخ آدم ملی کے مرتب کردہ نظام میں زمین قومی ملکیت تھی، اور اس کا قابض مقرر کردہ مدت کے مطابق اس کی پیداوار کا مالک ہوتا تھا۔

انگریزی حکومت کے قیام تک مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد میں شیخ آدم ملی کے مرتب کردہ دستور کے مطابق عمل ہوتا رہا اور آج بھی سابق صوبہ سرحد کے کوہستانی علاقے کے بعض قبائل مثلاً حسن زئی، اکاڑی، نصرت خیل اور چغہ زئی وغیرہ میں شیخ ملی کے مرتب کردہ دستور کے مطابق عمل ہوتا ہے اور ان قبائل کے بہت سے معاملات اسی دستور کے مطابق طے ہوتے ہیں۔ پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خان خٹک نے اپنے ایک شعر میں شیخ ملی کے اس دستور کو سراہتے ہوئے کہا ہے:

”سوات میں دو چیزیں جلی یا خفی موجود ہیں

ایک درویشا کا مخزن، اور دوسرا شیخ ملی کا دفتر“۔

مدفن

شیخ آدم بن ملی کا مزار پر انوار ہشت نگر میں واقع ہے (۱)۔

۱۔ شیخ آدم بن ملی کے یہ حالات تذکرۃ الابرار والاشرا ص ۱۶۰ سے ماخوذ ہیں۔



(۳)

حضرت سید علی غواص مشہور بہ پیر بابا

نام و نسب :

مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد کے صوفیائے کرام میں جن بزرگوں نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی ان میں حضرت سید علی غواص اور ان کے مرید حضرت اخوند درویشا کا اسم گرامی سب سے زیادہ جلی نظر آتا ہے۔

آپ کے حالات زندگی میں ہمیں آپ کے مرید و خلیفہ حضرت اخوند درویشا کی کتاب ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کتاب میں اخوند درویشا نے آپ کے حالات زندگی ”تذکرہ اول“ کے عنوان سے ایک جگہ تحریر کر دیے ہیں، جو انھوں نے خود اپنے پیر کی زبانی سنے تھے۔

اخوند درویشا کی اپنے پیر کے ذریعہ سے روایت ہے کہ ان کے پیر حضرت سید علی غواص نے ان سے بیان کیا کہ میرے والد کا اسم گرامی فخر علی تھا۔ چونکہ وہ شاہان وقت سے مناسبت رکھتے تھے، اس لیے وہ اپنی مناسبت طبعی کے اعتبار سے دنیاوی منصب و جاہ کے بلند مراتب پر پہنچے۔ اسی لیے ان کو امیر نظر بہادر بھی کہا جاتا تھا۔ وہ نسباً سادات ترمذ سے تھے اور وطن کے اعتبار سے قندس کے رہنے والے تھے۔ میرے والد نے اپنے والد کے آبا و اجداد کا طریقہ زہد و ریاضت چھوڑ کر دنیا کے مناصب و مراتب کی طرف توجہ کی اور اس میں بڑا نام پیدا کیا، لیکن میرے دادا حضرت امام المسلمین سید الدنیا والدین سید احمد یوسف اپنے آبا و اجداد کے پسندیدہ طریقے پر سلسلہ کبرویہ کے سجادے پر بیٹھ کر اپنے وطن قندس و بدخشان میں مصروف رشد و ہدایت رہے۔ دنیا کے حالات کی طرف

تذکرہ صوفیائے سرحد

ان کی کوئی توجہ نہ تھی۔ میرے دادا مجھ پر خاص شفقت فرماتے تھے۔ ایک عجیب تر بات یہ ہے کہ میں اپنے ظاہرہ حالات کی وجہ سے اپنے خاندان میں ناقابل التفات سمجھا جاتا تھا۔ ایک روز ہمارے گھر میں میرے بھائی بہنوں کی پسندیدگی کا تذکرہ چلا۔ مجھے سب لوگ دیوانہ کہتے تھے، اس لیے مجھے کسی نے پسند نہ کیا۔ میرے دادا نے فرمایا کہ میں اس دیوانے کو پسند کرتا ہوں، تمہیں اس سے کچھ سروکار نہیں (۱)۔

سلسلہ نسب :

حضرت اخوند درویشا نے اپنی کتاب ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ میں حضرت سید علی کا سلسلہ نسب حسب ذیل طریقے پر درج کیا ہے :

”سید علی بن قنبر علی، بن سید احمد تور بن سید یوسف تور، بن سید محمد نور بخش ترمذی بن سید احمد بیغم بن سید براق بن سید احمد بشتاق، بن سید شاہ ابوتراب بن سید حامد بن سید محمود بن سید اسحاق بن سید عثمان بن سید جعفر بن سید عمر بن سید محمد بن سید حسام بن شاہ ناصر خسرو بن سید امیر علی بن سید عبدالرحیم بن سید محمود مکی، بن سید محمد مہدی بن حسن عسکری بن سید علی نقی بن سید محمد نقی بن سید امام موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین علی اصغر رحمہم اللہ اجمعین بن امام حسین شہید کربلا بن بی بی فاطمہ زہرا (منکوحہ مطہرہ علی مرتضیٰ رضا) بنت سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (۲)۔“

تعلیم و تربیت :

چنانچہ میں اپنے دادا کی خدمت میں رہنے لگا اور میں نے ابتدائی تعلیم و تربیت ان ہی سے حاصل کی، یہاں تک کہ شرح ”ملا جامی“ بھی انہیں سے پڑھی۔ میرے قلب میں ابتداً زہد و ریاضت کا چراغ بھی میرے

۱۔ ”تذکرۃ الابرار والاشرار“۔ صفحہ ۱۳۴

۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۴ - ۱۳۵

دادا کی توجہ ہی سے روشن ہو ۔

سلسلہ کبرویہ میں اجازت :

یہاں تک کہ جب میرے دادا کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ میرے بیٹے جو کچھ بھی تم کو قرآن میں سے یاد ہو پڑھو ، میں نے سورۃ تبارک الذی پڑھی ، فرمایا کہ پھر پڑھو ، میں نے پھر سے یہی سورۃ پڑھی ، فرمایا کہ میرے بیٹے ! ہر وہ برکت و نعمت جو مجھے حاصل تھی ، ان میں سے بعض میں نے اپنے آبا و اجداد سے حاصل کی تھی اور بعض نعمتیں مجھے سلسلہ کبرویہ سے حاصل ہوئی تھیں ، وہ سب میں نے تم کو بخشیں ۔

دادا کی وفات :

اپنے دادا کی وفات کے بعد میں بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ۔ میری یہ حالت تھی کہ نہ مجھے اہل دنیا کے ساتھ قرار تھا اور نہ ان سے کوئی مفر تھی ، نہ مجھے لذائذِ دنیوی سے فرحت حاصل ہوتی تھی اور نہ میں وظائف کے لطائف پر یکسوئی حاصل کر کے کامیاب ہو سکتا تھا ۔

ہمایوں کے دربار میں :

یہاں تک کہ سلطان ارجمند ہمایوں بادشاہ (۱) نے ہندوستان کی طرف توجہ کی ۔ میرے والد بزرگوار مجھ کو تبرکات کے ساتھ ہمایوں کے دربار

۱ - بابر کی وفات کے بعد ۹۳۵ھ (۱۵۳۰ع) میں اس کا بیٹا ہمایوں تخت

نشین ہوا ، لیکن محرم ۹۳۷ھ (۱۵۳۰ع) میں شیر شاہ سوری کے

مقابلے میں اس کے پاؤں ایسے اکھڑے کہ اس نے لاہور آ کر

دم لیا ، مگر یہاں بھی باہمی نفاق کی بدولت شیر شاہ سے

مقابلے کی تیاری نہ کر سکا ، میرزا حیدر نے ہمایوں کو کشمیر

چلنے کی رائے دی ، مگر وہ جنوبی سندھ روانہ ہو گیا تاکہ

مرزا شاہ حسن ارغون حاکم سندھ سے مدد حاصل کرے ،

لیکن وہ اپنے شہر میں مغلوں کے داخلے تک کا روادار نہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں لے گئے۔ کبھی کبھی وہ مجھ کو درباری لباس پہناتے اور ہاپیوں کے دربار میں لے جاتے، لیکن منشاۓ خداوندی یہ تھا کہ مجھ کو دنیا اور اہل دنیا سے متفر رکھے۔ میں وہ شاہی آداب بجا نہیں لاتا تھا جو لشکریوں کے مناسب حال ہوتے ہیں اور دربار شاہی سے لوٹ کر اس درباری لباس کو اتار پھینکتا اور اس دور کے علما و صالحا کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیلِ علم میں مشغول ہو جاتا تھا۔

پانی پت میں تشریف آوری :

الغرض ایک مدت کے بعد میں حصولِ علم اور طلبِ روحانیت کے لیے پانی پت آیا اور پابراہنہ حضرت سلطان العارفين، امام المومنین شیخ الاسلام والمسلمین، شیخ شرف الدنیا والدین، شیخ شرف الدین پانی پتی (۲) کے مزار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷ سے آگے)

ہوا۔ مارواڑ کے راجا نے جان نثاری کے وعدے اور منت کے بلاوے بھیجے تھے، لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں۔ پھر وہ دوبارہ سندھ آیا اور ملک کو چھوڑ کر سیستان کے راستے شاہ ایران کی پناہ لی۔ وہاں صفویوں کی شاہانہ مہمانی اور مذہبی بدگانی کے تماشے دیکھے۔ آخر دو سال کی کوشش و کوش سے دس ہزار ایرانی قزلباش ساتھ لے کر کئی مہینے کے محاصرے کے بعد پہلے قندھار اور پھر کابل و بدخشاں کو فتح کیا۔ جب سوری خاندان کا شیرازہ بکھرا تو چودہ برس بعد پھر وہ ۹۶۲ھ (۱۵۵۴ع) میں ہندوستان آیا، متذکرہ متن واقعہ اسی زمانے کا ہے۔ ہاپیوں نے ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ع) کو دہلی میں زینے سے گر کر وفات پائی۔ اس کی تاریخ وفات ”ہاپیوں بادشاہ از بام افتاد“ سے نکلتی ہے (ماخوذ از تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد اول (صفحہ ۳۹۸-۳۹۹)۔

۲۔ شیخ شرف الدین کا نام شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا۔ آپ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مبارک پر حاضر ہوا۔ شیخ کے یمن و برکت کی وجہ سے میرے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوئی اور میں آپ کے مقبرے سے نکل کر کسی نامعلوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸ سے آگے)

کے والد کا نام سالار فخرالدین اور والدہ کا نام بی بی حافظہ جال تھا جو سید نعمت اللہ ہمدانی کرماتی کی ہمیشہ تھیں۔

(سیر الاقطاب صفحہ ۱۹۰)

شیخ بوعلی قلندر کا آبائی سلسلہ نسب یہ ہے :

شیخ شرف الدین بو علی قلندر بن سالار فخرالدین ، بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمان بن عبدالرحیم بن واک بن امام اعظم ابوحنیفہ۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۹۰)

حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی ولادت ۵۶۰ھ (۱۲۰۸ع) میں پانی پت میں ہوئی۔ آپ نے بہت ہی اوائل عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے قریب درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس دور کے جلیل القدر علما اور اکابر ان کے علم و فضل کے معترف تھے ، لیکن جب تصوف کی راہ میں قدم رکھا تو آپ پر جذب و سکر کی کیفیت غالب آئی۔ اسی عالم جذب و سرمستی میں تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی ، پھر پانی پت کے موضع ”بڈھا کھیڑہ“ میں مقیم ہو گئے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے آپ کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا مرید لکھا ہے ، صاحب اخبار الاخیار نے لکھا ہے کہ

”بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی عقیدت داشت و بعضے گویند شیخ نظام الدین اولیا و هیچ یکے ازیں دو نقل بصحت نرسد۔“

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

تذکرہ مولیٰ نے سرحد

الاسم مقام پر پہنچا اوز و ہاں حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ ایک زمانے کے بعد میرے گھر والوں کو خبر ملی۔ وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے حضرت شیخ کے مقبرے تک آئے اور مجھے انہوں نے وہاں نہ پا کر یہ سمجھا کہ میں چونکہ دنیا کے جاہ و منصب سے متفرّ اور حق طلبی کی طرف مائل تھا، اس لیے بھاگ گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹ سے آگے)

سلطان جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی آپ سے بیحد عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۳ رمضان ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ع) کو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر واصل اللہ ہوئے۔ پانی پت میں آپ کا مزار پُر انوار مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت بو علی قلندر کی تصانیف میں (۱) ”مکتوبات بنام اختیار الدین“ (۲) ”حکم نامہ شرف الدین“۔ (۳) ”مشوی کنز الاسرار“۔ (۴) ”رسالہ عشقیہ“ مشہور ہیں۔ آپ کے مکتوبات کے بارے میں صاحب اخبار الاخبار نے تحریر فرمایا ہے کہ :

او را مکتوبات است بزبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا و طلب آخرت و طلب مولیٰ، جملہ آن بنام اختیار الدین می گوید۔

(اخبار الاخبار صفحہ ۱۲۱)

انہیں مکتوبات کے بارے میں صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں کہ :

مکتوباتِ وے کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است، کتنا ہے جامع علم توحید۔

(خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۲۷)



والد سے ملاقات :

آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد انہوں نے مجھ کو ایک زاویے میں پایا۔ میں نے اپنے والد کا استقبال کیا اور ان کے پاؤں میں گر کر ان سے اجازت چاہی کہ میں طلب حق کے لیے باہر چلا جاؤں۔ میرے والد نے مجھے روکنے کے لیے بہت سی نصیحتیں کیں، لیکن مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ مجبوراً وہ راضی ہو گئے اور مجھے کچھ نقدی دے کر فرمایا کہ یہ تمہارے سفر کا توشہ ہے۔ میں نے والد سے عرض کیا کہ ابا جان! اسے رہنے ہی دیجیے اور مجھے اس قید سے آزاد کیجیے۔ جب میں طلب حق میں جا رہا ہوں تو اپنی روزی بھی حق تعالیٰ ہی سے طلب کروں گا، اگر مجھے اس روپے پر اعتماد ہوتا تو میں اس سے کیوں بھاگتا۔

شیخ سیلونہ کی خدمت میں حاضری :

آخر میں اپنے والد سے اجازت لے کر روانہ ہوا اور پرگنہ مانک پور پہنچا اور مخدوم زمان، کہف الامان، ماحی البدعة و طریقہ ہوا، محی السنن و شریعت شیخ سیلونہ علیہ الرحمة والغفران کی خدمت میں حاضر ہوا (۱)۔ میرا شوق علم دیکھ کر وہ انتہائی شفقت سے پیش آئے اور میں ان کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرنے لگا، یہاں تک کہ فقہ کی مشہور کتاب ”ہدایہ“ تک میں نے اپنی تعلیم پہنچائی۔

شیخ سیلونہ سے بیعت کی درخواست

شیخ سیلونہ کے علمی تبحر، غیر معمولی تقویٰ اور زہد و ریاضت کو دیکھ کر ایک روز میں نے نہایت عاجزانہ طور پر ان سے درخواست

۱۔ شیخ سیلونہ اپنے وقت کے جلیل القدر علما اور اولیا میں تھے۔

وہ دنیا سے منہ موڑ کر بالکلیہ ظاہری و باطنی طور پر حق کی طرف متوجہ تھے، سوائے درس کے ان کا تمام وقت عبادتِ الہی میں صرف ہوتا تھا یہاں تک کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں بیداری اور سونے کی حالت میں تسبیح کے لیے ہمیشہ حرکت میں رہتی تھیں۔ شغلِ باطنی کی وجہ سے ان پر استغراق کی (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

تذکرہ صوفیائے سرحد

کی کہ مجھ کو بھی شغلِ باطن سے بہرہ مند کیجیے ، لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنی اس بارگراں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میرا اصرار بڑھتا رہا ، یہاں تک کہ میرے اصرار کو ایک روز دیکھ کر فرمایا کہ یہ کام سرسری نہیں ہے بلکہ مشاکہٴ نبوت سے مقتبس ہو کر یداً بیداً مشائخ کرام تک پہنچنا ہے۔ اسی بنا پر صرف اسی شیخ کو اس کا حق پہنچتا ہے جو حضرت خیر البشر سے یداً بیداً اجازت یافتہ ہو ، وہ سجادے پر بیٹھ کر عوام الناس کو دعوت دے اور بیعت کا دروازہ کھولے۔ چونکہ میں اپنے شیخ سے اس کی اجازت نہیں رکھتا ، اس لیے میں بیعت کرنے سے معذور ہوں ، مگر میں ایسے شیخ کی طرف تمہاری رہبری کرتا ہوں کہ جو حاذق طبیبِ روحانی ہیں اور جنہیں ہمارے شیخ بہاء الدین صامت سے اجازت حاصل ہے۔ تم ان کے آستانے پر حاضر ہو ، وہاں تمہارا مقصد پورا ہو سکے گا۔

شیخ سالار رومی کی خدمت میں حاضری :

چنانچہ میں آپ کے ارشاد پر اجمیر میں حضرت سالار رومی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مجھ پر خصوصی توجہ فرمائی اور میرے حسب و نسب سے واقف ہو کر فرمایا ، اے سید ! طریقہٴ باطنی کا حصول بغیر مرشدِ کامل متشرع کی صحبت کے ممکن نہیں۔ پھر انہوں نے میرے لیے خلوت اور خدمت کو پسند فرمایا۔ میں ان کی خدمت کو حصولِ سعادت کا سب سے بڑا ذریعہ جانتا تھا اور ایک لمحے کے لیے اس سے غافل نہ ہوتا تھا۔ اس طرح ایک زمانہ گزر گیا۔ جب شیخ سالار رومی نے مجھے اپنی خدمت میں سچا پایا تو بے حد شفقت فرمائی اور مجھے علمِ تصوف اور سلوک کی تعلیم دینے لگے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱ سے آگے)

کیفیت طاری رہتی تھی۔ ایک دفعہ کوٹھے سے ذکرِ جلی کرتے ہوئے غلبہٴ حال میں گر پڑے، لیکن انہیں کچھ خبر نہ ہوئی۔ (ماخوذ از ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ ، تالیف اخوند درویشا مطبوعہ ہندو پریس صفحہ ۱۴)

سلسلہ طریقت

حضرت سید علی غواص کا سلسلہ طریقت متاخر تذکرہ نگاروں نے سلسلہ چشتیہ لکھتے ہوئے ان کو حضرت نظام الدین تھانیسری کا مرید و خلیفہ بتایا ہے ، ”خزینۃ الاصفیا“ جلد اول میں ہے کہ :

”سید علی غواص ترمذی شیخ نظام الدین تھانیسری کے مرید و خلیفہ ہیں اور اپنے زمانے کے کامل ترین اولیا اور عظیم المرتبت مشائخ میں ہیں ۔ جب شیخ نظام الدین ہندوستان سے بلخ تشریف لے جا رہے تھے ، اس وقت سید علی غواص نے حضرت نظام الدین سے بیعت کی اور ایک طویل عرصے تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے اور منازل سلوک کی تکمیل کے بعد یوسف زلیوں کے علاقے میں قیام کرنے کے لیے آپ کے شیخ نے آپ کو حکم دیا ۔ چنانچہ وہاں آ کر بہت سے یوسف زلی افغانوں کو اپنا مرید کیا اور تصوف و معرفت کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچایا ۔ ان میں سے ایک مولانا درویزا پسر عبدالکریم بھی آپ کے مرید ہوئے اور مرتبہ کمال پر فائز ہوئے ۔ حضرت اخوند درویزا نے آپ کو اپنی کتاب ”مخزن الاسلام“ میں قطیبت اور غوثیت کے مرتبے پر فائز بتایا ہے ۔ حضرت سید علی غواص بغیر مزامیر کے سماع سنتے تھے ۔ چونکہ دریائے معانی کے غواص تھے ، اس لیے آپ کو اپنے پیر کی بارگاہ سے غواص کا خطاب ملا تھا ۔

حضرت سید علی غواص نے عہد شاہجہانی میں ۱۰۴۰ھ

(۱۶۳۰ع) میں وفات پائی (۱)۔“

شیخ محمد اکرام نے بھی خزینۃ الاصفیا کی روایت سے استناد کرتے ہوئے حضرت سید علی غواص کو شیخ نظام الدین تھانیسری کا مرید و خلیفہ بتایا ہے ۔ وہ اپنی مشہور کتاب ”رود کوثر“ میں لکھتے ہیں کہ :

تذکرہ صوفیائے سرحد

”جن لوگوں نے بلغ میں حاضر ہو کر شیخ نظام الدین تھانیسری سے فیض حاصل کیا ان میں سید علی غواص ترمذی قدس سرہ تھے جو اپنے عہد کے اولیائے کبار میں تھے (۱)۔“ لیکن حضرت اخوند درویشا نے جو اپنے شیخ کے سلاسل طریقت اپنی کتاب ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ میں دیے ہیں ، ہمیں ان میں کہیں حضرت نظام الدین تھانیسری کا نام نہیں ملتا ، بلکہ وہ سلسلہ چشتیہ عزیزہ میں اپنے پیر کو سالار رومی کا مرید و خلیفہ بتاتے ہیں ۔ چونکہ وہ ان کے عہد کے شاہد عینی ہیں اور خود حضرت سید علی غواص کے مرید و خلیفہ ہیں ، اس لیے ان کی روایت پر کسی دوسرے کی روایت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ۔ وہ اپنے شیخ کے طریقت کے سلسلوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

”میں ایک طویل مدت تک آپ کی (حضرت سید علی غواص) خدمت میں رہا اور میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ آپ کے قدموں میں بسر کیا ، چونکہ حضرت متقدمین مشائخ کی طرف سے پانچ خانوادوں میں مجاز تھے ، ان میں سے ایک خانوادے میں آپ کو اپنے دادا کی طرف سے اجازت تھی اور چار میں شیخ سالار رومی کی طرف سے ، مجھے آپ نے ان چار خانوادوں میں اجازت مرحمت فرمائی (۲)۔“

پھر آپ نے ان خانوادوں کی حسب ذیل تفصیل بالصراحت دی ہے :

(۱) سلسلہ ”کبرویہ“ : (جس کی اجازت سید علی غواص کو اپنے دادا کی طرف ملی تھی)

”سید علی غواص ترمذی ، سید احمد نور (جو سید علی ترمذی کے دادا تھے) سید یوسف نور (جو سید احمد نور کے والد تھے) محمد نور بخش (جو سید احمد نور کے والد تھے) شیخ ابو اسحاق

۱ - ”رودِ کوثر“ صفحہ ۳۶۲ -

۲ - ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ صفحہ ۱۲۷ -

قتلانی ، شیخ علاء الدولہ ، سید علی ہمدانی ، سید محمود مددقانی ،
 شیخ بہاء الدین سمٹانی ، شیخ علی لالہ ، شیخ نور عبدالرحمان ،
 شیخ نجم الدین کبریٰ ، شیخ عمار بن یاسر ، شیخ نجیب الدین
 سہروردی ، شیخ احمد غزالی ، شیخ ابابکر نساج ، شیخ ابوالقاسم
 جرجانی ، شیخ ابو عثمان مغربی ، شیخ ابو علی کاتب ، شیخ
 علی رودباری ، شیخ جنید بغدادی ، شیخ سری سقطی ،
 شیخ معروف کرخی ، شیخ امام علی رضا ، امام موسیٰ کاظم ،
 امام جعفر صادق ، امام محمد باقر ، امام زین العابدین ، امام حسین
 شہید کربلا ، امیر المومنین علی مرتضیٰ امیر المؤمنین عثمان رض
 ذوالنورین ، امیر المومنین ابوبکر صدیق رضوان اللہ علیہم
 اجمعین ، سید المرسلین ، خاتم النبیین حبیب رب العالمین
 محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۔

وہ چار سلسلے جن کی اجازت حضرت سید علی غواص ترمذی کو
 حضرت سالار رومی کی طرف سے ملی تھی ، وہ یہ ہیں ۔ اس سلسلے سے معلوم
 ہوتا ہے کہ آپ کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہے ۔

(۲) سلسلہ چشتیہ عزیز یہ :

”سید علی غواص ترمذی ، شیخ سالار رومی ، شیخ بہاء الدین
 صامت ، شیخ حامد الدین ، شیخ حسام الدین ، شیخ نور قطب
 عالم ، شیخ علاء الدین ، عمر اسعد اللہ نوری ، شیخ سراج الدین ،
 شیخ نظام الدین دھلوی ، شیخ فرید گنج شکر ، قطب الاقطاب
 قطب الدین بختیار اوشی ، شیخ معین الدین حسن سنجر چشتی (۱)

- ۱۔ ”سیر العارفین“ میں خواجہ معین الدین چشتی کا مولد سنجان
 اور سیر الاقطاب میں اصفہان لکھا ہے۔ ”تاریخ فرشتہ“ جلد ۲ ،
 صفحہ ۳۷۵ میں ہے کہ ”تولد اودر بلدہ سجستان بود“ ۔
 ”اکبرنامہ“ میں لکھا ہے کہ :

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شیخ عثمان ہارونی، شیخ حاجی شریف زندی، شیخ خواجہ قطب الدین سودود چشتی، خواجہ ابویوسف چشتی، خواجہ بھدچشتی، خواجہ احمد چشتی، خواجہ ابواسحاق شامی چشتی، خواجہ ممشاد علو دینوری، خواجہ ابوہمیرہ بصری، خواجہ ابو حذیفہ مرغشی، خواجہ سلطان ابراہیم ادھم، خواجہ فضیل بن عیاض، خواجہ عبدالواحد بن زید، خواجہ اسام حسن بصری، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سرور کائنات شفیع روز جزا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔“

(۳) سلسلہ سہروردیہ :

”سید علی غواص ترمذی، سالار رومی، شیخ نظام الدین مہاجری، شیخ قطب الدین مہاجری، شیخ فخر الدین محبوبی، سید جلال جہانیاں، شیخ رکن الدین، شیخ صدر الدین عارف، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ وجیہ الدین عمر سہروردی، شیخ محمد بن عبداللہ معروف بہ عبودیت سہروردی، شیخ احمد اسود دینوری، شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرخی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی، شیخ اسام حسن بصری،

(بقیہ حاشیہ، صفحہ ۵۷ سے آگے)

”خواجہ ازبکستان است اورا سنجرى نويسند کہ مغرب سنگرى است - ”تزک جہانگیری“ میں ہے کہ مولد آن جناب سیستان است، ازین جہت ایشان را سنجرى نويسند کہ مغرب سنگرى است - راقم الحروف کے خیال میں سنجرى کتابت کی غلطی ہے - عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں، جس کی نسبت سجزی ہے، اس لیے معین الدین سنجرى کے بجائے سجزی صحیح ہے (فٹ نوٹ بزم صوفیہ نمبر ۱ صفحہ ۳۵)

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ، حبیب مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۔“

(۴) سلسلہ شطاریہ

اس سلسلے کے متعلق حضرت اخوند درویش نے لکھا کہ :
 ”اس سلسلے میں بھی میرے پیر حضرت سید علی غواص
 ترمذی کو حضرت سالار روسی کی طرف سے اجازت حاصل
 ہوئی تھی۔ آپ نے اس سلسلے کے اکثر اوراد و اذکار اس فقیر
 کو تلقین فرمائے تھے ، لیکن اس سلسلے کے شیوخ کے ناموں کا
 تذکرہ کبھی آپ نے مجھ سے نہیں فرمایا اور میں نے بھی
 خلاف ادب سمجھ کر اس سلسلے کے بزرگوں کے نام کبھی
 آپ سے نہیں پوچھے ۔“

(۵) سلسلہ ناجیہ حلاجیہ :

یہ حضرت اخوند درویش کا بیان ہے کہ :

”اس سلسلے کی اجازت بھی میرے شیخ کو حضرت سالار روسی
 کی طرف سے حاصل ہوئی تھی ، لیکن اس سلسلے میں میرے
 شیخ نے مجھ کو اجازت سے مشرف نہیں فرمایا (۱)۔“

طریقہ تعلیم

میں اپنے شیخ سے اس طرح تعلیم حاصل کرتا تھا کہ علم تصوف کا
 جو سبق بھی حضرت شیخ سے حاصل کرتا ، ایک ہفتے تک خلوت اختیار کر کے
 اس پر غور و فکر کرتا اور بے شمار ریاضت کے بعد جو کچھ میں محسوس
 کرتا اسے اپنے شیخ کے سامنے پیش کرتا ، شیخ مجھے مبارک باد
 دیتے اور میری تقریروں کو پسند کرتے ، پھر دوسرا سبق دیتے ، اسی طرح
 ایک زمانہ گزر گیا ، یہاں تک کہ شیخ نے مجھے اجازت دی ۔

۱ - پانچویں سلسلوں کی یہ تفصیل تذکرۃ الابرار والاشرار صفحہ ۱۳۷

تا ۱۳۰ سے ماخوذ ہے ۔

روش و ہدایت کے لیے شیخ کا حکم :

اجازت دینے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ سالک کو سلوک میں بہتر ممانعت اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیش آتی ہیں ، جن کے ذریعے سے اس کا ابتلا اور امتحان ہوتا ہے ۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سالک کو تمام ملک و ملکوت میں شہرت بخشتا ہے اور عوام و خواص کی توجہ اس کی طرف مبذول کر دیتا ہے ۔ اگر اس منزل میں سالک عوام پر قانع ہو گیا اور لوگوں سے ملنے ملانے میں اصل مقصد کو بھول گیا ، تو وہ اصل مقصد سے دور ہو کر اسی چکر میں مبتلا رہے گا اور اگر وہ اس منزل میں لوگوں سے نہ ملا ، بلکہ ان سے بھاگا تو پھر دوسری ممانعت پیش آتی ہے اور وہ کشف و کرامات ہیں ۔ اگر وہ کشف و کرامات کے چکر میں پڑ گیا تو وہ دوستی کے قابل نہیں اور اگر وہ اس منزل سے بھی صحیح و سلامت گزر گیا اور اس نے کشف و کرامت کی طرف توجہ نہ کی اور دوسری ممانعت سے بھی گزر گیا اور لقائے دوست کے سوا اس نے اپنا کوئی مقصد نہ قرار دیا ، وہ اس وقت ولایت اور دوستی کے لائق ہوگا اور اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھے گا اور عالم میں برگزیدہ کرے گا ۔

پہلے مرید :

چنانچہ شیخ کے حسب ارشاد میں نے دیکھا کہ عوام و خواص کی توجہ میری طرف ہوئی ، جیسا کہ حاجی سیف اللہ گکیانی ، اور ملک گدائی خاں گکیانی ، جنہیں میں نے اپنے ہمراہ پشاور سے ہندوستان لے گیا تھا ، میرے مرید ہوئے اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ طریقت کی جستجو میں میرے گرد چکر لگانے لگے ۔ اس وقت میں نے پیر دستگیر حضرت شیخ مخدومی سالار رومی سے التماس کی کہ مجھے لوگوں کے اجتماع سے چھٹکارا دلائے ۔

کوہستان میں جانے کا حکم :

حضرت سالار رومی نے مجھے ہدایت کی کہ میں پہاڑی علاقے کی طرف جاؤں ، چنانچہ میں نے شیخ کے ارشاد کی بنا پر کشمیر جانے کا ارادہ کیا ، اور راستے میں علاقہ گجرات کے موضع داؤد پٹنہ میں مقیم ہوا ۔ وہاں



ایک شخص کیلاس نامی نے جو اسی موضع کا رہنے والا تھا، ملا۔ اس نے مجھے دیکھ کر تمام موضع میں شور بلند کیا کہ میں نے جس شخص کو خواب میں دیکھا تھا، اس کی ساری علامتیں اس شخص میں پائی جاتی ہیں، اور یقیناً یہ وہی ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اسے پیر کہیں اور اس کے مرید ہوں۔ یہ ہم کو شریعت کے طریقے پر چلائے گا۔ میں نے متعجب ہو کر اس سے کہا کہ اگر واقعی تو نے کوئی خواب دیکھا تھا تو اس سے پہلے اگر یہ خواب تو نے کسی سے بیان کیا ہو تو اس پر گواہ لا۔ وہ بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ لایا اور ان سب نے بیان کیا کہ بے شک اس نے ہم سے اپنا خواب بیان کیا تھا اور وہ تمام علامتیں جو آپ میں پائی جاتی ہیں، اس نے وہ بھی ہم سے بیان کی تھیں، یہاں تک کہ جو آپ کی ہشانی پر تل ہے، اس نے ہم کو وہ بھی بتلایا تھا۔ اس نے ہم سے کہا تھا کہ ایک ایسا شخص کمپن باہر سے ہمارے ہاں آئے گا اسے ہمیں اپنا پیر اور پیشوا ماننا چاہیے۔ میں نے اس وقت وہاں کے لوگوں کو بیعت کیا، اور ایک مدت تک اس موضع میں مقیم رہا۔

والد سے دوبارہ ملاقات :

اس زمانے میں کہ ہمایوں بادشاہ نے شیر شاہ (۱) سے شکست کھائی اور اپنے بقیہ لشکر کے ساتھ کابل کا رخ کیا، اسی موضع میں مجھے اپنے والد

۱ - شیر شاہ سوری کا نام فرید خاں تھا۔ وہ بہلول لودھی کے زمانے میں پیدا ہوا۔ جب ہمایوں گجرات میں بہادر شاہ سے لڑ رہا تھا، اس نے پہلے بہار پر قبضہ کیا، پھر بنگال پر حملہ آور ہوا۔ ہمایوں اس کے مقابلے کے لیے بنگال پہنچا تو شیر شاہ بہار کے قلعے رھتاس گڑھ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ ۹۶۶ھ (۱۵۵۹ء) میں جب وہ بنگال سے واپس ہوا تو شیر شاہ نے قلعہ رھتاس سے نکل کر بکسر کے متصل چونسی کے مقام پر ہمایوں کا مقابلہ کیا۔ اس مقابلے میں ہمایوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ وہ اپنی جان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشفق کے ساتھ ملاقات کا دوبارہ اتفاق ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا، اور مشفقانہ انداز میں کہا کہ میں نے غلط راستہ اختیار کیا تھا، لیکن تم نے اپنے آبا و اجداد کے طریقے کو اختیار کیا، اور خدا کا شکر ہے کہ تم اس بلند مرتبے پر فائز ہوئے۔ پھر دو ٹوہلیاں، جن میں سے ایک میں سونا اور دوسری میں چاندی تھی، میرے سامنے رکھیں، اور مجھ سے فرمایا کہ اے میرے عزیز بیٹے! یہ تمہاری نذرہیں، امید ہے کہ تم انہیں درویشوں پر صرف کرو گے۔ اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

اجمیر کو واپسی :

حضرت سید علی کے صاحبزادے کی روایت ہے کہ اس زمانے میں جب کہ والد محترم حضرت شرف الدین ہانی اچے کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور ایک عجیب کیفیت آپ میں پیدا ہوئی، تو آپ نے اپنے گھوڑے اور ہتھیاروں کو ایک بنیے کے سپرد کیا تھا کہ وہ یہ سامان آپ کے والد تک پہنچا دے، لیکن اس کے بعد آپ کی ملاقات اپنے والد سے نہ ہوئی تھی۔ میرے والد کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طرح میں حضرت شیخ سالار رومی کی خدمت میں پہنچوں، اور اپنے آپ کو اس پیری مریدی کے جھگڑے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹ سے آگے)

بچانے کے لیے بے تحاشا دریائے گنگہ میں کود پڑا۔ نظام سقّے نے اسے اپنی مشک پر بٹھا کر دریا کے پار کیا۔ ہمایوں نے دوبارہ قوت جمع کر کے اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ ۱۵۴۰ع (۹۴۷ھ) میں قنوج کے متصل بلغرام پر شیر شاہ سے اس کی دوسری مڈبھیڑ ہوئی۔ یہاں بھی اس نے ایسی شکست فاش کھائی کہ اسے پندرہ سال تک جلا وطنی کی زندگی اختیار کرنی پڑی، اور ۱۵۴۰ع (۹۴۷ھ) میں شیر شاہ سوری آگرہ پہنچ کر ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ (ماخوذ از شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات - ص ۲۹۴)

آزاد کروں۔ چنانچہ میں اس ارادے سے روانہ ہو گیا۔ میں کئی روز تک سفر کرتا رہا، یہاں تک کہ مجھے راستے میں شیرشاہ کے چند سوار ملے جو ہایوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ چونکہ میں فارسی بولتا تھا اور افغانوں میں عصیت اس قدر غالب ہے کہ جو شخص فارسی میں گفتگو کرتا ہے، اسے اپنا دشمن خیال کرتے ہیں وہ میرے قتل کی سوچنے لگے، اور میں بھی تقدیر الہی پر راضی ہو گیا۔ میں خاموش رہا، یہاں تک کہ انہوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال بھی ہے؟ میں نے کہا کہ سونے اور چاندی کی دو تھیلیاں ہیں۔ پھر میں نے اپنے خادم کو اشارہ کیا کہ وہ ان کو دے دے۔ اس نے وہ تھیلیاں ان کو دے دیں۔ پھر ہم نے اپنی راہ لی، لیکن تقدیر میرے ارادے پر ہنس رہی تھی، کیونکہ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت شیخ سالار رومی وفات پا چکے تھے۔

خرقہ خلافت اور شیخ سالار رومی کے صاحبزادے کی ہدایت :

جب میں شیخ سالار رومی کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ حسین مراقبے میں سر بگریباں ہیں۔ میرے آنے کی اطلاع پا کر سر مراقبے سے اٹھایا، اور فاتحہ و استغفار پڑھنے کے بعد فرمایا کہ اے سید علی! میں نے اسی وقت، اسی جگہ، اسی مراقبے اور مشاہدے میں اپنے والد محترم اور اپنے پیارے کو دیکھا کہ وہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ بیٹا! میرے دو خرقے باقی ہیں، ایک کو پہاڑ کر اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے میرے مریدین اور معتقدین میں تقسیم کر دو، اور دوسرے خرقے کو ایک آنے والے کو جسے تم اس حال میں پاؤ، اس کو دو کہ حق اس کی جانب ہے۔ لہذا میں اس حال کے مطابق تمہیں پاتا ہوں۔ یہ فرما کر انہوں نے دونوں خرقے طلب کیے، اور ایک خرقے پر جس پر پہلے ہی سے میرا نام لکھا ہوا تھا، مجھ کو پہنایا۔ خدا کی عجیب حکمت تھی کہ میں قید پیری سے چھٹکارا حاصل کرنے آیا تھا، اور یہاں آ کر اور قید بڑھ گئی۔ چند روز کے بعد صاحبزادے صاحب نے فرمایا کہ میرے والد محترم نے تم کو کوہستان میں رہنے کے

تذکرہ صوفیائے سرحد

لیے حکم دیا تھا ، اس لیے مناسب یہ ہے کہ کسی پہاڑی علاقے میں جسے تم مناسب سمجھو سکونت اختیار کرو ، یا اپنے وطن چلے جاؤ کہ اس کا تعلق بھی پہاڑی علاقے سے ہے ۔

پشاور میں تشریف آوری :

چنان چہ میں محذوم زادے کے ارشاد پر اپنے وطن کے ارادے سے روانہ ہوا۔ جب شہر پشاور میں پہنچا تو میرے معتقدین و مخلصین میں حاجی سیف اللہ و ملک گدائی نے جو گگیانی ملکوں میں سے تھے اصرار کیا ، اور کہا کہ ہمارا وطن قریب ہے ، کچھ روز وہاں قیام فرمائیے تاکہ ہمارے اہل و عیال ، متعلقین اور اس شہر کے رہنے والے آپ کے رشد و ہدایت سے مستفید ہوں ، اور بدعت اور مخالف شریعت طریقوں سے مجتنب ہوں ۔ ان کے اصرار پر میں راضی ہو گیا ، اور میں نے ان کے وطن دوبابہ کی طرف رخ کیا ، اور ان کے شہر میں مقیم ہو گیا ۔ اس شہر کے عوام و خواص میری طرف متوجہ ہوئے ۔ ان میں سے بعضوں نے مجھ سے طریقت اور شریعت میں استفادہ کیا ، اور بعض میری مجلسوں میں شریک ہو کر وعظ و نصیحت سے مستفید ہوتے رہے ، لیکن اس کے بعد پھر ممنوعات کے مرتکب ہوئے ، اس لیے کہ اکثر افغانوں کی بلکہ تمام افغانوں کی عادت یہ ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں کو پسند کرتے ہیں ، خواہ وہ باتیں خیر ہوں یا شر ۔ اپنے جہل کی وجہ سے وہ خیر پر بہت کم عمل کرتے ہیں ، بلکہ اکثر افغان خیر کی باتوں سے بھاگنے والے اور شر کی باتوں کے سننے کے متحسب ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ امر بالمعروف اور موعظ و نصائح کے فرائض ان میں ادا کرنا دشوار ہے ۔

یوسف زئی علاقے میں دو پیرانہ ملحد

دو آجے میں ایک سال کی اقامت کے بعد ، میں نے چاہا کہ اپنے وطن روانہ ہو جاؤں ، لیکن گگیانی قبیلے کے بعض محب اور مخلص مانع ہوئے ، اور انہوں نے مجھے روکنے کے سلسلے میں کہا کہ علاقہ یوسف زئی میں دو ملحد ، سرکش اور شریعت مجذبیہ کے مخالف مشہور ہیں ؛ ایک ان میں سے پر طبیب نامی ہے ، جو خلجی افغانوں سے تعلق رکھتا ہے ، دوسرے

کو پیر ولی کہتے ہیں جو بڑی ہی افغانوں میں سے ہے ، ان دونوں کی وجہ سے لوگ شریعت مجدیہ سے روگردانی اختیار کر رہے ہیں ۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گانا بجانا سنتے ہیں ، اور اس کو مباح جانتے ہیں ۔ عورتوں ، مردوں ، چھوٹوں اور بڑوں کو اپنے گرد جمع کرتے ہیں اور ان سے واہی باتیں جو حدود شریعت سے باہر ہیں ، کہتے ہیں ، یہاں تک کہ پیر ولی اپنے آپ کو خدا کہتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ اس علاقے کی طرف توجہ کریں ، تاکہ وہاں کے لوگ کفر و ضلالت سے نجات پائیں ۔ میں نے اس علاقے کی گورامیوں کو سن کر اس علاقے کی طرف توجہ کرنا اپنا فرض سمجھا ۔

’سدم میں تشریف آوری :

دوآبے سے روانہ ہو کر میں علاقہ یوسف زئی کے موضع سدم میں مقیم ہوا ۔ افغانوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی وہ کوئی نئی آواز سنتے ہیں ، اور کوئی نیا عالم یا شیخ یا صالح و عابد ان کے درمیان آتا ہے تو اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں ، اور جماعتوں کی جماعتیں اس کی زیارت کے لیے آتی ہیں تاکہ اس کی باتیں سنیں ، کیونکہ افغانوں کو صرف باتیں سنتے اور جمع ہونے سے دلچسپی ہے ، اور عمل کرنے سے ان کا تعلق نہیں ۔ اپنے غلبہ جہل کی وجہ سے وہ اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے اور نہ انہیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نیا آنے والا اہل حق سے ہے یا اہل باطل سے ، مگر ان میں بعض دانا اور عقلمند ایسے بھی ہیں کہ اہل حق کو اہل باطل سے پہچان لیتے ہیں ۔ چنانچہ جب میں ان کے علاقے میں پہنچا ، تو اطراف و جوانب سے لوگ جوق در جوق میرے گرد جمع ہونے لگے ، اور وعظ و نصیحت سنتے لگے ۔ میں ان کے سامنے اہل ہوا و بدعت کی برائیوں کو ظاہر کر کے ان سے دور رہنے اور شریعت پر عمل کرنے کی ان کو تلقین کرتا تھا ۔ چونکہ یہ لوگ طالب دین اور حق کے ستلاشی تھے ، میری تقریروں نے ان کے دلوں پر اثر کیا ، اور وہ اہل ہوا و بدعت سے مجتنب اور محتراز ہو گئے ۔

دونوں پیروں سے ، قابلہ

پھر مجھے خیال ہوا کہ ان دونوں سرکش پیروں سے مل کر مذہب سنت و جماعت کے حق ہونے میں اور اہل ہوا و بدعت کی تردید میں گفتگو کرنی چاہیے ، تاکہ عوام واقف ہو جائیں کہ یہ دونوں کے دونوں باطل پر ہیں ۔ لیکن پیر طیب نے ، جو نواح ہندوستان کا رہنے والا تھا ، جب میرے آنے کی خبر سنی ، تو بھاگ کر ہزارہ چلا گیا ، اور پیر ولی نے بھی ملنے سے گریز کیا ، اور اس طرح وہاں کے عوام و خواص نے محسوس کیا کہ یہ دونوں باطل پر ہیں ۔

ازدواج :

پھر وہاں کے لوگوں نے مجھ سے نہایت الحاح و زاری سے خواہش کی کہ ایک سال میں ان کے حدود میں سکونت اختیار کروں ، تاکہ عوام پیر طیب کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے گمراہ نہ ہوں ۔ عوام کے اصرار پر میں اس پر راضی ہو گیا ۔ افغانوں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی عالم یا صالح جو ان کے قوم اور قبیلے سے نہ ہو ، ان میں آ جاتا ہے ، تو اس قبیلے یا قوم کا سردار اپنی بہن یا لڑکی مہر موجدل کے ساتھ اس کے نکاح میں لاتا ہے ، تاکہ اس طرح سے وہ شخص ان کے شہر میں رہے ، اور وہ اس سے استفادہ کرتے رہیں ۔ اس بنا پر ملک دولت ملی زق نے جو قبیلہ بابرک زق سے تھا ، اپنی بہن بی بی مریم سے میرا نکاح کر دیا ۔ اگرچہ میں نکاح کے علائق میں پڑنا نہ چاہتا تھا ، لیکن کسی مسلمان کے دل کو رنجیدہ کرنا ، مجھے مروت کے خلاف معلوم ہوا ، اور میں نے شادی کر لی ۔ اس وقت میں سمجھا کہ میرے پیر کا اشارا اسی کوہستان کی طرف تھا ، یہیں میرے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں ۔

والدین کی خدمت میں حاضری اور علاقہ یوسف زق میں سکونت :

کچھ زمانے کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ اپنے والدین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے ۔ میں اپنے وطن قندس پہنچا ، لیکن میرے والد انتقال فرما چکے تھے ، اور میری والدہ حیات تھیں ۔ ان کی زیارت سے مشرف ہوا ، اور میں نے ان سے اپنی شادی کا حال بیان کیا ۔ میں

نے چند دن وہاں قیام کیا ۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو میری والدہ نے مجھے از راہ شفقت بہت سا سامان دے کر کہا کہ اے بیٹے ! اگر ممکن ہو تو اپنی بیوی بچوں کو بھی لانا ، ورنہ میں نے تمہیں حقِ مادری بخش دیا تم وہیں رہنا ۔ اس کے بعد میں اپنی والدہ محترمہ کے حکم کے مطابق مستقل طور پر علاقہ یوسف زئی میں مقیم ہو گیا ۔

پیر تاریک و پیر جال کی گمراہیاں :

اور میں نے ان قبائل کو راہِ حق پر اور دینِ حق پر مستقیم کر دیا ۔ لیکن جب پیر تاریک (۱) اور جال دینِ کلال (۲) کا ظہور ہوا، اور ان کی وجہ سے ان قبائل میں افتراق پیدا ہوا ، تو اس وقت ان میں سے بعض میری دعوت پر راہِ ہمدی پر ثابت قدم رہے ، اور بعض ان دونوں گمراہوں کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اکبر بادشاہ کے قہر و غضب میں گرفتار ہوئے (۳) ، کیونکہ حدیث میں رسولِ اکرم کا ارشاد ہے کہ جس ملک میں گمراہیاں عام ہوتی ہیں ۔ اس ملک کو اللہ تعالیٰ ظالم بادشاہ کے عذاب میں گرفتار کرتا ہے ۔

(۱) پیر تاریک سے حضرت سید علی کی مراد میان بایزید سے ہے، جو تحریکِ روشنائی کے بانی تھے ، اور جو پیرِ روشن کہلاتے تھے اور جن کو ان کی مخالفت میں یہ خطاب حضرت سید علی کے مرید اخوند درویش کے استاد ملا زنگی ساکن پابینی نے دیا تھا (تذکرۃ الأیار والا شرار صفحہ ۵۲) ۔

(۲) یوسف زئی میں ہے کہ اس کا اصل نام جلال ولد سید ہے جو قبیلہ اسان زئی کا ایک مشہور فرد تھا ، اور کلال کا لفظ تذلیل کے لیے استعمال ہوا ہے ۔ (فٹ نوٹ یوسف زئی پٹھان نمبر ۱ صفحہ ۲۷۶)

(۳) حضرت سید علی کا جس قہر و غضب کی طرف اشارہ ہے وہ ان لڑائیوں کے متعلق ہے جو اکبر کے عہد میں حضرت پیر بابا کے رفقا اور مغل حکمرانوں نے مل کر میان بایزید (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تحریک روشنائی کی مخالفت :

(تحریک روشنائی کو ہم تفصیل سے میان بایزید کے حالات میں لکھیں گے)۔ اس تحریک کی سب سے زیادہ مخالفت حضرت سید علی ترمذی اور ان کے خلیفہ حضرت اخوند درویشا نے کی۔ بایزید جو اس تحریک کے بانی تھے اور پیر روشن کے نام سے پکارے جاتے تھے، ان دونوں بزرگوں کی مخالفت کی وجہ سے پیر تاریک کے نام سے پکارے جانے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت سید علی ترمذی نے ان کو ملعون بھی کہا۔ لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کو میان بایزید کے خلاف اس قدر غم و غصہ کیوں تھا ؟ ان دونوں بزرگوں کی مخالفت کے وجوہ اور علل و اسباب کیا تھے ؟ جو الزامات بایزید پر لگائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر ہمیں حضرت اخوند درویشا کی کتابوں میں ملتے ہیں، جن کی بنا پر وہ ان دونوں بزرگوں کی نظر میں ملحد و زندقہ قرار پائے۔ ان میں سے پہلا الزام یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خدا کہتا تھا چنانچہ حضرت اخوند درویشا نے ان کے کفر اول کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ کفر اول این متمرّد آن کہ کل اشیائے اول کفر اس متمرّد (بایزید) کا یہ تھا موجود را خدا میگفتند، و مخلوقات کہ وہ کل اشیائے موجودہ کو خدا صوری را ذات خدا می دانستند (۱) | کہتا تھا، اور مخلوقات صوری کو ذات خدا جانتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷ سے آگے)

اور ان کے رفقاء سے ہشت نگر میں لڑی تھیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کابل کے مغل صوبہ دار محسن خان نے حضرت سید علی ترمذی اور حضرت اخوند درویشا کی مدد سے ۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء) سے ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) تک کابل دس سال میان بایزید اور ان کے ساتھیوں سے لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ آخری جنگ میں بایزید گرفتار ہوئے، اور انھیں کابل کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ (دیباچہ صراط التوحید تصنیف میان بایزید صفحہ ۸)

دوسرا الزام جو ان پر حضرت اخوند درویش لگاتے ہیں ، وہ بایزید کا بعث سے انکار ہے ، چنانچہ وہ اپنی کتاب تذکرۃ الابرار والاشرار میں لکھتے ہیں کہ

واین ملعون پیر تاریک منکر بعث | اور یہ ملعون پیر تاریک (پیر بایزید) بودہ و اتباع خود رامیفرمود (۱) | بعث کا منکر تھا ، اور اپنے متبعین کو اس کی تلقین کرتا تھا ۔

تیسرا الزام ان پر یہ ہے کہ وہ نامحرم عورتوں کو مرید کرتے تھے ، انہیں تنہا اپنے ساتھ بلھاتے تھے ، اور عورتوں کو اپنی خلافت دیتے تھے ، اور انہیں آراستہ کر کے اپنے طریقے کی تبلیغ کے لیے شہر بشہر پھراتے تھے ۔ چنانچہ حضرت اخوند درویش لکھتے ہیں

شخصی کہ بازتاں بیگانگان تنہا در | جو آدمی کہ دوسروں کی عورتوں خلوت نشیند ، و زنان را خلیفہ سازد | کے ساتھ تنہا خلوت میں بیٹھتا ہو ، و صاحب دعوت نمودہ شہر بہ شہر | اور عورتوں کو اپنا خلیفہ بناتا ہو ، بانواع حلیہ آراستہ بگرداند ، بقصد | اور ان کو اپنا صاحب دعوت بنا کر آنکہ جمیع لوندان و شہوت پرستان | قسم قسم کے زیورات سے آراستہ کر محض از برائے شہوت تبعیت او | کے شہر بہ شہر بھیجتا ہو ، خواہد گرفت ، پس این مردم چرا | اس ارادے سے کہ تمام لفتنگے اور ضلالت او بزودی زود نمی دریاہند | شہوت پرست محض شہوت کی وجہ سے اس کا اتباع کریں ، پس یہ لوگ اس کی گمراہی میں کیوں نہیں آئیں گے ۔

حضرت اخوند درویش کا ایک الزام ان پر یہ بھی ہے کہ بایزید نے جو کتاب خیرالبیان کے نام سے لکھی ہے ، وہ کفر والحاد سے بھرپور

اور افترا و فساد پر مشتمل ہے فقیر س کو شرالبیان کے نام سے موسوم کرتا ہے ، بلکہ انہوں نے ایک اور قدم آگے بڑھ کر فرمایا کہ اگر اسے خرابیان کہیں تو مناسب ہے ۔

ایک اور الزام جو اخوند درویشا نے ان پر عائد کیا ہے ، وہ عقیدہ تناسخ کا ہے ۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ
 این ملعون پر عقیدہ مذہب تناسخ | بہ ملعون (بایزید) عقیدہ تناسخ کا قائل
 رفتہ بود ۔ و اتباع خویش را بریں | تھا اور اپنے پیروں کو اس مضمون
 مضمون دعوت مینمودہ کہ بعد از | کی دعوت دیتا تھا کہ حیوانات کے
 مردن حیوانات این اشخاص صوری | مرنے کے بعد وجود صوری
 منتفی و نابود خواہد گشت ، | نیست و نابود ہو جائے گا لیکن روحوں
 وارواح در صورت دیگر از صورتها | دوسرے حیوانوں کی صورت میں
 حیوانیہ خواہد در آمد ، نغوذبالہ | آئیں گی ۔
 من کفر ہم (۱) ۔

یہ اور اس قسم کے بہت سے اعتراضات حضرت سید علی اور ان کے مرید حضرت اخوند درویشا کے بایزید پر ہیں ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ہم ان الزامات اور اعتراضات پر غور کرتے ہیں تو ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ جن کا ثبوت ہمیں سوائے ان دو حضرات کے بیان کے اور کوئی نہیں ملتا ۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کی بنا پر میاں بایزید کو کافر ، ملعون اور ملحد ٹھہرانا ہماری رائے میں ان کے ساتھ بڑی زیادتی ہو گی ۔

سب سے پہلا کفر جو حضرت اخوند درویشا نے میاں بایزید کا بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خدا کہتے تھے ۔ یہ اصل میں وحدت الوجود کی صورت ہے ، جس کو اکابر صوفیا مانتے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے وحدت الوجود کو فلسفے کی صورت بخشی وہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی (المتوفی ۶۳۸ ھ) تھے ۔ نقشبندیہ سلسلے کے علاوہ

ہندوستان میں تصوف کے جو سلسلے رائج تھے وہ ایران و عراق سے یہاں آئے تھے۔ سلسلہ قادریہ، سلسلہ سمہروردیہ اور سلسلہ چشتیہ ان تینوں سلسلوں کے صوفیائے اکرام پر وحدت الوجود کا اثر غالب تھا، یہاں تک کہ عارف رومی بھی وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ وہ حیات و کائنات کی کثرت کو مجازی اور اعتباری اور وحدت مطلقہ کو حقیقی سمجھتے ہیں۔ جو شخص کثرت یا دوئی کو حقیقی سمجھتا ہے، عارف رومی اس کو بھینگے سے تعبیر کرتے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں کی خرابی کی وجہ سے ایک ہی شے کو دو دیکھتا ہے، حالانکہ حقیقتاً شے ایک ہی ہوتی ہے۔ جب اکابر صوفیہ وحدت الوجود کے قائل نظر آتے ہیں تو میان بایزید پر قدغن لگانا اور باقیوں سے صرف نظر کرنا، کہاں تک قرین قیاس ہے۔

دوسرا الزام ان پر انکارِ بعث ہے۔ حضرت اخوند درویش نے صراحت سے لکھا ہے کہ بایزید اپنے متبعین کو کہتا تھا کہ اسی اپنی موجودہ صورت کی نعمت پروری کے ساتھ حفاظت کرو، چاہے تمہیں اس کی حفاظت حلال یا حرام ہی سے کرنی پڑے، کیونکہ اس صورت کے معدوم ہونے کے بعد تمہیں کوئی اندوہ و غم نہ ہوگا، نہ حشر ہوگا، نہ نشر اور نہ میدانِ قیامت، قیامت کی روایتیں صحیح نہیں ہیں۔ نعوذ باللہ من الکفر القبیح (۱)۔

انکارِ بعث یقیناً کفر ہے کہ بایزید کی تصانیف میں ابھی تک ایک کتاب کا پتہ چل سکا ہے اور وہ صراط التوحید ہے (۲)۔ ان کا یہ رسالہ اس وقت ہمارے سامنے ہے، جس میں انھوں نے مقامات سلوک اور طالبان کو بعض نصیحتیں کی ہیں۔ اسی رسالے میں وہ راہِ حق کے راہی اور طالبِ سلوک کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

۱۔ تذکرۃ الابرار والاشرار، ص ۱۴۷۔

۲۔ صراط التوحید۔ تصنیف بایزید انصاری۔ صفحہ ۳۸۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

ویدکر عذاب والراحۃ الحق کما | اور یاد کرو حق کے عذاب و راحت
عذاب السکرات والقبر والحسنات | کو جیسا کہ سکرات کا عذاب ، قبر
و الكتاب و المیزان والصراف و | کا عذاب اور حسنات کو اور کتاب
القیامۃ و المیزان او عذاب الاخریٰ | کو اور میزان کو اور صراط کو
| اور قیامت کو اور دوزخ کو اور
| دوسرے عذابوں کو ۔

ان نصاب کے بعد ہمارے لیے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ہم بایزید
کو منکر بعث سمجھیں ۔ رہا یہ الزام کہ وہ عورتوں کو مرید کرتے تھے
اور ان کو خلافت دیتے تھے ، ہماری رائے میں یہ الزام ایسا نہیں جس کی
بنا پر انہیں ملحد ، زندیق اور ملعون کہا جاسکے ۔ بلاشبہ یہ ان کی
کمزوری تھی ، لیکن یہ کمزوری ایسی نہیں کہ جس سے ان کی تمام
خوبیوں سے صرف نظر کر کے انہیں الحاد و کفر تک پہنچا دیا جائے ۔

رہا یہ الزام کہ بایزید تناسخ کے قائل تھے ، اس کا ثبوت بھی ہمیں
ان کی تحریروں سے نہیں ملتا ۔ ہم ان دونوں بزرگوں کی مخالفت کو شدت غلو
پر محمول کرتے ہیں ۔ ان دونوں بزرگوں کی مخالفت نے بایزید کی تاریخ کو
اور اس کی تحریک کو اس قدر تاریک بنا دیا ہے کہ بایزید کے صحیح
سیرت و کردار تک پہنچنا اور ان کی تحریک کو صحیح طور پر سمجھنا ایک
تذکرہ نگار اور مؤرخ کے لیے بہت مشکل ہو گیا ہے ۔ شاید اسی وجہ سے
انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کو لکھنا پڑا کہ

”اخوانہ درویشا کے بیانات کو بہت ہی احتیاط سے پڑھنا چاہیے کہ
وہ بایزید کی تعلیمات کا عقیدہ مخالف تھا ۔“

پاجا کلے (بونیر) میں قیام

صاحب یوسف زئی پٹھان کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت
سید علی ترمذی پاجا کلے (بونیر) میں مقیم ہو گئے ، اور یہیں وہ ”پربابا“

۱ ۔ علاقہ بنیر سرحد یا کستان پر واقع ہے ۔ اس کے شہال میں
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے نام سے مشہور ہوئے، جہاں ان کے مریدوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، اور انہوں نے لنگر جاری کیا۔

وفات :

اور اسی جگہ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں آپ نے وفات پائی، اور ہمیں آپ کا مزار پرانوار آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔ یہ مزار درہ کڑاکڑ سے کوئی دس میل کے فاصلے پر ایک ندی کے کنارے واقع ہے جو یونیر اور سوات میں حد فاصل کا گاہ دیتی ہے۔ مزار کے شمال کی طرف ایک اور درہ ہے، جس سے گزر کر زائرین بہ آسانی سوات کے دارالسلطنت سیدو شریف تک جا پہنچتے ہیں۔ اس مزار کا محل وقوع بہت خوب صورت ہے۔ اس کی پشت پر ایلیم اور دوسرا کی پہاڑی چوٹیاں اس کی خوبصورتی کو اور بھی چار چاند لگا رہی ہیں۔

اولاد :

آپ کے دو صاحبزادے سید عبداللہ اور سید قاسم اور تین صاحبزادیاں سیدہ رحیمہ، سیدہ کریمہ، اور سیدہ زینبہ بیان کی جاتی ہیں (۱)۔ حضرت سید علی ترمذی کی وفات کے بعد ان کی اولاد اور خاندان کو بھی روحانی اور سیاسی اقتدار حاصل رہا، اور سوات کے دورِ جدید میں انہیں کی اولاد سے سید اکبر شاہ اور سید عبدالجبار کو سوات کا بادشاہ منتخب کیا گیا تھا۔

خلفاء :

حضرت سید علی ترمذی کے خلفاء میں حضرت اخوند درویشا نے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی۔

(بقیہ حاشیہ ۸۔ صفحہ سے آگے)

کوہستان سوات ہے، مغرب میں علاقہ سوات اور سمہ رانی زئی، جنوب میں چند دوسرے قبائل، اور مشرق میں اس کی سرحدیں ضلع ہزارہ سے جا ملتی ہیں۔ بدھ مت کے دورِ حکومت میں بتیری بہت سی آبادیاں پائرا کے لیے مشہور تھیں۔ (یوسف زئی پٹھان صفحہ ۲۲۱)

۱۔ حضرت سید علی کے بتیر کے قیام، وفات اور اولاد کی تفصیل یوسف زئی پٹھان، صفحہ ۲۷۶ و ۲۷۷ سے ماخوذ ہے۔

(۴)

پیر بابیزید انصاری

پیر روشن یا پیر تاریک

حالات :

مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد کی تاریخِ صوفیاء میں پیر بابیزید انصاری کی شخصیت ایک عجیب و غریب شخصیت ہے۔ ان کے معتقدین نے ان کو پیر روشن کا خطاب دیا ، ان کے مخالفین نے ان کو پیر تاریک کے نام سے موسوم کیا ، لیکن وہ اپنے مخالفین کی طاقت و قوت اور ملامتوں سے بے نیاز ہو کر اپنی وضع پر قائم رہے اور اپنی تحریک کو آگے بڑھاتے رہے۔ یہ تحریک آگے چل کر تاریخ میں تحریکِ روشنائیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔

نام و نسب ، خاندان :

تحریکِ روشنائی کے بانی کا نام بابیزید تھا ، وہ نسلِ پٹھان اور قبیلہ اڑمڑ سے تعلق رکھتے تھے ، اور ان کا خاندان انصاری کہلاتا تھا۔ اسی بنا پر ان کو بعض لوگ پٹھان تصور نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انھوں نے اپنے نام کے ساتھ لفظ انصاری کو اس لیے نسبت دی تھی ، تاکہ ان کی تحریک کو جو مذہب کے نام سے شروع کی گئی تھی انصارِ مدینہ کی نسبت کی وجہ سے حسنِ قبول حاصل ہو۔ بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ اڑمڑ قبیلے کی ایک شاخ انصاری کے نام سے مشہور تھی ، اور یہ اسی شاخ میں سے تھے۔ ان کا تخلص مسکین تھا۔ ان کے والد کا نام قاضی عبداللہ تھا جو شیخ سراج الدین کی اولاد میں تھے ، ان کی والدہ کا نام بیبن تھا ، جو محمد امین کی صاحبزادی تھیں۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے ”تذکرۃ الانصار“ کے حوالے سے بایزید کا شجرہ نسب اس طرح درج کیا ہے :

بایزید ثانی بن عبداللہ بن محمد شیخ بایزید مشہر بابا شہباز جالندھری (۱)

پیدائش

پیر بایزید ۹۳۲ھ (۱۵۲۵ء) میں پیدا ہوئے، ان کی ولادت کے کچھ دن بعد ان کے والدین کافی گرم خطہ (جنوبی وزیرستان) میں آکر سکونت پزیر ہو گئے (۲)
ڈاکٹر محمد جہانگیر نے اورینٹل کالج میگڑین لاہور فروری ۱۹۵۵ء میں ”تذکرۃ الانصار“ کے حوالے سے ان کی ولادت جالندھر میں بتائی ہے (۳)

بچپن :

طفلی ہی سے پیر بایزید نیکی اور تقویٰ کی طرف مائل تھے۔ ان کے والد کا خیال تھا کہ وہ اپنے اس ہونہار فرزند کو علوم مروجہ کی تکمیل کے بعد قاضی بنائیں، لیکن ان کے صاحبزادے کا رجحان کچھ اور ہی تھا۔ ابھی انہوں نے ”ملا“ پائندہ اور اپنے بھائی یعقوب (۴) اور ”ملا“ سلیمان کالنجری سے کچھ ابتدائی تعلیم حاصل ہی کی تھی کہ ان پر روحانیت کا غلبہ ہوا اور وہ مرشدِ کامل کی جستجو میں سرگرداں رہنے لگے۔ خود وہ اس

(۱) شجرہ نسب رسالہ اورینٹل کالج میگڑین لاہور ماہ فروری ۱۹۵۵ء

مضمون ڈاکٹر محمد جہانگیر بعنوان شیخ العالم سیال شیخ

درویش صفحہ ۵۶ سے ماخوذ ہے۔ یہ شجرہ ہم آئندہ صفحے پر

علاحدہ دے رہے ہیں۔

(۲) دیباچہ صراط التوحید۔

(۳) اورینٹل کالج میگڑین ماہ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۶

(۴) اپنے اخیانی بھائی یعقوب سے تعلیم پانے کا تذکرہ حالنامہ کے

صفحہ ۲/۱۱۱ پر ہے۔ خود عبداللہ نے اپنے بھتیجے محمد کو جو

بایزید کا مرید ہو گیا تھا، اس کی تبلیغ پر کہا کہ حضور

ماباں آمدنی میں چنیں سخن بیان کنی زیرا کہ من بجائے قبلہ

اویم و یعقوب برادر کلان و استاد و دست، لائی نیست پدر و

استاد متابعت پسر و شاگرد کنند (حالنامہ مائیکروفلم صفحہ ۱۱۱)



شیخ لال

شیخ یوسف

شیخ احمد

اسماعیل

شیخ محمود

شیخ بایزید مستنیر بابا شہباز

زوجہ اول

زوجہ دختر زید آقا

شیخ عبداللہ ابدال دنگ

دختر

عبدالرحیم

شیخ احمد غوث

شیخ الاکرم

ابا بکر

محمد شیخ

دختر

زوجہ رحیم داد

بن الداد

عبدالرحمان

عبداللہ

سرحدی زوجہ

ایوب

زوجہ دوم

زوجہ پسر

زوجہ پسر

ابراہیم

زوجہ سیان شیخ درویش

دختر

شیخ سلطان

محمد علی

شیخ دولت

جلال الدین

نواب ہادی داد خان

دختر

زوجہ

احمد

اللہ داد

نواب رشید خان

کریم داد

دختر

زوجہ پسر داد

رسالہ اورینٹل کالج سکرین لاہور

مأخوذ از پایت ماہ فروری ۱۹۵۵

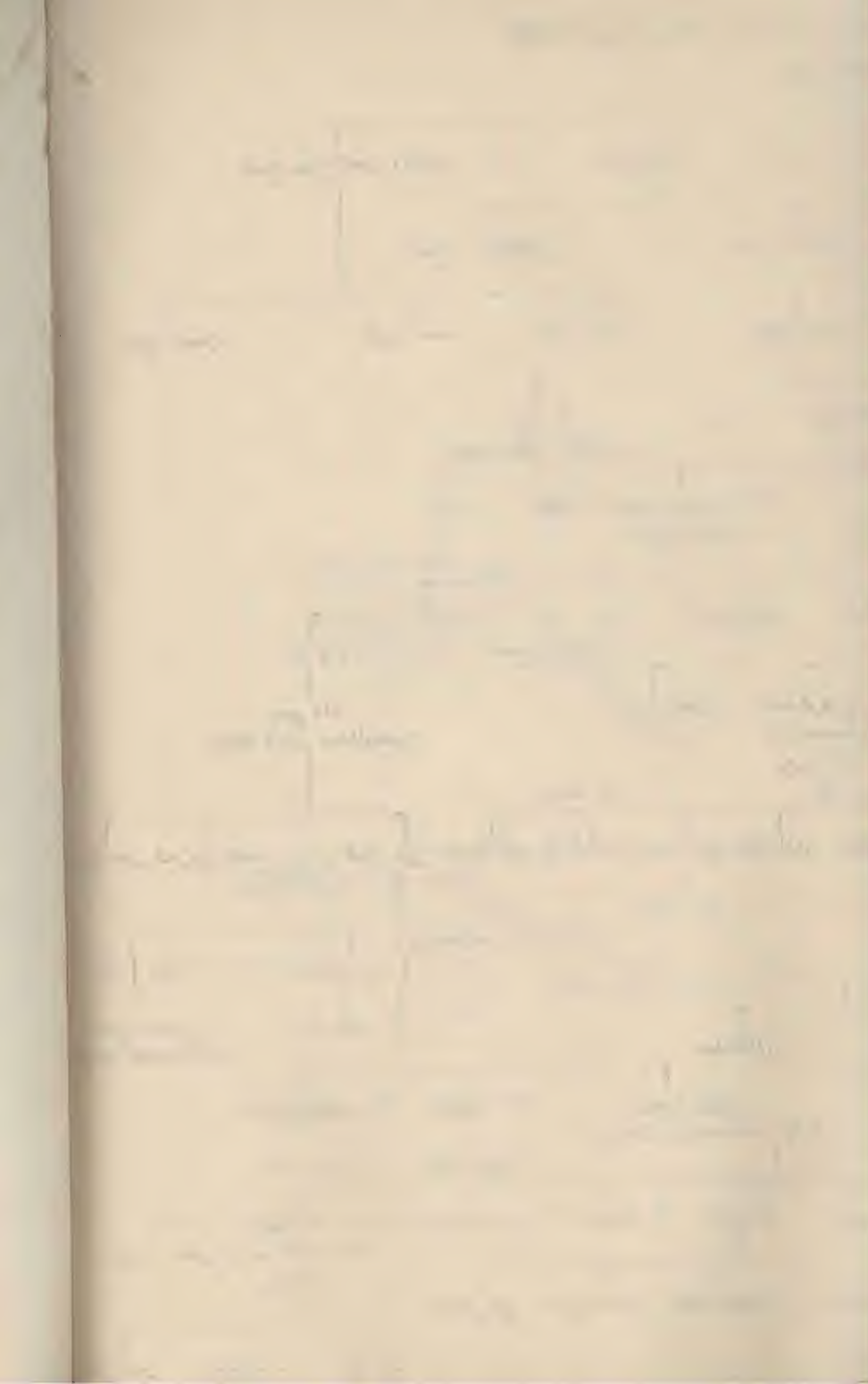
حال نامہ قلمی مبنی بہ نام یعقوب مذکور ہے - (مؤلف)

رجیم داد یا قادر داد

صاحب داد

محمد شیخ

محمد سعید شیخ سراج الدین



تلاش و جستجو کی تفصیلات اپنی مشہور کتاب "صراط التوحید" میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ناگاہ ازیک کسے شنیدم کہ معرفت | ناگاہ میں نے کسی ایک سے سنا کہ
حق بر آدمی فرض عین است ، و آن | حق کی معرفت آدمی پر فرض عین ہے
بے پیر کامل حاصل نمی شود . . . | اور وہ بغیر پیر کامل کے حاصل
چوں چنین شنیدم دلم حزین و | نہیں ہوا . . . جب میں نے ایسا سنا
غمگین شد و دغدغہ و حیرانی و | تو میرا دل محزون اور غمگین
پیشانی در افتاد ، خواستم کہ دیگر | ہوا ، اور دغدغہ ، حیرانی و پریشانی
نیز عالیاں را پرسم تا ایشان چہ گویند | میں پڑ گیا ۔ میں نے خیال کیا کہ
چوں پرسش کردم دیگر عالیاں نیز | دوسرے عالموں سے بھی پوچھا چاہیے
چنین گفتند ۔ باز گشتم کہ پیر کامل | کہ وہ کیا کہتے ہیں ۔ جب میں
اگر مرید را ہمیں علم شریعت و | نے دوسرے عالموں سے پوچھا ،
پنج بنائے مسلمان و شناختن صفت | انہوں نے بھی ایسا ہی کہا ۔ پھر
خدائی می آموزد ، من نیز آموختہ ام ، | میں نے خیال کیا ، اگر پیر کامل
اگر ہے این دیگر علم می | مرید کو یہی علم شریعت اور اسلام
آموزد بعدہ طلب پیر کنم ، تا ازوے | کے پانچ ارکان سکھاتا ہے تو وہ تو
آن علم بیاموزم . . . چوں پرسیدم | میں نے سیکھ لیے ہیں ، اگر اس کے
مرا گفت کہ پیر کامل طالب | علاوہ کوئی دوسرا علم سکھاتا ہے
را در ریاضت درمی آرد ، و بدکرو | تو میں اس کے لیے پیر کی تلاش
فکر حق شاغل می گرداند . . . چوں | کروں گا ، تاکہ اس سے یہ علم
این شنیدم بعدہ در طلب پیر در | سیکھوں . . . جب میں نے اس سلسلے
آدم و پرسش می کردم ، چوں کسے | میں لوگوں سے پوچھا تو مجھے بتلایا
از جانب خراسان یا ہندوستان یا | گیا کہ پیر کامل طالب کو ریاضت
از جانب دیگر می آمد ، بعضے را | میں لاتا ہے ، اور ذکر و فکر میں
پرسیدم تا مرا کسے از مرشد | مشغول کرتا ہے . . . جب میں نے
کامل خبر دہد (۱) | یہ سنا تو اس کے بعد میں پیر کی

تذکرہ صوفیائے سرحد

لمب میں مشغول ہو گیا ، اور لوگوں سے پوچھ گچھ کرنے لگا ۔ جب کوئی خراسان یا ہندوستان یا اور کسی طرف سے آتا تو میں ان میں سے بعضوں سے پوچھتا کہ وہ مجھے کسی پر کامل کا پتہ دیں ۔

پیر روشن یا روشن کی وجہ تسمیہ

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے بحوالہ ”تذکرۃ الانصار“ اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ بایزید کو پیر روشن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک شام چراغ جل رہا تھا ، اس میں تیل ختم ہو گیا اور بجھنے ہی کو تھا کہ آپ نے کسی سے فرمایا کہ چراغ میں پانی ڈال دو ۔ پانی ڈال دیا گیا اور چراغ پہلے سے بھی زیادہ روشن ہو گیا (۱)

بیعت :

بایزید اسی تلاش و جستجو میں سرگرداں تھے کہ اتفاقاً ایک درویش ان کے گاؤں میں تشریف لائے ، جن کا نام خواجہ اسماعیل تھا ، اور جو ان کے والد کے بھائی کے صاحبزادے تھے ۔ انہوں نے ان کے گاؤں میں آکر اپنی درویشی کا اعلان کیا ، اور لوگوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص مجھ پر یقین رکھتا ہے اور معرفت حق کے لیے مشقت برداشت کر سکتا ہے تو میں اسے معرفت الہی کی منزل پر فائز کر سکتا ہوں ۔ ان کا یہ دعویٰ سن کر بعض لوگ ان کے معتقد ہو گئے ، اور معرفت کا درس حاصل کیا ، اور بعضوں نے انکار کیا ۔ جو ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے ، ان کا سر سنڈواتے ، زنبیل اور کمر بند دیتے ، اور اپنے مریدین سے کہتے نیکی کرو ، بدی مت کرو ، اگر تم نے میری نصیحت پر عمل کیا ، تو میں مرنے کے بعد حاضر ہوں گا ، اور تمہیں خدا کے عذاب سے چھڑواؤں گا اور راحت پہنچاؤں گا ۔ وہ طالبان سے ذکر و فکر حق کے لیے غفلت کو چھڑواتے تھے

اور کم کھانے ، کم بولنے ، کم سونے ، اور عزلت و خلوت میں رہنے ، اور بری عادتوں سے بچنے اور اچھے اوصاف کو اختیار کرنے کی دعوت دیتے تھے ، اور طالبان کو ذکر و فکر اور پاسِ انفس میں مشغول کرتے تھے ۔ خواجہ اسماعیل کی شخصیت اور ان کی تعلیمات سے بایزید پر بڑا اثر ہوا ۔ وہ ان کے معتقد ہو گئے ، اور انہیں خیال ہوا کہ اگر وہ کسی دوسرے کے ہاتھ پر توبہ کر لیں گے ، تو انہیں کلاہ ، شجرہ ، زنبیل ، کمربند اور دوسرا نشان تو مل سکتا ہے ، لیکن لذتِ ذکر اور معرفتِ حق حاصل نہ ہو سکے گی ۔

بایزید کا بیان ہے کہ میں اس وقت بالغ ہو چکا تھا ، اور مجھ پر یہ کیفیت غالب تھی کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ استغدیہ میں مجھ سے زیادہ گنہگار اور بدکار نہیں ہے اور نہ ہوگا ۔ میں نے ایسے گناہ کیے تھے ، کہ میں نہیں جانتا کہ ایسے گناہ کسی دوسرے انسان نے کیے ہوں ؟ لیکن میں خدا کی رحمت سے مایوس نہ تھا ، اور سمجھتا تھا کہ خدائے تعالیٰ رحیم ، مہربان اور غفار ہے ، یہاں تک کہ وہ کسی سبب سے مجھے معاف کر دے گا اور میرے گناہوں کو بخش دے گا ۔

اپنے والد سے مشورہ :

ایک روز میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ میرا دل توبہ کی طرف مائل ہے ، اور مجھے خواجہ اسماعیل سے عقیدت ہے ، میں چاہتا ہوں کہ ان کے ہاتھ پر توبہ کروں ، تاکہ راہِ ہدایت پاؤں ۔ میرے والد نے یہ بات سن کر مجھ سے کہا کہ اگر تم نے خواجہ اسماعیل کے ہاتھ پر توبہ کی تو میری ڈاڑھی منڈھ جائے گی ، اور میرا نام ہر جگہ بدنام ہو جائے گا ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے دادا محمد کے بارہ لڑکے تھے ، اور میں ان میں علم و فضل کے لحاظ سے سب سے بہتر سمجھا جاتا ہوں ، اور میرا نام سب سے زیادہ مشہور اور بلند ہے ، اگر تم نے اس کے ہاتھ پر توبہ کی تو تمام علاقے میں خبر ہوگی ، اس طرح میری ڈاڑھی منڈھ جائے گی ، اور میرا نام بدنام ہوگا ، اس لیے تم ہرگز اس کے ہاتھ پر توبہ نہ کرو ، اگر اس کے بعد بھی تم نے اس کے ہاتھ پر توبہ کی تو گھر میں یا میں رہوں گا یا

تذکرہ صوفیائے سرحد

تم ، اور میں تم سے سخت ناخوش ہوں گا ۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ اس سے قبل بھی جب میں نے علم حاصل کرنے کے لیے کعبے جانے کا ارادہ کیا تھا تو آپ میری راہ میں آڑے آئے تھے ، اب جب کہ میں نے جوانی میں توبہ کا ارادہ کیا ہے تو اب بھی آپ مجھے اس شخص کے ہاتھ پر توبہ نہیں کرنے دیتے جس سے مجھے عقیدت ہے ۔ اس پر میرے والد نے مجھ سے کہا کہ اگر تم واقعی تائب ہونے کا ارادہ رکھتے ہو تو حضرت شیخ بہاء الدین (۱) کے سلسلے میں توبہ کرنے کے لیے ملتان جاؤ ، اور اس خانوادے میں مرید ہو جاؤ ، میں تمہارے لیے پیر کا نذرانہ ، اور سفر خرچ سمیٹا کروں گا ،

(۱) پاک و ہند میں سلسلہ سمہروردیہ کے بانی حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی ہیں۔ وہ ۵۶۶ھ (۱۱۷۰ء) میں کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے ، بارہ سال کی عمر میں ان کے والد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا ۔ اپنے والد کی وفات کے بعد وہ خراسان چلے گئے ، اور سات برس تک علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی ، پھر مختلف ملکوں میں تحصیلِ علم کرتے ہوئے حرمین شریفین حاضر ہوئے ، اور حج و زیارت سے مشرف ہو کر پانچ سال تک مدینہ منورہ میں شیخ کمال الدین محمد یمانی محدث سے حدیث کی تعلیم حاصل کی ۔ حدیث کی تعلیم کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی نے روضہ نبوی کے پاس تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے لیے مجاہدہ کیا ، پھر وہاں سے بیت المقدس پہنچے اور مسجد اقصیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے مقابر کی زیارت سے مشرف ہو کر بغداد تشریف لائے ، اور بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سمہروردی صاحبِ عوارف کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا ۔ خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد آپ کے شیخ نے حکم دیا کہ وہ ملتان جا کر رشد و ہدایت کے نور کو عام کریں ۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹ پر)

اس طرح وہ تم سے خوش بھی ہوں گے ، اس لیے کہ بعض طالب محض آنے جانے والے ہیں ، اور بعض طالب لانے اور لے جانے والے ہیں ۔ میں نے کہا کہ لوگ وہاں کچھ چیزیں لے کر جاتے ہیں ، اور وہاں سے ٹوپی ، یا شجرہ یا ثمرہ زنبیل یا کمربند یا اور کوئی دوسرا نشان لے کر آتے ہیں ، لیکن ذکر و فکر اور حق کے پہچاننے سے مطلقاً آگاہی نہیں رکھتے ، اور میں ذکر و فکر اور حق کے پہچاننے کا متنی ہوں ، آپ مجھ پر بڑا احسان فرمائیں گے ، اگر مجھے خواجہ اسماعیل کے ہاتھ پر توبہ کرنے کی اجازت دیں ۔ میں جس قدر بھی اپنے والد پر اس کے لیے اصرار کرتا تھا ، وہ مجھے اجازت نہیں دیتے تھے ۔ آخر ایک روز میں خواجہ اسماعیل کے پاس گیا ، اور میں نے ان سے عرض کیا کہ میری بڑی تمنا تھی کہ آپ کے ہاتھ پر توبہ کروں ، لیکن میرے والد مجھے اجازت نہیں دیتے ، اور قسم کھائے ہوئے ہیں کہ اگر میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کروں گا تو گھر میں میں رہوں گا یا وہ رہیں گے ، اور وہ مجھ سے اس بات پر سخت ناخوش ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸ سے آگے)

چنانچہ آپ ملتان آئے ، اور ملتان میں آپ نے رشد و ہدایت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا ۔ آپ کے فیوض و برکات سے سارا ہندوستان منور ہو گیا ۔ ملتان ، سندھ اور بلوچستان کے علاقے کو تو آپ کی روحانی سلطنت کہا جاتا تھا ۔ حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی نے ۶۶۱ھ (۱۲۶۲ء) کو وصال فرمایا ، آپ کے خلفا کی تعداد کثیر ہے ۔ مشہور خلفا کے نام یہ ہیں ، شیخ حسن افغان ، شیخ نضر الدین عراقی ، سید صدر الدین احمد بن سید نجم الدین ہروی ، شیخ جال خنداں ، شیخ نجیب الدین علی برغش ، آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف ، آپ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح ، حضرت جلال سرخ ، سندھ کے مشہور بزرگ شیخ عثمان مروندی لعل شہباز قلندر مشہور ہیں (ماخوذ از ”تذکرہ صوفیائے پنجاب“ صفحہ ۱۰۶ تا ۱۳۲)

تذکرہ صوفیائے سرحد

در آن حالیکہ میری عقیدت آپ سے بے حد ہے ، اس لیے اگر ممکن ہو تو خدا کے لیے مجھے بغیر توبہ کے کوئی چیز بتاے۔ خواجہ اسماعیل نے فرمایا کہ میں تمہیں کیا بتاؤں ؟ میں نے کہا کہ جو آپ اپنے مریدوں کو بتاتے ہیں ، وہی مجھے بتا دیجیے۔ انہوں نے فرمایا یہ بغیر توبہ کے ممکن نہیں ، اور میں توبہ کے بغیر تم کو تلقین نہیں کر سکتا۔ ہر چند کہ میں بہ منت و زاری اصرار کرتا تھا ، لیکن وہ دل کا راز مجھے بغیر توبہ کے بتلانا نہیں چاہتے تھے ، اور یہی فرماتے جاتے تھے کہ پاسِ انفاس کرو ، حسنات و درجات کو پاؤ گے (۱)۔

وہ یہ بات مجھے اس لیے کہتے تھے کہ میں پاسِ انفاس میں مشغول تھا۔ اگرچہ پاسِ انفاس ذکرِ خفی سے کرتا تھا ، لیکن معرفتِ حق سے بے خبر تھا ، اور معرفتِ حق کے لیے متجسس و بیقرار تھا۔ ایک دن میں نے بارگاہِ الہی میں عرض کیا کہ اے اللہ ! تو میرے دل کا حال جانتا ہے کہ میرے والد عبداللہ مجھے توبہ نہیں کرنے دیتے ، اور بغیر توبہ کے خواجہ اسماعیل مجھے کچھ نہیں بتاتے ، اور دوسرے کسی سے مجھے عقیدت نہیں ، میں نہیں جانتا کہ اس صورت میں میں کیا کروں کہ توحید کی معرفت مجھے حاصل ہو۔ آخر میں نے اپنے دل سے فتویٰ طلب کیا۔ میرے دل نے فیصلہ دیا کہ میں قرآن کو اپنا امام بناؤں ، اور اس کے احکام کی پیروی کروں۔ خواجہ اسماعیل اپنے معتقدین کو کم کھانے ، کم بولنے ، اور کم سونے اور خلوت میں رہنے کی نصیحت کرتے تھے ، مجھے بھی یہ کام مقدور بھر کرنے چاہییں۔

خواجہ اسماعیل کے طریقوں پر عمل :

چنانچہ میں نے سوکھی روٹی کھانا اور کم سونا اختیار کیا۔ میرے والد مجھ سے کہتے تھے کہ تم کیوں کم اور روکھی سوکھی روٹی کھاتے ہو ،

۱۔ تقریباً تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ حالنامہ قلمی

مائیکروفلم مملوکیہ پشتو اکیڈمی پشاور صفحہ ۳۷ میں بھی

مستقل ہے ۔

جب تم دوسرے گھر والوں کے سامنے معمولی غذا اور کم کھاتے ہو ، اور وہ مہین غذائیں اور بہت زیادہ کھاتے ہیں تو ان کا دل تمہیں دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہے ، اور انہیں کھانے میں لذت حاصل نہیں ہوتی ، ابھی تم جوان ہو ، تمہیں خوب کھانا چاہیے ، جب تم بڑھاپے کو پہنچو تو اس وقت تمہیں دین کی فکر کرنی چاہیے ۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ کیا خبر ہے کہ میں پیری کی منزل کو پہنچوں یا نہ پہنچوں ، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھے آپ دین کے کام کے لیے نہیں چھوڑتے ۔ سب سے پہلے میں نے جب کعبے کا ارادہ کیا تو آپ نے مجھے روکا ، پھر جب میں نے مرشد کے ہاتھ پر توبہ کرنے کا ارادہ کیا تب بھی آپ آڑے آئے ، اب جب کہ میں ریاضت کی طرف مائل ہوں تو آپ مجھے اس پر عمل نہیں کرنے دیتے ۔

والد کے متعلق قرآن سے فتویٰ :

میں نے اپنے والد سے اس گفتگو کے بعد فیصلہ کیا کہ میں قرآن مجید کی تعلیمات پر غور کروں گا ، اور قرآن جو فیصلہ دے گا اس پر عمل کروں گا ۔ میں نے قرآن مجید پر نگاہ ڈالی تو یہ آیت مجھے لکھی ہوئی ملی ۔

وَوَعَيْنَا اِلٰٓسَانَ يٰۤاِبُوَ الْيٰدِيۃِ حَسْبًا وَاِنْ جَاہِدْكَ عَلٰی
تَشْرِكْ بِیْ مَالِیْسٍ لَّكَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطْعَمْہَا

اس کے بعد میں نے اپنے والد سے کہہ دیا کہ دین کے معاملے میں میں آپ کی کوئی بات نہ سنوں گا (۱) ۔

ایک خواب :

پھر بایزید انصاری نے ”صراط التوحید“ میں اپنے ایک خواب کا تذکرہ کیا ہے ، جس میں ان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی ۔ خواب ہی میں حضرت خضر نے ان سے کہا کہ میں تمہیں اپنے دین میں شریک کرنا چاہتا ہوں اور اپنا دینی بھائی بنانا چاہتا ہوں ۔ بایزید نے کہا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ کہہ کر انہوں نے حضرت خضر کے ہاتھ

۱۔ یہ تمام تفصیل ”صراط التوحید“ ص ۱ تا ص ۸ سے ماخوذ ہے ۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

کو اپنے ہاتھ میں پکڑا۔ پہلے حضرت خضر نے ان سے کہا کہ تو اپنے دین کو میرے ساتھ شریک کرتا ہے اور ایک کرتا ہے۔ کیا تو میرا دینی بھائی ہوگا؟ بایزید نے کہا ہاں میں اپنے دین کو آپ کے دین کے ساتھ شریک کرتا ہوں، اور آپ کا دینی بھائی ہوتا ہوں۔ پھر حضرت نے کہا کہ میں نے تمہارے اور اپنے دین کو ایک کر لیا، اور تیری برادری کو قبول کر لیا۔ میں اس پر بے حد خوش ہوا کہ میرا دین اور حضرت خضر کا دین ایک ہو گیا (۱)۔

خواب کے بعد :

پیر بایزید کا بیان ہے کہ اس خواب کے بعد میری کیفیت ہی دوسری ہو گئی۔ مجھ میں محبت اور شوقِ الہی کا جذبہ بڑھ گیا۔ جب کوئی مجھ سے بیان کرتا کہ فلاں جگہ ایک بزرگ ہیں تو میں ان کی زیارت کے لیے جاتا۔ جب میں کسی قبرستان میں پہنچتا تو کلمہ لا الہ، فاتحہ، سورۃ اخلاص اور آیت الکرسی پڑھتا، اور جب میں بزرگوں اور اپنے اقربا کی قبر پر جانا تو سورۃ یسین، سورۃ الرحمٰن، سورۃ تبارک الذی، یا ایہا المرسل اور حم اور دوسری سورتیں پڑھتا، اور ان کی ارواح کو خوش کرنے کے لیے، اور دل کو منور کرنے کے لیے ذکرِ خفی میں مشغول رہتا۔

۱۔ یہ واقعہ تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ حالنامہ قلمی (مالیکروفلم)

مملوکہ پشتو آکیڈمی، ص ۳۸ پر بھی منقول ہے، صرف فرق اتنا ہے کہ حضرت خضر نے انہیں دینی بھائی بنانے کے لیے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا، پھر دوبارہ حضرت خضر نے پوچھا کہ تم میرے دینی بھائی کیوں نہیں بنتے تو بایزید نے جواب دیا کہ آپ پاک ہیں، آپ کا دین پاک ہے اور میں گنہگار ہوں، اس لیے میں اپنے دین کو آپ کے دین کے ساتھ شریک نہیں کرتا، کہ میرے گناہ کی شومی سے آپ کو نقصان نہ پہنچے۔ حضرت خضر نے فرمایا تمہیں ان باتوں سے کیا سروکار، میری مرضی یہ ہے کہ تم اپنے دین کو میرے دین کے ساتھ شریک کر لو اور میرے دینی بھائی بن جاؤ۔

وحدت الوجود کا عقیدہ :

میں بچپن میں اسم الیقین کی منزل میں ، اور مراہقی میں علم الیقین کی منزل میں اور جوانی میں عین یقین کی منزل میں تھا ۔ جوانی میں میرا اعتقاد یہ تھا کہ میری ہستی اور جملہ موجودات ، اور ذرات میں سے کوئی ذرہ خدا کی ہستی سے جدا نہیں ہے اور نہ تھا ۔ مجھ پر چند سال اسی حال میں گزرے کہ میں عالموں ، درویشوں ، قلندروں اور ان کے خادموں کی خدمت اپنے مقدر کے مطابق کرتا ، اور اس حال میں بھی طلبِ معبود کے لیے پیرِ کامل کی تلاش میں رہتا ، لیکن مجھے پیرِ کامل نہیں ملتا تھا ۔

مقامِ قرب پر رسائی :

یہاں تک کہ خدا کے فضل نے مجھ پر تجلی کی ، میرا دل کھل گیا ، پردہ ہٹ گیا ، اور مجھے عین الیقین حاصل ہوا ۔ اس کی علامت یہ تھی کہ میں جس طرف بھی نظر کرتا تھا ، آنکھ اور دل سے (تجلیات) بے مثل کو دیکھتا تھا ، مجھے کوئی چیز اس کی ہستی سے جدا نہیں دکھائی دیتی تھی ، اور میں کوئی آواز بغیر تسبیحِ حق کے نہیں سنتا تھا ۔ پس میں نے جان لیا کہ میں مقامِ قرب کی منزل پر فائز ہوں ، لیکن میں اس حال میں بھی پیر کی طلب میں تھا ، لیکن مجھے پیرِ کامل نہیں ملتا تھا ، اور میں علمِ سلوک کے حاصل کرنے میں مشغول تھا ۔

والد کی تمنا :

میرے والد کی تمنا تھی کہ وہ مجھے علمِ فقہ کی تعلیم دے کر قاضی بنائیں ، اور میں ڈرتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ منصبِ قضا پر پہنچنے کے بعد مجھ سے ناانصافی ہو جائے ، یا میں کسی سے رشوت لینے لگوں ، اس لیے مجھے عہدہٴ قضا سے زیادہ فقیری پسند تھی ، اور میں علمِ سلوک کے حصول میں علمِ فقہ کے حصول سے زیادہ دینی فائدے پاتا تھا اور قاضی گری سے درویشی کو بہتر سمجھتا تھا کہ کسی نے کہا ہے کہ
من جعل قاضیاً فکانما ذبح بغیر سکین - جو قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا (۱)

اسم اعظم تک رسائی :

میں چند سال تک اسی منزل سے گزرتا رہا ، یہاں تک کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے مجھ کو ایک ذریعے سے اسم اعظم پہنچایا ، اور مجھ سے کہا گیا کہ اگر میں اس اسم اعظم کو پڑھوں گا تو میرا مقصود حاصل ہوگا ۔ لیکن میں اس کے پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا ۔ کچھ زمانے کے بعد مجھ پر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ جس چیز کی میں آواز سنتا تھا ، اس سے مجھے اسی اسم کی آواز آتی تھی ۔ پس اس ذریعے سے حق تعالیٰ نے مجھ کو ذکر و حلاوت تک پہنچایا ، اور اس ذکر سے میری ہستی میں اس کی ہستی پگھلنے لگی اور محو ہونے لگی اور ہر وجود کی ہستی حق تعالیٰ کی ہستی کے ساتھ یک وجود ہو گئی ۔ اس حال میں میں اس کی ہستی سے اس کی یعنی حق تعالیٰ کی ہستی کو دیکھتا تھا ، اور اس کی آواز میں اس کی آواز سنتا تھا ، اسی کے ذریعے سے سنتا تھا ، اسی کے ذریعے سے کہتا تھا اور میرا وجود درمیان سے اٹھ گیا تھا ۔

مجاہدے اور ریاضتیں :

اس کے بعد پیر بایزید نے اپنے متعدد خوابوں کا تذکرہ کیا ہے ۔ ان خوابوں سے نتیجہ نکالتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ میرے آخری خواب کی تعبیر یہ ہی ہو سکتی ہے کہ میں اہل دنیا سے پرہیز کروں ، اور خلوت میں بیٹھوں ، اور کم سونے کو اپنا شعار بناؤں ، یہاں تک کہ میرا جسم جو موٹا ہو گیا ہے کم ہو ، اور پاکی کا اثر میرے قلب میں پیدا ہو ۔ میں نے یہ بات کسی سے نہ کہی ، اور میں شہر کے باہر ایک خلوت خانے میں چلا گیا ، اور جمعرات اور جمعہ کے دن میں نے اس اسم اعظم کو پڑھنا شروع کیا کہ جس سے میں ابتدا میں نوازا گیا تھا ۔ دو رات میں اس خلوت خانے میں رہا ، یہاں تک کہ لوگوں کو پتہ چل گیا ، اور وہ بہ منت و سماجت مجھے وہاں سے میرے گھر لائے ۔ گھر پہنچنے کے بعد بھی میں نے کم خوری کو نہ چھوڑا ۔ دو راتیں اسی طرح گزریں ۔ پیر کا دن تھا کہ حق تعالیٰ نے مجھ پر تجلی اسرار کی ، اور مجھے شرک سے پاک کر دیا ۔ مجھے ایسا نظر آتا تھا کہ مخلوق شرک سے پلید ہے ، لیکن میں اپنے

اس حال کو کسی سے بیان نہ کرتا تھا۔ پھر چند ماہ میں نے خلوت میں روزہ رکھا اور تنہائی اختیار کی۔ پھر شریعت کی رو سے یہ بات مجھ پر واضح کی گئی ہے کہ تو اول تجارت اور کاروبار کرتا تھا، اور اس کاروبار و تجارت سے اپنے گھر والوں اور مہمانوں کے لیے روزی حاصل کرتا تھا، تو اب بھی تجارت کر کے روزی حاصل کر۔

حالت نامے میں ہے کہ ان کی بیوی شمسو نے ان سے کہا کہ حق تعالیٰ نے انہیں اور اولیا کو دین اور علیم توحید سے خبردار کیا، وہ امر و نہی کرتے تھے، اور انہوں نے حلال روزی حاصل کرنے کو نہیں چھوڑا تھا۔ آپ پر بھی لازم ہے کہ اپنے گھر والوں کے لیے حلال روزی حاصل کیجیے تاکہ آپ کے وابستگان تنگی میں نہ رہیں۔ ان کی اس تحریک پر پیر دستگیر نے یہ سفر اختیار کیا تھا (حالت نامہ - ص ۷۸)۔

قندھار کا سفر :

چنانچہ میں تجارت کے لیے روانہ ہوا، لیکن میں نے اس سفر میں نیت کی کہ اگر میں کسی کو اٹنائے سفر میں موحد پاؤں گا تو اسی کی خدمت میں ذکر و شغل میں مشغول ہو جاؤں گا۔ جب ہمارا قافلہ قندھار پہنچا تو میرے ساتھی خرید و فروخت اور نفع و نقصان کی فکر میں مشغول ہو گئے، اور مجھے سب سے پہلے پیر کامل کی تلاش کی فکر ہوئی، لیکن مجھے اس ملک میں کوئی پیر کامل نہ ملا، صرف ایک قلندر ملا، جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ تیس سال سے ایک حجرے میں ہے، اور کسی سے بات نہیں کرتا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔

بیرم خاں کے کارندوں کا ظلم :

اس زمانے میں قندھار میں ایک سردار بیرم خاں (۱) نامی تھا، اس کے کارندوں نے ہمارے قافلے پر یہ ظلم کیا کہ ہمارے قافلے کے تمام مال میں سے چھ حصے وہ لیے گئے اور باقی حصے مالکوں کے لیے چھوڑ گئے، یہاں تک کہ انہوں نے میرے مال میں سے بھی دو حصے لیے اور ایک حصہ میرے لیے چھوڑا۔ پس قافلے والے جمع ہوئے، اور انہوں نے بیرم خاں کے پاس

۱۔ یہ وہی بیرم خاں ہے جو اکبر کا اتالیق تھا۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

چند آدمی فریاد کے لیے بھیجے۔ اس جماعت میں میں بھی شامل تھا۔ جب ہم بیرم خاں کے پاس پہنچے تو ہمارے ساتھیوں میں سے بعض نے اس کی تعظیم کے لیے زمین پر گھٹنے ٹیکے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا، اور میں نے اس سے کہا کہ تمہارے کارندوں نے ہمارے مال کے گیارہ حصے کیے، چھ حصے وہ لے گئے، اور پانچ حصے ہمارے لیے چھوڑے۔ امیروں اور بادشاہوں سے حق تعالیٰ انصاف کا متقاضی ہے اور ان سے انصاف کے متعلق پوچھا جائے گا، اور خدائے تعالیٰ کسی کا ایک ذرہ عمل ضائع نہیں کرتا اور اس کو راہ دکھاتا ہے۔ بیرم خاں نے میری بات سن کر کہا کہ وہ اس معاملے کی تحقیقات کرے گا، لیکن اس نے تحقیقات نہ کی بلکہ آلتا اور مخالف ہو گیا۔ اسی روز مجھے ایک آواز آئی کہ تو اسیم اعظم پڑھتا ہے، اور اپنے آپ کو بزرگ شمار کرتا ہے لیکن مال دنیا کے لیے تو نے اس قدر منت و زاری کی کہ مخلوق کے لیے اپنے زانو زمین پر ٹیکے۔ یہ تیرا فعل بے ادبی تھا (۱)۔

پانچ سال تک ریاضت :

اب جب تو گھر پہنچے، تو پانچ سال تک خانہ نشین رہ، اور کسی کے گھر مت جا، دنیا کے کام مت کر، اور ذکر و شغل میں مشغول رہ۔ اگر اس پانچ سال میں تو دنیا کے کام میں مشغول ہو گا، تو غضب میں گرفتار ہو گا۔ جب ہمارا قافلہ واپس وطن لوٹا، میں نے اس حکم کے مطابق اپنے گھر میں ایک تہ خانہ بنایا، اور لوگوں میں مشہور کیا کہ یہاں میں نے ایک خزانہ بنایا ہے، اور اس میں اپنے مال کو محفوظ کیا ہے، اس میں رہ کر اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوں۔ یہ تدبیر میں نے اس لیے کی تاکہ میں لوگوں میں خواہ مخواہ مشہور نہ ہوں۔ لیکن میں نے نیت یہ کی تھی کہ اگر خدا نے چاہا تو پانچ سال تک اسی خلوت خانے میں رہوں گا، اور صرف رفع ضرورت اور وضو کے لیے باہر آؤں گا۔ مگر میں ڈرتا تھا کہ میں یہ پانچ سال پورے کر سکوں گا بھی یا نہیں۔ اور میرا نفس مجھے

۱۔ صراط التوحید۔ یہ روایت حالنامہ میں بھی صفحہ ۲/۷۹ پر

یہ تغیر الفاظ موجود ہے۔

ورغلانا تھا کہ اگر پانچ سال تک تم گھر میں بیٹھے رہے ، اور دنیا کا کام نہ کیا تو گھر کا اثاثہ ختم ہو جائے گا اور تمہارے گھر جو حال ہوگا ، وہ تم جانتے ہو ؟ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس تن اور نفس کو کس طرح سمجھاؤں - میں نے تن سے کہا کہ اے تن ! تجھ کو پرانا کپڑا مبارک ہو ، اگر کوئی دوسری چیز نہ ملی تو میں تجھے یہی پرانا کپڑا پہناؤں گا ، لیکن حرام اور مشتبہات کو تیرے پاس پہنکنے نہ دوں گا ، اور نفس سے کہا کہ اے نفس تجھ کو مبارک ہو کہ تو حرام اور مشتبہات سے بچے گا ، اگر تو بھوکا بھی مرا پھر بھی میں تجھے حرام اور مشتبہات سے پرورش نہ کروں گا ، اور نہ کسی سے مانگوں گا کہ تجھے کھلاؤں - پس میں نے صبر کی کنجی اٹھا کر قناعت کے خزانے کے قفل کو اس پر کھول دیا (۱) -

خلوت خانے میں پانچ سال :

میں نے شریعت کے حکم کے مطابق غسل اور وضو کیا ، اور حجرے میں آیا اور سونے کے بستر کو جدا کر دیا ، اور ذوق و شوق سے اسم اعظم پڑھنا شروع کیا - دنیا ایک دلہن کی صورت میں میرے سامنے آئی ، میں نے دیکھا کہ خوبصورت ہار اس کے گلے میں ہے ، اور ہر دلکش صورت جو جہان میں ہے ، اس کی صورت اس ہار میں نمایاں تھی اور وہ اپنی زینت اور خوبصورتی سے مجھے لبھانا چاہتی تھی اور طمع نے مجھ میں ایک بیمار کی طرح سر اٹھایا اور فریاد کی کہ میرا پیٹ خالی ہے ، اس میں کوئی چیز ڈالنی چاہیے - اسی طرح خواہشات نفس نے سر اٹھایا ، اور مجھے قسم قسم کی لذتوں اور شہوتوں کو یاد دلایا ، اور شیطان اور اس کا گروہ مجھے طرح طرح سے ورغلانا تھا کہ مجھے معبود کی اطاعت سے باہر نکلتا چاہیے - جب میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ عالم جس میں میں تھا اس خواہشات نفسانی کے عالم کے بالکل معارض تھا کہ جس کی طرف وہ مجھے یادِ الہی سے روک کر لوٹانا چاہتا تھا اور اس عالم سے

اعراض کرنا فرض ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے 'فاعرض عن من تولی عن ذکرنا'، اور اس عالم کا اتباع مطلقاً حرام تھا؛ جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ سانہیکم عن ذکر اللہ تعالیٰ فہو حرام - اس کے بعد میں نے اپنے دل میں اس خواہشاتِ نفسانی کی دنیا سے دور رہنے کی یہ تدبیر اختیار کی کہ عقل کے چراغ کو روشن کیا اور اس کی روشنی میں مجھے طمع خیر سے خالی نظر آئی اور میں نے اسے ایمان کی ضد پایا - پس میں نے خدا پر توکل کیا ، اور طمع کو دل سے نکال دیا اور ہوائے نفس کے دروازے کو میں نے مخالفت کے ساتھ کھٹکھٹایا اور اس عقل کے چراغ کی روشنی میں شیطان مجھ کو مکار و دشمن دکھائی دیا ، اس کی اطاعت میں دو جہاں کا نقصان نظر آیا - پس جب وہ کہتا تھا ، میں اس کی بات نہیں سنتا تھا ، اور ملائکہ کی فرمانبرداری کو شیطان اور اس کی جماعت کی فرمانبرداری پر ترجیح دیتا تھا ، اور شک جو کہ کفر کا بھائی ہے میں نے اسے دل سے نکال دیا تھا ، اور یقین جو ایمان کا بھائی ہے اسے میں نے اپنے دل میں جگہ دی تھی -

ارشاد و تلقین کا حکم :

پھر کچھ مدت کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی تم پر یقین کرے ، اور تمہاری خدمت اور فرمانبرداری اخلاص سے اختیار کرے تو اس پر علمِ توحید کو آشکارا کرو تاکہ وہ علمِ توحید سے واقف ہو اور شرک سے دور ہو - میں نے یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا ، پھر مجھے بیداری میں یہی اشارہ ہوا -

رشد و ہدایت :

اس اشارے کے بعد میں نے لوگوں سے کہا کہ جو کوئی میرے پاس آئے ، یقین اور مجاہدہ اختیار کرے ، جو قرآن مجید اور احادیثِ انبیا کی اطاعت اور اولیا و مشائخ کے ارشادات پر عمل کرے اور میری فرمانبرداری خلوص سے کرے ، وہ خدا کی عنایت سے شریعت ، طریقت ، حقیقت ، معرفت ، قربت ، وصلت اور علمِ توحید سے باخبر ہو گا اور شرک خفی اور جلی کی ناپاکی سے باہر ہو گا اور اس کی طاعت ، عبادت ، خیرات و

حسنات بے گمان مقبول ہوں گے اور ایمان کی وجہ سے اس کے دل کو سکون اور آرام حاصل ہوگا اور اس کا نام سرحدین میں ہوگا۔

جب میری یہ بات لوگوں نے سنی تو بعضوں نے اس پر یقین کر کے مجاہدہ نفس اختیار کیا اور تصوف کے مقام و مراتب کو پہنچے اور بعض منکر ہو کر بے خبر رہے۔ پھر میرے پاس بعض لوگ زیارت کے لیے، بعض توبہ اور بعض دوسرے کسوں کے لیے آتے تھے اور میرے سہان ہوتے تھے، یہاں تک کہ چند سال میں میرے پاس روپیہ ختم ہو گیا۔ ایک روز مجھ سے کہا گیا کہ گھر میں صرف اس قدر ہے کہ جو آئندہ چار پانچ روز کے لیے بھی کافی نہ ہوگا۔ پھر کوئی چھڑ گھر میں ایسی نہیں کہ گھر والوں اور سہانوں کے لیے کافی ہو، میں نے کہا کہ ہمیں اس معاملے میں صبر کرنا چاہیے، جو رہ حق میں مستقیم ہوتا ہے خداے تعالیٰ اس کو آزماتا ہے، پھر چند روز کے بعد وہ اٹالہ بھی ختم ہو گیا، یہاں تک کہ میرے گھر میں کچھ نہ پکا اور دوسری جگہ سے پکا ہوا کھانا میرے گھر آیا۔ اس پانچ سال میں صرف یہ ایک دن ایسا تھا کہ جس دن میرے گھر میں کھانا نہیں پکا، اس اکیس سال کی عمر میں مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے روزی کے لیے سوال کیا ہو اور نہ میں روزی حاصل کرنے کے لیے دنیا کا کوئی کام کرتا تھا (۱)۔

رسالے کی تصنیف کے لیے حکم :

اکیس سال کی عمر میں مجھے خواب یا الہام کے ذریعے حکم ہوا کہ میں ایک رسالہ بادشاہوں کے لیے لکھ کر ان کو بھیجوں تاکہ ان کے ملکوں میں توحید کا غلبہ عام ہو اور وہ بادشاہ جو علم توحید سے بے خبر ہیں وہ بھی اس سے واقف ہوں اور وہ توحید کو اختیار کر کے شرک سے باہر ہوں، تمام ممالک میں نیکیاں بڑھیں اور گناہ گھٹیں اور ایک بہترین معاشرہ جنم لے اور انسانوں کے حسن اخلاق سے یہ زمین جنت کا نمونہ بن جائے۔ چنانچہ یہ رسالہ صراط التوحید پر بایزید نے لکھا۔

تعلیمات ،

اس رسالے سے ہمیں شیخ باپزید کی تعلیمات سمجھنے اور ان کے متعلق فیصلہ کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے ۔ اس رسالے سے ہم ان کی تعلیمات کے اہم اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں ۔

توحید

اس رسالے میں انہوں نے جانجا معرفتِ توحید پر زور دیا ہے ، ایک جگہ لکھا کہ

برائے آموختن علم و معرفتِ توحید و علم و معرفتِ توحید اور جو کچھ کہ آچہ در راہ ولیست تعجیل باید ، اس کے راستے میں ہے اس کے سیکھنے سستی و کاہلی و کم ہمتی دروے میں جلدی کرنی چاہیے اور اس میں شاید (۱) سستی اور کاہلی نہ کرنی چاہیے ۔

پھر انہوں نے اسی رسالے میں انسانی افضلیت کے راز کو واشکاف کرتے ہوئے لکھا کہ

افضل الانسان لاجل عبادة الذی انسان کی افضلیت اس عبادت کی وجہ سے ہے ، جو اس کو علم اور معرفتِ توحید سے حاصل ہوتی ہے لايقبل الله تعالیٰ عبادة و المحسنات اور خدائے تعالیٰ نہیں قبول کرتا ان کان بغیر العلم و معرفة التوحید (۲) عبادت اور نیکیوں کو اگر وہ بغیر علم اور معرفتِ توحید کے ہوں ۔

عذاب و راحت آخرت :

انہوں نے طالبانِ سلوک کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا : عذاب و راحت حق تعالیٰ یاد باید حق تعالیٰ کے عذاب و راحت کو آوردن چنانکہ عذاب جاں کندن یاد کرنا چاہیے ، خصوصاً جاں کنی است (۳) ۔

۱ - صراط التوحید - صفحہ ۳۹

۲ - ایضاً - صفحہ ۳۶

۳ - ایضاً - صفحہ ۳۹

بنیادی عقائد کی وضاحت :

پھر بنیادی عقائد کی وضاحت کرتے ہوئے نصیحت فرمائی :

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ موت
حق ہے ، عذاب حق ہے ، شفاعت
حق ہے ، جنت حق ہے ، دوزخ
حق ہے ، اور اہل حق کے لیے
لقائے باری تعالیٰ حق ہے اور اس
میں شک نہیں کہ قیامت آنے والی

کامل و مکمل کی توضیح :

کامل و مکمل انسان کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا :

کامل و مکمل آنست کہ صاحب
شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت
و قربت و وصلت و وحدت و سکونت ہو
اور اسرار ربویت کے حقائق کھولنے
میں تخلقوا باخلاق اللہ کی صفت سے
متصف ہو ۔

عبادت :

عبادت پر زور دیتے ہوئے انہوں نے سلاطین ، آراء اور معتقدین کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ

خدا نے تعالیٰ بنی آدم را برائے عبادت آفریده است، و عبادت ظاہر و باطن است، اما عبادت ظاہر فرض خدا نے تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، اور عبادت ظاہری و باطنی ہے، لیکن عبادات

تذکرہ صوفیائے سرحد

وقتی است ، پس اول آن فرض عمری است ، دویم فرض خمسی است ، سیم فرض ماہی است ، چہارم فرض عشری است ، پنجم فرض اساسی است (۱)۔

ظاہری فرض مؤقتی ہیں۔ پس پہلا ان میں سے فرض عمری ہے ، دوسرا فرض خمسی ہے ، تیسرا فرض ماہانہ ہے ، چوتھا فرض عشری ہے ، پانچواں فرض اساسی ہے ۔

پھر ان فرائض کی تشریح کرتے ہوئے لکھا :

اما عمری دو وجہ است ، اول آن پس از بلاغت کہ در کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ، نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم یکبار بگوید و تکرار کردن دیگر بار سنت است ۔ دویم زیارت خانہ کعبہ کردن است ، چنانکہ حق تعالی فرمودہ است ، اگر وے را طاقت باشد و فرض خمس پنج وقت نماز را بحضور دل گزاردن است ، و فرض ماہ رمضان را روزہ داشتن و فرض سالے زکوٰۃ مال دادن (۲) ۔

فرض عمری کی دو قسمیں ہیں ، اول ان میں سے اس بلاغت کا لحاظ رکھتے ہوئے جو کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں ہے ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو ایک بار کہنا ہے اور دوسری بار کلمے کی تکرار کرنا سنت ہے ، دوسرے خانہ کعبہ کی زیارت کرنا ہے ، جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے ، بشرطیکہ اسے حج کی استطاعت ہو اور فرض خمس ، پانچ وقت کی نماز کو خلوص دل سے ادا کرنا ہے اور فرض ماہ ، رمضان کے روزے رکھنا ہے اور فرض سال مال کی زکوٰۃ دینا ہے ۔

سیرت و کردار کے متعلق نصائح :

حسن اخلاق و بلندی سیرت و کردار پر زور دیتے ہوئے ایک حدیث قدسی کے حوالے سے فرمایا :

۱ - صراط التوحید - صفحہ ۹۷

۲ - ایضاً - صفحہ ۸۲

پس نصیحت کرے اس کو حدیث قدسی کے مطابق جس میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آدمیوں پر فرض کیا ہے کہ وہ سات صفتوں کو اختیار کریں -

اول ان میں سے یہ ہے کہ تمام حرام چیزوں سے پرہیز کرے - دوسرے یہ کہ حلال چیزوں میں سے بغیر اسراف کے تھوڑا سا کھائے پیے - تیسرے یہ کہ مجلس میں کم بات کرے ، اور بری بات منہ سے نہ نکالیں - چوتھے یہ کہ کم سوئے ، جب رات ہو تو میری (اللہ کی) یاد میں خاموش بیٹھے ، یہاں تک کہ خدا کی مخلوق سو جائے ، یا نیند اس پر غالب آنے لگے ، پس (جب سوئے لگے) تو خواب گاہ میں مجھے ہر کروٹ پر یاد رکھے ، یہاں تک کہ سو جائے ، (اس حالت میں) میں اس کے سوئے کو بھی اطاعت میں شمار کروں گا - پھر آخر شب میں بیدار ہو اور وضو کرے اور میری عبادت میں بیٹھ جائے اور منہ اپنے پیر کی طرف رکھے ، اور اس کے تصور کو اپنے دل میں رکھے ، یہاں تک کہ صبح ہو جائے ، پھر خلوص دل سے صبح کی نماز ادا کرے ، پھر میری

پس پند دہد اورا بحديث سبحان گفته خدای تعالیٰ فرض کردم بر آدمیان کہ هفت صفت بگیرند -

اول ، آنکہ از جمله حرام حذر دارد، دوم آنکہ از حلال، بے اسراف اندک آب و طعام بخشد ، سیم آنکہ اندک سخن بزم سے بگوید ، و بدکلام نگوید - چهارم آنکہ خواب اندک کند ، چوں شب شود در یاد من خاموش بنشیند ، تا اکثر خلق قرار شود و یا خواب بروے غالب آید ، پس مرا یاد دارد در خواب گاہ برپهلوی تا آنکہ بخسپد ، هر که بیاد من بخسپد ، خواب او بطاعت بشمارم ، پس در آخر شب برخیزد و وضو سازد و دو رکعت نماز شکر وضو بگذارد و بیاد من بنشیند ، و روعے خود سوے مرشد دارد ، و صورت وے در دل گزارد صبح صادق شود - پس نماز بامداد بحضور دل بگزارد ، باز یاد من در آید و نیز منتظر نماز دیگر باشد کہ رسول فرموده است المنتظر من الصلوة الى الصلوة کانه فی الصلوة ، پس هر کار کند بیاد من هر گاه کہ باشی - پنجم آنکہ در صحبت نیکان باشد ، از صحبت بدان و غافلان دور باش ، ششم آنکہ

تذکرہ صوفیائے سرحد

مرا پنہانی بذکر دائم یاد کند ، (اللہ کی) یاد میں مشغول ہو جائے
 ہفتم قرار نشود از جانب من اور دوسری نماز کا منتظر رہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک نماز سے دوسری نماز کا انتظار
 کرنے والا بھی گویا نماز میں ہے، پس جہاں کہیں بھی ہو اور جو کام بھی
 کرے میری (اللہ کی) یاد میں کرے ، پانچویں یہ کہ نیکوں کی صحبت میں
 بیٹھے اور بدوں اور غافلوں کی صحبت سے دور رہے ۔ چھٹے یہ کہ مجھے (اللہ) ،
 ہمیشہ ذکر سے یاد کرے ۔ ساتویں یہ کہ میرے (اللہ کے) لیے بے قرار
 رہے ... یہاں تک کہ (تصوف و عرفان) کے تمام مقامات کو پالے ۔

اتباع شریعت :

اتباع شریعت پر زور دیتے ہوئے امرا و سلاطین کو نصیحت کی کہ :
 وحاجت من سوئے شما برائے دین میری غرض تم سے تمہارے
 وایمان شہاست کہ گفتار من بشنوید دین و ایمان کے لیے ہے کہ میری
 ودر شریعت ثابت شنوید ، و دیگر بات سنو ، اور شریعت میں ثابت قدم
 آدمیاں را نیز بفرمائید ، تا در آن ثابت ہو ، اور دوسرے آدمیوں کو
 شوند برائے آنکہ در اخلاص درآیند ، بھی اس کے لیے کہو ، تاکہ وہ
 تا فرشتگان در کتاب و در کتاب اس پر ثابت قدم ہوں ، اور اس طرح
 فرمانبرداری بسیار نیکی و احسان سے وہ اخلاص کو اختیار کریں ،
 بنویسند (۲) - تاکہ فرشتے کتاب میں اور نیکیوں

کی کتاب میں ان کی بہت سی نیکیاں
اور احسان لکھیں۔

فضیلتِ عقل :

فضیلتِ عقل ، اور تفکر و تعقل کی برتری کو واضح کرتے ہوئے
فرمایا کہ :

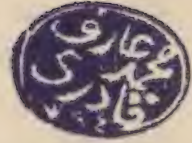
از فضیلتِ عقل بشنو کہ رسول مقبول فرمودہ است ”العقل کل کرامة“ ،
و در جائے دیگر یاد کرده است ”العقل نور فی القلب یضرق بہ بین الحق و الباطل“ ، نیز مشائخ گفتہ اند
رحمة اللہ علیہ العقل نور منور ، وعنه علم و حکمة و مطیعة لاصار
مضل ولن یدخل فی خطیئة ، نیز جائے دیگر یاد کردہ است ”العقل نور
فی الدارین“ پس معلوم شد کہ ہمیں عقل است کہ آدمیاں بطاعت معبود
می رسند ، و مطلوب می یابند و بمخالفت آن گمراہ شوند ۔ حدیث

عقل کی فضیلت کے متعلق سنو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل ہر بزرگی و شرف کا مرجع ہے ، اور دوسری جگہ فرمایا کہ عقل قلب میں ایک نور ہے ، جس کی روشنی میں انسان حق و باطل میں فرق کرتا ہے ۔ نیز مشائخ نے فرمایا ہے کہ عقل ایک نور منور ہے کہ جس سے علم و حکمت اور اطاعت کا وہ راستہ حاصل ہوتا ہے کہ آدمی گمراہ نہیں ہوتا ، اور کبھی غلطیوں میں نہیں پڑتا ۔

نیز دوسری جگہ فرمایا کہ عقل ایک روشنی ہے دونوں جہان میں ۔ پس ان احادیث و اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی عقل کی وجہ سے انسان معبود کی اطاعت تک پہنچتے ہیں ، اور مقصود کو پاتے ہیں ، اور اس کی مخالفت سے گمراہ ہوتے ہیں ۔

قدسی ”خلقنا الملائكة مع العقل و بغير الهواء النفس ، خلقنا الانعام بغير العقل و مع الهواء النفس ، فكل انسان ان يعمل عملاً بطاعة العقل و بمخالفة هواء النفس فهو افضل عن الملائكة و كل انسان ان يعمل عملاً بمخالفة هواء النفس و بمخالفة العقل فهو اضل عن الانعام (۱)

حدیث قدسی میں ہے کہ ہم نے فرشتوں کو عقل دے کر بغیر خواہشاتِ نفس کے پیدا کیا ، اور ہم نے جانوروں کو بغیر عقل کے خواہشاتِ نفس کے ساتھ پیدا کیا ، پس جو آدمی اپنے عمل میں عقل کی متابعت کرے گا اور خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرے گا وہ فرشتوں سے افضل ہے ، اور جو آدمی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرے گا ، اور عقل کی مخالفت کرے گا ، وہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہے ۔



پیر بایزید کی تعلیمات کا خلاصہ :

ہم نے پیر بایزید کی کتاب سے ان کی تعلیمات کے بہت سے اقتباسات اسی لیے پیش کیے ہیں کہ ایک قاری کے سامنے ان کی شخصیت ، ان کے عقائد اور تعلیمات کا صحیح خاکہ آسکے ، اور وہ فیصلہ کر سکے کہ جو عقائد ان کی تعلیمات میں ہمیں نمایاں نظر آتے ہیں ، کیا وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو ماحد یا زندیق کہا جاسکے ۔ وہ دوجہاں کی سیاہی جو عہدِ حاضر کے مؤرخوں نے محض حضرت اخوند درویش کی کتابوں کو پڑھ کر ان کے منہ پر ملی ہے ، کیا واقعی یہ درویش اس کا مستحق تھا ۔ لیکن ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم سوائے انبیا کے کسی کو معصوم نہیں مانتے ۔ ہمیں پیر بایزید کی تعلیمات میں بعض کمزوریاں نظر آتی ہیں ، لیکن ان کمزوریوں کی بنا پر ان پر الحاد و زندیقیت کا فتویٰ لگانا کسی طرح صحیح نہیں ۔ "صراط التوحید" کے مصحح جناب عبد الشکور خاں نے بایزید کی دعوت سلوک اور تعلیمات کا خلاصہ "صراط التوحید" کے ابتدا میں بعنوان تعارف دیا ہے ، جسے ہم ذیل میں مجنسہ نقل کرتے ہیں :

بایزید کی دعوت کن اصولوں پر مبنی تھی، اسے انہوں نے خود فارسی زبان میں ”صراط التوحید“ میں تفصیلاً بیان کیا ہے، اپنی اس دعوت میں انہوں نے بادشاہوں، امیروں اور قومی سرداروں سے خطاب کیا ہے، اور اس کے آغاز میں انہیں تین نصیحتیں کی ہیں، پہلی نصیحت عقل کی فضیلت اور خالق کائنات کی قدرت پر غور و فکر کرنے اور معرفت کے حصول میں کوشاں ہونے کے بارے میں ہے، دوسری نصیحت میں علمِ باطن کے حصول، ضرورتِ شیخ، شریعت کے اوامر و نواہی، اور تقویٰ اور خوف و رجا سے بہرہ ور ہونے پر زور دیا گیا ہے، تیسری نصیحت میں فرمانے ہیں کہ صراطِ مستقیم خود انسان کے قلب اور نفس کے درمیان ہے، چاہیے کہ انسان پہلے تزکیۂ نفس کرے۔ اسی نصیحت میں انہوں نے لوگوں کو اپنے مسلک میں لانے کی تلقین کی ہے، اور اپنے ہر مرید کے لیے حسب ذیل مراتب طے کرنے ضروری قرار دیے ہیں :

- ۱ - شریعت : شریعت کے اوامر و نواہی کی پوری پوری تقلید اور قرآنی احکام و سنت نبوی کی پیروی -
- ۲ - طریقت : شرعی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسری عبادتوں کی طرف بھی توجہ دینا کیونکہ شریعت اور طریقت ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں -
- ۳ - حقیقت : جو انبیا علیہم السلام کا شیوہ ہے، اور یہ ایک لمحے کے لیے بھی ذکرِ خفی، طہارتِ قلب اور یادِ خدا سے خالی نہ رہا جائے۔
- ۴ - معرفت : جس کی بنیاد قوتِ عقل و فکر اور مشاہدے پر قائم ہے -
- ۵ - قربت : جو بلند مراتب طے کرنے اور نفس پر قابو پالینے کا نام ہے -

تذکرہ صوفیائے سرحد

۶ - **وصلت** : انسان اپنی ہستی کو بھلا کر اپنے اندر صفاتِ الہی پیدا کر لے۔

۷ - **وحدت** : توحید میں اپنے آپ کو فنا کر کے ذاتِ حق کو دل میں بسا لینا۔

۸ - **سکونت** : محو و تحقیق کی آخری منزل۔

یہ ہے ان کی تعلیم کا خلاصہ۔ بادی النظر کے لیے ممکن ہے کہ ان کے چند کلمات یا فقرے مثلاً۔ پنداشتہ کہ خدائے تعالیٰ وجود شریف۔ و ہستی او با ہر چیز یکیست و یکے خواہد بود۔ ہیچ چیز از ہستی او جدا نمی دیدم۔ ہستی من در ہستی او می گداخت ، وغیرہ وغیرہ قابل اعتراض ہوں ، لیکن اس کا جائزہ صرف اہل تصوف ہی کر سکتے ہیں ، عوام اس سے بے بہرہ ہیں (۱)۔

بایزید کی تحریک ایک مذہبی اور ملی تحریک تھی :

پیر بایزید نے اپنے مندرجہ بالا اصولوں پر دعوت دے کر لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا اور آہستہ آہستہ یہ تحریک ایک مذہبی اور ملی تحریک بن گئی۔ ہمیں اس تحریک کے پرچم تلے پٹھان بلا امتیاز قبائل و خاندان متحد نظر آتے ہیں۔ آفریدی ، مہمند ، خلیل ، اورک زئی ، بنگش اور یوسف زئی سب ہی نے متحد ہو کر پیر بایزید کی قیادت کو قبول کر لیا۔ وہ اس تحریک کے ذریعے سے پٹھانوں میں تزکیہ نفس ، حسن اخلاق ، بلندی سیرت و کردار ، تکر و تعقل اور حصول علم کے جذبات کو ابھارنا چاہتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پٹھانوں میں تنظیم پیدا کر کے افغانوں کی ایک داخلی اور قومی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور مغل جو ہندوستان میں غلبہ اور اقتدار حاصل کر چکے تھے ، ان کی غلامی سے اپنے علاقے کو آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ ہماری رائے میں یہ خیال صحیح نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض اتفاقی واقعات کی وجہ سے ان کی مغلوں سے مخالفت ہو گئی تھی اور انہیں مغلوں کے خلاف جنگیں لڑنی پڑیں۔ ان جنگوں کے عوامل و محرکات کا تذکرہ ہم آئندہ اوراق میں پیر بایزید اپنے آئینے میں کے تحت کریں گے۔

تحریک روشنائی کا پہلا مرکز :

ابتدا میں پیر بایزید نے کوشستان کانٹری گرم (۱) (جنوبی وزیرستان) کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا۔ اس تحریک کو مستحکم اور استوار بنانے میں جن لوگوں نے پیر بایزید کا ساتھ دیا، اس میں ان کے شاگرد 'ملا ارزانی'، 'ملا عمر'، 'ملا علی محمد مخلص' (قوم خویشگی) 'ملا پایندہ'، 'ملا دولت اکوزئی' اور 'ملا دولت مہمند' زئی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

کلہ ڈھیر، علاقہ ہشت نگر میں آمد :

صاحب تذکرۃ الابرار والاشرار کا بیان ہے کہ بایزید پہاڑی علاقوں سے نکل کر پشاور ہوتا ہوا ہشت نگر (تحصیل چارسدہ) پہنچا۔ اس جگہ 'ملا دولت خان مہمند' زئی کہ اس شہر کے عابد ترین و زاہد ترین لوگوں میں تھا اور خدا داد جنتی کی اولاد سے تھا، چند دن بایزید کی صحبت میں بیٹھا۔ چونکہ ملا دولت معرفت کے علم سے بے بہرہ تھا، وہ بایزید کا معتقد ہو کر گمراہ ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقے کے لوگوں نے 'ملا دولت کی عقیدت کی وجہ سے بایزید کی اطاعت قبول کر لی اور بایزید موضع کلہ ڈھیر (غلہ دیڑ) میں مقیم ہو گیا (۲)۔

۱۔ ”یہ قصبہ بڑا پرانا ہے۔ کہتے ہیں کہ راجہ اشوک اور کشک کے زمانے میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ یہاں ان راجاؤں کے زمانے کے سکے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ مسلمان یہاں ساتویں صدی سے آباد ہیں۔ اکثر آڑ مڑوں کا دعویٰ ہے کہ ان کے آباؤ اجداد یمنی تھے اور محمود غزنوی کے زمانے میں یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ کانٹری گرم کی آبادی اس وقت چھ سات ہزار کے قریب ہے۔ یہ علاقہ سطح سمندر سے ۵۲۹۷ فٹ بلند ہے۔ ٹانک سے ۸۳ میل دور اور رزبک چھاؤنی سے کوئی ۲۰ میل دور ہے۔ یہاں اڑس اور برکی زیادہ آباد ہیں“۔ [ماہ نو کراچی دسمبر ۶۳ ع صفحہ ۲۲] (مضمون اقبال بنوی)۔

۲۔ تذکرۃ الابرار والاشرار۔ ص ۱۵۳

تحریک روشنائی کا دوسرا مرکز کلہ ڈھیر :

پیر بایزید کے قیام کی وجہ سے تحریک روشنائی کا دوسرا مرکز کلہ ڈھیر بنا ، جو اس وقت ضلع مردان کا ایک حصہ تھا ۔

دعوت نامے :

حضرت اخوند درویش کا بیان ہے کہ اسی علاقے میں مقیم ہو کر بایزید نے مختلف لوگوں کو اپنی تحریک کے قبول کرنے کے لیے دعوت نامے روانہ کیے (۱)۔ حضرت اخوند درویش نے بایزید کے علم و فضل اور طباعی و حاضر جوابی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ اگر ان کے شیخ نہ ہوتے تو ان کی رائے میں یہ سارا علاقہ گمراہ ہو جاتا ۔

اگر در آن ایام حضرت شیخنا دریں اگر اس زمانے میں ہمارے شیخ ان حدود نبودے معلوم نیست کہ فردے حدود میں نہ ہوتے ، معلوم نہیں از افراد این مردم مسلمان ماندے ، کہ ان لوگوں کے افراد میں سے زیرا کہ این لعین در دلائل عقلی بعد کوئی فرد مسلمان رہتا یا نہیں ، اس لیے غلو نمودے کہ ہیچ کدام از علماء کہ یہ لعین (پیر بایزید) دلائل از طریقہ بحث وجدال را با او عقلی میں اس حد تک غلو کرتا تھا بسر بردے (۲)۔

کہ کوئی بھی عالم بحث و مناظرے کے طریقے میں اس کے ساتھ چل نہ سکتا تھا ۔

وہ اس کے متبع شریعت ہونے کے بھی معترف ہیں ۔ اگرچہ وہ اس کے اتباع شریعت کو مکر و تلبیس قرار دیتے ہیں اور باطن میں اس کو کفر پر عامل بتاتے ہیں ۔

ایں شیطان صفت چوں عالم بودہ یہ شیطان صفت چوئکہ عالم تھا ، چنداں مکر و تلبیس نمودہ کہ سائر اس نے اس قدر مکر و تلبیس اختیار اعمال شریعت پیشہ گرفته و خود را کیا تھا کہ تمام اعمال شریعت کو

۱ - تذکرۃ الابرار والاشرار - صفحہ ۱۵۳ -

۲ - ایضاً صفحہ ۱۵۱ -

مشرع ساختہ ، و از اقوال ماقدم اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھا اور اپنے انکار نمودہ ، حتیٰ کہ سائرمردم را برو آپ کو شرع کا پابند کیے ہوئے شفقت آمدہ (۱) -

تھا ، بزرگوں کے اقوال سے انکار کرتا تھا ، یہاں تک کہ تمام لوگوں کو اس پر شفقت آتی تھی -

شیخ علی کو دعوت نامہ :

اخوند درویشا کا بیان ہے کہ بایزید نے یہ دعوت نامہ ان کے پیر حضرت سید علی غواص کو بھی بھیجا تھا - جب یہ دعوت نامہ انہیں ملا تو انہوں نے فرمایا کہ افغانوں پر ایک طاقت ور بلا نازل ہو چکی ہے ، کیا معلوم کہ وہ اس بلا کی وجہ سے نابود ہو جائیں - اس علاقے میں کوئی بادشاہ اسلام نہیں ہے - دین کی توضیح علما سے ہے اور دین کی تقویت امرا سے ہے ، پس جب اس حدود میں باوجود تفحص کے علمائے اتقیا اور امرائے عظام کا انصاف معدوم ہے تو یہاں کے لوگوں کا حال معلوم ، اندیشہ ہے کہ یہ سب کفر و ضلالت میں پڑ جائیں گے - (۲)

سید علی غواص اور پیر بایزید کی ملاقات :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت سید علی غواص اور ان کے مرید اخوند درویشا ، پیر بایزید سے ملاقات کرنے اور مناظرہ کرنے ہشت نگر پہنچے - اخوند درویشا کا بیان ہے کہ میں اور میرے پیر ایک جماعت کے ساتھ ہشت نگر جا کر بایزید سے ملے - ملاقات کے بعد اس مرتد (بایزید) نے کہا کہ جس علاقے میں آپ مقیم ہیں وہاں پیر پهلوان رافضی ، پیر ولی بڑیچ اور پیر طیب پہلے سے موجود ہیں ، ان سے نبٹے بغیر میرے پاس آنا کچھ مناسب نہ تھا - حضرت سید علی نے فرمایا کہ ظاہری اور صوری ہلاکت بادشاہوں کے ذریعے ممکن ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور ہلاکت باطنی اور معنوی کا تعلق علما سے ہے ، تو میں نے تمہیں

تذکرہ صوفیائے سرحد

ہلاک کر دیا ہے اور وہ اس طرح کہ میں نے تمہاری جماعت کے فساد و عناد کو تمام لوگوں پر واضح کر دیا ہے ، تاکہ اہل دین و دیانت تم سے احتراز کریں (۱)۔ ”تذکرۃ الابرار“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان گفت و شنید میں اخوند درویزا نے بھی حصہ لیا تھا ، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

بعنایت پیر دستگیر و بالطف خداوند پیر دستگیر کی عنایت اور خداوند قادر قدیر اس فقیر چنداں تقریر و قادر قدیر کی عنایت سے یہ فقیر اس اسولہ واجوبہ ہی نمود کہ آن لعین سے اس قدر تقریر و سوال و جواب و سائر مردم متحیر ماندند ، و بعجز کرنا تھا کہ وہ لعین (پیر بایزید) اور تمام لوگ حیران رہ جاتے تھے گشت ، اما از آنجا کہ ہوائے نفسانی (یہاں تک کہ) اس نے اپنے عجز کا برو غالب آمدہ وا غواء شیطانی برو اعتراف کیا اور عالم سے شرمندہ مستولی گشتہ و ختم خاتمہ او بر ہوا ، لیکن اس بنا پر کہ ہوائے شقاوت رفتہ بود مسلمان شدہ (۲)۔ نفسانی اس پر غالب تھی اور اغوائے شیطانی اس پر مستولی تھا اور اس کا خاتمہ شقاوت پر مقدّر ہو چکا تھا ، مسلمان نہ ہوا ۔

مغلوں سے جنگ (جنگ ہشت نگر) :

اخوند درویزا کا بیان ہے کہ یہ دعوت نامہ کابل کے لوگوں کو بھی بھیجا گیا تھا ۔ کابل کے مغل صوفیہ دار محسن خاں نے حضرت سید علی ترمذی اور حضرت اخوند درویزا کی مدد سے بایزید پر لشکر کشی کی ۔ ۹۷۰ھ سے ۹۸۰ھ تک تقریباً دس سال لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا ، یہاں تک کہ آخری جنگ میں بایزید گرفتار ہوئے ، ان کے ایک گیسو کو کاٹ کر انہیں کابل کے جیل خانے میں ڈال دیا گیا ۔ اخوند درویزا کا بیان ہے کہ چند دن کے بعد انہوں نے تین سو مثقال سونا اور ایک

۱ - تذکرۃ الابرار والا شرار - صفحہ ۱۵۲ -

۲ - ایضاً - صفحہ ۱۵۲ -

کنیز بعض وزرا کو رشوت میں دے کر رھائی حاصل کی ، لیکن عبدالشکور صاحب مصبح صراط التوحید اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ
بایزید کو قید ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ وہ اپنے
روحانی عقیدت مندوں کی مدد سے وہاں سے رھائی پانے میں
کامیاب ہو گئے ۔

جنگ تیراہ :

بایزید کابل سے رہا ہو کر ننگرہار میں راجپور پہنچے ، اور وہاں
کے لوگوں کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر لیا ۔ پھر وہاں سے وہ
ہشت نگر پہنچے اور وہاں کے لوگوں میں تنظیم پیدا کر کے کوہ توفی
میں آئے ۔ آخر میں انہوں نے اپنی توجہ کا مرکز کوہستان تیرہ کو بنایا
اور تیرہ روشنائی تحریک کا عظیم مرکز بن گیا اور یہیں سے وہ وقتاً فوقتاً مغلوں
کا مقابلہ کرتے رہے ۔ آخر انہوں نے صوبے دار محسن خان کے لشکر کو
شکست دے کر تیرہ کے علاقے کو اپنے مخالفین سے بالکل خالی کرا لیا ۔
کوہ تیرہ کی لڑائی میں بایزید کے (۳۲۰) ساتھی مارے گئے ۔ (۱)

جنگ توراعہ :

اس کے بعد بایزید نے اپنے لشکر کو منظم کر کے اور چند ہزار
پیادوں اور سواروں کو ساتھ لے کر ننگرہار کی طرف سے کابل کے مغل
صوبہ دار محسن خاں پر حملہ کر دیا ۔ مغلیہ فوجیں دریائے کابل اور سرخ رود
کے کناروں پر مخالف لشکر کی منتظر تھیں ۔ بایزید نے موضع بڑو کو اپنی
آماجگاہ بنایا ۔ آدھر محسن خاں جلال آباد سے کچھ سواروں کو ساتھ لے کر
نکلا ۔ سنواری علاقے میں توراعہ کے مقام پر دونوں فریقین میں بڑی زور
کی جنگ ہوئی (۲) ۔

بایزید کی وفات :

اس جنگ میں بایزید کو شکست ہوئی اور ان کا لشکر منتشر ہو گیا۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

خود بایزید کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اخوند درویش کا بیان ہے کہ راستے کے مصائب اور پیاس کی شدت نے اس کے جگر کو جلا دیا۔ یہاں تک کہ موضع کالا پانی (کلیانی) پہنچ کر لعنت کے ساتھ اس نے اس دارالفنا سے دارالبقا کی طرف رحلت فرمائی اور اس کی لاش کو ہشت نگر میں دفن کیا گیا (۱)۔

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے اپنے ایک مضمون ”شیخ العالم میاں شیخ درویش“ کے ضمن میں ”تذکرۃ الانصار“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس وقت آپ محسن خاں کی مغلیہ فوج کے خلاف جنگ کر رہے تھے تو آپ کو زہریلا بخار آ گیا (بہ حرارت مسموم) اور ۹۸۰ء میں وفات پائی اور بنوں کے نواح میں ہودک نامی مقام پر دفن کیے گئے (۲)۔

عبدالشکور صاحب صحیح صراط التوحید نے اپنے تعارف میں بایزید کا سنہ وفات ۹۳۳ھ (۱۵۸۵ع) قرار دیا ہے اور وفات کے وقت ان کی عمر ۶۱ سال بتائی ہے۔

بیوی :

حضرت اخوند درویش نے ”تذکرۃ الابرار والاشرار میں بایزید کے نسب، ان کی بیوی اور ان کی اولاد کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ وہ بایزید کی ابتدائی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اے فرزند... قندھار کے حدود میں ایک موضع ہے کافی گرم، چند قبائل افغانان اژمر اور انصاری وغیرہ اس میں آباد ہیں۔ وہاں کے لوگوں سے سنا گیا ہے کہ یہ انصاری اصل میں افغانی نہیں۔ بلکہ بعض اس میں سے اپنے آپ کو قریشی کہتے ہیں اور بعض اپنے آپ کو حضرت یونس پیغمبر کی اولاد میں بتاتے ہیں۔ چونکہ عجم میں انساب مخلوط ہیں اور کوئی امتیاز نہیں اس لیے حقیقت نسب معلوم نہیں۔ لیکن اس قبیلے کے اکثر

۱۔ تذکرۃ الابرار والاشرار صفحہ ۱۵۵

۲۔ اورینٹل کالج میگزین ماہ فروری ۱۹۵۵ع صفحہ ۵۹

تذکرہ صولیا نے سرحد

لوگ اہل صلاح و اہل تقویٰ ہوتے ہیں چونکہ خدائے تعالیٰ کی ہدایت انساب پر نہیں ہے اور اکثر پیغمبروں کی اولاد کافر ہو گئی اور شرفِ اولادی سے باہر نکل گئی ہے اور نہ راہِ راست کے حصول کا شرف زہد و عبادت پر موقوف ہے۔ کیا تم نے قصہ شیخ صنعان کو نہیں سنا کہ ریاضت میں انتہائی جدوجہد کی اور آخر میں کافر ہوا۔ اسی طرح پیر تاریک (بایزید) نے بھی ابتدائی حالات میں بیحد ریاضت کی تھی لیکن آخر میں کفر کی وجہ سے دور جا پڑا اور صراطِ مستقیم موقوفِ علم پر نہیں۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ بوعلی سینا اہل منطق کا امام تھا اور علم کی انتہا پر پہنچا ہوا تھا اور آخر میں گمراہ ہو گیا۔ اسی طرح بایزید نے بھی بہت علم حاصل کیا تھا لیکن ہدایت باری تعالیٰ اس کے فضل پر موقوف ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنے پر ہے بغیر کسی بحث و دلیل کے۔ پس اسی انصاری قبیلے میں سے ایک شخص تھا عبداللہ صاحبِ علم و صلاح جو اس شہر میں مدرس تھا۔ عبداللہ نے اپنے ایک شاگرد ملا پائندہ نامی کو انتہائے کمال پر پہنچایا۔ یہاں تک کہ درس و تدریس کا کام اس کے سپرد کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہجرت سے نو سو سال گزر چکے تھے۔ عبداللہ نے اپنے فرزندوں میں سے ایک کو جس کا نام بایزید تھا تعلیم کے لیے ملا پائندہ کے سپرد کیا۔ ملا پائندہ نے انتہائی جد و جہد سے اس کو علوم کی تعلیم دی۔ جب بایزید بالغ ہوا تو تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ سمرقند گیا اور وہاں سے اپنی مالی استطاعت کے مطابق تجارت کے لیے گھوڑے خرید کر لایا۔ وہاں سے ہندوستان آیا جب وہ جالندھر پہنچا تو اس نے لودھی افغانوں کی ایک لڑکی شمسی نامی سے شادی کی۔ وہیں اس کی ملاقات ملا سلیمان نامی ایک شخص سے ہوئی اور وہ چند دن اس کی صحبت میں

رہا۔ اُس نے اس کو کافرِ مطلق بنا دیا۔ وہیں اس نے جوگیوں کے ساتھ نشست و برخاست اختیار کی اور عقیدہٴ تناسخ اور اوتار جوگیوں کو اپنے دل میں متمکن کر لیا۔ جب (بایزید) کے سب سے بڑا لڑکا پیدا ہوا تو وہ اپنے وطن واپس لوٹا اور وہاں اس نے اپنے کفرِ خفی کو لوگوں پر ظاہر کیا۔ اس کے ماں باپ نے جب اس کے یہ عقیدے سنے، تو اس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا، جس کی وجہ سے اس کو زخمِ کاری پہنچے، یہاں تک کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ مر گیا ہے۔ لیکن وہ بچ گیا اور اس نے توبہ کی اور تجدیدِ ایمان کی۔ آخر وہاں سے بھاگ کر براہِ کابل ننگرہار آیا (۱)۔

اولاد :

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے بحوالہ ”تذکرۃ الانصار“ لکھا ہے کہ بایزید کے پانچ بیٹے تھے۔ پہلے شیخ عمر، دوسرے کمال الدین، تیسرے شیخ نورالدین، چوتھے شیخ خیرالدین، پانچویں شیخ جلال الدین۔ یہ پانچویں بیٹے بی بی شمس کے بطن سے تھے۔

ان کے اس مضمون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بایزید کے ایک اور بیوی بھی تھی جس سے ایک لڑکا تھا۔ جس کا نام شیخ دولت تھا۔ لیکن اس کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا (۲)۔

اخوند درویش کے تذکرے ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پانچ بیٹے تھے اور ان لڑکوں کے وہی نام انہوں نے بھی دیے ہیں، جو نام ڈاکٹر محمد جہانگیر نے لکھے ہیں (۳) ”حالنامہ“ میں ہے کہ بی بی شمس کی بہن نے جب کہ ان کا لڑکا عمر شکمِ مادر

۱۔ ”تذکرۃ الابرار والاشرار“۔ صفحہ ۱۳۶—۱۳۷

۲۔ ”اورینٹل کالج میگزین“ ماہ فروری ۱۹۵۵ء مضمون شیخ العالم

میان درویش صفحہ ۵۹

۳۔ ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ صفحہ ۱۰۵

میں تھا خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ بایزید کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس کا نام عمر رکھو۔ اس نے یہ خواب بایزید سے بیان کیا، چنانچہ بایزید نے اس کا نام عمر رکھا۔ (۱)

نیا بت :

حضرت اخوند درویش کا بیان ہے کہ پیر بایزید کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد عمر اس کے منصبِ خبیث پر بیٹھا اور وہ بھی اپنے باپ کی طرح لوگوں کو گمراہی اور ضلالت کی دعوت دینے لگا۔ اس نے بھی اپنا پیشہ اپنے باپ کے طریقے کے مطابق لوٹ مار کو بنایا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے اپنے باپ کی ہڈیوں کو قبر سے نکال کر ایک صندوق میں رکھا اور انہیں اپنے ساتھ لیے لیے پھرنے لگا اور یہ لعین اپنی جہالت و گمراہی سے اپنے آپ کو افغانوں کا بادشاہ تصور کرتا تھا۔ یہاں تک کہ یوسف زئی قبیلے کے لوگوں نے اس کی اطاعت کی، بلکہ بعض تو اس کے دین میں داخل ہو گئے اور اسے 'عشر و خراج دینے پر راضی ہو گئے مگر حمزہ خاں اکوزئی نے اس کی اطاعت کو خلافِ دین و ایمان سمجھ کر اس کی اطاعت نہیں کی۔ یہاں تک کہ اس ملعون و بے عقل (شیخ محمد عمر) نے اس پر لشکر کشی کی اور حمزہ خاں کے مویشی لوٹ کر لے گیا (۲)۔

محمد عمر اور حمزہ خاں کی جنگیں :

آس وقت حمزہ خاں غصے اور غیرت سے مشتعل ہو کر جنگ کے لیے نکلا۔ پہلی جنگ سرکاوے میں لڑی گئی جس میں اس کافر کو فتح ہوئی۔ دوسری جنگ موضعِ سینٹی میں لڑی گئی، یہاں بھی اسی لعین (محمد عمر) کو فتح ہوئی۔ تیسری جنگ موضعِ باڑہ تونول میں دریائے سندھ کے کنارے لڑی گئی۔ یہاں فتح حمزہ خاں کو ہوئی۔ شیخ عمر اور اس کا بھائی خیرالدین دلازاک قبیلے کے لوگوں کے ہاتھوں دوزخ میں پہنچے اور نورالدین بھاگ کر مہمند زئی قبیلے کے ہاتھوں دوزخ میں پہنچا (۳)۔

۱ - حالنامہ مائیکرو فلم - صفحہ ۱۱۰

۲ - "تذکرۃ الابرار والاشرار" صفحہ ۱۵۵

۳ - ایضاً صفحہ ۱۵۵

جلال الدین یا جلالہ :

چوتھا لڑکا جلال الدین یا جلالہ جو اس جنگ میں زخمی ہونے کے بعد دریائے سندھ میں کود گیا تھا ، چونکہ اس کی قضا نہ تھی وہ دریا سے نکل کر مندنڑ قبیلہ امان زئی کے لوگوں کے ہاتھ پڑا ۔ چونکہ جلالہ ابھی لڑکا تھا اور شکل و صورت کے لحاظ سے بہت خوب صورت تھا اس کی جوانی و خوبصورتی اور اس کی کم سنی پر رحم کر مخالفین نے اسے قتل نہیں کیا ، بلکہ اسے زندہ لے جا کر اکبر کے سامنے پیش کیا جو اس وقت اٹک میں تھا ۔

صاحب ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ کا بیان ہے کہ کفار کا تمام لشکر یوسف زئی قبیلے کے لوگوں کے ہاتھوں مارا گیا اور بایزید کے بیوی بچے قید کیے گئے ۔ بایزید کی بیوی کو ایک میراثی کے حوالے کیا گیا تاکہ وہ باندی سمجھ کر اس سے متمتع ہو ۔ بایزید کی ہڈیوں کا وہ صندوق جسے اس کا لڑکا شیخ عمر بطور تبرک ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا ، اس کو توڑ کر بایزید کی ہڈیوں کو جلایا گیا اور بعض ہڈیوں کو دریا میں پھینک دیا گیا (۱)

جلالہ قید و بند میں :

جلالا ۹۶۶ھ (۱۵۵۸ع) میں اکبر کے سامنے پیش کیا گیا ۔ اکبر نے سیاسی مصالح کی بنا پر اسے نہایت عزت و احترام سے رکھا ، لیکن اس کے دل میں اپنے باپ کا جذبہ کارفرما تھا ۔ وہ اپنی جماعت کو بغیر قیادت کے چھوڑنا پسند نہ کر سکا ۔ چنانچہ وہ موقع پا کر کچھ دن کے بعد ہی اکبر کے ہاتھوں سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوا اور تیراہ میں پہنچ کر اس نے دوبارہ اپنی جماعت کی تنظیم کی اور وہ مغلوں کی مخالفت میں پھر سرگرم آرا ہوا (۲) خود حضرت اخوند درویش کا بیان ہے کہ اس زمانے میں ملک میں اکبر کا دشمن اس سے بڑا کوئی نہ تھا ۔ جلالہ کے مقابلے میں اکبر و جہانگیر کی ناکامیوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ :

۱ - تذکرۃ الابرار والاشرار ۱۵۵-۱۵۶

۲ - ایضاً صفحہ ۱۵۸

عر چند اکبر بادشاہ جہد نمودہ ، بل بعد ازوشاہ سلیم بادشاہ
جہد نمودہ ، این جامعہ متمدان را نابود نساختہ ورامخیبر
ورعایا و فقر احدود کابل را از مکائد این ملعون مامون
نگردانیدہ (۱) -

جلالہ کی وفات :

حضرت اخوند درویش کا بیان ہے کہ آخر وہ وقت آیا کہ جلال الدین
(جلالہ) نے غزنی کو تاخت و تاراج کیا اور اس خطے کے مومنین کو
قتل کیا ، چونکہ خدا کا فضل نو ہزار نوے اولیائے غزنی کی برکتوں
کی وجہ سے شامل حال تھا ہزارہ کے لوگوں نے اطراف و جوانب سے
اس پر حملہ کیا اور بقول ان کے تمام لشکر کفار جہنم واصل کر دیا ۔
جلال الدین اسی لڑائی میں مارا گیا ۔ اس کا سر ہندوستان اکبر کے دربار
میں بھیجا گیا اور اس کے دھڑ کے دو ٹکڑے کر کے نصف دھڑ کو دروازہ کابل
پر اور نصف دھڑ کو دروازہ غزنی پر لٹکایا گیا ، تاکہ زمانے
بہر کے درویش اس کی کیفیت اور حالت کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں (۲) ۔
ڈاکٹر محمد جہانگیر نے اپنے مضمون شیخ العالم میاں شیخ درویش
کے ضمن میں بہ حوالہ ”تذکرۃ الانصار“ جلالہ کے حالات اور کیفیت
وفات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

”اکبر نامے“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ع)
سے ۹۹۶ھ (۱۵۸۷ع) تک ، جلال الدین اور کڑی اور
آفریدیوں کی مدد سے اکبر کی فوجوں سے علی مسجد ،
جمرود اور تیراہ میں لڑتا رہا ۔ تیراہ کی جنگ میں اسے بہت
زیادہ نقصان پہنچا ، کئی قبائل قید ہو گئے اور یہ توران چلا
گیا ۔ ۱۰۰۰ھ میں واپس آیا اور ایک بڑا ہنگامہ بپا کیا ۔
یہ ہنگامہ دو سال تک رہا ، یہاں تک کہ اکبر اپنی افواج کے

۱ - ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ - صفحہ ۱۵۸ -

۲ - ایضاً -

ساتھ رہتاس میں آ بیٹھا اور اس کے اہل کاروں نے جلال الدین پر عرصہٴ حیات تنگ کر دیا۔ تیراہ کی جنگ میں شکست کھا کر جلال الدین کافرستان کو بھاگ گیا، وہاں سے واپس آیا اور وفات پائی (۱)۔“

تحریکِ روشنائی کا آخری علم بردار شیخ احداد :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلال الدین (جلالہ) کی وفات کے بعد بھی اس تحریک نے دم نہیں توڑا اور پیربایزید کے پوتے یعنی شیخ عمر کے لڑکے نے تحریک کی قیادت کو سنبھال لیا۔ چنانچہ حضرت اخوند درویش اس پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اما حکمت غامضۂ باری تعالیٰ معلوم لیکن خدائے تعالیٰ کی پوشیدہ حکمت نیست کہ در شانِ این کفار چہ معلوم نہیں کہ ان کفار کے حق خواستہ است کہ نابود نمیگرداند ، میں کیا چاہتی ہے کہ ان کو نابود فقراء مومنان را از ایشان مامون نمی نہیں کرتی اور فقرائے مومنین کو دارد ، باز پسر شیخ عمر احداد نام ان سے مامون نہیں رکھتی ۔ خروج نموده در کوہ تیراہ جامعہ اس کے بعد شیخ عمر کے لڑکے دزدان و لوندان را جمع آورده برسم احداد نامی نے خروج کیا اور تیراہ پدر و جد خود فساد و عناد پیش میں چوروں اور لفنگوں کی ایک جماعت آورده و مملکت بسیار را خراب و کو جمع کر کے اپنے باپ دادا کی رسم کے مطابق فساد و عناد کو اختیار کیا، ویران ساخته (۲)۔

اور بہت سی مملکتوں کو خراب اور ویران کیا۔

ڈاکٹر محمد جہانگیر نے لکھا ہے کہ :

”احداد نے ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ع) تک آفریدی، تنی اور ک زئی، اور سوری افواج کے ساتھ اکبر بادشاہ سے جنگ کی، اس اثنا میں میان جلال الدین کے لڑکے رشید خاں اور ہادی داد خاں

۱۔ ”اورینٹل کالج میگزین“ ماہ فروری ۱۹۵۵ع صفحہ ۶۰۔

۲۔ ”تذکرۃ الأبرار والاشرار“۔ صفحہ ۱۵۸۔

اور ان کے چچا میرزا نور الدین کا بیٹا میرزا خان جس نے افغانی زبان میں ”دیوانِ میرزا“ مرتب کیا تھا ، ہندوستان آگئے اور شاہِ وقت یعنی جہانگیر سے امیرانہ مناصب حاصل کیے ۔ چنانچہ (اسی وقت سے) ان بزرگوں کی اولاد میں اغطاط آگیا اور امیرانہ مناصب لے کر بیٹھ گئے ، اس وقت احدات نے جہانگیر کو لکھا کہ اگر ہماری طرف سے کوئی مرتا ہے تو وہ شہید ہوتا ہے اور اگر مارتا ہے تو غازی ، لیکن اگر کوئی تمہاری طرف سے مرتا ہے تو وہ جہنم میں داخل ہوتا ہے اور مارنے والا خونی اور واجب القتل تصور ہوتا ہے ۔ یہ بھی لکھا کہ ذرا اپنا شاہنامہ کھول کر تو دیکھ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ سلطان ابوسعید تیموریہ کی دخترکس صاحبِ حال سے بیاہی گئی تھی ۔ ہم اسی بزرگ کی اولاد میں سے ہیں اور اسی لیے وارثِ مملکت ہیں ۔ جہانگیر نے فوج کشی کی اور احدات لڑتے لڑتے مارا گیا ۔ احدات نے اس واقعے سے سلطنتِ ہند میں اپنے خاندان کے اشتراک کا جو دعویٰ کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ :

ایک دفعہ سلطان ابوسعید والیٰ ترکستان بیمار ہو گئے ۔ جب بیماری حد سے زیادہ بڑھ گئی تو مردمانِ شاہی نے فقرا کی طرف رجوع کیا ۔ زید آقا برادر بابا شہباز اس زمانے میں توران گئے ہوئے تھے ۔ یہ ان کے پاس پہنچے اور دعا کے لیے درخواست کی ۔ انہوں نے کہا کہ اگر صحت یابی کے بعد سلطان اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دے تو میں دعا کروں گا ۔ سلطان نے یہ بات منظور کر لی ۔ لیکن جب سلطان کو صحت ہو گئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر گیا ۔ اس کی بیماری پھر عود کر آئی ۔ امرا پھر زید آقا کے پاس آئے ، انہوں نے پھر وہی وعدہ لیا ۔ چنانچہ اس مرتبہ یہ وعدہ سلطان کی صحت یابی کے بعد پورا ہوا اور سلطان نے اپنی لڑکی کی شادی ان سے کر دی ۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

اس نکاح سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ زید آقا کی وفات کے بعد ان کی بیوہ ان کے بھائی بابا شہباز کے عقد میں آئی اور ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابراہیم تھا۔ اس کے بعد بابا شہباز سلطان ابوسعید کی لڑکی اور اپنے بھائی کی لڑکی کو مستوی لے آئے۔

بابا شہباز نے زید آقا کی لڑکی کی شادی اپنی دوسری بیوی کے لڑکے محمد شیخ کے ساتھ کر دی۔ اس عقد سے محمد خیل اور پیر روشن کا سلسلہ چلا، زید آقا کا مزار امیر تیمور کے مقبرے کے پاس سمرقند میں ہے (۱)۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ حقیقت واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ مغلوں کی مخالفت میں مضر ان کی وہ ذاتی کد بھی تھی جو انہیں خاندانی حیثیت سے مغلوں سے تھی اور وہ اپنے آپ کو حکومت میں مغلوں کا شریک و سہم سمجھتے تھے۔ لیکن پیر روشن دور اندیش تھے، انہوں نے اپنی ساری تحریک کو اصولی طور پر چلایا اور کبھی مغلوں سے اپنی خاندانی چشمک اور پرخاش کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ وہ سمجھتے تھے اگر ذرا بھی اس تحریک میں ذاتی مخالفت کا رنگ آ گیا، تو پھر یہ تحریک آگے نہ بڑھ سکے گی۔

ان کے بڑھوتے شیخ اعداد نے جس میں پیر روشن کی سی عاقبت اندیشی نہ تھی اپنے خط میں جو انہوں نے جہانگیر کو لکھا، اس ذاتی عداوت کی طرف بھی اشارہ کر دیا جو سالہا سال سے سینوں میں چھپی چلی آ رہی تھی۔ تحریک ووشنائی کا خاتمہ :

احداد کی وفات کے بعد اس کے لڑکے عبدالقادر نے سلطنت کا دعویٰ کیا اور وہ بھی مارا گیا۔ اس کی لڑکی کی شادی شاہ جہاں نے سعد اللہ خان

۱۔ یہ تمام تفصیل ”اورینٹل کالج میگزین“ لاہور بابت ماہ فروری ۱۹۵۵ ع بہ عنوان شیخ العالم میاں شیخ درویش، مضمون ڈاکٹر محمد جہانگیر سے ماخوذ ہے۔

وزیر مملکت سے کر دی۔ ”شاہجہان نامہ“ میں لکھا ہے کہ ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ء) یعنی گیارہویں سال جلوس میں سعید خاں نے بڑی کوشش کے بعد احماد کے خاندان میں سے محمد زمان پسر پسر داد ولد محمد زمان نواسہ احماد اور علامی بیوہ احماد اور والدہ عبدالقادر کو پکڑ کر شاہجہان کے دربار میں بھیجوا دیا۔ بادشاہ نے انہیں معاف کر دیا اور محمد زمان اور صاحب داد کو خلعت اور اسپ دے کر رشید خاں کے پاس جو احماد کے چچا کا بیٹا اور لٹنگائے کا حاکم تھا بھیج دیا اور اسی سال کریم داد پسر جلال الدین مارا گیا اور اس کے اہل گرفتار ہوئے (۱)۔

پیر با یزید اپنے آئینے میں

یہاں تک ہم نے پیر با یزید کے سوانحی حالات کے ٹکڑے مختلف کتابوں سے دیے ہیں۔ اب ہم ان کے حالات ان کی خود نوشت سوانح حیات ”حالنامے“ سے لکھتے ہیں۔ یہ کتاب ان کی زندگی پر سب سے زیادہ مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں ہمیں ان کے قلم سے ان کی زندگی کے حالات، ان کی تحریک اور ان کی تعلیمات کے مختلف پہلو ملتے ہیں۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں ان کی زندگی کا عکس نہایت صاف اور واضح نظر آتا ہے اور ایک قاری کو ان کی زندگی اور ان کی تعلیمات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

نام و نسب :

”حالنامے“ میں ہے کہ پیر با یزید کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ صاحب حالنامہ نے اپنا سلسلہ نسب اس طرح سے لکھا ہے :

شیخ با یزید ابن عبداللہ قاضی ابن شیخ محمد ابن شیخ با یزید
 ہرنندہ ابن شیخ محمد ابن شیخ سراج الدین ابن چراغ الدین ابن
 شیخ مولانا ابراہیم دانشمند، ابن شیخ زادہ حمزہ ابن خواجہ

محمود ابن شیخ . . . ابن شیخ شمس الدین ابن شیخ خلیل ابن
شیخ لقمان ابن شیخ خدا داد ابن شیخ منصور ابن شیخ محمد ابن
خواجہ زید احمد انصاری ابن شیخ منصور محمد ابن شیخ احمد
ابن شیخ زادہ ابن خواجہ ابو ایوب انصاری (۱) -

ابتدائی حالات :

حائسے میں پیر بایزید کے ابتدائی حالات جو ہمیں ملتے ہیں
ہم انہیں اختصار سے پیش کرتے ہیں - پیر بایزید کے والد کا نام عبداللہ
اور ان کی ماں کا نام بی بی ایمنہ تھا - ایمنہ کے والد کا نام ابوبکر اور ان
کے دادا کا نام عبداللہ تھا - پیر بایزید کے دادا اور ایمنہ کے دادا دونوں
حقیقی بھائی تھے - کہتے ہیں کہ بی بی ایمنہ کے والد ابوبکر نے سات حج
کیے تھے اور مردِ منعم اور صاحبِ دولت تھے - ان کا وطن جالندھر تھا -
ابوبکر کے ایک منکوحہ بیوی اور ایک کنیز تھی - منکوحہ بیوی سے ایک
لڑکی ایمنہ تھی اور کنیز سے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی - پیر بایزید کے
دادا شیخ محمد کا وطن کوہستان میں کافی گرام تھا - وہ ایک مرتبہ تجارت
کے لیے ہندوستان آئے، جب جالندھر پہنچے تو ابوبکر کے گھر میں مہمان
ہوئے اور چند روز ان کے ہاں مقیم رہے - ابوبکر کے گھر والوں کے
طور و طریق ان کو پسند آئے - شیخ محمد کے بارہ لڑکے تھے - انہوں نے
چاہا کہ وہ شیخ ابوبکر کی منکوحہ بیوی کی لڑکی اپنے لڑکے کے لیے
مانگیں - شیخ محمد نے کئی عورتوں کے ذریعے سے اپنے لڑکے کا پیغام
شیخ ابوبکر کے پاس بھیجا - مگر اس نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ
میری منکوحہ بیوی سے صرف ایک لڑکی ہے - میں اسے کوہستان میں
بیابا کر پردیسی بنانا نہیں چاہتا - جب شیخ محمد نے دیکھا کہ اس طرح
کام نہیں چلتا تو وہ ایک روز خود ابوبکر کے گھر گئے اور کہا میں پیاسا
ہوں، خادم پانی لایا - مگر انہوں نے پانی نہ پیا - پھر انہوں نے کہا

۱ - ”حائسہ قلمی“ مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور -



کہ میں تشنہ ہوں۔ خادم گھر میں گیا اور پانی میں شکر ملا کر لایا لیکن پھر بھی انہوں نے نہیں پیا اور کہا کہ میں مشتاق ہوں۔ خادم تیسری مرتبہ گھر میں گیا اور نہایت عمدہ شربت بنا کر لایا لیکن پھر بھی انہوں نے نہ پیا اور کہا کہ میں پیاسا ہوں۔ خادم نے تنگ آ کر کہا کہ میں پانی شربت وغیرہ سب کچھ آپ کے لیے لایا، مگر آپ نہیں پیتے اور یہی کہہ جاتے ہیں کہ میں پیاسا ہوں۔ شیخ محمد نے جواب دیا کہ میں پانی کا پیاسا نہیں ہوں بلکہ میں تو نسبت کا مشتاق ہوں۔ خادم نے شیخ ابوبکر سے جا کر کہا۔ شیخ ابوبکر نے جواب دیا کہ تم اپنے لڑکے کو یہاں بلا لو تو میں نسبت کر دوں گا، ورنہ میں اتنی دور اپنی لڑکی کو پردیس نہ بھیجوں گا۔ شیخ محمد نے یہ بات قبول کر لی۔ اس کے بعد ابوبکر نے مبارکباد دے دی اور اس موقع پر لین دین کی جو رسم ہوتی ہے، وہ بھی ادا کر دی۔ پھر شیخ محمد کوہستان آئے اور انہوں نے اس نسبت کا حال گھر میں بیان کیا۔ گھر والوں نے اس نسبت پر ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ پھر شیخ محمد نے اپنے ایک لڑکے کو ہندوستان بھیجا۔ جب وہ جالندھر پہنچا تو حاجی ابوبکر کے گھر میں مہمان ہوا اور چند دن کے بعد حاجی ابوبکر نے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دی۔ شادی کے بعد وہ چند سال جالندھر رہا اور اس کے بیوی ایمنہ کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ شادی کے چند سال بعد شیخ محمد کے لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ جب شیخ محمد کو اپنے صاحبزادے کی وفات کی اطلاع کوہستان میں ملی تو انہیں بے حد صدمہ ہوا۔ اس کے چند دن بعد شیخ محمد کا دوسرا لڑکا عبداللہ ہندوستان گیا اور اس نے جالندھر پہنچ کر اپنے بھائی کی بیوہ سے شادی کر لی۔ چند ماہ کے بعد پیر با یزید کی ولادت ہوئی۔

ایک خواب :

اسی زمانے میں جب کہ بیوی ایمنہ حاملہ تھیں کسی نے خواب میں دیکھا کہ عبداللہ کے گھر میں چراغ منور ہوا۔ اس نے لوگوں سے بیان کیا کہ عبداللہ کے گھر میں لڑکا پیدا ہوگا، پھر کسی نے واقعہ کی صورت میں دیکھا کہ کسی نے کہا کہ عبداللہ کے گھر میں لڑکا پیدا

تذکرہ صوفیائے سرحد

ہوگا اس کا نام سراج الدین رکھنا کہ وہ دین کا چراغ ہوگا۔ جب پیر بابزید پیدا ہوئے تو اس شخص نے جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا ان کے والد عبداللہ سے کہا کہ اس کا نام سراج الدین رکھو کہ وہ دین کا چراغ ہوگا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ اگر میں اس کا نام سراج الدین رکھوں تو چونکہ میری قوم سراج الدین کی اولاد سے ہے مجھے اندیشہ ہے کہ میری قوم اس پر غیرت کرے گی اور خدا جانے کہ وہ سراج الدین کے مرتبے کو پہنچے گا بھی یا نہیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ میں اس کا نام اپنے دادا کے نام پر بابزید رکھوں، چنانچہ عبداللہ نے ان کا نام بابزید رکھا۔

عبداللہ کی کوہستان میں واپسی :

ابھی پیر بابزید چالیس دن کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کے والد عبداللہ نے بعض حالات کے تحت اپنے وطن کوہستان جانے کا ارادہ کیا اور اپنی بیوی سے کہا اگر تم چاہو تو میری ساتھ کوہستان چلو۔ اس کی بیوی نے جواب دیا کہ میں ہندوستان کے رسم و رواج سے واقف ہوں اور کوہستان کے رسم و رواج سے بالکل ناواقف، اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے یہیں چھوڑ دیجیے اور خرچ دیتے رہا کیجیے۔ عبداللہ نے یہ بات منظور کر لی اور اپنے وطن ہی سے اپنے بچے اور بیوی کی خبر گیری کرتا رہا۔

عبداللہ کا بھائی ہندوستان میں :

جب مغل ہندوستان میں داخل ہوئے اور مختلف علاقوں میں تاخت و تاراج شروع کی تو اسی تاخت و تاراج کے زمانے میں عبداللہ کا ایک بھائی شیخ خداداد اپنے گھر والوں کے ساتھ شہر جالندھر گیا اور یہ خاندان پیر بابزید کی والدہ کے ہاں ٹھہرا۔ بابزید کی والدہ نے اس خاندان کی پوری پوری مدد کی۔ شیخ خداداد کے تین لڑکیاں تھیں، اس نے اپنی ایک لڑکی پیر بابزید سے منسوب کر دی۔ کم و بیش ایک سال کے بعد مغلوں نے ہندوستان کو افغانوں سے لے لیا اور افغان ولایت بہار اور پٹنہ میں چلے گئے۔ اس وقت پیر بابزید کی عمر پانچ سال کی تھی۔ اسی زمانے میں پیر بابزید کی والدہ کے پاس خرچ نہ رہا اور وہ اپنا زیور فروخت

کر کے اپنی گزر اوقات کرنے لگیں۔ جب شیخ خداداد کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے بھوج کو کہلا بھیجا کہ مناسب یہ ہے کہ ہم سب مل کر یکجا گزر اوقات کریں۔ چنانچہ ہر بایزید کی والدہ اس کے ساتھ رہنے لگیں۔

عبداللہ کی اپنے بال بچوں کی طلبی :

چند روز کے بعد عبداللہ نے کوہستان سے محمود کو بھیجا کہ وہ اس کے گھر والوں اور خداداد کے گھر والوں کو کوہستان لے آئے اور محمود سے کہا کہ وہ خداداد سے کہے کہ اگر وہ بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ آجائیں تو اچھا ہے ورنہ اپنے لڑکے کو بھیجے کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کر دوں۔ محمود جب ہندوستان پہنچا تو اس نے عبداللہ کا پیغام شیخ خداداد کو پہنچایا۔ خداداد نے جواب دیا کہ ہندوستان پر مغلوں کا تسلط ہے اور یہ بڑا افراتفری کا زمانہ ہے اور میرا وہاں جانا مشکل ہے۔ جب کوئی قافلہ آئے گا تو میں اس کے ساتھ آؤں گا۔ لیکن جب مغلوں نے دوبارہ حملہ کر کے افغانوں سے ملک واپس لے لیا اور افغان منتشر ہو گئے تو اسی زمانے میں شیخ خداداد اور عبداللہ کا خاندان اپنے وطن (کوہستان کی طرف) روانہ ہوا۔ جب یہ قافلہ قنوج پہنچا تو اسی نواح میں بابر اپنے لشکر کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ لشکر کے لوگوں نے اس قافلے کو دیکھا تو بابر سے کہا کہ یہ افغان ہیں۔ بابر نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ تاخت و تاراج شروع ہوا۔ جب لوٹنے والے خداداد کے پاس پہنچے تو اس نے کہا میں تو انصاری ہوں اور اپنے آبا و اجداد کا شجرہ دکھایا۔ اس طرح خداداد کی وجہ سے افغان بھی بچ گئے۔ لشکریوں نے مشورہ دیا کہ وہ بادشاہ کے پاس عرضداشت پیش کریں۔ اس مشورے پر قافلے کے باقی ماندہ لوگوں نے سات لاکھ ٹنکوں کے ساتھ ایک جان بخشی کی عرضداشت بابر کے پاس پیش کی۔ بابر کا فرمان جاری ہوا کہ جو کوئی ان لوگوں کو آزار پہنچائے گا تو میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔

پیر بایزید اپنی والدہ کے ساتھ کوہستان میں :

اس طرح یہ قافلہ کوچ کر کے اپنی منزل کو پہنچا اور شیخ خداداد ،
پیر بایزید اور ان کی والدہ کوہستان پہنچیں (۱) -

عبداللہ کا بایزید اور ان کی والدہ کے ساتھ طرزِ عمل :

”حالنامے“ میں ہے کہ عبداللہ نے کوہستان آ کر ایک عورت فاطمہ
نامی سے شادی کر لی تھی - جو نہایت ستیزہ خو اور حاسد تھی اور
بایزید کی ماں سے بھی حسد رکھتی تھی اور عبداللہ بھی بایزید کی ماں پر
نامہربان تھا - بایزید کی ماں کے ساتھ لوگوں نے عبداللہ کی بدسلوکی کو
دیکھ کر کہا کہ یا تو تم بایزید کی ماں کو چھوڑ دو یا اس کا حق اس
دوسری بیوی کے برابر ادا کرو - چنانچہ عبداللہ نے رشتے داروں کے کہنے
سے مجبور ہو کر بایزید کی ماں کو آزاد کر دیا اور وہ اپنے باپ کے گھر
چلی گئی - اس وقت بایزید کی عمر سات سال تھی - بایزید کے ساتھ بھی
فاطمہ کا طرزِ عمل اچھا نہ تھا اور وہ ان کے ساتھ نہایت برا سلوک
کرتی تھی - جس کی وجہ وہ علیحدہ رہنے لگے تھے (۲) -

بایزید کو باپ کی نصیحت :

اسی زمانے میں جب کہ بایزید ماں باپ سے علیحدہ رہتے تھے ایک
روز عبداللہ بایزید سے ملا اور انہیں حق پداری کا واسطہ دے کر کہا کہ تم
فاطمہ کے ساتھ رہو اور اس کی خدمت میں کمی نہ کرو - لیکن میں اس وقت
بھی تم پر مہربانی نہیں کروں گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں تم پر
مہربانی کروں تو فاطمہ تم کو آزار نہ پہنچائے - بیٹے نے باپ کی بات قبول
کر لی اور وہ گھر میں رہ کر فاطمہ کی خدمت کرنے لگے - فاطمہ کے دل
میں بھی ان کی کچھ محبت پیدا ہو گئی - فاطمہ کے ایک لڑکا یعقوب نامی
تھا جو پڑھتا تھا (۳) -

۱ - یہ تمام تفصیل ”حالنامہ“ قلمی - صفحہ ۴ تا ۸ سے ماخوذ ہے -

۲ - حالنامہ قلمی - صفحہ ۹ -

۳ - ایضاً - صفحہ ۱۰ -

تعلیم :

عبداللہ نے چاہا کہ بایزید کو بھی تعلیم دلائے۔ چنانچہ اس نے پیر بایزید کو تعلیم کے لیے اپنے ایک شاگرد ملا پایندہ کے سپرد کیا۔ اسی مکتب میں ان میں خشیت الہی، عبادت اور ریاضت کے جوہر چمکے۔ تھوڑی سی مدت میں انھوں نے قرآن مجید ختم کر لیا۔ پیر بایزید کے قبیلے کی یہ رسم تھی کہ جب کوئی بچہ قرآن مجید ختم کر لیتا تو اپنے اعزہ و اقربا کی ضیافت کرتا، اور استاد کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا لیکن عبداللہ نے یہ رسم ادا نہ کی۔ باوجود اس کے کہ پیر بایزید نے اس تقریب کے ادا کرنے کے لیے تین مرتبہ اپنے والد سے کہا، لیکن تینوں مرتبہ عبداللہ نے یہی جواب دیا کہ ملا پایندہ میرا شاگرد ہے، میں نے اس کی تعلیم پر کچھ نہیں لیا، اس لیے میں تمہاری تعلیم پر اس کو کچھ نہ دوں گا۔ بایزید نے پڑھنا چھوڑ دیا، اور فاطمہ ان سے گھر کے کام لینے لگی، لیکن اپنے والد کی نصیحت کے مطابق وہ ہمیشہ قرآن مجید اپنے ساتھ رکھتے تھے، جب فرصت ملتی، قرآن کا مطالعہ کرتے (۱)

ذوقِ معرفت الہی :

حالات میں ہے کہ بچپن ہی سے پیر بایزید میں بعض خصوصیتیں ایسی پائی جاتی تھیں کہ جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کا قلب آئندہ چل کر معرفت الہی کا گنجینہ بنے گا۔

بچپن ہی میں ایک خصوصیت ان کی یہ تھی کہ جو کوئی ان سے قرآن یا کتاب یا حدیث کی کوئی چیز بیان کرتا تو وہ اس کا یقین کرتے اور اس پر عمل کرتے۔

ان کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ بچپن ہی سے خدا سے ڈرنے والے تھے، اور خشیت الہی کی وجہ سے حرام کھانے، حرام پہننے اور جھوٹ بولنے سے بچتے تھے اور اپنے استادوں کی خدمت کرتے تھے۔ تیسری خصوصیت یہ تھی کہ علما و فقرا کی خدمت کرتے تھے، اور اسی کے

تذکرہ صولیاۓ سرحد

ساتھ اپنے والد کی خدمت بھی کرتے تھے۔ ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ اگر کسی سے سن لیتے کہ فلاں دعا اور استغفار پڑھنے میں ثواب ہے تو اسے اختیار کرتے۔ سخاوت کی طرف مائل تھے، دوسروں کی خدمت کا شدید جذبہ ان میں پایا جاتا تھا۔ اعتقادِ درست کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے (۱)۔

ریاضتیں اور مجاہدے :

پیر بایزید کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی تفصیل حالنامے میں بھی تقریباً وہی ہے جو ہم گزشتہ اوراق میں ان کی کتاب ”صراط التوحید“ سے نقل کر آئے ہیں کہ وہ سخت ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد ہندوستان گئے، اور جب قندھار سے واپس ہوئے تو اپنے گھر میں ایک تہہ خانہ بنایا اور خود اپنے گھر والوں کو لے کر اس میں چلّہ کشی کی۔

مرید خاص :

حالنامے میں ہے کہ پیر بایزید کے ساتھ جو اس چلّے میں بیٹھے ان میں ان کی بیوی بی بی شمسو اور ایک مرید خاص علی شیر تھا۔ جو مردِ متجسس اور طالبِ حق تھا۔ پیر بایزید کو علی شیر سے خاص لگاؤ تھا۔ انھوں نے علی شیر سے کہا تھا کہ میں توحید کے اسرار جانتا ہوں لیکن مجھے بتانے کا حکم نہیں۔ جب مجھے توحید کے اسرار بتانے کے لیے خدا کا حکم ہوگا تو میں تمہیں توبہ کراؤں گا اور پھر علمِ توحید سے واقف کراؤں گا۔ تم کسی دوسری جگہ مرید نہ ہونا۔ جب علی شیر کو معلوم ہوا کہ بایزید کو حکم مل گیا ہے تو وہ بایزید کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اجازت کے بعد آپ علمِ توحید مجھے بتائیں گے اب بتائیے۔ بایزید نے کہا کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ جو طلبِ حق اور یقینِ درست کے ساتھ تمہارے پاس آئے تو اسے توبہ کرا اور علمِ توحید اس سے بیان کر۔ اگر تم یہ یقین ریاضت کے ساتھ کرتے ہو تو میں تمہیں علمِ توحید بتاؤں گا۔

علی شیر نے کہا میں تو آپ کے وعدے پر یقین کیے ہوئے بیٹھا ہوں۔ اب جو آپ ریاضت کم ہیں وہ بھی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ یہ بھی اس چلے میں بیٹھا جس میں بایزید کی بیوی شمسو اور بایزید شریک تھے (۱)۔

علی شیر پر بایزید کو اس قدر اعتماد تھا کہ اس چلے میں جو علی شیر نے بایزید کے ساتھ کھینچا تھا بی بی شمسو ان چلہ نشینوں کی دیکھ بھال کرتی تھی اور علی شیر کی وجہ سے بی بی شمسو کو آمدورفت اور دیکھ بھال میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ کچھ دن کے بعد علی شیر کی ماں آئی اور اس نے علی شیر سے کہا اگر تو خلوت میں بیٹھنا ہی چاہتا ہے تو اپنے گھر آکر خلوت میں بیٹھ۔ تیری وجہ سے بی بی شمسو کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور وہ باہر نہیں نکل سکتی۔ علی شیر نے جواب دیا کہ اگر پیر حکم دیں گے تو میں اس پر عمل کروں گا۔ علی شیر کی ماں نے یہی بات پیر بایزید سے کہی۔ پیر بایزید نے کہا کہ بی بی شمسو تو علی شیر کی بہن ہے اس کے سامنے آنے میں کچھ حرج نہیں (۲)۔

حالیانے میں آگے چل کر مزید ان لوگوں کے نام کی صراحت کی گئی ہے جو اس چلے میں شریک تھے۔ صاحب حالیانے کا بیان ہے کہ اس چلہ کھینچنے والوں میں بی بی شمسو، علی شیر، شادی خاں اور بیغت خاں تھے (۳)۔

چلے کے ختم ہونے کے بعد :

چلے کے ختم ہونے کے بعد جب بایزید اس خلوت سے باہر آئے تو اس طویل ریاضت نے جو کیفیت ان میں پیدا کر دی تھی اس کو حالیانے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

چوں بایزید قدس سرہ از خلوت پیروں آمد بعضے یاراں برائے

۱ - حالیانہ قلمی صفحہ - ۱/۸۴

۲ - ایضاً - صفحہ ۸۶ - ۱/۸۶

۳ - ایضاً - صفحہ ۷۲، ۷۳

تذکرہ صوفیائے سرحد

دیدن ایشاں رفتند ، پرسیدند کہ تو دریں خلوت نشستہ بودی
چہ حاصل وجہ منفعت یافتی - پیر دستگیر قدس سرہ فرمود کہ
حق تعالیٰ مرا علمِ اسرار کشف گردانید - جملہ این خلق را در
شرک پلید می بینم -

(ترجمہ)

جب بایزید قدس سرہ خلوت سے باہر آئے ، بعض دوست
ان کے دیکھنے کے لیے گئے اور انہوں نے پوچھا کہ تم نے خلوت
میں بیٹھ کر کیا حاصل کیا ، اور کیا منفعت پائی ؟ پیر دستگیر
قدس سرہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ پر علمِ اسرار کھولا ،
خلق کو شرکِ پلید میں دیکھتا ہوں - پھر ایک سوال کرنے
والے نے ان سے پوچھا کہ اے بایزید ! تم خلق کو کیسا
پہچانتے ہو - انہوں نے جواب دیا کہ اے سائل ! جب میں آدمی
پر نظر کرتا ہوں تو میں اس کو مشرک پہچانتا ہوں اور اس
دانش و کشف کا سبب یہ ہے کہ چند سال ہوئے کہ مجھے ندا آئی
فلاں اسم پڑھ ، میں نے وہ اسم نہیں پڑھا ، اب میں نے خلوت میں
اس اسم کو پڑھا ، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو موحد
بنایا دیا ، اور ادراکِ بخشا کہ میں خلق کو پہچانوں کہ جو
نفاق و شرک میں ہیں ، اور میں توحید اور شرک کے کلام سے
آگاہ ہوا -

پھر بعض معرفت کے مدعی پیر بایزید کے پاس آئے اور ان سے
پوچھا کہ تم سالکوں اور عارفوں کو کس نوعیت سے دیکھتے ہو ،
پیر دستگیر نے کہا کہ میں ان کو شرکِ پلید میں دیکھتا ہوں -
جب ان معرفت کے مدعیوں نے یہ بات سنی تو ان کو غیرت آئی اور
وہ اٹھ کر چلے آئے اور شہر میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ بایزید
سالکوں اور عارفوں کو بھی شرکِ پلید میں مبتلا بتلاتا ہے -
اس وقت سے بعض علما ، زاہدوں اور سالکوں کے دل میں ان سے
بغض و عداوت پیدا ہو گئی -

جستجوئے مردانِ حق :

ان ریاضتوں اور مجاہدوں نے پیر بایزید کے ذوقِ معرفت کو اور نکھارا۔ حالنامے میں ہے کہ جب پیر دستگیر علمِ توحید و اسرار سے خبر دار ہوئے، تو وہ اپنے دل میں کہتے تھے کہ کاش مجھے کوئی ایسا شخص ملے جو اس مقام سے کماحقہ واقف ہو۔ اس زمانے میں جب کوئی پیر دستگیر سے کہتا کہ فلاں خدا رسیدہ شخص آیا ہوا ہے، پیر دستگیر اس سے فوراً گفتگو کرتے اور اس کے حال کو دیکھتے کہ وہ پلیدی شرک سے باہر ہوا ہے یا نہیں۔ پھر وہ اپنے دل میں کہتے کہ جو خود پلیدی شرک سے باہر نہیں ہوا وہ کس طرح دوسروں کو باہر کر سکتا ہے (۱)۔

دعوت :

حالنامے میں ہے کہ پانچ سال کے چلے کے بعد پیر بایزید کو حکم ہوا کہ گھر سے باہر آؤ، اور لوگوں کو معرفت کی دعوت دو۔ چنانچہ انہوں نے دعوتِ دینی شروع کی۔

مخالفینِ تحریکِ روشنائی :

اس تحریک کے شروع ہوتے ہی اس کے مخالفین بھی پیدا ہو گئے تھے۔ اس تحریک کے مخالفین میں جو لوگ پیش پیش تھے، ان میں پیر بایزید کا باپ عبداللہ، ان کا بھائی یعقوب، حسن خاں، عبدالکریم اور عثمان تھے۔ لیکن ان سب میں مخالفت میں شدید عثمان تھا، جو علی الاعلان لوگوں کو اس تحریک سے روکتا تھا۔ جس کی شدت مخالفت کو دیکھتے ہوئے پیر بایزید نے کہا تھا کہ ہر زمانے میں شیاطین جن و انس ہوتے ہیں جن کے اعمال کو شیطان انہیں اچھا کر کے دکھاتا ہے، اور ان کو خدا سے روکتا ہے، عثمان وغیرہ شیطان کے وارثوں میں ہیں۔

عثمان نے پیر بایزید کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھا۔ حالنامے میں ہے کہ اس کی شدتِ مخالفت سے بایزید دل شکستہ اور غمگین

تذکرہ صوفیائے سرحد

رہنے لگے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ کاش خدائے تعالیٰ دشمنوں کو پیدا نہ کرتا، اور انہیں ظاہر نہ کرتا۔ وہ اسی پریشانی میں تھے کہ ناگہ حضرت عزت کی جانب سے ندا آئی

”یا بایزید شکستہ دل و اندوہ گین مباش کہ من در ہر زمانے بعضے را با بعضے دشمن گردانیدم، و در کلام مجید خود نیز خبر دادم۔ قولہ تعالیٰ وجعلنا بعضکم بعضا عدوا“

اس ندا سے پیر دستگیر کو تسکین ہوئی، اور فرمان ہوا کہ اے بایزید خلق کو میری طرف دعوت دے۔ میں نے تجھے رہنا بنایا، خلق کی رہنمائی کر تاکہ لوگ راہِ راست پر آئیں (۱)۔

اس کے بعد پیر بایزید دعوت میں مشغول ہو گئے، اور لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلانے لگے۔ ان کے پاس جو کوئی طلبِ حق میں آتا اس کو راستہ دکھاتے۔ چند دن میں ان کے مریدوں کی تعداد بہت ہو گئی۔ نظر کی تو دیکھا کہ وہ پیری کے نام پر دنیا حاصل کر رہے ہیں اور معرفتِ حق اور توحید سے بے خبر ہیں۔ اسی طرح درویشوں اور عالموں کے حال پر نظر کی تو ان میں بھی دین کے اصول نہ پائے اور دیکھا کہ وہ زہد و تقویٰ اور علم کو مال کے عوض فروخت کر رہے ہیں۔ اسی طرح حاجیوں پر نظر کی تو دیکھا کہ بعض حاجی حج کے ثواب کو دنیا کے عوض فروخت کر رہے ہیں۔ غرض کہ ہر طائفہ کو خلافِ شریعت پایا اور کسی کو قرآن و حدیث پر ثابت قدم نہ پایا۔ پیر دستگیر یہ حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور اس پر غور کرنے لگے کہ لوگوں کے اعمال قرآن و حدیث کے مطابق نہیں اور حق بات انہیں کڑوی لگتی ہے۔ وہ سوچنے لگے کہ میں ان نامساعد حالات میں خلق کو نصیحت کروں بھی یا نہیں۔ ایک روز کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ یہ حدیث نظر پڑی ”قل الحق و ان کان مراً“۔ جب یہ حدیث دیکھی تو آپ نے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ اے مسلمانوں! تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو،

لیکن میں کسی کو قرآن و حدیث کے موافق نہیں پاتا (۱)۔
عثمان کی مخالفت :

جب یہ بات عثمان بن لہ اور دوسرے مخالفین کو پہنچی تو انہوں نے شہر میں مشہور کر دیا کہ عبداللہ کا بیٹا کہتا ہے کہ اس شہر میں کوئی قرآن و حدیث کے موافق عمل نہیں کرتا۔ پیر بایزید کے والد عبداللہ کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے چند شاگردوں کو پیر بایزید کے پاس بھیجا اور کہلوا یا کہ تم کیوں اس قسم کی باتیں کرتے ہو۔ شاگردوں نے یہ بات جا کر پیر بایزید سے کہی۔ پیر بایزید نے کہا کہ میں غلط نہیں کہتا، قرآن مجید کی اس آیت کو دیکھیے 'انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بن اخویکم' کیا جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں وہ واقعی باہمی نیکی کر رہے ہیں یا بدی؟ ایسے ہی اس حدیث پر لایوسن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه پران کا عمل ہے۔ شاگردوں نے جا کر پیر بایزید کا یہ جواب عبداللہ سے بیان کیا تو عبداللہ نے کہا سچ کہتا ہے (۲)۔

میاں اور پیر روشن کا لقب :

حالی نامے کے بعض اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں اور پیر روشن کا لقب بھی ان کو ملہم غیبی کی طرف سے عطا ہوا تھا، حالی نامے میں ہے کہ :

”پیر دستگیر نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ بایزید کو میاں کے لقب سے پکارو، اور پیر دستگیر کے یاروں نے ہاتف سے سنا کہ اپنے پیر کو نام سے نہ پکارو یا پیر روشن یا میاں روشن کہو۔ جب پیر دستگیر نے اس خواب کو اپنے یاروں سے بیان کیا تو یاروں نے کہا کہ اگر ہم کو حکم ہو تو ہم آپ کو میاں کہیں؟ انہوں

تذکرہ صوفیائے سرحد

نے جواب دیا کہ میں خواب پر عمل نہیں کرتا ، جب تک کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے صادر نہ ہو ۔ دوسری رات پھر خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ مجلس بیٹھی ہوئی ہے ۔ وہ اس مجلس میں پہنچے ، تمام مجلس نے تعظیم کی اور کھڑے ہو گئے ۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو اس کو خواب سمجھ کر پھر بھی عمل نہ کیا ۔ چند روز کے بعد ان کے دوستوں میں سے دو آدمیوں نے آواز سنی کہ اے بایزید کے دوستو ! اس کے بعد بایزید کو نام سے نہ پکارو ، بلکہ میاں روشن یا پیرروشان کہو ۔ جب یاروں نے یہ ندا سنی تو تمام یاران کو پیرروشان یا میاں روشن کہنے لگے اور یہ بات شہر میں مشہور ہو گئی کہ بایزید نے اپنا لقب روشن یا میاں روشن رکھا ہے اور پیری کرتا ہے اور مریدوں کو توبہ کراتا ہے ۔ جب یہ خبر عبداللہ (بایزید کے باپ) کو معلوم ہوئی تو اس نے اپنے شاگردوں کو بایزید کے پاس بھیجا اور کہا کہ اس سے پوچھو کہ تو کس طرح پیری کرتا ہے اور تیرا پیر کون ہے ؟ شاگردوں نے جا کر یہ بات بایزید سے پوچھی ۔ پیر بایزید نے جواب دیا کہ مجھ پر حق تعالیٰ کی عنایت ہے اور اس نے مجھے راہ مستقیم دکھائی ہے ۔ شاگردوں نے جب عبداللہ سے یہ بات جا کر کہی ، تو اس نے کہا کہ حق تعالیٰ انبیاء اور اولیاء پر رحیم و کریم ہے ۔ اگر اس پر بھی نظر عنایت کی ہو تو کرم حق تعالیٰ سے بعید نہیں ۔ پھر دوسری دفعہ اس نے اپنے شاگردوں کو پیر بایزید کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ میرا کہنا قبول کر اور پیری کو چھوڑ دے ۔ پیر بایزید نے جواب دیا کہ والد میرے پاس آئیں ۔ اگر میرا کوئی قول قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو بے شک مجھے روکیں ۔“

عبداللہ کا علی شیر سے ایک سوال :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ ہر وقت اپنے بیٹے کے حالات کی

جستجو میں لگا رہتا تھا۔ حالنامے میں ہے کہ :

علی شیر کے مرید ہونے کے ایک سال بعد عبداللہ نے اسے سنبے سے لگا کر پوچھا کہ تمہارے پیارے تمہیں کیا سکھایا ؟ علی شیر نے کہا کہ پہلے انہوں نے مجھے اسلام کی تبلیغ پر مقرر کیا اور تمام گناہوں سے منع کیا ، دوسرے غفلت سے منع کیا اور حق تعالیٰ کے ذکر کا شغل بنایا ۔ تیسرے جبل سے منع کیا اور توحید کی طرف متوجہ کیا ۔ چوتھے بدخوئی سے منع کیا ۔ عبداللہ نے اس کی باتوں کو سچ نہ سمجھا ۔ علی شیر نے یہ محسوس کر کے کہ وہ اس کی باتوں کو جھوٹ سمجھ رہا ہے عبداللہ سے کہا کہ خدا جانتا ہے کہ میں دستگیر سیدھے راستے پر ہیں ۔

خداداد کے بیٹے محمد کی بیعت :

خداداد کے بیٹے اور اپنے چچازاد بھائی محمد کے لیے پیر بابیزید کی بڑی تمنا تھی کہ وہ توبہ کرے ، حالنامے میں ہے کہ :

”ایک روز وہ پیر بابیزید کے پاس آیا اور اس نے پوچھا ”بابیزید ! میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ خلق شرک کی پلیدی میں مبتلا ہے“؟ بابیزید نے کہا یہ سچ ہے ۔ پھر اس نے پوچھا یہ تو بتاؤ کہ میں پاک ہوں یا ناپاک ؟ بابیزید نے کہا جو کچھ بھی تم ہو مناسب نہیں کہ میں تمہارے سامنے کہوں ۔ اس نے کہا کہ میں تو حق کا طالب ہو کر تم سے پوچھتا ہوں ۔ بابیزید نے کہا میں تمہیں شرک میں پلید دیکھتا ہوں ۔ محمد نے کہا ”اگر میں تمہارا معتقد ہوں اور تمہاری فرمانبرداری کروں تو کیا حق تعالیٰ میرے گناہ بخش دے گا ؟“ بابیزید نے کہا ”اگر تم میرے حکم پر چلو تو خدائے تعالیٰ غفور الرحیم ہے“ ۔ پھر محمد نے کہا ”بابیزید ! صحیح عقیدے کے ساتھ میں نے تمہاری فرمانبرداری اختیار کی ۔ اس کے متعلق میں بابیزید کو خواب میں الہام ہوا ، من ید خلی فی

متابعتك فيخرجهم من الظلمات الى النور۔ آخر
بایزید نے محمد کو توبہ کرائی اور کم خوری، شب بیداری اور
خاموشی اختیار کرائی، پھر اس پر علم توحید کو واضح کیا۔“

محمد کی خلافت :

حالیہ میں ہے کہ :

”محمد چند روز ان کے ساتھ رہا۔ جب وہ رخصت ہونے لگا
تو پیر دستگیر نے کہا اے محمد! میں نے تم کو خلافت دی
اور محمد کمال کا خطاب بخشا۔ تمہیں آئندہ لوگ محمد کمال کہہ کر
پکاریں گے۔ جو تم سے مرید ہونا چاہے اسے توبہ کراؤ اور بیعت
کرتے وقت کہو یہ ہاتھ پیر روشن کا ہاتھ ہے اور یہ مت
کہو کہ میں پیر ہوں بلکہ کہو پیر ایک ہے اور میں اس
کے لیے مرید کرتا ہوں اور اس کے مریدوں کو راہ
دکھاتا ہوں اور میں اس کا خلیفہ ہوں اور پیر کمال ہر زمانے
میں ایک ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
نے فرمایا لکل زمان ولی واحد۔ اہدیہ“

محمد کمال اٹھا۔ زمینِ ادب چومی اور استعانت چاہی اور
پیر بایزید سے رخصت ہوا اور گھر آنے کے بعد مراقبے میں
مشغول ہو گیا اور لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ راہِ دین
بایزید سے مستقیم ہے۔ جو کوئی ان پر یقین کرے اور میرے
ہاتھ پر توبہ کرے نفع حاصل کرے گا۔ اس دعوت کے بہت
بعضوں نے محمد کمال کو قبول کیا اور بعضوں نے اس کا انکار
کیا۔ آخر اُس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ ایک
سال کے بعد وہ پیر بایزید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پیر بایزید
نے اس سے کہا اے محمد کمال! تم جانتے ہو کہ عبد اللہ میرا
باپ ہے اور یعقوب میرا بھائی، مجھے افسوس ہے کہ یہ دونوں
معرفتِ حق اور علمِ توحید سے محروم ہیں۔ تم بھی انہیں

ایک مرتبہ سمجھانے کی کوشش کرو اور ان سے کہو کہ وہ میرا اتباع کریں۔ شاید تمہاری نصیحت سے ان کی بدگائیاں دور ہو جائیں اور وہ راہ توحید پر قدم رکھیں۔ پیر بایزید کے حکم پر محمد کمال ان کے پاس گیا۔ عبداللہ نے اسے دیکھتے ہی شکایت کی کہ تم بایزید کے پاس چلے گئے اور پہلے ہمارے پاس کیوں نہیں آئے۔ کمال نے جواب دیا کہ جب تک میں مرید نہ تھا، پہلے آپ کے پاس آتا تھا۔ اب چونکہ میں پیر بایزید کا مرید ہوں۔ اس لیے پہلے ان کے پاس گیا۔ پھر کمال نے ان کے سمجھانے کے لیے لمبی تقریر کی اور ان سے کہا کہ تم میں پیر کامل آیا ہے اس پر یقین کرو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ بایزید کے راستے میں کوئی کجی نہیں۔ اس کی راہ پیغمبر کی بتائی ہوئی راہ ہے۔ اس کا اتباع کرو۔ عبداللہ اور اس کے عزیزوں نے کہا کہ ہم تو اس کو بغیر ظہور کرامت کے نہیں مان سکتے۔ محمد کمال مایوس ہو کر پیر بایزید کے پاس آیا اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ پیر بایزید نے اس کی ساری بات سن کر کہا اے کمال! یہ لوگ علم و نسب پر مغرور ہیں۔ یہ کبھی یقین و اعتقاد نہ لائیں گے۔ یہ اپنے وقت کے فرعون، هامان اور قارون ہیں۔ اس کے بعد محمد کمال اپنے گھر چلا گیا (۱)۔“

ماننے اور نہ ماننے والوں کی تقسیم :

حالیانے میں ہے کہ :

”پیر بایزید اپنے ماننے اور نہ ماننے والوں کو تین طبقوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک یار، دوسرے منکر، تیسرے منافق۔ وہ اپنے نہ ماننے والوں کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ مجھے خلق میں منافق ہی منافق نظر آتے ہیں۔ خلق میں شہرت

ہو گئی کہ بایزید ! سب کو منافق کہتا ہے ۔ عبد اللہ اور یعقوب نے لوگوں سے کہا کہ بایزید دیوانہ ہو گیا ہے ۔ ہمارے ساتھ آؤ تاکہ اسے قید کریں ۔ چنانچہ اس کے منکرین میں سے عبد اللہ ، یعقوب ، ملا زکریا ، ملک خواجو بن میرو ، عثمان ، علی خاں اپنے پانچ لڑکوں کے ساتھ نکلے ۔ جب پیر بایزید اور ان کے ماننے والوں کو خبر ہوئی تو پیر بایزید کے ماننے والوں میں علی شیر ، عثمان حسین ، شادی خاں ، محمود غزنی ، احمد اور سید علی جمع ہو گئے ۔ پھر بایزید اور یعقوب میں ایک طویل مناظرہ ہوا ۔ اس مناظرے کے بعد منکرین بایزید میں مشورہ ہوا کہ بایزید دیوانہ ہو گیا ہے ، مناسب یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے ۔ جب پیر بایزید کے یاروں نے یہ بات سنی تو انہوں نے نہایت درشتی سے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ۔ یعقوب نے کہا بایزید میرا بھائی ہے ، میں اسے اپنے پاس چند دن بند رکھوں گا ۔ بایزید نے کہا تو منافق ہے ، میں تجھے اپنے پاس بند رکھوں گا تاکہ تو منافقت سے باز آجائے ۔ پیر بایزید کے خاص یاروں میں سے علی شیر ، غزنی ، سید علی ، عثمان ، عیسیٰ اور حسین وغیرہ جنگ کے لیے تیار ہو گئے ۔ لیکن بعض لوگوں نے بیچ میں پڑ کر جھگڑے کو چکا دیا (۱)۔“

مخالفین کے پیر بایزید پر اعتراضات :

حالی نامے سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں پیر بایزید کے مخالفین جو اعتراضات کرتے تھے ، وہ یہ تھے :

- ۱ - بایزید نے علم حاصل نہیں کیا ، پیر نہیں رکھتا ، اور چند کلمے نامشروع کہتا ہے ۔
- ۲ - وہ اپنے آپ کو ہادی اور رہنما کہتا ہے ۔

۱ - یہ تمام تفصیل حال نامہ قلمی - صفحہ ۱۲۲ سے ماخوذ ہے ۔

۳۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے الہام ہوتا ہے ۔

۴۔ خلق منافق ہے ۔

۵۔ وہ اپنے ماں باپ اور عزیزوں کی اطاعت/نہیں کرتا ۔ اس کے

ماں باپ اور عزیز کہتے ہیں کہ تمہارا کوئی پیر نہیں ،

تمہیں کسی نے خلافت نہیں دی تم پیری مت کرو ۔ وہ نہیں

مانتا اور کہتا ہے کہ میں پیر کامل ہوں ۔ مجھ پر حق تعالیٰ نے

عنایت کی ہے اور جس بندے کو حق تعالیٰ چاہتا ہے الہام

سے نوازتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جو آیت و حدیث پر

عمل نہیں کرتا وہ منافق ہے ۔

عموماً یہ تھے وہ اعتراضات جو اس دور کے مخالفین اور بعض علماء

بایزید پر کرتے تھے ۔ انہیں اعتراضات پر بایزید کے بعض علماء سے مناظرے

ہوئے ۔ انہوں نے مختلف مواقع پر ان تمام اعتراضات کے جواب دیے ہیں ۔

اسی ضمن میں ہم نے ان کا ایک مناظرہ جو اس دور کے عالم مولانا زکریا

سے ہوا تھا ، ذیل میں نقل کرتے ہیں ، جس میں خود ان کی زبان سے

ان اعتراضات کے جواب موجود ہیں ۔

مولانا زکریا سے مناظرہ :

حالنامے میں ہے کہ پیر بایزید کے ایک مخالف عالم مولانا زکریا

نے ایک دن پیر بایزید سے کہا کہ تم بہت سی ناگفتنی و نا کردنی باتیں

کہتے اور کرتے ہو ، سخن ناگفتنی یہ ہیں :

۱۔ تم اپنے آپ کو پیر کہتے ہو ؟

۲۔ تم کہتے ہو کہ تمہیں الہام ہوتا ہے ؟

۳۔ تم کہتے ہو کہ تمام خلق منافق ہے ؟

سخن نا کردنی یہ ہیں کہ :

۱۔ تم جھوٹی پیری کرتے ہو ۔

۲۔ اپنے باپ اور بھائی کے کہنے کے مطابق کام نہیں کرتے ۔

۳۔ تم متکبر ہو گئے ہو ، خدا سے نہیں ڈرتے ، مسلمانوں کے دین میں

رخنے ڈال رہے ہو ۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

۴۔ تم دعا، تسبیحات، مناجات، استغفار اور نفلی نمازیں پڑھتے تھے اب تم نے یہ سب چیزیں ترک کر دی ہیں۔

۵۔ پہلے تم نیک خو اور بُردبار تھے اب دلوں کو رنجیدہ کرتے ہو اور حسن خلق کو چھوڑ کر متکبر اور مستغنی ہو گئے ہو۔

پیر بایزید نے جواب دیا کہ میں اپنے باپ عبداللہ اور اپنے بھائی یعقوب کی اس لیے اطاعت نہیں کرتا کہ وہ مجھے دنیا کے کاموں میں لگانا چاہتے ہیں۔

میں جو پیری کرتا ہوں وہ بھی جھوٹ نہیں، طالبانِ صادق کو شرک سے باہر نکالتا ہوں اور علمِ توحید سے واقف کراتا ہوں۔ جو کوئی میری اطاعت کرتا ہے اور یقین لاتا ہے، وہ عیوب سے نکل جاتا ہے اور علمِ نبی اور علمِ وحدت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

تم جو کہتے ہو کہ میں سخت درشت ہو گیا ہوں تو سنو، میں پہلے نورِ معرفت سے واقف تھا، نورِ معرفت میں کسی کو سخت و سُست نہیں کہا جاتا، اب میں علمِ توحید سے بہرہ مند ہوا ہوں اور خلق کو مشرک دیکھ رہا ہوں۔ میری شدید خواہش یہ ہے کہ خلق طلبِ حق کے لیے آئے اور قرآن مجید کی آیتوں پر عمل کرے اور توحید کو حاصل کرے، میری یہ باتیں لوگوں کو تلخ معلوم ہوتی ہیں۔

مولانا زکریا نے کہا تو دعویٰ معرفت اور توحید کا کرتا ہے؟

پیر بایزید نے کہا ہاں، مگر پہلے مسائلِ شریعت پوچھیے، پھر دوسرے مسائل پر گفتگو کیجیے۔ مولانا غصے میں آ گئے اور کہا میں پہلے معرفت کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ بایزید نے کہا کہ آپ جو اس وقت گھر سے آ رہے ہیں، آپ قدمِ بدم یہاں آئے ہیں یا ایک قدم میں یہاں پہنچ گئے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ میں نے ایک قدم گھر سے باہر نکالا اور دوسرا یہاں رکھا ہے۔ بایزید نے کہا آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ مولانا آزرده ہو گئے۔ ان کے صاحبزادے احمد نے کہا کہ بغیر پیر کے مریدی جائز نہیں، بتاؤ تمہارا

پیر کون ہے ؟ بایزید نے کہا کہ میرے پیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مجھے آپ ہی کے طفیل سے معرفت ذات اور علم توحید حاصل ہوا۔ پھر انہوں نے کہا :

اے احمد ! چنانچہ حق تعالیٰ پر اے احمد ! جیسا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واسطے غیر عنایت الہیہ پر بیواسطہ غیر عنایت فرمائی نمودند و بوحی و جبریل اختصاص ہے اور وحی و جبریل کے ساتھ کردند ، همچنان وارثان انبیاء را از ان کو خاص کیا ہے اسی طرح طفیل ایشان بیواسطہ غیر بالہام و وارثان انبیاء کو ان کے طفیل سے دلیل و اجتہاد مختص گردانیدند۔ بیواسطہ غیر الہام ، دلیل اور اجتہاد سے مختص کیا ہے۔

احمد نے کہا تیرے لیے کہاں تک سزاوار ہے کہ تو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ حالانکہ جن پر وحی آتی ہے ، وہ پیغمبر ہوتے ہیں۔

بایزید نے جواب دیا کہ خدا نے قرآن مجید میں کہیں نہیں کہا کہ فلاں فلاں پر وحی والہام بھیجتا ہوں اور فلاں فلاں پر نہیں ، بلکہ قرآن مجید میں ہے ینزل الملائکۃ و الروح من امرہ الی من یشاء من عبادہ پھر انہوں نے کہا کہ وہ وحی بھیجتا ہے جبریل کے ذریعے سے انبیاء پر اور الہام اور دوسرے ملائکہ بھیجتا ہے اولیاء اور مؤمنین پر جو ان کو خبر دیتے ہیں اور علم باطن اور اس کی حقیقت کو مکشوف کرتے ہیں۔ وحی اور الہام خدا کی طرف سے ولی پر بھی آتا ہے۔ مولانا زکریا نے کہا کہ مسلمانوں کو منافق نہ کہو ، بایزید نے کہا کہ میں مسلمانوں کو منافق نہیں کہتا اگر وہ قرآن و حدیث پر عمل کریں۔

مذاکرہ قاضی خاں :

کابل میں جو پیر بایزید کا مذاکرہ قاضی خاں سے ہوا تھا اس مذاکرے میں قاضی خاں کے اعتراضات پر جو جوابات پیر بایزید نے قاضی خاں کو دیے ہیں وہ ان کی پوزیشن کو اور بھی واضح کرتے ہیں اور ہمیں ان کے جوابات سے ان کے دعاوی اور ان کے مسلک کو سمجھنے

میں بڑی مدد ملتی ہے ۔

حالنامے میں ہے کہ :

”جب میرزا حکیم کی طلبی پر پیر بایزید کابل گئے تو میرزا حکیم نے کہا کہ لوگ آپ کے حق میں کچھ باتیں کہتے ہیں اور آپ پر الزامات لگاتے ہیں ۔ میں آپ کو قاضی خاں کے سپرد کرتا ہوں ، آپ اُن سے مذاکرہ کریں ۔ چنانچہ قاضی خاں ان کو اپنی خانقاہ میں لے گئے اور اُن سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو مہدی کہتے ہو ، کیا یہ صحیح ہے ؟

پیر بایزید نے جواب دیا ”جھوٹ ہے ۔ میں تو اپنے آپ کو ہادی کہتا ہوں کہ میں راہِ رسول کا ہادی ہوں اور نبی کی تعلیمات جانتا ہوں اور اپنے مریدوں کو توحید کی ہدایت کرتا ہوں ۔ میرے حاسد مجھے حسد سے بجائے ہادی کے مہدی اور بجائے ولی کے نبی کہتے ہیں ۔

پھر قاضی خاں نے اُن سے پوچھا کیا تم پر وحی آتی ہے ؟ پیر بایزید نے جواب دیا ”غلط ہے ۔ میں تو کہتا ہوں کہ مجھ پر الہام ہوتا ہے اور میں غیب کی آواز سنتا ہوں ۔“ پھر قاضی خاں نے اُن سے پوچھا کہ تم وسوسہ و الہام اور ندائے رحمانی اور شیطانی میں کس طرح فرق کرتے ہو ؟ پیر بایزید نے جواب دیا ، میں ان میں فرق آیات و احادیث اور اقوالِ مشائخ سے کرتا ہوں ۔ اگر وہ ان کے مخالف ہوتے ہیں تو انہیں وسوسہ شیطانی جانتا ہوں ۔

پھر قاضی خاں نے اُن سے پوچھا ”کیا تم کہتے ہو کہ تم پر وحی کے ذریعہ سے کتاب نازل ہوئی ہے اور وہ چالیس پارے

۱ ۔ یہ تمام تفصیل حالنامہ قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور سے ماخوذ ہے ۔

ہیں؟“

پیر بایزید نے جواب دیا ”نہیں، لوگ میرے متعلق یہ بات غلط کہتے ہیں، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے الہام سے میرے دل پر کتاب نازل کی ہے، اس کا نام ”خیر البیان“ ہے، اس میں چالیس بیان ہیں، جیسا کہ غوثیہ حضرت غوث اعظم پر الہام ہوئی، لیکن عوام الناس وحی اور الہام میں فرق نہیں کرسکتے، اس لیے وحی کہتے ہیں۔
پھر قاضی خاں نے پوچھا ”تمہارا طریقہ کون سا ہے اور یہ نعمت تم نے کس خاندان سے حاصل کی؟“

پیر بایزید نے جواب دیا، میرا طریقہ اویسیہ طریقے کی طرح ہے کہ بطفیل رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بے واسطہ غیر، حق تعالیٰ نے مجھے یہ سب کچھ عنایت فرمایا ہے اور مجھے علم لدنی سے بہرہ مند کیا اور قرآن کے معانی مجھ پر کھولے ہیں اور مقاموں کی ترتیب دینا اور امر و نہی اس منزل میں میرے دل میں القا کیا اور دوسروں کی تکمیل کے لیے فرمایا۔ ان سوالات و جوابات کے بعد یہ مذاکرہ ختم ہو گیا اور قاضی خاں نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے پیر بایزید سے کہا :

بعدہ، قاضی فرمود، بارک اللہ علیک اس کے بعد قاضی خاں نے فرمایا یا شیخ پیر کامل و مکمل، ہر کہ برکت نازل کی تجھ پر اللہ تعالیٰ نے بدست تو توبہ کند، و در متابعت اے شیخ پیر کامل و مکمل! جو تو درآید از معرفت اللہ و از علم توحید کوئی تیرے ہاتھ پر توبہ کرے، بہرہ مند گردد۔ اور تیرے اتباع میں آوے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علم توحید سے بہرہ مند ہوگا۔

پھر اس کے بعد قاضی خاں اور پیر بایزید مل کر میرزا حکیم کے پاس آئے اور قاضی خاں نے اس سے کہا کہ اے میرزا حکیم! یہ شخص مرد کامل اور مکمل ہے اور حاسدوں نے اس پر افترا

کیا ہے (۱)۔“

لوگوں کی بایزید کو نصیحت :

بایزید کو جو لوگ نصیحتیں کرتے تھے اور وہ اپنے ان ناصحوں کو جو جواب دیتے تھے وہ جوابات بھی اُن کی صفائی میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

حالتنامے میں ہے کہ لوگوں نے بایزید کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

۱۔ یہ نہ کہو کہ مجھ پر جبریل آتا ہے۔

۲۔ یہ نہ کہو کہ میں مہدی ہوں۔

۳۔ خلق کو منافق نہ کہو۔

بایزید نے اپنے ناصحین کو جواب دیا کہ میں کب کہتا ہوں کہ مجھے الہام ہوتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں مہدی ہوں، بلکہ میں تو اپنے آپ کو ہادی کہتا ہوں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ تمام خلق منافق ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ خدا نے جس کو منافق کیا ہے وہ منافق ہے۔ جس کو کافر کیا ہے وہ کافر ہے۔ اُن کے ان جوابات پر لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ اب بایزید خلق کو منافق نہیں کہتا اور نامناسب باتیں اُس نے چھوڑ دی ہیں۔ اس کے مخالفین نے کہا یہ باتیں اُس نے دل سے نہیں بلکہ مخلوق کے ڈر سے چھوڑی ہیں

اہل وطن کی مخالفت :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیر بایزید کی مخالفت ان کے وطن میں اس قدر بڑھی کہ انہیں ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا۔ حالتنامے میں اس مخالفت کی تفصیلات ہمیں ملتی ہیں۔ حالتنامے میں ہے کہ :

”پیر بایزید کا وطن سات محلوں پر مشتمل تھا۔ ان محلوں

کے نام یہ تھے :

۱۔ یہ تمام تفصیل حالتنامہ قلمی سے ماخوذ ہے۔

(۱) رمن سرخ - (۲) ملتان - (۳) فکنی - (۴) حزم جانی - (۵) حبرانی - (۶) سرکوشی - (۷) برکی اور پیر بایزید کا قیام برکی میں تھا - برکی کی آبادی کا سردار شیخ فرید نامی ایک شخص تھا - تمام آبادیوں اور محلوں کے سرداروں نے متفقہ طور پر شیخ فرید سے کہا کہ وہ پیر بایزید کو اپنی آبادی سے نکال دے ، لیکن ابتداءً وہ انکار کرتا رہا - آخر سرداروں کے اصرار کے سامنے مجبور ہو گیا اور اس نے پیر بایزید کو ترک وطن کے لیے کہا -

ترک وطن :

چنان چہ پیر بایزید اپنی بیوی شمسو ، اپنے لڑکے عمر اور دختر کمال اور چند مریدوں اور ان کی بیویوں کو لے کر شہر سے نکلے - باپ اور بیٹے کی گفتگو :

جب وہ شہر سے نکالے جا رہے تھے تو کسی نے اُس کی اطلاع ان کے والد عبداللہ کو دی - عبداللہ ان کے پاس آیا - اس وقت جو عبداللہ اور پیر بایزید میں گفتگو ہوئی اسے ہم یہاں خصوصیت سے نقل کرتے ہیں کہ اس گفتگو سے اور پیر بایزید کے جواب سے اس عظیم مقصد پر روشنی پڑتی ہے جس کے لیے وہ جادو جہد کر رہے تھے - اس موقع پر عبداللہ نے بایزید سے کہا کہ اگر تم ناشائستہ باتوں سے توبہ کرلو تو میں تمہارے گھر کی دیکھ بھال بھی کروں گا اور اپنا نصف مال و مسلک تم کو دوں گا - پیر بایزید نے اپنے باپ کو جواب دیتے ہوئے کہا :

از آں سخنہائے ناگفتنی و ناکردنی وہ ناگفتنی و ناکردنی باتیں میں است از حکم خدائے تعالیٰ مدت نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے مدت است کہ ترک کردہ ایم و لیکن ہوئی ترک کر دیں - لیکن میں میگویم کہ رہنا ہستیم ، خلق را دعوت میکنم بسوئے راہِ نبی و راہِ نبی شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت است ، راستے کی اور نبی کا راستہ شریعت و میخواہم کہ ایشان از گناہ برآیند ، اور طریقت اور معرفت ہے - میں

تذکرہ صوفیائے سرحد

درطاعت حق تعالیٰ در آئند ، و راہ سے نکلیں اور حق تعالیٰ کی اطاعت مستقیم بیابند ، و از غفلت بر آئند ، و میں آئیں اور راہ مستقیم کو پائیں در ذکر حق تعالیٰ در آئند ، و از جہل بیرون شوند اور غفلت سے نکلیں اور حق تعالیٰ کے ذکر کو اختیار کریں اور جہل سے باہر ہوں ۔

اس گفتگو کے بعد جب لوگوں نے پیر بابزید کو سمجھایا تو انہوں نے عبداللہ اور اپنے بھائی یعقوب کے ساتھ رہنا منظور کر لیا اور ان کے ساتھ رہنے لگے ۔ عبداللہ نے اپنے ساتھ رکھتے وقت یہ تاکید کی کہ جب تم گھر میں آؤ تو پہلے میرے پاؤں کو چھوؤ اور پھر یعقوب کے پاؤں کو چھوؤ ۔ پیر بابزید دونوں کی عزت کرتے تھے اور وہ دونوں بھی ان کے ساتھ عزت سے پیش آتے تھے ۔

باب کا اعتراف :

چند دن گزرنے کے بعد لوگوں نے عبداللہ سے پوچھا کہ کہیے اب کہ پیر بابزید تمہارے ساتھ رہتا ہے تم نے اسے کیسا پایا ۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ وہ بہ ظاہر نیک احوال اور نیک افعال ہے ۔

و باطن اور در نیام کہ چیست ، میں اس کے باطن کو نہیں پاسکا کہ اما یک حکمت دروے نیم کہ معنی کیا ہے ، لیکن ایک حکمت میں آیت و حدیث صحیح میگوید ، من و اس میں دیکھتا ہوں کہ آیت و یعقوب چنان گفتہ نمیتوانم و من حدیث کے معنی صحیح بیان کرتا خود باو این علم نیاموازیدہ ام ، و ہے ۔ میں اور یعقوب اس طور پر نہ خود جائے دیگر رفتہ تحصیل کردہ بیان نہیں کر سکتے ۔ میں اس باب است در این باب حیران و متحیرم ۔ میں حیران و متحیر ہوں کہ میں نے یہ علم نہ اس کو خود پڑھایا اور نہ کسی دوسری جگہ اس نے حاصل کیا ۔

لیکن جب عبداللہ اور یعقوب نے دیکھا کہ لوگ پیر بابزید کی زیادہ

عزت کرنے لگے ہیں ، تو پھر ان دونوں کے قلب میں حسد ابھر آیا ۔
آخر اپنے وطن والوں کی مخالفت سے مجبور ہو کر پیر بایزید کو ترک وطن
کرنا پڑا ۔

تحریک روشنائی کا پہلا تبلیغی مرکز :

حالت میں ہے کہ :

”پیر بایزید نے اپنے وطن کو چھوڑنے کے بعد تیرہ کو
اپنا تبلیغی مرکز بنایا ، پھر وہاں سے وہ سرین آئے ۔ سرین
آنے سے پہلے وہ پشاور پہنچے ۔

پشاور میں مخالفت :

جب پیر بایزید پشاور پہنچے اور انہوں نے اپنے اصولوں کی تبلیغ
شروع کی تو پشاور میں ان کی مخالفت حبیب نامی ایک شخص نے شروع
کی ۔ وہ پشاور کے حاکم جانس خاں کے پاس گیا ، جو میرزا محمد حکیم کی
طرف سے پشاور کا حاکم تھا ۔ حبیب نے اس سے کہا کہ پشاور میں ایک
گمراہ شخص آیا ہوا ہے ، جو بے دین اور بے شرع ہے ۔ مہدی ہونے کا
دعویٰ کرتا ہے ۔ جانس خاں نے تحقیق حال کے لیے لوگوں کو بھیجا ۔
ان لوگوں نے پیر بایزید سے گفتگو کر کے جانس خاں کو رپورٹ دی کہ
یہ سب غلط ہے ۔ پیر بایزید مردِ مسلمان اور کامل درویش ہے ۔ حبیب
نے جب یہ دیکھا کہ اس کی یہ تدبیر ناکام ہو گئی تو اس نے ایک اور
چال چلی ۔ وہ بارہ ہزار روپے لے کر جانس خاں کے پاس آیا اور اس سے کہا
یہ بارہ ہزار روپے میری طرف سے قبول کیجیے ۔ لیکن جانس خاں نے
خونِ ناحق گوارا نہیں کیا ۔ وہ مایوس ہو کر کابل پہنچا اور اس نے
میرزا حکیم کے وزرا کو رشوت دے کر اس پر آمادہ کیا کہ وہ میرزا کو
کسی طرح پیر بایزید کے قتل پر آمادہ کریں ۔ وزرا نے موقع پا کر میرزا سے
کہا کہ پشاور میں ایک آدمی ہے کہ جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں مہدی
ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے ۔ اگر آپ نے اس کا تدارک نہیں کیا تو
اندیشہ ہے کہ وہ آئندہ چل کر آپ کا مقابل ہوگا ۔ میرزا حکیم نے یہ
سن کر حکم دیا کہ اس شخص کو یہاں بلایا جائے ، تاکہ میں اسے

دیکھوں اور اگر وہ واقعی گردن زدنی ہے تو میں اس کی گردن ماروں۔ چٹاں چہ جانس خاں حاکم۔ پشاور کو لکھا گیا۔ جانس خاں، میرزا حکیم کے فرمان کو لے کر پیر بایزید کے پاس آیا۔ بایزید نے اس فرمان کو دیکھ کر کہا کہ میں کابل جاؤں گا۔ آخر وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کابل روانہ ہوئے۔ راستے میں قبیلہ ٹوٹی کے ایک سردار عبدالحکیم نامی نے بیعت کی اور ٹوٹی میں وہ ایک خلیفہ کو چھوڑ کر کابل پہنچے۔ حبیب وہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے وزرا سے کہا کہ میرزا حکیم کو کہیں کہ وہ بایزید کی تعظیم نہ کریں۔ آخر بایزید میرزا حکیم کے دربار میں پیش ہوئے اور میرزا حکیم ان کا ادب بجا لایا۔ میرزا حکیم نے ان سے کہا کہ لوگ آپ کے حق میں کچھ چیزیں کہتے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ قاضی خاں سے مذاکرہ کریں۔ قاضی خاں سے جو ان کا مذاکرہ ہوا وہ ہم گزشتہ اوراق میں کہیں نقل کر آئے ہیں۔ میرزا حکیم نے جب قاضی خاں سے ان کا یہ فیصلہ سنا کہ پیر بایزید مردِ کامل و مکمل ہے اور حاسدوں نے اس پر افترا کیا ہے تو اس نے کہا کہ میں اس کا مرید ہونا چاہتا ہوں۔ مگر اس کے وزرا نے روکا اور کہا کہ افغان ہمارے محکوم ہیں اور ہمارا ان سے ہمیشہ لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔ اگر آپ اس کے مرید ہو گئے تو ہم افغانوں سے کس طرح خراج لے سکتے ہیں۔ میرزا حکیم نے مجبور ہو کر پیر بایزید سے کہا کہ اے شیخ! تم اس قوم میں کیوں رہتے ہو، جو تمہیں نہیں چاہتی اور تم سے نفع نہیں حاصل کر سکتی۔ پھر بایزید کو خلعت گھوڑا اور رخصتانہ دے کر رخصت کیا اور پیر بایزید وہاں سے رخصت ہو کر جلال آباد آئے اور حاکم جلال آباد سے ان کی گفتگو ہوئی، پھر وہ پشاور آئے۔ اس وقت جانس خاں جا چکا تھا اور اس کی جگہ تبادلہ ہو کر معصوم خاں آیا تھا۔ ان کے حاسد اسے بھی بھڑکا رہے تھے۔ پیر بایزید حالات سے مایوس ہو کر پشاور سے ہشت نگر آئے۔

قبائلِ مہمند زنی میں آمد :

پھر وہ قبائلِ مہمند زنی میں آئے اور اس علاقے کو تبلیغ کا مرکز بنایا۔ یہیں انھوں نے اپنی صاحبزادی کمال خاتون کی شادی، پابندہ خاں

کے لڑکے جوان خاں سے اور اپنے صاحبزادے عمر خاں کی شادی بہار خاں کی لڑکی سے کی اور یہیں انھوں نے اپنے دوسرے صاحبزادے جلال الدین (جلالہ) کے لیے مجدد خاں کی لڑکی سانگی اور ایک عورت دتی نامی سے جو ان کی مرید ہوئی تھی خود شادی کی (۱)۔
خلفاء کا تقرر :

یہیں انھوں نے اپنے تبلیغی پروگرام کو وسعت دی۔ اپنے خلیفہ مودود (۲) کو قندھار پر مقرر کیا۔ اپنے دوسرے خلیفہ دولت کو اکبر بادشاہ کے پاس اپنی کتاب ”صراط التوحید“ کے ساتھ بھجوا دیا۔ حالانکہ میں ہے کہ :

”جب اکبر نے ”صراط التوحید“ کو دیکھا تو وہ بہت متاثر ہوا اور اس نے کہا کہ میں نے شیخ کی پیروی قبول کی اور جو خدمت وہ کہیں ، میں بجا لانے کے لیے تیار ہوں ، پھر اس نے کچھ چیزیں اور تحائف بایزید کے لیے بھجوائے اور خلیفہ دولت کو بھی خلعت سے نوازا۔

اپنے ایک اور خلیفہ یوسف نامی کو اپنی کتاب ”فخر الطالبین“ کے ساتھ میرزا سلیمان کے پاس بدخشاں بھجوا دیا اور وہ مستطیع و منقاد ہوا۔ میرزا سلیمان نے بھی کچھ تحائف پیر دستگیر کے لیے بھجوائے اور ایک خط پیر بایزید کو لکھا کہ مجھے اپنے طالبوں اور مریدوں میں جانے۔

۱۔ یہ تمام حالات حالنامے کے مختلف اوراق سے اخذ کر کے ترتیب دیے گئے ہیں۔

۲۔ خلیفہ مودود بہت دن مردم کاسی میں رہے اور وہیں انھوں نے شادی کی۔ پھر وہ وہاں سے نکل کر سرزمین سندھ اور بلوچ میں آئے اور چند دن شہر سید پور میں رہے۔ بہت سے لوگ اُن کے ہاتھ پر مرید ہوئے اور سندھ اور علاقہ بلوچ میں شاہ یوسف علی اور عمر کو خلیفہ بنایا (حالنامہ - صفحہ ۳۶۱)

تذکرہ صوفیائے سرحد

کچھ خلفاء کو انہوں نے بلخ اور بخارا بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیں (۱)۔

ساع مع مزامیر :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیر بایزید ساع مع مزامیر کے قائل تھے۔ حالنامے میں ہے کہ :

”ایک رات پیر بایزید نے خواب میں دیکھا کہ ہندوؤں کی ایک جماعت زنار بند ، گلوستہ ان کے گھر میں آئی۔ اس خواب کے دوسرے دن صبح کو چالیس آدمی پیر بایزید کے گھر آئے اور ہر ایک رباب ، دائرہ اور چار تارہ لیے ہوئے تھا۔ انہوں نے کہا بایزید ! عالم کہتے ہیں کہ مزامیر کا سننا حرام ہے۔ تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے ؟ پیر بایزید نے کہا میں نے حدیث میں دیکھا ہے کہ مزامیر کی تین نوعیتیں ہیں۔ حرام ، مباح ، حلال۔ حدیث قدسی میں ہے کہ جو کسی چیز کی آواز محبتِ دنیا کے لیے سنتا ہے وہ حرام ہے اور جو محبتِ جنت کے لیے سنتا ہے وہ حلال ہے۔ پھر درویشوں نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم آپ کے سامنے مزامیر بجائیں ؟ پیر بایزید نے جواب دیا بجاؤ ، بشرطیکہ تمہارا بجانا محبتِ خدائے تعالیٰ کے لیے ہو۔ (۲)

دو خزانے :

حالنامے کے بعض اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ :

”پیر بایزید اور ان کے مریدوں نے اس علاقے کی موسیقی کے فروغ میں بھی بڑا حصہ لیا تھا۔ حالنامے میں ان دو خزانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو پیر بایزید کے ذریعے سے افغان قوم کو ملے۔ حالنامے میں ہے کہ :

۱۔ حالنامہ قلمی - صفحہ ۴۶۱ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۱

۲۔ حالنامہ قلمی - صفحہ ۱۱۳ -

روزے... یاران خود میغرمود کہ دو گنج از افغانان حق تعالی پوشیدہ داشت، بہ طفیل دو کس آن ہر دو گنج ظاہر ساخت، یکے از آن گنج علم توحید است کہ از افغانان پوشیدہ بود، حق تعالی از طفیل پیر روشن بر ایشان سکشف گردانید۔ سخن گنج دوم کہ مذکور شدہ بود، آن گنج علم موسیقی است کہ از طفیل حاجی محمد خلیفہ میر فضلالہ ولی برافغان کشف نمود، زیرا کہ پیشتر در افغانان بر غنچگیں سرتارا می نواختند، و بر رباب پنج تار یعنی سرمد دو تار مینواختند و دو تار میگفتند، و از تعلیم و طفیل حاجی محمد سازندہائے ایشان تارہائے بسیار بر سازہائے انداختند و نغمہائے نونواخراج نمودند، اما اکثر نغمہائے رقص و غیر ملائم می نواختند، چوں آن سازندہائے در خدمت پیر دستگیر قدس سرہ رسیدند، واز برکت و صحبت و طفیل پیر دستگیر سرود و سلوک و نغمہائے ملائم نواختند، و شش مقام بستند، یکے ناصری، دوم پنج پردہ، سوم چہار پردہ، چہارم سہ پردہ، پنجم پردہ جنگ

ایک روز اپنے دوستوں سے فرماتے تھے کہ دو خزانے حق تعالیٰ نے افغانوں سے پوشیدہ رکھے تھے۔ دو شخصوں کے طفیل سے وہ دونوں خزانے افغانوں پر ظاہر کیے۔ ایک خزانہ ان میں سے علم توحید ہے۔ جس کو خدائے تعالیٰ نے پیرروشان کے طفیل سے افغانوں پر ظاہر کیا۔ دوسرا خزانہ جو ظاہر کیا گیا، وہ خزانہ علم موسیقی کا ہے، جو حاجی محمد خلیفہ میر فضلالہ ولی (میرید پیر روشن) کے طفیل سے افغانوں پر ظاہر ہوا۔ اس لیے کہ پہلے افغان غنچگیں، (ساز) پر آکتارہ بجاتے تھے اور پانچ تار کے رباب پر یعنی سرمدہ دو تار بجاتے تھے اور اسے دو تار کہتے تھے۔

حاجی محمد کی تعلیم اور طفیل سے ان کے سازندوں نے کئی کئی تار سازوں میں ڈالے اور نئے نئے نغمے نکالے لیکن وہ اکثر نغمے غیر ملائم بجاتے تھے۔

جب یہ سازندے پیر دستگیر (پیر روشن) کی خدمت میں پہنچے، تو پیر دستگیر کی صحبت و برکت اور طفیل سے نغمہ ملائم بجانے لگے اور چھ نغمے ایجاد کیے۔ ایک ناصری،

لذکرہ صوفیائے سرحد

کہ در وقت جنگ سینوازند ، ششم مقام شہادت است ، و دریں مقام بسیار بندھا و نغمہا نواخته میشود ، و دیگر پیشتر در افغاناں از دو ، سہ بیت شعر زیادہ نبود ، و پیر دستگیر قدس سرہ بزبان افغانی قصیدھا و غزلھا و رباعیھا و قطعھا و مثنویھا ساختند ، و از طفیل پیر دستگیر قدس سرہ فرزندان و مریدانش دیوانھا گفتند (۱)

دوسرے پنج پردہ ، تیسرے چار پردہ ، چوتھے تین پردہ ، پانچویں پردہ جنگ کہ جو جنگ کے وقت بجاتے ہیں ، چھٹے مقام شہادت اور اس نغمے میں بہت سے نغمے اور بندگائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے پہلے افغان (شاعری) میں شعر دو تین قسم سے زیادہ نہ آئے تھے۔ پیر دستگیر نے افغانی زبان میں قصیدے ، غزلیں ، رباعیاں ، قطعے اور مثنویاں کہیں اور پیر دستگیر کے طفیل سے ان کے فرزندان اور مریدوں نے دیوان کہے۔

حالنامے کے اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”حاجی محمد مرید میر فضل اللہ ولی متوفی ۵۷۹۲ (۱۳۹۳ ع) نے رباب میں چند تاروں کا اضافہ کیا تھا اور ان کی اس ایجاد پر افغان موسیقاروں نے چند نئے نغمے اضافہ کیے تھے۔ لیکن موسیقار ان نغموں کو غیر متوازن بجاتے تھے۔ پیر بایزید نے ان نغموں میں اصلاح کی۔ ان کی رہنمائی میں موسیقار اس قابل بنے کہ سرود و سلوک اور دوسرے حسب ذیل طریقہ نغاث کا سرود بنا سکیں۔

ناصری (دھناسری) پنج پردہ ، چہار پردہ ، سہ پردہ ، جنگی آہنگ ، مقام شہادت۔ سرود کا ذوق پیر بایزید میں شروع ہی سے تھا۔ جب سرود ہوتا تو وہ وجد میں آ جاتے تھے۔ ان کے بیٹے اور پوتے بھی ماهر موسیقار تھے۔

مغلوں سے مخالفت :

یہ صحیح ہے کہ پیر بایزید کی تحریک ایک مذہبی اور ملی تحریک تھی اور اس خاندانی چشمک کی بنا پر جو ان کے اسلاف میں اور مغل فرمانرواؤں



میں چلی آتی تھی ان میں مغلوں کے خلاف ایک ضرور جذبہ پایا جاتا تھا جس کا تذکرہ ہم ڈاکٹر جہانگیر کے مضمون کے حوالے سے گذشتہ اوراق میں کر آئے ہیں۔ اسی طرح ہم اس قریبے کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ افغانوں کی حکومت کا زوال جو مغلوں کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا۔ اس نے بھی ان کے قلب میں مغلوں کے خلاف عصبیت کے جذبے کو ابھارا ہوگا۔ لیکن ہم اپنے آپ کو اس سے متفق نہیں ہاتے کہ ان کی نفرت کا یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ وہ مغلوں کی بساطِ سلطنت الٹ کر اس علاقے میں اپنی داخلی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ رہا یہ امر کہ انھوں نے مغلوں کے خلاف لڑائیاں کیوں لڑیں تو ان لڑائیوں کے کچھ محرکات اور تھے۔ وہ یہ کہ ان کی ملی اور مذہبی تنظیم کو دیکھ کر مغلوں کو یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ پیر بایزید کی تنظیم مغل حکومت کے لیے ایک خطرہ ہے۔ اتفاق سے بعض ایسے واقعات پیش آئے۔ جس نے مغلوں کی اس غلط فہمی کو اور بھی قوی کر دیا اور آئندہ چل کر اس کا نتیجہ مسلسل جنگوں کی صورت میں برآمد ہوا جو اکبر کے عہد سے شاہجہان کے عہد تک اس خاندان میں اور مغلوں میں ہوتی رہیں۔

پیر بایزید اور اکبر کی مخالفت کے اسباب کیا تھے، کس طرح ان میں اور اکبر میں مخالفت کی ابتدا ہوئی اور کس طرح اس مخالفت نے جنگ کی صورت اختیار کی۔ ہم ان علل و اسباب کو ان جنگوں کی کیفیات کو جو بایزید اور اکبر کے درمیان ہوئیں، حالنامے سے جو ان کی زندگی پر سب سے موثق کتاب ہے پیش کرتے ہیں۔

مغلوں اور پیر بایزید میں مخالفت کی وجوہ :

صاحبِ حالنامے نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے جس کے ذیل میں مغلوں کے اور پیر دستگیر کے لوگوں کے درمیان عداوت و نقیض پیدا ہونے کے اسباب لکھے ہیں۔ حالنامے میں ہے کہ :

”جب قبیلہ توئی اپنے سردار عبدالکریم کے ساتھ پیر دستگیر کا مرید ہوا تو چند دنوں میں اس قبیلے میں ایک عجیب حالت رونما ہوئی اور ’جذبہ حق تعالیٰ‘ اس قبیلے پر وارد ہوا۔

اس قبیلے کے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو کر بیٹھے اور آپس میں مشورہ کیا کہ قیامت کبریٰ قریب ہے اور اس کا کوئی وقت معین نہیں اور موت قیامت صغریٰ ہے اور ہم خوابِ خرگوش میں پڑے ہوئے ہیں اور توشہٴ راہِ آخرت کو فراموش کیے ہوئے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا آؤ، ہم سب دنیا سے ہاتھ کھینچ لیں اور جو کچھ مال و غلہ ہم رکھتے ہیں، ایک جگہ جمع کر کے افطار کے وقت کام میں لائیں اور پاسِ انفاس کریں، پھر اس قبیلے کے تمام مرد اور عورتیں ایک مسجد میں جمع ہو گئے اور ذکرِ خفی میں مشغول ہو گئے۔ ان میں ایک بوڑھی عورت تھی، جس نے چالیس دن تک کچھ نہ کھایا اور ذکرِ حق میں مشغول رہی۔ یہ لوگ اس کو مریم ثانی کہتے تھے۔ اسی زمانے میں اس قبیلے میں ایک لڑکا پیدا ہوا اس کو اس قبیلے کے لوگوں نے عیسیٰ ثانی کا لقب دیا۔

چند دنوں کے بعد ایک قافلہ ہندوستان سے ان کی طرف آیا، کسی نے کہا یہ کارواں ہے اور اس میں سوداگر ہیں، جو ہندوستان سے سامان لے کر کابل جا رہے ہیں اور وہاں غلاموں کو فروخت کریں گے۔ پھر انہیں میں سے کسی نے پوچھا کہ فروخت کر کے بھر کیا کریں گے؟ کسی نے کہا کہ وہاں سے گھوڑے خرید کر ہندوستان لائیں گے۔ پھر اس نے پوچھا کہ پھر کیا کریں گے؟ پھر کسی ایک نے ان میں سے جواب دیا کہ وہ پھر کابل آئیں گے اور پھر یہاں سے گھوڑے خریدیں گے ان کا کام یہی ہے۔ پھر سب کہنے لگے کہ افسوس ہے ان پر کہ اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کیے ہوئے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ قیامت قریب ہے، آخر یہ آخرت کے لیے کب کام کریں گے۔ پھر ان میں سے چند مجذوب جمع ہو کر کارواں پر حملہ آور ہوئے۔ قافلے والوں نے یہ سمجھا کہ تمام افغان متفق ہو گئے ہیں اور پیرِ روشن نے ان کے

خلاف تلوار اٹھائی ہے۔ قافلے کے تمام لوگ اپنا سامان چھوڑ کر کابل کی طرف بھاگ گئے اور ان مجذوبوں نے ان کا تمام سامان اٹھا کر ایک میدان میں پھیلا دیا اور اس جگہ ایک نشان نصب کیا اور کہنے لگے آج قیامت کا دن ہے اور یہ مریم کا نشان ہے جو ہم نے نصب کیا ہے، پھر وہ چند روز اسی مشغلے میں رہے۔

قافلے کے لئے پئے لوگ کابل پہنچے۔ انہوں نے میرزا حکیم سے فریاد کی کہ تمام افغانوں نے متحد ہو کر پیر روشن کی سرکردگی میں تلوار اٹھائی ہے اور قبیلہ توئی نے ہمیں لوٹا ہے۔ میرزا حکیم نے پانسو سواروں کا ایک دستہ مقرر کیا کہ وہ جا کر کیفیت حال معلوم کریں۔ یہ دستہ وہاں پہنچا تو قبیلہ توئی کے پندرہ سو سواروں نے مغلوں کے اس دستے سے مقابلہ کیا، مغل ان کو مار کر ان کے بچوں کو پکڑ کر کابل لے گئے۔

پیر روشن (بایزید) کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو متفکر ہوئے اور حکیم کو لکھا کہ یہ مجذوبوں کی جاعت ہے اور یہ لوگ مسلوب العقل ہیں اور اپنی اس دیوانگی کی سزا کو پہنچ چکے ہیں، ان کے بال بچے بے گناہ ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے تو بڑا کرم ہوگا۔

جب میرزا حکیم کے وزرا کو پیر روشن کے اس خط کا علم ہوا تو انہوں نے میرزا حکیم سے کہا کہ ہم نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ شیخ (بایزید) کب اس کو پسند کرے گا کہ ہم افغانوں کو قید میں رکھیں اور افغانوں نے جو یہ حرکت کی ہے محض پیر روشن کے بل بوتے پر کی ہے۔ ہم نے پہلے بھی یہ عرض کیا تھا کہ اس کا علاج کرنا چاہیے۔ مگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اب مناسب ہے کہ حاکم پشاور کو لکھا جائے کہ وہ پیر روشن پکڑ کر قید

کرے یا قتل کرے ۔ میرزا حکیم نے اپنے وزرا کے مشورے کے مطابق معصوم خاں حاکم پشاور کو لکھا ۔

جب یہ حکم معصوم خاں کو پہنچا تو پابندہ خاں اور بہار خاں جو اس کے ملازموں میں در پردہ پیر روشن کے ہوا خواہوں میں تھے ، انہوں نے چپکے سے اس کی اطلاع پیر روشن کو دی ۔ اس اطلاع کے بعد پیر روشن مہمند زئیوں کے مشورے سے علاقہ یوسف زئی میں چلے آئے ، اور قبیلہ مہمند زئی بھی ان کے ساتھ تھا ۔

جنگ:

ادھر معصوم خاں نے پیر روشن پر لشکر کشی کی اور افغانوں کے ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی لے کر ان کا تعاقب کیا ، جیسے ہی اس کی اطلاع پیر روشن کو ملی تو وہ پائین کوہ سے نکل کر بالائے کوہ پر آ گئے ، مغل لشکر نے ان کا محاصرہ کر لیا ، پیر روشن نے معصوم خاں سے کہلا کر بھیجا کہ آپ نے جو مجھ پر لشکر کشی کی ہے مجھ سے کون سی تقصیر خلافِ شرع ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے آپ مجھ پر حملہ آور ہوئے ہیں معصوم خاں نے کہا کہ تم سے کوئی تقصیر نہیں ہوئی ۔ مگر مجھے میرزا حکیم کا حکم ملا ہے کہ یا تو میں تمہیں قید کروں یا تمہارا سر اس کے پاس بھیجوں ۔ اس کے بعد پیر روشن نے اپنے یاروں سے مشورہ کیا اور کہا کہ اب ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو بھوکے مریں یا دشمنوں سے تلوار سے مقابلہ کریں ۔ یاروں نے کہا تلوار سے لڑنا بہتر ہے ، اس وقت پیر روشن کے ساتھ تین سو تیرہ آدمی تھے ، جنہوں نے تلوار اٹھائی اور جو تلواں نہ رکھتے تھے ، انہوں نے پتھر اور لکڑی ہاتھ میں لی ۔

دعا:

جنگ کے شروع ہونے سے قبل پیر روشن نے وضو کر کے

دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا ،
 ”اے خدا ! تو جانتا ہے کہ میں کوئی حیلہ اور راہ گریز
 مغلوں لشکر سے نہیں پاتا ، مجبوراً تلوار ہاتھ میں لیتا ہوں ،
 تو میرا معین و مددگار ہو اور ظالموں کے ہاتھ سے اہل و عیال
 اور میرے یاروں کو محفوظ رکھ ۔

شکست :

اس کے بعد پیر روشن نے اپنے لڑکوں اور یاروں کے ساتھ
 مغل لشکر کا مقابلہ کیا اور ان کے یاروں نے اللہ اکبر نعرہ
 لگا کر ہلہ بول دیا ، اس مقابلے میں مغلوں کو شکست ہوئی ،
 بعض مارے گئے اور بعض بھاگ کر پشاور آئے ۔

پیر روشن نے اس جگہ کا نام آغاز پور رکھا اور اس جنگ
 کے ساتھیوں کو آغاز پوری کا لقب دیا اور ان کو یہ اعزاز
 بھی بخشا کہ یہ ایک حصہ مالِ غنیمت میں دوسروں سے
 زیادہ پائیں گے ۔

تیراہ میں آمد :

پھر وہاں سے پیر روشن تیرہ آئے ۔ اسی زمانے میں میرزا
 سلیمان ، اکبر کو دیکھنے کے لیے جا رہا تھا ۔ جب وہ خیبر کے
 قریب پہنچا تو آفریدیوں نے اس کے لشکر کو لوٹ لیا ۔
 پیر روشن کو یہ حال معلوم ہوا تو ان کو آفریدیوں کی
 اس حرکت پر بہت افسوس ہوا اور انہوں نے اس لوٹنے والے
 گروہ کو ڈانٹا ۔

مغلوں کی دوسری شکست :

اس کے بعد حاکم پشاور لشکر کو لے کر تیراہ پر حملہ آور ہوا ،
 اس جنگ میں بھی مغل کامیاب نہ ہو سکے اور واپس چلے گئے ،
 مگر اس جنگ نے مغلوں میں اور ان میں عداوت کو شدید
 کر دیا ، پیر روشن نے اپنے یاروں سے کہا کہ اب ہم
 اور مغلوں میں جنگ یقینی ہے بہتر یہ ہے کہ ہم اس علاقے

کو چھوڑ کر یوسف زئیوں کے علاقے میں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر علاقہ یوسف زئیوں میں آ گئے اور چند دن علاقہ یوسف زئیوں میں گزارے۔

وصیت و وفات :

ان جنگوں کے شروع ہونے کے دو ڈھائی سال بعد ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ع) میں پیر روشن نے وفات پائی۔ جب دردِ سر غالب ہوا اور وفات کا وقت قریب پہنچا، تو ان کے یاروں نے ان سے کہا کہ وقت نازک ہے، حضرت کچھ فرمائیں؟ پیر روشن نے کہا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے دل پر الہام کیا تھا وہ میں نے خیر البیان میں لکھ دیا اور میں نے اس میں ذرا بھی بخل روا نہیں رکھا (۱) تجہیز و تکفین کے بعد ان کے جسد کو صندوق میں رکھ کر اسی نواح میں دفن کر دیا گیا۔

اولاد :

حالتِ نامے سے پیر روشن کے سات صاحبزادوں کا اور ایک صاحبزادی کا پتہ چلتا ہے۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) شیخ عمر (۲) کمال الدین (۳) خیر الدین (۴) نور الدین (۵) جلال الدین (۶) اللہ داد (۷) دولت۔ اللہ داد اور دولت جوانی کے قریب حالتِ بلوغ میں غزائے کلاں میں شہید ہو گئے۔ ان دونوں کا سنہ وفات ۹۸۹ھ تھا (۲) ان کی صاحبزادی کا نام بی بی کمال خاتون تھا۔

خلافت :

پیر روشن کی وفات کے بعد ان کا بیٹا عمر خلیفہ ہوا اور سب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن کسی وجہ سے شیخ عمر اور اس کے

۱۔ مغلوں اور پیر روشن میں عداوت کے اسباب کی تفصیل ان کی وفات تک ”حالتنامہ“ قلمی۔ بضمن بیان سبب افتادن عداوت و نقیض میان مردم مغل و پیر دستگیر، صفحہ ۷۱ تا ۷۸ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۸

بھائی خیر الدین میں شکر رنجی پیدا ہوئی اور خیر الدین نے بی بی شمسو سے کہا کہ اب میرا یہاں رہنا مناسب نہیں اور وہ تیرہ چلا آیا۔ شیخ عمر نے کمال الدین کو اس کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بغل ہمارے دشمن ہیں، ہمیں اختلاف کو بھلا کر متحد رہنا چاہیے۔ بھائی کے کہنے پر خیر الدین، عمر کے پاس آکر رہنے لگا (۱)۔

یوسف زئیوں اور شیخ عمر میں عداوت :

شیخ عمر کی خلافت کے بعد خاندانِ روشانیہ علاقہ یوسف زئیوں میں آرام سے رہتا تھا اور جو کچھ ان کو ملتا تھا اپنے یاروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اچانک گوجر جمع ہوئے اور انہوں نے قبر سے پیر بایزید کا صندوق نکالنا چاہا۔ خواب میں پیر بایزید نے شیخ عمر کو گوجروں کے ارادے سے مطلع کیا، وہ آدھی رات کو قبر پر پہنچا۔ گوجر جو قبر سے صندوق نکالنے کے لیے جمع ہوئے تھے اسے دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیخ عمر نے اپنے باپ کے صندوق کو قبر سے نکالا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ جو چور اس نے پکڑے انہوں نے بتایا کہ ہم حمزہ خاں یوسف زئی کی رعیت اور اس کے ہمسائے ہیں اور اسی کے اشارے سے ہم اس ارادے سے آئے تھے۔ شیخ عمر کے مریدین کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے حمزہ خاں کے مویشی لوٹ لیے اور حمزہ خاں اور شیخ عمر میں معرکہ ہوئے، آخر وہاں سے شیخ عمر کوچ کر کے قبیلہ مندثر کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت بھی حمزہ اور شیخ عمر میں لڑائی ہوئی، یہاں تک کہ وہ خانپور پہنچے۔ ان کے ساتھ بایزید کا صندوق بھی تھا جو انہوں نے قبر سے نکالا تھا۔ ابھی کچھ دور چلے تھے کہ ایک جگہ ”خیر البیان“ بھول گئے۔ انہوں نے ”خیر البیان“ کی تلاش کے لیے آدمی بھیجا اور جب تک ”خیر البیان“ نہیں ملی وہ آگے نہیں بڑھے۔ آخر مشورے کے بعد دلازاک قبیلے کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دریائے سندھ کے کنارے پہنچے تو انہوں نے دلازاک قبیلے کو کہلایا کہ ہم نے کبھی تمہارے ساتھ کوئی عداوت نہیں کی، ہم تمہارے

پاس آنا چاہتے ہیں۔ دلازاک قبیلے کے لوگوں نے غداری سے جواب دیا کہ پہلے پیر روشن کے بیٹے اور ان کے بعض ساتھی ہمارے پاس آئیں۔ آخر دلازاک قبیلے نے ان کے ساتھ غداری کی اور دلازاک اور یوسف زئیوں نے ان کو گھیرے میں لے لیا (۱)۔

پیر ہایزید کے صندوق کی غرقابی اور شیخ عمر کی وفات :

اسی کشمکش میں شیخ عمر مارے گئے اور پیر روشن کے یاروں میں سے ’ملا زکریا‘ ملا عمر خویشگی اور ایوب نے دشمنوں کے ہاتھوں وفات پائی، اور دشمنوں نے پیر روشن کے صندوق کو دریا میں غرق کر دیا (۲)۔

بی بی شمسو کی پیشین گوئی :

بی بی شمسو زوجہ پیر روشن نے جب یہ خبر سنی تو پیشین گوئی کی کہ دلازاک اور یوسف زئی تباہ ہوں گے۔ چنانچہ چند دن بعد ہی یوسف زئیوں میں قحط پڑا اور اکبر نے زین خاں کے ذریعہ سے انہیں قتل کرایا (۳)۔

پیر ہایزید کے صندوق کی بازیابی اور تدفین :

جب دلازاکوں نے پیر روشن کے صندوق کو دریا میں ڈال دیا تو وہ صندوق بہتا ہوا ساحل پر جا لگا۔ بعض یاروں نے اسے دریا سے نکالا اور ایک اچھی جگہ پر محفوظ کر دیا، جب جنگ و جدل موقوف ہوئی تو اس کی اطلاع پیر روشن کے بیٹے جلال الدین (جلالہ) کو دی گئی، اس نے حکم دیا کہ اس صندوق کو بمیتور (بھت پور) لے جاؤ اور مجد کمال کی قبر کے قریب اسے دفن کرو۔ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پیر روشن کی قبر ابھی تک وہیں ہے۔ صاحب ’’حالنامہ‘‘ کا بیان ہے کہ اکثر لوگ جمعہ کی شب میں اس قبر کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور اپنی مرادیں حق تعالیٰ سے پاتے ہیں، خصوصاً دونوں عیدوں میں۔ اس قبر پر

۱۔ ’’حالنامہ‘‘ قلمی ملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ صفحہ ۵۰۷

۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۱۲

۳۔ حالنامہ قلمی۔ صفحہ ۴۲۴

اتنا هجوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی آدمی اپنے گھر میں رہتا ہو۔ مزار کے سامنے جو میدان ہے، نوجوان وہاں گھوڑے دوڑاتے ہیں اور کھیلتے اور دن کے آخری حصے میں گھر جاتے ہیں (۱)۔

جلال الدین جلالہ کی مسند نشینی :

حالی نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ جلال الدین (جلالہ) یوسف زئیوں کے ہاتھوں قید ہوا۔ اکبر جب لاہور سے اٹک آیا تو اس نے پیر بابیزید کے یاروں کو قید سے چھڑایا اور قبائل دلازاک اور قبائل یوسف زئی کو جلا وطن کیا اور قید میں رکھا اور جلال الدین (جلالہ) کو اپنے ساتھ لے گیا اور سیاسی مصالح کی بنا پر اسے نہایت عزت و احترام سے رکھا۔ لیکن شیخ محمد خلیل جو غالباً پیر روشن کا مرید خاص تھا وہ تنہائی میں جلالہ سے کہا کرتا تھا کہ اکبر کی اس ظاہری مدارات کے دھوکے میں نہ آنا۔ اس کی نیت تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں۔ مناسب ہے کہ تم یہاں سے بھاگ نکلو۔ لیکن جلالہ اس پر راضی نہ ہوتا تھا۔ آخر پیر روشن کے ان مریدوں نے جو اس کے ساتھ تھے جب یہ دیکھا کہ وہ اکبر کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتا اور اپنے وطن واپس جانا نہیں چاہتا تو انہوں نے باہمی مشورہ کر کے جلالہ کو بے ہوشی کی دوا پلائی اور مشہور کیا کہ وہ بیمار ہے۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں اسے اٹھا کر چمکے سے کوہستان لے گئے۔ جلالہ کو جب ہوش آیا تو اس نے اکبر کے احسانات گنوا کر واپس جانا چاہا مگر ان مریدوں نے ایک نہ سنی۔ آخر وہ شیخ عمر کی جگہ اپنے باپ کی مسند پر بیٹھا اور پیر روشن کے مریدوں میں تنظیم کر کے مغلوں کے خلاف معرکہ آرا ہوا۔ اس کی پانچ جنگوں کا تذکرہ حالی نامے میں ملتا ہے۔ اس کی پہلی اور دوسری جنگ راجا مان سنگھ سے ہوئی۔ تیسری جنگ حامد بخاری سے ہوئی، جو ان دنوں پشاور کا صوبہ دار تھا، چوتھی جنگ

پور راجا مان سنگھ (۱) سے ہوئی ، پانچویں جنگ ۵۹۹۰ (۱۵۸۲ء) میں
عبدالغالب خاں ولد شاہ بداع سے ہوئی ۔

۱ - راجا مان سنگھ راجا بھگوان داس کا بیٹا تھا ۔ اس کی بہن سے اکبر
نے ۵۹۹۳ (۱۵۸۵ء) میں شادی کی ۔ اکبر نے کنور مان سنگھ کو
اس کے باپ کی زندگی میں منصب عالی سے سرفراز فرمایا اور
جماعت روشنائی کی مدافعت کے لیے جنہوں نے ہندوستان اور
کابل کے راستے کو مسدود کر دیا تھا ، مقرر کیا اور کابل اس
کی جاگیر میں دیا ، کنور مان سنگھ نے ان کو سخت تنبیہ
کی ۔ اس کے بعد وہ قتلو خاں افغان کے مقابلے کے لیے مقرر کیا
گیا ۔ اور ولات بنگالہ واڑیسہ اس کے تصرف میں دی گئی آخر
دکن میں اس نے اجل طبعی سے وفات پائی ۔ ساتھ افراد مرد
اور عورتیں اس کے ساتھ سستی ہوئے رہا خود از ذخیرۃ الخوانین ۔
صفحہ ۱۰۳ تا ۱۱۱ -

پیر بایزید اپنے موافقین اور مخالفین کی نظر میں

پیر بایزید کے متعلق شیخ فرید بکھری

صاحب ذخیرۃ العوائین کا اظہار خیال :

ہم پیر بایزید کے حالات زندگی ، ان کی تعلیمات اور تحریک روشنائی کے مختلف پہلو گزشتہ اوراق میں تفصیل سے پیش کرچکے ، اب ہم مختلف تاریخوں سے مؤرخین کے وہ التباسات پیش کرتے ہیں جن میں انہوں نے پیر بایزید کے متعلق موافقت یا مخالفت میں اظہار خیال کیا ہے ، تاکہ اس نوعیت سے بھی پیر بایزید کی زندگی کا عکس واضح طور پر سامنے آسکے ۔

ہم سب سے پہلے عہدِ جمہانگیر کے مؤرخ شیخ فرید بکھری صاحب ”ذخیرۃ العوائین“ کی رائے پیر بایزید کے متعلق ان کی کتاب ”ذخیرۃ العوائین“ سے ترجمے کی صورت میں یہاں نقل کرتے ہیں ۔ ”ذخیرۃ العوائین“ ۱۰۶۰-۶۱ھ میں لکھی گئی اور اس کتاب کو مغل عہد پر بڑی تاریخی اہمیت حاصل ہے ۔ شیخ فرید بکھری لکھتے ہیں :

”بایزید نے (افغانوں میں پہنچ کر) اس جگہ کے اکثر افغانوں کو اپنا مرید بنایا اور جس نے اس کی شکل دیکھ لی وہ گرویدہ ہو گیا ۔ اس نے پشتو زبان میں ”خیرالبیان“ کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی اور اسے ان لوگوں میں نشر کیا ، یہ مسئلہ وحدت الوجود پر مدلل کتاب ہے ، اس میں دلائل و براہین قاطع از روئے نص (قرانی) اور احادیث اور بزرگانِ سلف کی تاویلوں سے کام لیا ہے اور حقیقتاً یہ کتاب ایسی نادر ہے کہ اگر اس پر کوئی شخص انصاف کی نظر سے غور کرے تو اس سے فیض یاب ہو سکتا ہے ۔ وہ خود جس پر نظر ڈالتا اسے اپنا مطیع بنا کر مبداء تک پہنچا دیتا ، صاف دل باشندگانِ کومستان اس کے کشف و کرامات سے اس کے گرویدہ ہونے

اور تا دم حیات عبادتِ حق اور ترویجِ سنت نبوی برحق کرتے رہے۔ اس معروف اور نہی سے انکار نہ کرتے تھے اور لوگوں (افغانوں) کو جو حدِ شہار سے باہر تھے، اس نے دین نبوی پر قائم رکھا اور اکثروں کو واصلِ حق کر دیا۔ اس کے سلسلے کی برکت اس وقت تک باقی ہے۔ اس نے داعیِ اجل کو لبیک کہا تو اپنے پیچھے خلفائے موحّد کو چھوڑ گیا کہ ان میں ہر ایک اسلام کا ستون ہے، اور اس وقت تک ان سے ایک دنیا ہدایت حاصل کر رہی ہے۔“

پھر بایزید کے بیٹے جلال الدین (جلالہ) کے مغل اکبر بادشاہ کے

ہاتھوں سے نکل بھاگنے پر لکھتے ہیں کہ :
 ”اس نے اپنے والد کے افغان مریدوں میں پہنچ کر علمِ بغاوت بلند کیا اور اپنے والد کے مریدین کی بھاری اکثریت کے ساتھ ہندوستان اور کابل کے درمیان آمد و رفت کو معطل کر دیا چنانچہ اس کے پیدا کردہ مصائب و آلام کی روداد تاریخ کے اوراق پر درج ہے۔ جسے دنیا جانتی ہے اور یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شاہنشاہی خلیفۃ الہی (اکبر) نے بڑی سوچ بچار کے بعد بالآخر راجہ مان سنگھ کیچھواچھ کو کابل جاگیر میں دے دیا، تاکہ وہ اس طائفے کو رفع دفع کر دے۔“

آگے چل کر اس تحریک کے آخری قائد احدات کے متعلق شیخ فرید

اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اس کی شجاعت و بہادری کی ایسی کہانیاں ہیں کہ انہیں میں لکھنے سے قاصر ہوں۔ اس نے اپنی ساری زندگی پہاڑوں میں شاہی لشکر سے جنگ و جدل میں کاٹ دی، کبھی غالب ہوا، کبھی مغلوب۔“

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :

”افغانوں کے دوسرے گروہ کو مذہبی اختلاف اور کمزوری

... نے حسد پر آمادہ کیا تو انہوں نے اسے عداوت کا نام دیا۔“

عبدالشکور صاحب ، مصحح کتاب ”صراط التوحید“ کا بایزید کے متعلق اظہار خیال :

رسالہ ”صراط التوحید“ کے مصحح عبدالشکور صاحب متہمم عجائب گھر پشاور نے اسی کتاب کے دیباچے میں بایزید کے متعلق لکھا کہ :

”بیسویں صدی کے اکثر محققین اور روشن خیال مفکرین کا خیال ہے کہ بایزید انصاری (جو پیر روشن یا پیر تاریک کے ناموں سے مشہور ہیں) درحقیقت ایک صحیح مبلغ ، رہنما اور سیاست دان اور ادیب تھے ، حضرت اخوند درویش رحمۃ اللہ علیہ نے مذہبی تعصب ، ذائقہ عناد اور سیاسی اختلافات کی بنا پر انہیں ملحد اور زندیق ٹھہرایا۔“

صاحب مائر الامرا کا بیان :

رشید خاں کے حالات کی کچھ اور تفصیل ہمیں ”مائر الامرا“ جلد ثانی میں ملتی ہے۔ صاحب ”مائر الامرا“ کا بیان ہے کہ رشید خاں کا نام الہ داد تھا ، جو جلال الدین روشنائی کا لڑکا ہے ، جس نے افغانوں میں اپنی سرداری کا علم بلند کیا ، اور زبور خانہ فساد کو شورش میں لایا۔ عرش آشیانی (اکبر) کے عہد سے اور شاہجان کے عہد تک ولایت کابل کی لڑائیاں اسی فرقے کے استیصال کے لیے تھیں۔ یہ اکبری عہد سے ’تاریکی‘ سے موسوم ہیں۔ پس ان کے بزرگوں میں جن لوگوں نے غبارِ فتنہ کو ہوا دی مختصراً ان کا ذکر ضروری ہے۔ جلال الدین جو جلالہ کے نام سے مشہور ہے ، اس کا باپ شیخ بایزید خلف شیخ عبداللہ جو پیر روشن یا پیر روشنائی سے مشہور ہے ، اس کا سلسلہ نسب سات واسطوں سے شیخ سراج الدین انصاری تک پہنچتا ہے ، وہ فردوسِ مکنی (بابر) کے ہندوستان پہنچنے سے چند سال پہلے قصبہ جالندھر میں پیدا ہوا۔ حصولِ کمال کے بعد جب اس نے مغلوں کا تسلط نمایاں طور پر دیکھا تو وہ اپنی ماں یبین نامی کے ساتھ جو اسی قبیلے سے تھی کافی گرام علاقہ کوہستان میں کہ جہاں اس کا باپ

مقیم تھا چلا گیا۔ ۹۸۹ھ (۱۵۴۲ع) میں اس کی شہرت ہوئی اور اس نے اپنے خوارق اور کرامات کے اظہار سے کچھ افغان قبائل کو اپنے حلقہ مریدی میں داخل کر لیا اور اس نے ایک کتاب ”خیر البیان“ کے نام سے مدلل اثبات وحدت الوجود پر پشتو میں لکھی۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک نسخہ ہے جس میں اکابر ساف کے منتخب اقوال ہیں۔ بعض طبقوں نے اس کو الحاد و زندقہ سے نسبت دی ہے، اور اسی حیثیت سے اس کو دیکھا ہے (ص ۲۴۳)

کہتے ہیں کہ جب پیر روشن کو مجلس میرزا محمد حکیم میں لایا گیا، علماء اس سے مناظرہ کرنے سے عاجز رہے۔ جب اس نے اپنی طبعی موت سے وفات پائی تو بھتہ پور میں جو کوہستان میں واقع ہے اسے دفن کیا گیا۔ اس کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ اس کے لڑکوں میں سے شیخ عمر، نورالدین کہ اس کا لڑکا مرزائی نامی شاہی ملازمت میں منسلک ہو کر دولت آباد کی جنگ میں مارا گیا، اور جلال الدین و جلال الدین اور کمال خاتون قلیچ خاں اکبر شاہی کی قید میں آئے، لیکن باپ کی جانشینی جلال الدین کو ۹۸۹ھ میں ملی۔ جب اکبر سیر کابل سے لوٹا اور یولم میں مقیم تھا تو جلال الدین چودہ سال کی عمر میں اس کی ملازمت میں پہنچا اور عواطف شاہانہ کا مورد بنا، لیکن اس نے انسلکی ملازمت شاہی میں کوئی بہتری نہیں دیکھی۔ بغیر اجازت شاہی وہ اپنے باپ کے مریدوں میں بھاگ آیا جواورک زئی، آفریدی اور شنواری قبیلے سے تھے اور ان سے اس کی قرابت بھی تھی۔

جب جلوس شاہی کے اکتیسویں سال مہمند اور غریہ خیل کے قبیلے کے لوگوں نے سید حامد بخاری کے کارپردازوں کی ستم رانی سے تنگ آ کر بغاوت کی تو جلالہ کو اپنی سرداری کے لیے منتخب کر کے حملہ کیا اور سید حامد کو قتل کر کے جنوبی قندھار جاکر جو نشیب و فراز زیادہ رکھتا ہے، خیبر کا راستہ بند کر دیا راجا مان سنگھ صوبہ دار کابل کو معلوم ہوا تو اس نے تیراہ میں آ کر آفریدیوں کو تاخت و تاراج کیا، اور علی مسجد میں قیام کر کے جلالہ کی بھی گوشالی کی، ادھر سے اکبر کی طرف سے

زین خاں کو جلالہ کی گوشالی کے لیے مقرر کیا گیا ، سال ۳۲ جلوس میں اس نے علاقہ یوسف زئی میں پناہ لی ۔ زین خاں اس کوہستان میں بھی آیا اور ایک زبردست لڑائی کے بعد قریب تھا کہ وہ جلالہ کو گرفتار کر لے وہ اپنی تدبیر سے تیراہ کی طرف بھاگ گیا ۔ جلوس کے سینتیسویں سال پھر جلالہ نے شورش پیدا کی ، آصف خان جعفر دربار شاہی سے اس کی سرکوبی کے لیے متعین ہوا ، پھر بھی وہ کسی طرح بچ نکلا ۔ آصف خاں نے اس کے اہل و عیال کو وحدت علی نامی ایک شخص کے ساتھ گرفتار کر لیا ۔ ۱۰۰۷ء میں جلالہ نے غزنی پر قبضہ کر لیا ، لیکن وہ اس قبضے کو باقی نہ رکھ سکا ۔ ۱۰۰۹ء میں وہ لوحانی قبیلے کی مدد سے شادمان ہزارہ کی آویزش کے لیے نواح غزنی کی طرف گیا ہوا تھا ، کوہ رباط میں اسے ایک زخم لگا ۔ مراد بیگ نے شریف خاں کے نوکروں کی ایک جماعت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا ، اور اس کا کام تمام کر دیا ۔

اس کے بعد احداد بن شیخ عمر کہ اس کا چچا زاد بھائی اور اس کا داماد بھی تھا اس کا جانشین ہوا وہ اتنا شجاع و بہادر تھا کہ اس نے اپنی بہادری سے رستم و افراسیاب کی داستانوں کو بھلا دیا ، اور اس نے جنت مکانی کے عہد میں شاہی لشکر سے سخت لڑائیاں لڑی تھیں ۔ ان لڑائیوں میں کبھی وہ غالب اور کبھی مغلوب رہا تھا ، یہاں تک کہ ۱۰۳۵ء میں ظفر خاں پسر خواجہ ابو الحسن تربتی کہ اپنے باپ کے انتظام میں صوبہ کابل کا نگران تھا اس نے احداد پر عرصہ حیات تنگ کر دیا (۲۴۷) یہاں تک کہ وہ مجبور ہو کر نواک میں محصور ہو گیا تھا ۔ ایک روز یورش میں اس کے بندوق لگی ، اور وہ اسی میں گزر گیا ۔

کہتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک روز پہلے اس نے نسخہ خیر البیان کو پڑھ کر کہا ، کل ہمارا یوم وصال ہے ، چنان چہ ایسا ہی ہوا ۔

اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالقادر احداد کا جانشین ہوا ، اور ظفر خاں پر یورش کر کے اس کا سامان لوٹ لیا ۔ آخر سعید خاں بہادر نازم ۔ کابل کی کوشش سے ، وہ ملازمین اعلیٰ حضرت (شاہجہان) میں شامل ہو گیا

تذکرہ صوفائے سرحد

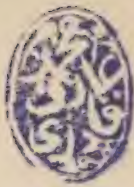
اور منصب ہزاری سے ممتاز ہوا۔ ۱۰۴۳ھ میں جب کہ وہ کابل کی تعیناتی کے زمانے میں زندگی بسر کر رہا تھا، سعید خاں بہادر نے بی بی الائی، احدات کی بیوی کو جو جلالہ کی دختر تھی، اس کے دو دامادوں ہمد زمان صاحبداد اور قادر داد بسر ہمد زمان کو عبدالقادر کے دوسرے ہمراہیوں کے ساتھ ۱۰۴۷ھ کے شروع میں حضور کی بارگاہ میں بھیجا۔ اعلیٰ حضرت نے مراحم خسروانہ کی بنا پر انہیں رشید خاں صوبہ دار تلنگانہ کے پاس بھیجا دیا۔

اور اسی سال کریم داد جو جلالہ کا چھوٹا بیٹا تھا اور ادبار و ذلت میں مبتلا ہو کر حدودِ لوحانی میں زندگی بسر کر رہا تھا، ۱۰۴۸ھ میں موقع پا کر تیراہ میں آنا اور شورش برپا کرتا تھا، سعید خاں کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے راجا جگت سنگھ کو اس کی تادیب پر مقرر کیا۔ اس کے پہنچنے پر تمام شورش پسندوں نے اطاعت کی مگر قبیلہ (لکن؟) اور دوسرے دو قبیلوں نے کہ جن میں کریم داد رہتا تھا سرکشی کی راہ اختیار کی، آخر جب انہوں نے اپنی نجات کریم داد کے سپرد کر دینے میں دیکھی تو انہوں نے اس کو اور اس کے متعلقین کو گرفتار کر کے راجا جگت سنگھ کے حوالے کر دیا۔ سعید الملک نے ان کو پیاسا میں مہنچا دیا۔

اس کے بعد دختر کریم داد کو جملۃ الملک سعد اللہ خاں کے عقد میں لایا گیا، لطف اللہ خاں وغیرہ اسی خاتون کے بطن سے ہیں۔

جلالہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں الہداد اپنے دوسرے بھائیوں کی اور اپنی کمزوری اور افغانوں کی عداوت دیکھ کر روہ کی سکونت چھوڑ کر ہندوستان آیا، اور ملازمانِ جنتِ مکنی میں شامل ہو گیا اور اپنی کارگزاری کی وجہ سے منصبِ عالی اور رشید خاں کے خطاب سے ممتاز ہوا، اور اپنی عمدہ خدمات کی بنا پر اختصاص حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت (شاہجہان) کے عہد میں چہار ہزاری کے منصب اور تین ہزار سواروں سے سرفراز ہوا۔

شاہجہانی جلوس کے چوتھے سال دریائے مانجرا کے قریب، (جب کہ عادل شاہیہ اور نظام الملکیہ آویزشوں میں رشید خاں کے بہت سے بھائیوں



نے موت کا جام پیا تھا ، رشید خاں بھی میدانِ جنگ سے اعظم خاں صوبہ دار دکن کے پاس زخمی حالت میں لایا گیا ، ۱۲۵۰ ع میں آخر عمر میں وہ نانڈیڑ کے انتظام پر تھا اور اب تک اس کی اولاد اور بھائی ہادی داد خاں وہاں متعین ہے ۔

ہادی داد خاں نے ۱۰۵۸ھ ، شاہجہانی جلوس کے بائیسویں سال ، صوبہ داری نانڈیڑ کے زمانے میں وفات پائی ۔ اس نے شمس آباد مٹو میں ایک گاؤں آباد کیا ، اور باغ لگایا تھا ، وہیں اس کی نعش کو لے جا کر دفن کیا گیا ۔

کہتے ہیں کہ وہ چنداں علم نہ رکھتا تھا ، لیکن ہر جگہ سے باخبر تھا ، اور تاریخ میں بے نظیر تھا اور مذہب حنفی میں متعصب تھا ، اس نے عیدگاہ برہانپور کو جو تنگ تھی وسیع کرایا تھا ۔

اس کے دو لڑکے تھے الہام اللہ اور دوسرا اسد اللہ ۔

صاحب ”دیستانِ مذاہب“ کا اظہار خیال

صاحب ”دیستانِ مذاہب“ نے پیر بایزید کے حالاتِ زندگی اور ان کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ :

”حالتنامے میں (جو اس کے قلم سے لکھا ہوا) ہے کہ بایزید انصاری خلف شیخ عبداللہ کا نسب ساتویں پشت میں شیخ سراج الدین سے جا ملتا ہے ، وہ افغانوں کی حکومت کے آخری زمانے میں شہر جالندھر میں پیدا ہوا ، اسی کے چند دن بعد بامبر بادشاہ ۹۳۶ھ (۱۵۲۶ ع) میں افغانہ پر مسلط ہوا اور اس نے ہندوستان کو فتح کیا ۔

”حالتنامے میں ہے کہ بایزید کی ماں کا نام بیبن تھا اور اس کا باپ اور عبداللہ کا دادا دونوں بھائی تھے ۔ میان بایزید وہیں پیدا ہوا ، اور عبداللہ کے باپ نے بیبن بنت محمد امین کو

عبداللہ کے لیے مانگا اور عبداللہ کا باپ کانری گرام کا تھا ، جو
 کوہستان افغانان میں واقع ہے ۔ جب مغلوں کا تسلط ہوا تو
 بین اور عبداللہ نہایت تکلیفیں اٹھا کر کانری گرام آئے ۔ عبداللہ
 کی بین سے موافقت نہ ہوئی اور اس نے بین کو طلاق دے دی
 اور عبداللہ اور اس کی دوسری بیوی کی دشمنی سے بایزید نے
 سخت تکلیفیں اٹھائیں ۔ بچپن ہی سے میان بایزید کی طبیعت یہ
 تھی کہ جب بھی وہ اپنی کھیتی کی دیکھ بھال کے لیے جاتا
 تو دوسروں کی کھیتی کی بھی نگہبانی کرتا ۔ شروع سے اس کا
 رجحان خدا کی طرف تھا ، وہ لوگوں سے پوچھتا کہ آسمان و زمین
 تو موجود ہے ، لیکن خدا کہاں ہے ؟ جب خواجہ اسمعیل
 سے اس نے مرید ہونا چاہا ، جو اس کے رشتے داروں میں تھا
 اور صاحب ریاضت و مجاہدات تھا تو عبداللہ مانع ہوا اور اس نے
 بایزید سے کہا کہ تیرے لیے باعثِ شرم ہے ، تو شیخ بہاء الدین
 کے لڑکوں کا مرید ہو ۔ بایزید نے کہا کہ پیری وراثت پر
 نہیں ، آخر بایزید ریاضت کر کے مراتبِ شریعت ، حقیقت ،
 معرفت ، قربت ، وصلت اور سکونت سے گزرا اور لوگ اس سے
 وابستہ ہو گئے اور اس نے اپنے حاسدوں اور لوگوں کو دعوت
 دی اور وہ حق کو آشکارا دیکھتا اور اکثر اسے الہام ہوتا ۔
 وہ اپنے آپ کو نبی جانتا تھا اور لوگوں کو ریاضت کے
 لیے کہتا اور نماز چھوڑ دیتا اور کہتا کہ جہتِ تعین درمیان
 سے اٹھ گئی ، فاینما تولو افشم وجہ اللہ ، اور کہتا تھا کہ
 غسل کی حاجت نہیں ، اس لیے کہ جو شخص اس (ذات باری)
 تک پہنچ جاتا ہے اس کا تن پاک ہو جاتا ہے ، کیوں کہ
 چاروں عنصر پاک چیزوں سے ہیں اور کہتا تھا کہ جو کوئی
 خدا اور خود کو نہیں پہچانتا وہ آدمی نہیں ، وہ اگر مودی ہے
 تو حکم بھیڑیے ، پلنگ ، سانپ اور بچھو کا رکھتا ہے اور اس
 کا مارنا جائز ہے اور پیغمبر عربی نے کہا ہے کہ اقتل

الموڈی قبل الایذا اور اگر نیکوکار اور نماز پڑھنے والا ہے وہ گائے اور بکری کا حکم رکھتا ہے اور ان کا مارنا جائز ہے۔ اس بنا پر اس نے مخالفین خود شناسی کو قتل کرنے کے لیے فرمایا، کیوں کہ یہ حیوان ہیں، چنانچہ قرآن میں ہے: اولئک کالا انعام بل هم اضل اور اس نے کہا کہ جو کوئی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا اور زندگی اور حیاتِ ابدی سے خبر نہیں رکھتا، وہ مردہ ہے اور ایسے مردے کا مال جس کے وارث بھی مردہ ہیں زندوں کو پہنچتا ہے۔ اس لیے اس نے نادانوں کے قتل کا حکم دیا۔ اگر وہ ہندو کو خود شناس پاتے اسے مسلمان پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ اپنے لڑکوں کے ساتھ مدتوں راستہ لوٹتا تھا اور مسلمانوں کا مال لے کر خمس مال بیت المال میں رکھتا تھا۔ جب ضرورت ہوتی اہل استحقاق پر تقسیم کر دیتا۔ وہ اور اس کے لڑکے فسق سے مجتنب اور زنا اور اہمال ناشائستہ سے پرہیز کرتے تھے۔ لیکن موحدون کے مال لے جانے اور یگانوں پر ظلم کرنے میں بے حد بڑھے ہوئے تھے۔

اور اس کی عربی، فارسی، ہندی اور افغانی میں بہت سی تصانیف ہیں، ”مقصود المومنین“ عربی میں ہے، کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اس سے بغیر واسطہ جبریل کے بات کرتا تھا۔ اور اس کی ایک کتاب ہے، جس کا نام ”خیرالبیان“ ہے، وہ چار زبانوں میں ہے۔ اول عربی، دوسرے فارسی، تیسرے ہندی، چوتھے پشتو لغت افغانی، ایک ہی مطلب کو ان چار زبانوں میں ادا کیا ہے اور اس میں خطاب ہے حق تعالیٰ کی جانب سے خاص بایزید کو اور وہ اس کو صحیفۃ الہی جانتا ہے اور ”حالیہ“ نامی ایک کتاب رکھتا ہے کہ جس میں اس نے اپنے حالات لکھے ہیں۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ وہ عامی تھا اور قرآن کے معنی بیان کرتا تھا اور ایسی حقائق آہوز باتیں

کہتا تھا کہ جن کو سن کر عقل مند لوگ حیران ہو جاتے تھے ، کہتے ہیں کہ وہ خدا ناشناسوں کے قتل پر مامور ہوا تھا اور تین مرتبہ متواتر حق نے اس کو یہ حکم دیا تھا کہ تلوار ہاتھ میں لو ، جب کئی مرتبہ یہ حکم اس کو ملا ، ناچار کمر جہاد پر باندھی میرزا محمد حکیم ابن حضرت ہمایوں بادشاہ نے میرزا محمد شاہ مخاطب بہ غزنی خاں سے سنا جو معاصر تھا پیر روشن کا کہ وہ کہتا تھا کہ پیر روشن نے ۹۴۹ھ میں قوت حاصل کی اور اسی زمانے میں اس کے مذہب نے رواج پایا ۔ میرے باپ شاہ بیگ خاں ارغون مخاطب بہ خان دوراں نے اس کو دیکھا تھا ۔ وہ کہتا تھا کہ بغاوت سے پہلے اس کو میرزا محمد حکیم کی مجلس میں لائے ، علماء اس کے ساتھ مناظرے سے عاجز رہے ، مجبوراً اس کو رخصت کر دیا گیا ۔ ۹۴۹ھ میں خبر وفات میرزا محمد حکیم حضرت عرش آشانی (اکبر) کو کابل سے پہنچی اور قبر میاں بایزید کی بھتہ پور میں ہے ، جو کوہستان افغانان میں واقع ہے ۔“

پیر روشن کا اس قدر تذکرہ کرنے کے بعد صاحب ”دبستانِ مذاہب“ نے ان کی اولاد کے حالات لکھتے ہوئے لکھا کہ :

”پیر بایزید کے چار لڑکے شیخ عمر ، شیخ کمال الدین ، نورالدین ، جلال الدین اور ایک لڑکی کمال خاتون تھی ۔

بایزید کے بعد جلال الدین کو خلافت ملی ، وہ باپ کے نقش قدم پر تھا ۔ ۹۸۳ھ میں وہ اکبر کی ملازمت میں چند روز رہ کر فرار ہوا ، ۱۰۰۰ھ میں اکبر نے جعفر بیگ قزوینی جس کا خطاب آصف خانی تھا ، جلالہ (جلال الدین) کے استیصال پر مقرر کیا ۔ اسی سال جلالہ (جلال الدین) کو مع اس کے اہل و عیال کے وحدت علی کے ساتھ قید کر کے لایا گیا ۔ ۱۰۰۷ھ میں جلالہ نے غزنی کو تاخت و تاراج کیا اور غزنی کو لے لیا مگر وہاں قیام نہ کر سکا اور ہزارہ و افغان کے

درمیان اس سے لڑائی ہوئی اور جلال الدین سلمان ہزارہ کے ہاتھ سے زخمی ہوا اور کوہ رباط کی طرف بھاگ گیا۔ مراد بیگ، شریف خاں کے ملازموں میں سے اس تک پہنچا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد عمر کا بیٹا احدات مسندِ ارشاد پر بیٹھا۔ وہ صاحبِ انصاف تھا اور اپنے آبا کے ضوابط پر چلتا تھا، مال جمع نہ کرتا تھا اور لوگوں کا حق کوشش کر کے ان کو دیتا تھا اور مال کا خمس جو جہاد میں ملتا اسے بیت المال میں رکھتا تھا اور غازیوں کو دیتا تھا۔ ۱۰۳۵ھ میں جہاں گیر کے عہد میں احسن اللہ خاں ظفر پسر خواجہ ابوالحسن تربتی نے اس پر کام کو تنگ کر دیا اور نواغر نامی قلعے میں قلعے پر یورش کے موقع پر کسی کی بندوق سے وہ مارا گیا۔ مرنے سے ایک روز پہلے اس نے ”خیر البیان“ کو کھولا اور مطالعہ کرتا رہا اور اپنے مخلصین سے کہا کہ کل ہمارے وصال کا دن ہے۔

کہتے ہیں کہ احدات کے مرنے کے بعد احدات کے بیٹے عبدالقادر کو پکڑ کر پہاڑ میں چھوڑ دیا گیا۔

احداد کی لڑکی جو اسی قلعے میں تھی بھاگ نہ سکی، لشکریوں نے اسے پکڑنا چاہا، لڑکی نے چادر منہ پر لپیٹی قلعے کی دیوار سے چھلانگ لگائی اور ہلاک ہو گئی۔

احداد کے بعد اس کا بیٹا عبدالقادر مسندِ خلافت پر بیٹھا اور اس نے ظفر خان پر تاخت و تاراج کیا یہاں تک کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا تمام سامان افغانوں کے ہاتھ لگا، لیکن ظفر خان کی بیوی نے بہادر اور جوان حوصلہ لوگوں کی کوشش سے نواب سعید خاں بن احمد بیگ سلطان ذوالقدر مخاطب ذوالفقار خاں کو عبدالقادر خاں کے خاندان میں بھیجا کہ وہ کھانے پینے کی نہایت عمدہ چیزیں ہر آدمی کو دیں تاکہ وہ اس پر فریفتہ ہوں۔ اس پر عمل کیا گیا، ایک دن ایک بوڑھے

افغان نے حلوا چکھنے کے بعد عبدالقادر سے کہا تیرے بزرگوں سے لے کر آج تک مغلوں کے قدم یہاں تک نہیں آ پائے، یہ آدمی جو آیا ہے چاہتا ہے کہ اچھے اچھے لباس پہنا کر اور عمدہ کھانے کھلا کر کہ جو درویشوں کے مسلک کے خلاف ہے تجھے فریب دے، میرا مشورہ یہ ہے کہ میں اس کو مار دوں تاکہ دوسرا نہ آنے پائے۔ لیکن عبدالقادر کی ماں بی بی علائی جو جلالہ کی دختر تھی اس پر راضی نہ ہوئی۔ مغلوں اور عبدالقادر میں تعلقات بڑھے اور عبدالقادر کی آمد و رفت سعید خاں کے لشکر میں شروع ہو گئی۔ ایک روز عبدالقادر سعید خاں کے لشکر میں جا رہا تھا کہ تقارے اور کرنا کی آوازوں سے اس کا گھوڑا ڈرنے لگا اور وہ لوگوں سے ہٹ کر ایک طرف چلنے لگا۔ ایک افغان نے کہا کہ جو کچھ حضرت میاں روشن نے فرمایا تھا گھوڑا اس کی تعمیل کر رہا ہے اور تم نہیں کرتے تم اس کی سزا بھگتو گے۔ عبدالقادر نے پوچھا میاں نے کیا فرمایا تھا؟۔ افغانوں نے کہا مغلوں سے دوری اور اجتناب۔

عبدالقادر شاہجہان کے زمانے میں منصب بزرگانہ پر فائز ہوا اور ۱۰۴۳ ع میں وفات پائی۔ پشاور میں مدفون ہے۔ اس کا بیٹا نورالدین عہد شاہجہانی میں تھا، جنگ دولت آباد میں مارا گیا۔ کریم داد ابن جلال الدین کو قوم جلالیاں نے محمد یعقوب کشمیری وکیل سعید خاں ترخان نژاد کے سپرد کیا۔ وہ ۱۰۴۸ھ میں مقتول ہوا۔

اور اللہ داد خاں ابن جلال الدین خان رشید خانی کے خطاب سے سرفراز ہوا اور دکن میں منصب چہار ہزاری سے کامیاب ہوا۔ اس نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

۱۔ یہ تمام تفصیل ”دبستان مذاہب“ مطبوعہ نول کشور تعلیم نہم صفحہ ۳۰۴ تا ۳۱۱ سے ماخوذ ہے۔

افغان نے حلوا چکھنے کے بعد عبدالقادر سے کہا تیرے بزرگوں سے لے کر آج تک مغلوں کے قدم یہاں تک نہیں آ پائے، یہ آدمی جو آیا ہے چاہتا ہے کہ اچھے اچھے لباس پہنا کر اور عمدہ کھانے کھلا کر کہ جو درویشوں کے مسلک کے خلاف ہے تجھے فریب دے، میرا مشورہ یہ ہے کہ میں اس کو مار دوں تاکہ دوسرا نہ آنے پائے۔ لیکن عبدالقادر کی ماں بی بی علائی جو جلالہ کی دختر تھی اس پر راضی نہ ہوئی۔ مغلوں اور عبدالقادر میں تعلقات بڑھے اور عبدالقادر کی آمد و رفت سعید خاں کے لشکر میں شروع ہو گئی۔ ایک روز عبدالقادر سعید خاں کے لشکر میں جا رہا تھا کہ نغارے اور کرنا کی آوازوں سے اس کا گھوڑا ڈرنے لگا اور وہ لوگوں سے ہٹ کر ایک طرف چلنے لگا۔ ایک افغان نے کہا کہ جو کچھ حضرت میاں روشن نے فرمایا تھا گھوڑا اس کی تعمیل کر رہا ہے اور تم نہیں کرتے تم اس کی سزا بھگتو گے۔ عبدالقادر نے پوچھا میاں نے کیا فرمایا تھا؟۔ افغانوں نے کہا مغلوں سے دوری اور اجتناب۔

عبدالقادر شاہجہان کے زمانے میں منصب بزرگانہ پر فائز ہوا اور ۱۰۴۳ ع میں وفات پائی۔ پشاور میں مدفون ہے۔ اس کا بیٹا نورالدین عہد شاہجہانی میں تھا، جنگ دولت آباد میں مارا گیا۔ کریم داد ابن جلال الدین کو قوم جلالیاں نے محمد یعقوب کشمیری وکیل سعید خاں ترخان نژاد کے سپرد کیا۔ وہ ۱۰۴۸ھ میں مقتول ہوا۔

اور اللہ داد خاں ابن جلال الدین خان رشید خانی کے خطاب سے سرفراز ہوا اور دکن میں منصب چہار ہزاری سے کامیاب ہوا۔ اس نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

۱۔ یہ تمام تفصیل ”دبستان مذاہب“ مطبوعہ نول کشور تعلیم نہم

صفحہ ۳۰۴ تا ۳۱۱ سے ماخوذ ہے۔

صاحب ”تاریخ فرشتہ“ کا بیان

’سعارف‘ میں حضرت پیر روشن کے عنوان سے مولوی نیازالدین خان دانشمند انصاری کا مضمون شائع ہوا تھا ، جو خود بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ۔ انھوں نے اس مضمون کے ابتدا میں ہندوستان کے چند نامور مؤرخوں کی پیر روشن کے متعلق رائیں درج کی ہیں ۔ وہ صاحب ”تاریخ فرشتہ“ کا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں :

”اکبر نے کنور مان سنگھ پسر راجا بھگوان داس کو بغرض

اخراج افغانان روشنائی کہ ظلمت و کفر و زندقہ میں شہرت رکھتے تھے روانہ کیا ۔ کہتے ہیں کہ ایک ہندوستانی شخص نے اپنا نام پیر روشن مشہور کیا تھا ، اس نے افغانوں میں جا کر ان کو اپنا مرید بنا لیا ۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا جلالہ چودہ برس کا تھا ، وہ بادشاہ کی ملازمت میں آیا اور کچھ عرصے بعد بھاگ کر افغانوں میں جا ملا اور خلق کثیر کو اپنے ساتھ متعلق کر کے اس نے ہندوستان اور کابل کا راستہ بند کر دیا ۔ راجہ مان سنگھ افغانان روشنائی سے بمقام کتل خیبر لڑا اور ایک کثیر جماعت کے خون سے زمین کو رنگین کر گیا ۔ ۵۹۹۶ (۱۵۸۷ع) میں جب جلالہ نے غلبہ پایا تو سید حامد بخاری کو قتل کیا ، پھر علاقہ ہنگش کی طرف بھاگ گیا ، اس پر بادشاہ نے عبدالمطلب خان مع قلی بیگ و حمزہ بیگ ترکان کو جلالہ کے تدارک کے لیے متعین کیا ، جنھوں نے جلالہ کو زیر کر لیا ، اور اس گروہ کے بہت لوگ قتل ہوئے ، اسی سال شاہزادہ خسرو پیدا ہوا ۔

”ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ کا بیان :

ملا عبدالقادر بدایونی اپنی تاریخ میں ۵۹۹۴ کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ :

آج سے پچیس برس پہلے ایک ہندوستانی سپاہی پیشہ آدمی نے اپنے لیے پیر روشنائی خطاب تجویز کیا ، اور افغانوں میں جا کر

بہت سے احمقوں کو اپنا مرید بنا لیا اور اپنی بے دینی اور
 بد مذہبی کو رونق دی اور ایک کتاب تصنیف کر کے
 ”خیرالبیان“ نام رکھا۔ اس میں اپنے عقائد فاسدہ کو ترتیب
 دیا اور چند روز میں سر کے بل اپنے ٹھکانے جا پہنچا۔ ایک
 لڑکا چودہ سالہ جلالہ نامی چھوڑ گیا۔ ۹۸۹ھ میں جب اکبر
 کابل سے آ رہا تھا، جلالہ ملازمت میں حاضر ہوا، اور
 مرحمتِ شاہنشاهی سے معزز ہوا۔ شقاوتِ ذاتی اور سوروٹی
 لڑکے کی پیدائش میں تھی اور خود بھی پیدا کی تھی۔ اس لیے
 کچھ عرصے کے بعد بھاگ گیا اور انہیں افغانوں میں جا کر
 پھر رہزنی شروع کر دی اور جم غفیر کو اپنے ساتھ متعلق
 کر کے ہندوستان اور کابل کا راستہ بند کر دیا۔ فرقہ روشنائی
 حقیقت میں عین تاریکی تھی، اس کے تدارک کے لیے
 بادشاہ نے کابل کو مان سنگھ کی جاگیر کر کے صوبہ دار کابل
 بنایا کہ ان شوریدہ سروں کو تنبیہ کرے۔ سعید خاں گھکڑ،
 بیربر، شیخ فیضی اور شیخ فتح اللہ شیرازی کو بھی بھجوا
 دیا۔ اس مہم کا انجام شاہی لشکر کی تباہی پر ہوا۔ آخر اکبر
 نے راجہ ٹوڈرمل کو بہت سے سپاہی دے کر روانہ کیا،
 راجا نے نہایت ہوشیاری سے کام کیا اور اس نے افغانوں کو
 تنگ اور پریشان کر کے چھوڑا، موسم گرما ۹۹۴ھ میں راجا
 مان سنگھ بھی فوج لے کر چڑھا۔ درہ خیبر کے نواح میں سخت
 لڑائی ہوئی اور فرقہ مذکور کے ہزاروں آدمی مارے گئے،
 بہت سے قید ہوئے، جلالہ علاقہ بنگش کی طرف بھاگ گیا۔
 بارہ کے سپہ عبدال مطلب نے اس کا تعاقب کیا، وہاں پھر
 جلالہ نے فوج جمع کر لی، اور ایک خون ریز جنگ کی۔
 جلالہ پھر بھاگ گیا، چند روز پہاڑوں میں مارا مارا پھرا،
 پھر بدخشاں ہوتا ہوا عبداللہ خاں اوزبک کے پاس پہنچا، مگر اس
 نے جلالہ کی امداد نہ کی۔ یہ واقعہ ۱۰۰۱ھ کا ہے، پھر واپس

آکر جلالہ ملک کے امن میں بذریعہ راہ زنی خلل انداز ہوا۔ کابل، ہندوستان کا راستہ مسدود کر دیا، پھر اکبر نے آصف خاں کو سالار بنا کر روانہ کیا۔ جلالہ پھر بھاگ گیا، اس کا بھائی وحدت علی (۱) اور اہل وعیال اور خویش واقارب کہ قریباً چار سو ہوں گے گرفتار ہو کر آئے۔ قریب بیس سال کے اس کا فساد جاری رہا۔ لشکر شاہی ان لوگوں کو برابر پریشان کرتا رہا۔ ۱۰۲۰ھ میں جلالہ نے غزنی پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کا آخری جاہ و جلال یہی تھا۔ وہاں بھی جنگ ہوئی، جلالہ مارا گیا۔ فرقہ روشنائی کے لوگ مدت تک اس کے نام پر چراغ جلاتے رہے، اب بھی کوہستان مذکور میں جو وہابی ہیں، ان کو سنت و جماعت مذہب کے ملا خفا ہو کر فرقہ روشنائیہ کا بقیہ کہا کرتے ہیں۔

یہ ہیں ہندوستان کے مختلف مؤرخین کی ان کے متعلق، موافق اور مخالف آرا۔ ان آرا کے بعد بھی ہمارا ان کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ ایک مغلوب الحال انسان تھے اور وہ غلبہ حال کی وجہ سے امن منزل پر پہنچ چکے تھے کہ جہاں انسان کو مطعون خلائق بننا پڑتا ہے، اور یہی غلبہ حال ان کو اس منزل میں لے آیا تھا کہ اگر وہ ذرا اور آگے بڑھ جاتے تو ان کی سرحدیں کفر سے جاسلتیں، ہم پیر روشن کے متعلق اپنی رائے کا اظہار آئندہ اوراق میں حضرت اخوند درویش کے تذکرے کے ضمن میں کریں گے۔

بایزید کی تصانیف :

پیر بایزید کی جن کتابوں کا اب تک پتہ چل سکا وہ حسب ذیل ہیں :

۱۔ وحدت علی نام کا جلالہ کا کوئی بھائی نہیں تھا، یہ سہو کتابت

معلوم ہوتا ہے (مؤلف

تذکرہ صوفیائے سرحد

۱۔ خیر البیان :- یہ کتاب بایزید کی سب سے اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب کو ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہمیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں جابجا اس کتاب کو زیادہ اہمیت دی ہے اور ان کے بعد ان کے مریدین بھی اپنے پیروں کی تعلیمات میں اس کتاب کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

حالیانہ میں ہے کہ جب پیر بایزید کی وفات کا وقت آیا تو یاروں نے ان سے پوچھا کہ وقت نازک ہے، حضرت کچھ فرمائیں۔ بایزید نے ان سے کہا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے دل پر الہام کیا تھا، میں نے ”خیر البیان“ میں لکھ دیا، اور اس میں ذرا بھی بخل نہیں کیا (۱)۔

حالیانہ میں ان کے مریدین کے سلسلے میں ہے کہ :

وہر روز دو وقت درمیان زنان و مردان جائے بلند می ساختند، و خلیفہ برآں می نشست خیر البیان را مقصود المومنین پیش ایشاں مینحواند، و یعنی آں را بیان میکرد و زن و مردان می شنیدند، چوں جملہ باتمام رسیدے ہر یکے بقدر استعداد از خانہ خود گوسفند و آرد و روغن و برنج طلبیدے، و درخانہ خلیفہ طعام بیسار پختے و مردم دیہ و شہر را استدعا نمودے و طعام خوردانیدے (۲)۔

جاقی اور کھانا کھلایا جاتا۔

بایزید کے مریدین اور ان کے خلفاء اس کتاب کو اس قدر عزیز

۱۔ ”حالیانہ“، قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

۲۔ ایضاً - صفحہ ۵۷۰ تا ۵۷۱

رکھتے تھے کہ حالنامے میں ہے کہ جب پیر بایزید کے بعد ان کا بیٹا عمر خلیفہ ہوا، اور یوسف زئیوں اور شیخ عمر میں عداوت پیدا ہوئی اور شیخ عمر مجبور ہو کر وہاں سے کوچ کر کے مندڑ کے قبیلے میں آنے کے لیے روانہ ہوا تو اس نے اپنے والد کی میت کے صندوق کو قبر سے نکالا اور اپنے ہمراہ لیا۔ پھر وہ کوچ کر کے خان پور آیا اور بایزید کا صندوق بھی ان کے پاس تھا، ابھی کچھ دور چلے تھے کہ راستے میں ایک جگہ 'خبرالبیان' کا نسخہ بھول گئے، اس کے رہ جانے سے سخت پریشانی ہوئی اور اس نے 'خبرالبیان' کی تلاش کے لیے آدمی بھیجے (۱)

دبستانِ مذاہب میں ہے کہ جب عمر کا بیٹا احوادِ مسندِ ارشاد پر بیٹھا جو صاحبِ انصاف تھا اور اپنے آباء کے ضوابط پر چلتا تھا، ۵۱۰۳۵ء میں جہانگیر کے عہد میں احسن اللہ خاں ظفر نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور نواغر نامی قلعے پر یورش کے موقع پر وہ کسی کی بندوق سے مارا گیا، مرنے سے ایک روز پہلے اس نے خبرالبیان کو کھولا اور مطالعہ کرتا رہا، اور اپنے مخلصین سے کہا کہ کل ہمارا یومِ وصال ہے (۲)

عجب بات یہ کہ ان کے مخالفین نے بھی اپنے استناد میں اس کتاب کو سب سے زیادہ موردِ طعن و الزام ٹھہرایا ہے، بلکہ حضرت اخوندرویزا نے تو اس کی مخالفت اس شدت سے کی ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو بجائے "خبرالبیان" کے "شرالبیان" اور "خریبیان" کے نام سے موسوم کیا ہے، وہ اس کتاب سے اس درجہ متنفر ہیں کہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لہجے کی تلخی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ :

ایں ملعون کتابے را تصنیف کردہ - | اس ملعون نے ایک کتاب تصنیف کی -
بعضیہ کلمات او را بزبان عربی بلا | اس میں بعضیہ کلمات عربی بغیر
ادراکِ ترکیب و ترتیب جمع آورد، | نا واقفیت ترکیب نحوی اور ترتیب

۱ - حالنامہ قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور - صفحہ ۵۱۲ -

۲ - "دبستانِ مذاہب" - صفحہ ۳۰۹ -

و بعضے را بزبان فارسی ، و بعضے را | کے جمع کر دیے ہیں ، اس کے بعضے
 بزبان افغانی و بعضے را بزبان ہندی ، | کلمات فارسی میں ، بعضے افغانی اور
 اما ہر کدام ازین کلمات ناموزوں و | بعضے ہندی میں ہیں ، لیکن ان میں
 ناموافق افتاد ، بحدے کہ طبائع | سے تمام کلمات اس حد تک ناموزوں
 اہل علم از آن متنفر میگردد ، و آں | اور ناموافق ہیں کہ ان سے اہل علم
 را خیر البیان نام بردہ ، و چوں | کی طبیعت متنفر ہوتی ہے اور اس کا
 مملو از کفر و الحاد و مشحون | نام ”خیر البیان“ رکھا اور چوں کہ
 از افترا و فساد بودہ ، فقیر آں | وہ کفر و الحاد اور افترا اور فساد سے
 را ”شرالبیان“ نامیدہ و اگر ”خریبان“ | بھری ہوئی ہے ، فقیر نے اس کا
 نامند ہم مناسب است و دعوی نمود | نام ”شرالبیان“ رکھا اور اگر
 کہ این بر وفق مدعی من از جانب | ”خریبان“ رکھیں تو وہ بھی مناسب
 اللہ تعالیٰ نزول یافته - نعوذ باللہ | ہے اور اس نے دعویٰ کیا کہ یہ
 اس کے دعوے کی دلیل میں اللہ تعالیٰ | اس کے دعوے کی دلیل میں اللہ تعالیٰ
 من کفرہم (۱) - | کی جانب سے نازل ہوئی ہے - نعوذ
 باللہ من کفر ہم -

پھر انہوں نے آگے چل کر اس امر کو بھی منکشف کیا ہے کہ
 یہ ساری تصنیف پیر با یزید ہی کی نہیں بلکہ اس کی اس تصنیف میں اس کے
 مرید خاص ملا ارزانی (۲) کا بھی ہاتھ تھا جو بڑا ذہین اور فصیح شاعر تھا -

۱ - ’ تذکرۃ الابرار والا شرار‘ - صفحہ ۱۴۸ -

۲ - پختانہ شعرا میں ہے کہ ملا ارزانی پیر روشن کے مریدوں میں
 تھا اور قوم خویشگی سے تعلق رکھتا تھا - اس کے دو بھائی
 اور تھے، ملا عمر اور ملا علی ، یہ دونوں بھائی بھی پیر روشن
 کے مرید تھے - ارزانی ایک تیز فہم ، فصیح البیان شاعر تھا -
 پشتو ، فارسی ، عربی اور ہندی تینوں زبانوں میں شعر کہتا تھا -
 اس نے ایک اور کتاب بھی لکھی ہے ، جو ”چہار رسمہ“ کے نام
 (باقی حاشیہ ۱۸۳ صفحہ پر)

اس نے فارسی ، ہندی ، افغانی اور عربی میں گمراہی اور ضلالت کے اشعار کہے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۸۲ کا)

سے مشہور ہے ارزانی بعد میں پیر روشن سے علیحدہ ہو کر ہندوستان چلا گیا ۔ باقی دونوں بھائی پیر روشن کے ساتھ رہے۔ ارزانی کے معاصرین شعرا میں دولت لوحانی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے اور دولت لوحانی جا بجا خود اس کے ادبی بلندی کے مقام کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ پشتو کے مشہور صوفی شاعر رحمان بابا بھی اپنے اشعار میں ارزانی کے اشعار کی طرف اشارہ کرتے ہیں ، جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ان بزرگوں کے زمانے تک ارزانی کے اشعار مشہور تھے ۔ ارزانی پیربایزید کے معاصرین میں ہے ، اس لیے ہم اس کا عہد ۱۰۰۰ھ کے قریب متعین کرتے ہیں ۔ راوڑی ، قاسم علی آفریدی کے ایک قصیدے کے حوالے سے ارزانی کا تذکرہ کرتا ہے (ماخوذ از ”پختانہ شعرا“ جلد اول صفحہ ۲۳ تا ۲۵ ۔

”ورکہ خزانہ“ میں ہمیں ملا ارزانی کے متعلق کچھ اور تفصیلات ملتی ہیں، صاحب ”ورکہ خزانہ“ کا بیان ہے کہ: ”ملا ارزانی ، تحریک روشنائی کے سب سے پہلے علمبرداروں میں ہے اور اس کا شمار پیر روشن کے ممتاز ترین خلفاء میں ہے ۔ وہ افغانوں کے قبیلہ خویشگی سے تعلق رکھتا تھا ۔“ خود کہتا ہے کہ :

یہ خویشگی میں عزیز ہے اور اس کے والد کا نام برہان ہے ارزانی کے دو بھائی اور بھی تھے ان میں ایک کا نام علی محمد مخلص اور دوسرے کا نام ملا عمر تھا ۔ یہ دونوں بھائی بھی پیر روشن کے خلفاء میں تھے ۔

(باقی حاشیہ ۱۸۳ صفحہ پر)

تذکرہ صوفیائے سرحد

”خیرالبیان“ کا وہ قلمی نسخہ جو پاک و ہند میں صرف ایک نسخہ ہے اور جو پشتو اکیڈمی، پشاور کا مملوکہ ہے۔ خوش قسمتی سے ہمیں (صفحہ ۱۸۳ کا باقی حاشیہ)

مخلص، پشتو کے متقدمین شعراء میں ایک عظیم المرتبت شاعر ہے۔ اس کا اعتراف میرزا خان انصاری جیسے پشتو کے بلند پایہ شاعر نے بھی کیا ہے۔

ارزانی بھی علم و فضل کے ساتھ ساتھ ایک صحیح و بلیغ شاعر تھا۔ اس نے پشتو، فارسی، عربی اور ہندی میں کافی اشعار کہے ہیں، بلکہ ان زبانوں میں اس کے دیوان موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ارزانی نے ایک اور کتاب بھی لکھی تھی۔ آقائے عبدالحی حبیبی نے اس کتاب کا نام ”چہار رمہ“ لکھا ہے اور صدیق اللہ خان رشتن نے اس کا نام ”چار رسالہ“ لکھا ہے اور ارزانی اور اس کے بھائی تحریک روشنائی میں شرکت سے پہلے پنجاب کے مشہور شہر قصور میں آباد تھے۔

اخوند درویشا نے اپنی کتاب ”تذکرۃ الابرار والاشعار“ میں ”ملا ارزانی کی عقل و فہم و قابلیت کی ستائش کی ہے، بلکہ اخوند درویشا کا خیال ہے کہ ”خیرالبیان“ کی تحریر میں ارزانی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ارزانی خود اپنے اشعار میں ”خیرالبیان“ کے متعلق کہتا ہے کہ :

”یہ فقیر کا پشتو دیوان ہے، یہ دیوان حقانی دسترخوان ہے یہ دسترخوان ان کا اپنا ہے، جو دین حقانی کے خواہاں ہیں۔ اغیار کو اس سے کچھ بھی حاصل نہیں، یہ ہر ایک کے دل کے لیے صیقل ہے۔ یہ چار زبانوں میں لکھا گیا اور اس کا بیان رنگین ہے۔ یہ شریعت کا جامہ ہے اور حقیقت کا ایک دیوان ہے۔“

(باقی حاشیہ ۱۸۵ صفحہ پر)

دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ نسخہ رجسٹر سائز کے ۲۹۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحے پر ۲۴ سطریں ہیں۔ اس کتاب کا طرزِ تحریر مُلہمانہ انداز میں ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس میں انشائی اور ادبی خوییاں مطلقاً نہیں، بلکہ قواعد اور عربی ادب کے اعتبار سے اس میں بہت سی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔

(صفحہ ۱۸۴ کا باقی حاشیہ)

فقیر کا قول ثابت ہے، حدیث و قرآن کی رو سے۔ قرآن میں کوئی شک نہیں۔ یہ قرآن کے حق کا فرمان ہے۔ جو اس بات میں شک کرے گا اس کا دل بدگانی کی سیاہی سے سیاہ ہے۔“

”فقیر کا کہنا پوشیدہ نہیں، بلکہ وہ آفتاب کی طرح روشن اور ماہتاب کی طرح منور ہے۔“
ارزانی کی حیات کا زمانہ اسی کے ایک شعر کے مطابق ۱۰۰۹ھ (۱۶۹۷ع) تک یقینی ہے، ایک شعر میں وہ کہتا ہے:

ارزانی نے یہ کلام لکھا ہے ۱۰۰۹ھ میں۔
زندگی کے آخری ایام میں وہ پیرِ روشن سے علیحدہ ہو کر قصور چلا گیا تھا۔ ارزانی پشتو کا پہلا صوفی منش اور سالک مزاج شاعر ہے۔ اس نے خالص ادبی رنگ میں شعر کہے۔ اس کی شاعری عوام کی سطح سے بلند ہے اور اس کی شاعری پر وحدت الوجود کا رنگ غالب ہے۔ اس کی شاعری کا نمونہ کلام یہ ہے:

فقیر کی پشتو باتیں، موقی جیسی آبدار ہیں۔
یہ کسی دوسرے کی ثنا وصفت نہیں کرتا۔ اس کی تمام ثنا و صفت قادر مطلق کے لیے ہے۔

(ماخوذ ”ورکھ خزانہ“ جلد اول - صفحہ ۳۸۹)

اصل کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے ۔

یا با یزید! کتب علی بادیۃ الکتاب بتعظیم الحروف
بسم اللہ اتمام انی لا یضیع اجر الذین ان یتکتبون
ثم تحریبون حرفاً او نقطۃ ، ثم یتکتبون لا جمل
صحیح بیان ۔

پھر اسی عبارت کا فارسی ترجمہ اس طرح شروع ہوتا ہے ۔
یا بایزید بنویس بر آغاز کتاب بزرگی و درستی حروفها ،
بسم اللہ تمام ، من کم نمی کم مزد آن کسان کہ مینویسند
باز خراب می کنند یک حرف یا نقطہ باز مینویسند برائے
درست شدن بیان ۔

اس کے بعد بھی یہی عبارت پشتو میں ہے ، آخر میں یہی عبارت ہندی
(اردو) میں ہے ، جسے ہم مجتہد نقل کرتے ہیں ۔ جس سے اس دور میں
اردو کی ابتدائی نشو و نما کا اندازہ ہو سکے گا ۔ اور اردو کے اس مسئلے کو
سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی کہ اردو کا مولد پاک و ہند کا کون سا
حصہ ہے اور یہ حقیقت بھی سامنے آ سکے گی کہ اردو کی ابتدائی نشو و نما
میں اس عظیم شخصیت کا بھی کتنا بڑا حصہ ہے اور وہ اردو کے ان محسنین
میں ہے کہ جس نے ابتدا میں اپنے قلم سے اردو کے دامن کو مرصع و زرنگار
بنایا ۔ اس کتاب کا ہندی (اردو) حصہ اس طرح شروع ہوتا ہے ۔

”اے بایزید! کہ کتاب کے آغاز کے بیان جس کے سارے
اکھرسمن بسم اللہ تمام ، میں نہ گنواؤں مزدوری انہن جے
لکھن ، پرن ، بگرن اکھر کے تم کمئے پرن لکھن اس جے
صحیح ہوئے بیان ۔

پھر اس کتاب کی اہمیت کو پیر بایزید نے واضح کرتے ہوئے لکھا :
یابایزید ! بنویس آن حروفها کہ بسازند بہر زبان برائے منفعت
آدمیان ، توئی دانا من نمیدانم بجز حروفها قرآن ، یا سبحان ۔
یا بایزید ! نوشتن حروفها بر تو آسان است ، و نمودن و آہر زانیدن
نا مہا و حرفها بر من است ۔

بنویس بفرمان من بماند حروفہا قرآن و ہنہ بر بعضے حروفہا نقطہ یا جزم ، یا دیگر نشان برائے آں کہ حروفہا بشناسند آدمیان یعنی حروفہا چار چار بنویس عیان ، زود بیاموزند ، چون بخوانند و دم پیروں کنند بعضے دو حروف آدمیان - (۱)

پھر اسی عبارت کا ترجمہ ہندی (اردو) میں اس طرح درج ہے :
 ”اے بایزید ! لکھ وہ اکھر جسے سب جیب سہن جرّ تھیں (جوڑیں) اس کارن جے نفع پاوین آدمیاں کچ کا ، مین ناہیں جانتا بن قرآن کے اکھر اے سبحان ! اے بایزید لکھنا اکھر کا تجھے ہے ، دکھلاونا اور سکھلاونا مجھے ہے ، لکھ میرے فرمان سہن ، جیوں اکھر قرآن کے پھن کے پھن ، لکھ اکھر اوپر تکنا کے جزم اور نشان ، جیواکھر پچھان آدمیاں لکھ کوئی اکھر چار چار عیان در حال سکھنے جے پڑھن آدمیاں -

بایزید کی اس تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں القائی طور پر یہ حکم تھا کہ وہ اس کتاب کو قرآنی رسم الحظ میں لکھیں اور اعراب دیں - پھر انہوں نے اس کتاب کے لیے چار چار حروف کا ایک رسم الخط بھی ایجاد کیا تھا ، جسے انہوں نے اس رسم الحظ کے سکھانے کے لیے چار چار حروف کی پٹیاں اس کتاب میں تعلیم اس طرح دی ہیں ، جنہیں ہم نموناً ذیل میں نقل کرتے ہیں :

الف یکے ست عیان الف ایک ہے اعیان

ب بابا بہ ، پ پاپا پہ - ت تاتا تہ - ت تاتا
 ث ثاتا ثہ - ج جا جا جہ (۲)

بالکل اسی طرح چار حرفی پٹیاں آخری حرف تہجی تک دی گئی ہیں -
 اس کے بعد اصل کتاب صفحہ ۴ سے اس طرح شروع ہوتی ہے -
 بسم اللہ الرحمن الرحیم - تفسیر بسم اللہ کان بسم اللہ عیان ،

۱ - ”خیر البیان“ قلمی مملوکہ پشتو اکیڈمی پشاور - صفحہ ۱ - ۲

۲ - ایضاً صفحہ ۳ -

کل امر ذی بال لم یبدیٰ باسم اللہ فهو اَبتر (۱)۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے ، کچھ اوراق کے بعد اس نسخے میں چار زبانوں کا التزام جو شروع میں تھا وہ چھوٹ گیا ہے ، بقیہ کتاب پشتو میں ہے اور اس کے حواشی فارسی میں ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کے کاتب نے چون کہ یہ نسخہ ایک خاتون کے لیے لکھا تھا ، جس کی زبان پشتو تھی ، اس نے بقیہ زبانوں کو چھوڑ کر صرف پشتو کے حصے کو نقل کر لیا ۔

اصل کتاب چون کہ پشتو میں ہے ، اس لیے ہماری رسائی اس کے اصل مضامین تک اس قدر نہ ہوسکی ، جیسا کہ اس کو ایک اہل زبان سمجھ سکتا ہے ، لیکن جہاں تک اس کتاب کی ورق گردانی کے بعد ہم سمجھ سکے اس کتاب کا موضوع فقہ ہے اور اس میں نماز ، روزہ ، پاکی و طہارت ، نماز جنازہ اور دوسرے ان مسائل کا ذکر ہے جن کا تعلق مسلم معاشرے سے ہے ۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ حضرت اخوند درویشا نے اس کتاب کو کن اسباب کی بنا پر اس قدر مطعون کیا ہے ۔

آخر میں پیر بابزید نے لکھا کہ جو کوئی ”خیرالبیان“ کو پڑھے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اسے چار زبانیں نہیں بٹاؤں گا اور اس کو خبر نہیں دوں گا عمل کرنے نہ کرنے کی اور وہ پناہ نہیں پائے گا دنیا کی زندگی میں نفس کی بدی سے اور نہ شیطان کے مکر سے اور زندگی ان کی گناہوں کی ہوگی ، جس کے سبب وہ پائیں گے عذاب جان کنی کا ، گور کا ، قیامت کا اور آگ کا اور قسم قسم کے عذاب ۔

یہ مخطوطہ اس آیت پر ختم ہوتا ہے ۔

ذالک بان اللہ نزل الکتاب بالحق و ان الذین

اختلف فی الکتاب لہ فی شقاق ۔

آخر میں اس مخطوطے پر سنہ کتابت ۱۰۶۱ ھ درج ہے ۔ اس کے کاتب ’ملا بہار تولبی‘ ہیں ، جنہوں نے کسی بی بی خیر خاتون نامی کے لیے اس کو نقل کیا تھا ۔

۲۔ صراط التوحید: پیر بایزید کی دوسری تصنیف ”صراط التوحید“ ہے، جو فارسی اور عربی میں ہے اس کتاب کو ادارۂ اشاعت سرحد، پشاور نے ۱۹۵۲ ع میں شائع کیا تھا۔ اس کی تصحیح عبدالشکور صاحب مہتمم عجائب گھر پشاور نے کی، اس کتاب میں پیر بایزید نے اپنے حالات زندگی اور حال و مقامات، سلوک اور نصائح اور ریاضتوں کے مختلف مدارج بیان کیے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ انسانی روح کے ہر ارتقاء کے لیے پیر کامل کی رہنمائی بے حد ضروری ہے۔ پھر پیر کامل کے ہاتھ پر توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے، پھر اپنے مریدوں کو جنہوں نے ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہو کر ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں، ان کو یہ بشارت دی ہے کہ ان کو حسب استعداد قرب الہی حاصل ہے، اس لیے کہ روحانی ارتقاء کے لیے استعداد اور اخلاص شرط ہے۔ اس کے آخر میں وہ رسالہ ہے، جس میں انہوں نے شاہان وقت اور آما سے مخاطب کرتے ہوئے انہیں پند و موعظت اور مختلف نصیحتیں کی ہیں۔

یہ کتاب انہوں نے ۹۷۸ ھ (۱۵۷۰-۱۵۷۱ ع) میں تالیف کی۔ اس کا مطبوعہ نسخہ (۱۱۶) صفحات پر مشتمل ہے۔

حالیانے میں ہے کہ :

”پیر بایزید نے اپنے خلیفہ دولت کو ”صراط التوحید“ کا ایک نسخہ دے کر اکبر بادشاہ کے پاس بھجوا دیا تاکہ وہ اسے اکبر کے سامنے پیش کرے چنانچہ اس نے یہ کتاب اکبر کے سامنے پیش کی، اکبر نے جب ”صراط التوحید“ کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں نے شیخ کی پیروی کی اور جو خدمت کہیں وہ میں بجا لانا ہوں۔ پھر اس نے کچھ چیزیں اور تحفے بایزید کے لیے بھجوائے اور ان کے خلیفہ دولت کو بھی خلعت بخشا (۱)۔

۱۔ فخرالطالبین: ”فخرالطالبین“ بھی پیر بایزید کی ایک تصنیف ہے، جس کا کوئی نسخہ ابھی تک کہیں نہیں ملا۔ البتہ اس کتاب کا تذکرہ

”حالتنامے“ میں ملتا ہے ، حالتنامے میں ہے کہ :

”پیر بایزید نے اپنے ایک خلیفہ یوسف کے ہاتھ اپنی کتاب ”فخر الطالبین“ کا ایک نسخہ مرزا سلیمان کے پاس بدخشان بھیجا اور وہ بھی مطیع و منقاد ہوا ۔ میرزا سلیمان نے بھی کچھ تحائف پیر بایزید کے لیے بھجوائے اور خط میں لکھا کہ مجھے اپنے طالبوں اور مریدوں میں جانے ۔ (۱)

۴ - مقصود المؤمنین : یہ پیر بایزید انصاری کا ایک مختصر رسالہ عربی میں ہے ، جس کا اصل خطی نسخہ ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم کے کتب خانے (لاہور) میں موجود ہے ۔ میں نے اس کی ایک فوٹو گراف کاپی اپنے قیام پشاور کے زمانے میں ولی محمد خاں صاحب پروفیسر شعبہ عربی یونیورسٹی پشاور کے پاس دیکھی تھی ، جو اس رسالے کو ایڈٹ کر رہے ہیں ۔

”مقصود المؤمنین“ پیر بایزید نے اپنے بیٹے شیخ محمد عمر کی فرمائش پر لکھی ، اس کا تذکرہ اس کتاب کے صفحہ اول پر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

قال اصغر و اعجز و اضعف من امة محمد صلى الله عليه وسلم
بايزيد انصاري رحمة الله عليه بن عبد الله قاضي ،
قال لي ابني شيخ عمر رضي الله عنه اله الاكبر ، ان
كان رضاءك اكتب لاجلي و انشاء اصل عيالك بآية
القران و باحاديث الانبياء و باقوال الاولياء . . .
اولئك نصيحة ، ثم احببت قوله و اريد ان يكتبها
مفصلا به مقدار علمي و ادراكي بالعناية بالمدد و
بتوفيق الله باحدى و عشرين فصله و سمية
مقصود المؤمنين ، و اكتب فيها موافق الحديث
والاانة لاجل ان يقرأ ويذكر و يعمل بها المؤمنون
و المؤمنات (۲) ۔

۱ - حالتنامہ قلمی ، مائیکروفام ، ملوکہ پشتو اکیڈمی ، صفحہ ۳۶۸ ۔

۲ - ”مقصود المؤمنین“ عکسی صفحہ ۱ ۔

ترجمہ: سب سے زیادہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹا، عاجز اور ضعیف با یزید انصاری رحمۃ اللہ علیہ بن عبد اللہ قاضی کہتا ہے کہ مجھ سے میرے پیشے شیخ عمر نے جس سے اللہ راضی ہوا کہا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو میرے لیے اور اپنے خاندان کے لیے آیاتِ قرآن، احادیثِ انبیاء اور اقوالِ اولیاء سے کچھ نصیحتیں لکھ دیجیے۔ مجھے اس کا قول پسند آیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اپنے علم و ادراک کے مطابق اللہ کی عنایت، اس کی مدد اور توفیق سے اسے مفصل اکیس فصلوں میں لکھ کر دوں اور اسے حدیث اور آیات کے موافق لکھوں، تاکہ مؤمن اور مؤمنات اسے پڑھیں اور اس سے نصیحت حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔

یہ رسالہ حسب ذیل فصول پر مشتمل ہے۔

الفصل الاول - بیان العلم و معرفة و منفعة الوعظ والنصيحة

الفصل الثاني - بیان العلم و معرفة العقل نور و درجات

الفصل الثالث - بیان العلم و معرفة الايمان و ما كان فيه

اصل و فرع

الفصل الرابع - بیان العلم و معرفة الخوف و العقوبة

الفصل الخامس - بیان العلم و معرفة الرجاء و عطاء

الفصل السادس - بیان العلم و معرفة النفس و عداوتها

الفصل السابع - بیان العلم و معرفة الشيطان و كيده و ضلالته

الفصل الثامن - بیان العلم و معرفة القلب و خصاله

الفصل التاسع - بیان العلم و معرفة الروح و راحته

الفصل العاشر - بیان العلم و معرفة الدنيا اصولها و فروعها

الفصل الحادي عشر - بیان العلم و معرفة الآخرة بقا و نعمة

الفصل الثاني عشر - بیان العلم و معرفة التوكل و الفتاعة

الفصل الثالث عشر - بیان العلم و معرفة التوبة والاجتناب

عن النواهي

تذکرہ صوفیائے سرحد

الفصل الرابع عشر - بیان العلم و معرفة الشريعة اوامر والنواهي
 الفصل الخامس عشر - بيان العلم و معرفة الحقيقة والاستقامة و تزكية النفس
 الفصل السادس عشر - بيان العلم و معرفة الحقيقة والذكر واليقين و
 تصفية القلب

الفصل السابع عشر - بيان العلم و معرفة العمل والبصيرة وتجليه الروح -
 الفصل الثامن عشر - بيان العلم و معرفة القربة والسماح والفرحة
 الفصل التاسع عشر - بيان العلم و معرفة الوصلة وذكر وصاله
 الفصل العشرون - بيان العلم و معرفة الوحدة و اسرارها

الفصل الواحد والعشرون - بيان العلم و معرفة الكون و فضيلة مرواحة
 اس رسالے میں زبان کے اعتبار سے غلطیاں پائی جاتی ہیں ، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ بایزید انصاری نے اکابر علماء سے تعلیم نہیں پائی تھی ۔
 ۵ - حوالہ نامہ - یہ پیر بایزید کی فارسی میں خود نوشت سوانح حیات ہے ، جو ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس کتاب کے بڑے حصے کو ہم نے اپنے دورانِ قیام پشاور میں پشتو اکیڈمی پشاور میں پڑھا جو فلم کی صورت میں اکیڈمی میں محفوظ ہے ۔ اس کا آخری حصہ لاہور آکر پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں دیکھا ۔ پشتو اکیڈمی کا فلم اسی نسخے سے لیا گیا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک نسخہ علی گڑھ میں سبحان اللہ اورینٹل لائبریری نمبر ۳-۹۲ میں موجود ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی کا نسخہ اسی علی گڑھ کے نسخے کی نقل ہے ۔

یہ کتاب خود پیر بایزید نے لکھی تھی ، لیکن بعد میں ان کے ایک مرید و خادم خاص علی محمد بن ابابکر قندھاری نے اسے دوبارہ مرتب کیا ، اور اضافے بھی کیے ۔ یہ اضافے ان کے صاحبزادوں اور پوتوں کے حالات کے متعلق ہیں ۔ انہوں نے اس کتاب میں ان لڑائیوں کے حالات بھی بڑھائے جو مغلوں اور پیر بایزید میں پشاور ، تیراہ اور کابل میں پیش آئیں ۔ چنانچہ وہ اس کی دوبارہ تیب کے وجوہ و اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

بعد ازیں فقیر حقیر علی محمد بن ابابکر قندھاری (۱) مرید و خادم خاندان ، بایزید انصاری مگوید کہ بعضے از محبان مخلصان کہ رعایت خاطر عاطر ایشان از جملہ لوازمات و واجبات دانستہ ، چون ازیں فقیر التماس داشتند کہ حالنامہ پیر دستگیر کہ از تدایر دوراں و تسامح ناسخاں تغیر و تبدل بعبارتش رونے راہ یافتہ و صحتش بسلامت بدل گشتہ ، و نیز سواغ و حقائق فرزندان و احوال نبیرگان پیر دستگیر قدس سرہ و دیگر از احوالات کہ در منصہ ظہور جلوہ گر آمدہ ، چنان چہ شمشیر گرفتن و رفتن ایشان بجانب پشور و تراه و کابل و غیر از سوانحات کہ در انضباط نیامدہ ازیں نسخہ شریفہ زائل

اس کے بعد یہ فقیر حقیر علی محمد بن ابابکر قندھاری ، جو بایزید انصاری کے خاندان کا مرید اور خاص خادم ہے ، عرض کرتا ہے کہ بعض مخلص دوستوں نے کہ جن کے پاس خاطر کو میں واجبات میں سے جانتا ہوں ، اس فقیر سے کہا کہ پیر دستگیر (پیر روشن) کے حالنامے کی عبارت میں زمانے کی طوالت اور نقل کرنے والوں کے تسامح سے بہت کچھ تبدل و تغیر ہو گیا ہے ، اور اس کی صحت سقم سے بدل گئی ، اس کے علاوہ اس میں ان کے فرزندان اور ذریت کے حالات ، اور دوسرے واقعات جو ظہور پزیر ہوئے جیسا کہ مسلح ہو کر پیر دستگیر کا پشاور ، تراه اور کابل وغیرہ جانے کے

۱ - علی محمد کے باپ ابابکر نے بچپن میں جلال الدین (جلالہ) کی خدمت کی تھی ، بعد میں احدات کے زیر نگرانی لشکر کی سپہ سالاری کا کام انجام دیا تھا ، پھر بایزید کا خاندان جب ہندوستان میں منتقل ہوا تھا تو یہ بھی ان کے ہمراہ ہندوستان چلا آیا تھا ۔ علی محمد مصحح حالنامہ بایزید کے نواسے رشید خاں کا دکن میں ملازم تھا ، پھر اس نے رشید آباد میں مستقل قیام اختیار کر لیا تھا ۔ رشید آباد آگرے کے قریب شمس آباد کے مواضع میں ایک گاؤں تھا (حالنامہ - مائر الامرا جلد ۲ - ص ۱۵۰ جالندھر گزٹ ص ۹۹)

واقعات تحریر میں نہیں آئے، اور جو اس نسخہ شریفہ سے زائل (غائب) ہو گئے ہیں، آپ کی جودتِ طبع سے جو متعلقہ ابواب کے معانی کو کھولنے والی، اور سر بستہ دفاتر اسرار کی کشف ہے، بعید نہیں ہے کہ فکرِ عمیق سے اس کا تطابق کر کے اس کی تصحیح کریں، توفیقِ حق کی امید پر ان کی ارادتِ تمندی اور ان کے تقاضے کو سامعہ نے قبولیت کا درجہ دیا، وما توفیقی الا باللہ العلیٰ العظیم وهو حسبی ونعم الوکیل۔

اور میں نے جو کچھ کے کتاب میں دیکھا تھا، اور معتبر ناقلوں سے سنا تھا اسے سادگی کے ساتھ تحریر میں لایا، جو بناوٹ اور عبارتِ آرائی سے بالکل پاک ہے، تاکہ مبتدیوں اور طالب علموں کے ذہنوں میں اس کے معانی و مطالب واضح طور پر آسکیں، اور اس کے ثواب سے یہ ثقل کرنے والا بہرہ مند ہو، الشواب من عند اللہ واللہ عندہ حسن الشواب، والسلام علی من اتبع الهدی۔

آگے چل کر اس نے لکھا کہ یہ داستان اورنگ زیب کی تخت نشینی

گشتہ واز طبع زکی شا کہ مفتوح ابواب معانی متعلقہ و کاشف اسرار دفاتر مسدودہ است، بعید نیست کہ تعمق عمیق و تطابق دادہ تصحیح نمایند، و ارادت و تقاضای ایشان بسمع قبول و اصفا نمود بموقف اجابت مقرون گشت، بامید توفیق حق، وما توفیقی الا باللہ العلیٰ العظیم وهو حسبی ونعم الوکیل۔

واچھ از کتاب و ناقلان معتبر استماع گشتہ بسط تحریر و در نظام تقریر آورده شد، معرا از ہمت سخن پیرائی، مبرا از تکلیف کلام آرائی و در حیز ارقام مرتسم گشت تا بفہم مبتدیان و در ذہن متعلنان صورت معانی روشن و میرہن نماید و بشواب آن این ناقل بہرہ مند گردد الثواب من عند اللہ واللہ عندہ من الثواب والسلام علی من اتبع لہدی (۱)۔



تک مکمل ہوئی ہے (۱)

علی ہند نے اگرچہ اس کتاب میں میں بعض جگہ نظم و نثر میں غیر ضروری طوالت سے کام لیا ہے ، یہ نظمیں خود اس کی ہیں ، لیکن ان تمام کوتاہیوں کے باوجود اس کی ادبی قدر و قیمت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اس کی اس حیثیت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب پیر یزید کی زندگی کے مختلف ایسے گوشوں کو ہمارے سامنے لاتی ہے ، جو ہمیں کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتے ، اور ان کے حالات پر ہمیں اس سے زیادہ کوئی اور معتبر کتاب نہیں ملتی ۔

اس کتاب میں جو کمی محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ فاضل مؤلف نے واقعات کے اندراج میں سنیں اور تاریخ کو نظر انداز کر دیا ہے ، اور اس میں ہمیں ان جنگوں کی تفصیلات نہیں ملتیں جو پیر با یزید نے اپنی آخری عمر میں لڑائی سال تک مغلوں کے خلاف لڑیں ، لیکن ہماری نظر میں جو امر اس کتاب کی اہمیت کو بڑھاتا ہے وہ یہ ہے کہ پیر با یزید کی اولاد کے متعلق اس میں معمولی سے معمولی تفصیلات کو نظر انداز نہیں کیا گیا ۔

یہ حقیقت بھی اسی کتاب سے سامنے آتی ہے کہ پیر با یزید کا افغان قوم کے ادبی اور ثقافتی ارتقا میں ایک اہم کردار ہے ۔ اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پشتو قصائد ، غزلیات ، قطعات ، رباعیات اور مثنوی کو رواج دیا ہے ۔ پشتو کی ادبی تاریخ کو دیکھتے ہوئے اگرچہ یہ بیان مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے ، مگر یہ امر یقینی ہے کہ پشتو دیوان ، ان کے ادبی ذوق کی بنا پر ان کے مریدوں نے مرتب کیے ۔ ان کے مریدوں میں ’ملارزانی ، میرزا خان انصاری (۲) اور دولت لوحانی (۳) جیسے نامور شاعر تھے ،

۱۔ ”حالنامہ“ قلمی ۔ صفحہ ۲۹

۲۔ میرزا خان انصاری پشتو کے متقدمین شعرا میں صف اول کا شاعر ہے ۔ اس کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں ، (باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۶ پر)

جنہوں نے اپنی شاعری میں پشتو ادب اور شاعری کو بلند مقام عطا کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵ کا)

لیکن تاریخ وفات ۱۰۴۰ھ - وہ جنگ دکن میں شہید ہوا۔
پشتو کا مشہور شاعر دولت خاں لوحانی اس کے معاصرین میں
تھا، میرزا کے معتقدین نے اس کی تاریخ وفات اسی طرح نظم
کی ہے :

ہادی کے دل میں جو بات کئی سال سے پنہاں تھی
میرزا کی زبان اس علم کا مظہر تھی -
وہ دکن کی لڑائی میں شہید ہوا
۱۰۴۰ھ کو چل بسا -

میرزا کے کلام سے اس کی جائے سکونت کا جو اندازہ ہوتا ہے، وہ
یہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ خیبر، کچھ زمانے تیراہ اور کچھ
مدت علاقہ یوسف زئی میں مقیم رہا -

میرزا کے کلام میں پیر روشن کا تذکرہ متعدد جگہ ملتا ہے، وہ
ان کا ذکر نہایت عقیدت و احترام سے کرتا ہے، ایک جگہ
کہتا ہے کہ :

میرزا کے کلام میں حلاوت
پیر روشن کی برکت سے ہے۔

ایک اور جگہ وہ انہیں شمس تبریز سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا
ہے کہ :

اے میرزا ! روشن ہر جگہ جلوہ گر ہے
گویا تبریز کا آفتاب بنیر سے طلوع ہوا -

میرزا پشتو کے متقدمین شعرا میں پشتو شاعری کا استاد اور امام
سمجھا جاتا ہے - دولت لوحانی جو اسی دور کا عظیم المرتبت شاعر
ہے، اور اس کی استادی اور عظمت بزرگانہ کو تسلیم کرتے ہوئے
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۷ پر)

حالیانہ کے اندراجات سے یہ بھی معلوم ہے کہ پیر بابزید پشتو کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶ کا)

اپنے اشعار میں کہتا ہے :

میرزا نے ایک ایک خزانہ میرے آگے رکھ دیا

اب میں غنی ہو چکا ہوں ، اب میں کسی کی

بے ہودہ قصیدہ گوئی کیوں کروں ۔

وہ تصوف کا محقق اور وحدت کا ایک مخزن ہے

اس نے مجھے تمام علوم کے رموز سے شناسا کیا ۔

بعض محققین میرزا کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ پشتو کا پہلا شاعر ہے

جس نے مکمل دیوان چھوڑا ، لیکن یہ خیال صحیح نہیں ، کیوں کہ

وہ خود مخلص شاعر کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے

میرزا پاک سے پاک شعر کہتا ہے ۔

لیکن مخلص کا کلام اس سے زیادہ معتبر ہے ۔

پشتو شاعری میں میرزا ہی پہلا شاعر ہے ، جس نے عربی اوزان و بحر

کو پشتو شاعری میں رواج دیا ، میرزا کی تعریف و توصیف میں

پشتو کے متاخر شعراء بھی رطب اللسان ہیں ، پشتو شاعری کے ادیب

و نقاد اس کی صوفیانہ شاعری کو حکیم سنائی کے ہمرتبہ بتاتے ہیں ،

وہ فلسفہ وحدت الوجود کا قائل تھا ، اور اس نے وحدت الوجود کے

فلسفے کو اپنے اشعار میں بڑی خوبی سے سمویا ہے ۔ اگر میرزا کے

متعلق یہ کہا جائے کہ اس نے پشتو شاعری میں تصوف کی شاعری

کی بنیاد رکھی تو کچھ بے جا نہ ہوگا ۔ اس کے علاوہ بھی اصناف سخن میں

اس کی شاعری کے جو نمونے ملتے ہیں وہ بجائے خود ایک شاہکار ہیں

(ماخوذ از ”تاریخ پختانہ شعرا“ جلد اول بضمن میرزا خاں انصاری)

۳۔ دولت لوحاتی کا اصل نام دولت اللہ تھا ، لیکن وہ عوام میں

دولت کے نام سے مشہور تھا ، شاعری میں بھی دولت مخلص

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۸ پر)

موسیقی کے ارتقا میں امیر خسرو ثانی تھے۔ انہیں موسیقی سے غیر معمولی

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

کرتا تھا، دولت اپنی والدہ کی جانب سے قبیلہ وردک اور اپنے والد کی جانب سے روحانی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور لوحانیوں میں بھی اس کی شاخ حسن خیل تھی۔ راورٹی کا خیال ہے کہ دولت اصلاً ہندو تھا اور بعد میں مسلمان ہوا تھا، لیکن اس دعویٰ کی دلیل اس نے کوئی پیش نہیں کی۔ راورٹی کا یہ دعویٰ اس لیے بھی درست نہیں کہ دولت نے اپنے بعض اشعار میں خود اپنے آپ کو لوحانی لکھا ہے۔ دولت کی ولادت اور وفات کی تاریخ کا بھی اب تک صحیح تعین نہیں ہو سکا، البتہ اس کے اشعار میں جہاں میرزا خان انصاری کی وفات اور جنگِ دکن اور الہ داد کی وفات کی تاریخوں کا تذکرہ ہے ان کی روشنی میں ہم اس کا تعین کرسکتے ہیں۔ اس کے دیوان سے جو آخری سنہ ہمیں ملتا ہے، وہ ۱۰۵۷ھ (۱۶۴۷ء) ہے۔ اس کے قیام اور اصل وطن کا بھی صحیح پتہ نہیں چلتا، لیکن اس کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ رشید آباد میں متوطن تھا، دولت کچھ زمانے جلال آباد میں بھی رہا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے علومِ ظاہری کی تکمیل کس حد تک کی تھی، لیکن اس کے دیوان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علومِ ظاہری سے بالکل نابلد نہ تھا، کیوں کہ اس کے دیوان میں بعض ایسے اشعار ملتے ہیں، جو اس کے علم و فضل کے شاہد ہیں۔

دولت، پیر روشن (بایزید) کا مرید تھا، وہ اپنے ایک شعر میں اپنی اس عقیدت و نسبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے :

میں دولت، میان روشن کا مرید ہوں

میں آسانی سے ان کا دامن نہیں چھوڑوں گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹ پر)

شغف تھا اور انہوں نے اور ان کے مریدوں نے اس علاقے کی موسیقی کو غیر معمولی ترقی دی ۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا)

دولت خان کے معاصرین میں میرزا خان انصاری اور پیر روشن کے صاحبزادے نورالدین تھے مذہبی اعتبار سے دولت اہل السنۃ و الجماعت میں سے تھا ۔

دولت ، صاحب دیوان شاعر تھا ۔ اس کا ”قلمی دیوان“ جو دو جلدوں میں ہے ، ہزار اشعار پر مشتمل ہے ، اس کے علاوہ متفرقات مثلاً رباعیات ، قصائد ، قطعات اور مثنویات کا ایک بڑا ذخیرہ اس کے دیوان میں موجود ہے ۔

اس کے دیوان کا ایک نسخہ سنہ کتابت ۱۱۰۱ھ (۱۶۸۹ع) ہے برٹش میوزیم میں موجود ہے ، جس کا نمبر ۴۲۲۸ ہے اور ایک نسخہ بغیر نمبر و تاریخ کے تاریخ پشتو ٹولند کابل میں موجود ہے ۔ اس کے چند اشعار کا ترجمہ نمونہ ۴۴۴ میں یہاں درج کرتے ہیں :

میں پہلے بھی دیوانہ تھا اور اب تک دیوانہ ہوں ۔
دل دار کے ساتھ ہم خانہ تھا اور دل دار کے ساتھ ہم خانہ ہوں ۔
جب میں اپنے محبوب پر عاشق ہوا تو غیروں سے کنارہ کیا
میرے سر کے بال سفید ہوئے اب تک کنارہ کیے ہوئے
ہوں ۔ جب یار کی صف میں داخل ہوا تو غیروں کے تہمت
کے تیر کا نشانہ بنا ۔ عوام و خواص ہر دو مجھے نشانہ
بنائے ہوئے تھے اور اب تک نشانہ بنائے ہوئے ہیں ۔

اپنے پیارے دل پر کے ہاتھوں سے میں نے عشق کی
بے اندازہ شراب نوش کی اور کچھ اس انداز سے پی ہے کہ
میں اب تک فرزانہ ہوں ۔ فقیر دولت ایک مست ہے اور
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰ پر)

تذکرہ صوفیائے سرحد

اس کتاب سے ہمیں پیر بایزید کی ایک اور اہم خدمت کا بھی پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے پشتو رسم الخط کو بھی رواج دیا تھا۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا یہ نسخہ (۷۴۵) اوراق پر مشتمل ہے اور اس کا سلسلہ نمبر ۷۹۹ ہے۔ ان کے علاوہ محمد عبدالشکور صاحب مصحح صراط التوحید نے ”صراط التوحید“ کے دیباچے میں پیر بایزید کی ایک کتاب ”رسم الخط پشتو“ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ کتاب دولت لوحانی کے قول کے مطابق پیر بایزید نے پشتو کے مخصوص رسم الخط کو رواج دینے کے لیے لکھی تھی۔

پشتو ادب اور شاعری پر پیر روشن کے اثرات

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پیر روشن ایک صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ ان کے طرز نگارش اور انشائی خوبیوں نے نہ صرف ان کے معتقدین کو بلکہ ان کے مخالفین کو بھی متاثر کیا تھا۔ حضرت اخوند درویزا جو ان کے سخت ترین مخالفین میں تھے وہ ان کی انشائی خوبیوں کو اپنائے بغیر نہ رہ سکے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے ”خیر البیان“ کے اسٹائل پر پشتو شعر کہے ہیں، کیوں کہ ”خیر البیان“ کا طرز بے حد مقبول ہے۔ خود پیر روشن کے طرز پر حضرت اخوند درویزا نے پشتو میں مخزن اسلام اور فارسی میں تذکرہ الابرار والا شرار لکھیں۔ مولانا عبدالکریم باکریم داد صاحبزادہ حضرت اخوند درویزا نے بھی اسی طرز کو اپنایا اور مخزن کے مختلف نسخوں کو یک جا کر کے پیر روشن کے طرز تحریر کے انداز میں بہت کچھ لکھا۔ بایزید کے متبعین میں اس دور کے پشتو شعراء کا ایک مستقل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹)

یار کی محبت میں مست ہے۔ ازل میں جو شراب پی تھی اس

کے نشے میں مست ہوں۔

ماخوذ از پختانہ شعرا جلد اول۔ مؤلفہ آقائے عبدالرحی

جیبی پشتو ٹولنہ کابل صفحہ ۸۳ تا ۹۴

اسکول ملتا ہے ، جنہوں نے اپنے اشعار میں پیر روشن کے طرز نگارش کی تقلید کی ہے ، ان میں ملا ارزانی ، میرزا خان انصاری اور دولت لہو حافی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ اس کے بعد کے مصنفین میں جنہوں نے پیر روشن کے طرز نگارش کو اپنایا ، ان میں پشتو کا مشہور مصنف عبدالسلام اور عبدالحلیم بن عبداللہ بن اخوند درویشا خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ پیر روشن کے طرز تحریر کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابوالقاسم نے جو اکبر کا ہم عصر تھا اپنی پشتو کی مشہور کتاب "فوائد الشرعیہ" تصنیف ۱۵۶۰ ع (۱۹۶۸ء) کو خیرالبیان ہی کے طرز پر لکھا ۔ (۱)

۱ ۔ یہ تمام تفصیل پختانہ شعراء جلد اول مطبوعہ عمومی پریس ، کابل صفحہ ۱۸ سے ماخوذ ہے ۔

حضرت اخوند پنجو با با

نام و وطن :

دسویں صدی ہجری کے صوفیہ میں جن بزرگوں نے صحیح مذہبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی ، اور اصلاحِ باطن بر خاص طور پر زور دیا اور ان تمام آلودگیوں کے دور کرنے کی کوشش کی جنہوں نے روحانی زندگی کو گندہ کر دیا تھا ان میں سے ایک اخوند پنجو با با بھی تھے جنہوں نے مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد میں سلسلہ چشتیہ کے چراغ کو روشن کر کے اس سر زمین کے لوگوں کو عرفان و ہدایت کی روشنی دکھائی اور ان کی خالقانہ سابق صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت کا مرکز بنی ۔

آپ کا اصل نام تو سید عبدالوہاب تھا ، لیکن آپ عوام میں اخوند پنجو با با مشہور ہوئے۔ کہتے ہیں کہ آپ چوں کہ بنیادی طور پر ارکانِ خمسہ اسلام کی تعلیم دیتے تھے ، اس لیے ابتداءً کے مخالفین نے آپ کو استہزاء ”پنجو بابا“ کہنا شروع کیا ، جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے مخالفین آپ کو استہزاء ”پنجو بابا“ کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میری خوش نصیبی اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ میرا نام پانچویں بنائے اسلام کی تبلیغ کی بنا پر میرے مخالفین نے ”پنجو با با“ رکھا ہے ، خدا کرے کہ قیامت تک میرا یہی لقب ہو ۔ چنانچہ اسی وقت سے آپ ”پنجو با با“ کے نام سے مشہور ہیں (۱)

’آئین اکبری‘ میں ابوالفضل (۲) نے آپ کو شیخ پنجو سنبھلی لکھا

۱ - ماخوذ از ”تذکرۃ علماء و مشائخ سرحد“ - صفحہ ۱۶

۲ - ابوالفضل ، شیخ مبارک کا دوسرا بیٹا تھا ، جو ۶ محرم ۹۵۸ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۳ پر)



ہے ، یہ اس بنا پر کہ آپ کے اجداد سنبھل کے رہنے والے تھے ۔ جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۲)

(۱۵۷۴ع) کو آگرے میں پیدا ہوا ۔ بچپن ہی میں لوگ اس کی غیر معمولی ذکاوت کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے ، اس نے اپنے والد شیخ مبارک اور اپنے بڑے بھائی فیضی سے تعلیم حاصل کی اور پندرہ ہی سال کی عمر میں علومِ رسمہ کی تکمیل کر لی ، پھر اس نے فلسفہ و حکمت میں شیخ حسن علی موصلی سے استفادہ کیا ، اور اپنے زمانے کے یگانہ روزگار علماء میں اس کا شمار ہونے لگا ۔ ۹۸۱ھ میں وہ بڑے بھائی فیضی کی سفارش پر اکبر کے دربار میں باریاب ہوا ، اور اکبر کے سامنے آیت الکرسی کی تفسیر پیش کی ، جسے اکبر نے بے حد پسند کیا ۔ اسی زمانے میں اکبر مہمِ بنگالہ پر روانہ ہو رہا تھا ، ۹۸۲ھ میں اکبر کی واپسی پر ابوالفضل نے اکبر کے سامنے سورۃ فتح کی تفسیر پیش کی جسے اکبر نے بے حد پسند کیا ۔ اس کی اس تفسیر نے اکبر کی نظر میں اس کی وقعت کو کئی گنا بڑھا دیا اور اس نے بادشاہ کی نظر میں اس قدر تقرب حاصل کیا کہ منصبِ رستی سے لے کر منصبِ پنج ہزاری تک پہنچا ، اور شاہی ”میرمنشی“ مقرر ہوا ، تمام احکام شاہی اس کے قلم سے نکلتے تھے اور جملہ آئین و اصلاحات اس کی رائے سے مرتب ہوتی تھیں ، لیکن افسوس ہے کہ اس نے دنیاوی جاہ و اعزاز کو اپنا مقصد بنا کر ہر اس گمراہی کو اختیار کیا ، جس میں اکبر کی خوشنودی حاصل ہوتی تھی ، اکبر نے جب مذہبِ دین الہی کی بنیاد رکھی تو دین الہی کے عقائد و ضوابط ابوالفضل نے گھڑے اور دین الہی کا خلیفہ اول ٹھہرا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴ پر)

تذکرہ صوفیائے سرحد

(بقید حاشیہ صفحہ ۲۰۳)

۵۱۰۰۶ میں ابوالفضل اکبر کے ساتھ قلعہ اسیر گڑھ کی فتح میں شریک تھا، جب اسیر گڑھ کی فتح کے بعد اکبر شہال کی طرف مڑا تو خانخانان عبدالرحیم نے جو ان دنوں دکن کے کی مہم پر مامور تھا، اکبر سے درخواست کی کہ ابوالفضل کو میری مدد کے لیے چھوڑ جائے، اکبر نے خان خانان کی یہ درخواست منظور کر لی اور ابوالفضل کو خان خانان کے حوالے کر کے اکبر آباد روانہ ہو گیا۔ اب خانخانان سپہ سالار تھا اور ابوالفضل اس کے ماتحت تھا۔ خانخانان نے ابوالفضل کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ زندگی سے بیزار نظر آنے لگا، اس نے بادشاہ کے نام دکن سے کئی خطوط اور عرضیاں روانہ کیں، لیکن وہ خط اور عرضیاں اکبر تک پہنچنے نہیں پاتے تھے۔ جب الہ آباد میں جہانگیر نے بغاوت کی تو اکبر نے ابوالفضل کو لکھا کہ تم اپنا کام اپنے بیٹے عبدالرحمان کے سپرد کر کے فوراً اکبر آباد پہنچو۔ جہانگیر کو معلوم ہوا تو اس نے سوچا اگر ابوالفضل دربار میں پہنچ گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا، اس نے بندھیلہ کے نرسنگھ دیو کو لکھا کہ ابوالفضل کو یقیناً تمہارے علاقے سے گزرنا ہے، جیسے ہی وہ تمہارے علاقے میں پہنچے تم اسے قتل کر دو، چنانچہ جب ابوالفضل اس کے علاقے سے گزرا تو نرسنگھ دیو نے جو اس کی گھات میں تھا، دو تین ہزار فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ ابوالفضل یکم ربیع الاول ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ع) کو مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا قتل کیا گیا۔ اس کا سر جہانگیر کو بھیج دیا گیا اور دھڑ گوالیار کے قریب انتری میں دفن ہوا۔

ابوالفضل کی تصانیف میں 'آئین اکبری'، 'اکبر نامہ'، 'رقعات ابوالفضل'، 'عیار دانش' اور انجیل کا فارسی ترجمہ اور دوسری کتابیں ہیں 'نزہۃ الخوطر'، جلد ۵ صفحہ ۲۵-۲۶ روڈ کوٹر، صفحہ ۱۳۹

ابراہیم لودھی (۱) نے پانی پت کے میدان میں بابر (۲) کے ہاتھوں سے شکست کھائی اور افغان آسرا اور فوجی افسروں کا زوال شروع ہوا تو ان

۱ - ابراہیم لودھی ، سکندر لودھی کے بعد ۵۹۳ھ میں تخت نشین ہوا اور ۵۹۳ھ میں جنگِ پانی پت میں مہرا گیا [فٹ نوٹ مقالات الشعراء ص ۸۶]

۲ - بابر کا اصل نام ظہیر الدین محمد تھا ، اس کے والد کا نام میرزا عمر شیخ اور والدہ کا نام قتلوه نگار خاتم بنت یونس خاں تھا ۔ بابر ۶ محرم ۸۸۸ھ کو پیدا ہوا ۔ خواجہ عبداللہ احرار نے اس کا نام ظہیر الدین محمد رکھا ، لیکن یہ نام چوں کہ ترکوں کی زبان پر چڑھتا نہ تھا ، اس لیے بابر کے نام سے مشہور ہوا ۔ ۸۸۹ھ میں بابر بارہ سال کی عمر میں اندجان میں موروثی تختِ سلطنت پر بیٹھا ، اور پانچ دفعہ اس نے ہندوستان پر حملے کیے ۔ پہلی مرتبہ ۹۱۰ھ میں وہ بادام چشمے کی راہ سے جمروڈ خیبر سے گزرتا ہوا دریائے سندھ کو عبور کر کے قصبہ تریلا جو دریائے سندھ کے کنارے علاقہ ملتان میں ہے آیا ۔

دوسری دفعہ ماہ جادی الاولیٰ ۹۱۳ھ میں براہِ کابل ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا ، اسی سال ۸ ذیقعد کو ہمایوں پیدا ہوا تیسری دفعہ یکم محرم ۹۲۵ھ میں باجوڑ کی طرف متوجہ ہوا ، اور قلعہ باجوڑ کو جواب پشاور کے شمال میں ہے فتح کر کے یکم ربیع الاول کو کابل لوٹ آیا ۔

چوتھی مرتبہ غالباً ۹۳۰ھ میں اس نے پھر ہندوستان پر حملہ کیا اور دیہال پور اور لاہور کو فتح کر لیا ۔

پانچویں مرتبہ ۹۳۲ھ میں وہ پھر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور یکم ربیع الاول کو کچھکوٹ کے قریب سے دریائے سندھ کو عبور کر کے بہاول پور آیا اور ۲۳ ربیع الاول کو اس (باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۶ پر)

تذکرہ صوفیائے سرحد

میں سے اکثر ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ اسی افراطی کے زمانے میں آپ کے والد محترم حضرت غازی با با بھی ہزارہ یوسف زئی کے علاقے میں تشریف لائے، اور وہاں علاقہ منڈلڑ میں گجو خاں باندہ کے قریب موضع ترکی میں سکونت اختیار فرمائی۔ حضرت غازی با با بھی صاحب صلاح و تقویٰ بزرگ تھے، انہوں نے جناب صالح مجدد صاحب معروف بہ دیوانہ با با کی خالہ سے شادی کی۔

ولادت

صاحب تذکرہ علماء و مشائخ سرحد کا بیان ہے کہ ۹۳۵ھ میں حضرت اخوند پنجو با با کی ولادت باسعادت موضع الکاٹ علاقہ یوسف زئی میں ہوئی۔ یہ ملک گجو خاں (۱) کی سرداری کا زمانہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا)

نے قلعہ ملوت فتح کیا۔ ۱۳ جادی الاول کو اس نے انبالے سے کوچ کیا اور جمعرات کے روز ۲۵ جادی الآخر کو پانی پت پہنچا۔ ۸ رجب ۹۳۲ھ کو جمعہ کے دن سلطان ابراہیم لودھی سے اس کی جنگ ہوئی، جس میں سلطان ابراہیم مارا گیا۔ بابر نے ۶ جادی الاول ۹۳۷ھ میں اڑتیس سال کی حکومت کے بعد پچاس سال کی عمر میں آگرے میں وفات پائی اور اپنی وصیت کے مطابق کابل میں مدفون ہوا، جو اب ”باغ بابر“ کے نام سے مشہور ہے۔

(ماخوذ از مقالات الشعراء صفحہ ۸۲ تا ۸۹ و فٹ نوٹس 'مقالات الشعراء' مرتبہ سید حسام الدین راشدی صفحات مندرجہ بالا)

۱۔ گجو خاں قبیلہ منڈلڑ کی شاخ ییزاد خیل سے تھا۔ اس نے ملک احمد خاں کی وفات کے بعد غالباً ۱۵۳۰ع میں قبیلہ یوسف زئی کی سرداری حاصل کی۔ وہ نہایت مدبر، عالم اور بہادر تھا۔ اس (باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۷ پر)

کچھ زمانے کے بعد حضرت غازی ، اکبر بادشاہ کے دور میں علاقہ مندثر سے دریائے کابل کو عبور کر کے پشاور آ گئے ، اور پھر موضع چوہا گجر میں سکونت اختیار کی ۔ غازی بابا نے موضع ترکی سے کیوں ترک وطن کیا ؟ اس کا سبب کیا تھا ؟ صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلتا ، صرف ”تاریخ یوسف زئی پٹھان“ کے ایک فٹ نوٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ملک گجو خاں نے جو عوام پر ٹیکس عائد کر رکھے تھے ان میں سے ایک ٹیکس بچے کی پیدائش پر بھی پانچ روپے تھا ۔ جب اخوند پنجو بابا کی ولادت ہوئی تو ان کے والد نے ٹیکس دینے کی بجائے اس علاقے ہی کو خیر باد کہہ دیا ۔ گجو خاں کے سپاہیوں نے ان کا تعاقب کیا ، لیکن وہ دریائے کابل کو پار کر چکے تھے (۱) ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۶ کا)

نے شیخ رملی کے دفتر کا مکملہ بھی لکھا تھا ۔ اسے ”نولکھے بابا“ کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔ ملک گجو خاں کی پختہ قبر تحصیل صوابی میں گوہاٹی سے تین میل کے فاصلے پر جنوبی جانب ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے (ماخوذ از یوسف زئی پٹھان ۔ صفحہ ۲۴۰)

۱ ۔ جلال الدین اکبر اپنے والد ہمایوں کی جلا وطنی کے زمانے میں ۲ ربیع الاولیٰ ۹۴۹ ھ میں جب کہ ہمایوں ، شیر شاہ سے شکست کھا کر سندھ میں مقیم تھا حمیدہ بانو کے بطن سے عمر کوٹ ضلع تھرپارکر (سندھ) میں پیدا ہوا ۔ ۹۶۳ ھ (۱۵۵۶ع) میں جب ہمایوں نے وفات پائی تو اکبر کی تاج پوشی کلانور ضلع گورداسپور میں ہوئی ۔ اس وقت اکبر کی عمر ۱۳ سال کی تھی ۔ کم عمری کی وجہ سے بیرم خاں اس کا اتالیق اور وکیل سلطنت مقرر ہوا ۔ جب اکبر سن شعور کو پہنچا تو اس نے تمام سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ ۵۱ سال کی (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

چوہا گجر میں سکونت اختیار کرنے کے بعد اس موضع کے بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ۔
تعلیم :

حضرت اخوند پنجو بابا نے علومِ ظاہریہ میں کن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تذکروں میں اس کی تفصیل نہیں ملتی ، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں موضع چوہا گجر میں ایک بڑے عالم رہتے تھے جو قاضی بھی تھے ۔ حضرت غازی بابا نے اس گوہرِ ولایت کو ابتدائی تعلیم کے لیے ان بزرگ کے سپرد کیا اور انہیں بزرگ سے اخوند پنجو بابا نے ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔ پھر آپ حصولِ تعلیم کے لیے ہندوستان تشریف لے گئے اور تعلیم کے سلسلے میں آپ کا قیام روہیل کھنڈ میں زیادہ رہا اور وہیں کے علماء سے آپ نے علومِ ظاہریہ کی تکمیل کی ، نصر اللہ خاں صاحب نصر نے اپنے رسالے ”سلسلہ اولیائے سرحد“ نمبر ۱۸ میں لکھا ہے کہ آپ وہاں افغانی نوسلجاسی کے لقب سے مشہور ہوئے ۔ نوسلجام روہیل کھنڈ میں ایک موضع کا نام ہے ، شاید وہاں زیادہ قیام کرنے کی وجہ سے لوگ آپ کو افغانی نو سلجاسی کہنے لگے ہوں ۔
وطن کو واپسی :

علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد آپ شاہ ڈھنڈ تشریف لائے ۔ اس اثنا میں آپ کے والد موضع گوجر سے ترکہ سکونت کر کے شاہ ڈھنڈ تشریف لے آئے تھے ، جو پشاور بالاحصار کے قریب گھاس کا ایک وسیع جنگل تھا اور یہاں مویشیوں کے لیے چارہ کافی تھا ۔ یہیں حضرت غازی بابا نے وفات پائی ۔ آج بھی آپ کا مزار قلعہ بالاحصار کے نیچے وائرلیس گراؤنڈ میں موجود ہے ۔ ترکہ پدری سے جو نقدی اور بھینس حضرت اخوند پنجو بابا کو وراثت میں ملی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۷ کا)

حکومت کے بعد اکبر نے جادی الثانی ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ع) کو وفات پائی اور آگرے کے قریب سکندر آباد میں مدفون ہوا ۔
(ماخوذ از ”نزہۃ الخواطر“ جلد ۵ صفحہ ۷۴ تا ۸۰)

تھیں وہ سب آپ نے خیرات کر دیں۔ تھوڑے دن کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی وفات پائی اور ان کی میراث کو بھی جو آپ کو ملے تھی وہ بھی رام خدا میں آپ نے دے دی، صرف کتابیں رہنے دیں۔ اکبر پورہ میں تشریف آوری:

پینتالیس سال کی عمر میں حضرت اخوند پنچو بابا نے ۱۹۹۰ء میں شاہ ڈھنڈ کی سکونت ترک کر کے موضع اکبر پورہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔

رشد و ہدایت: اسی موضع میں مقیم ہو کر آپ رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور اس سرچشمہ علم و معرفت سے ہزاروں طالبان علم و معرفت فیض یاب ہوئے۔

درس و تدریس: درس و تدریس حضرت اخوند پنچو بابا کا خاص مشغلہ تھا۔ قاضی میر احمد شاہ رضوانی صاحب "تحفۃ الاولیاء" کا بیان ہے کہ آپ ہمیشہ درس دینے میں مشغول رہتے۔ آپ کی درس گاہ سے تقریباً تین سو علماء علم کا آفتاب بن کر نکلے جنہوں نے اپنی تبلیغی ضوئانیوں سے اس علاقے کی سر زمین کو منور کر دیا (۱)۔

تبلیغ و اصلاح: کہتے ہیں کہ آپ کے تشریف لانے سے پہلے موضع اکبر پورہ چالیس محلوں پر مشتمل تھا۔ ہر محلے میں ایک بیٹھک تھی جس میں لوگ بھنگ اور چرس پی کر گئے بجانے میں مصروف رہتے۔ اتنے بڑے گاؤں میں ایک بھی قابل ذکر مسجد نہ تھی۔ اس گاؤں کے لوگ عیش و سرمستیوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو چکے تھے، آپ نے سب سے پہلے یہاں تشریف لاکر ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو آئندہ چل کر کھجور والی مسجد کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی مسجد میں آپ نے نماز جمعہ کا اہتمام

۱۔ ماخوذ از "تذکرہ علماء و مشائخ سرحد" بہ حوالہ "تحفۃ الاولیاء"

تذکرہ صولیاۓ سرحد

کیا اور ان بگڑے ہوئے لوگوں میں اصلاح و تبلیغ کا کام شروع کیا ، امر بالمعروف کے لیے اطراف و اکناف میں تبلیغی وفود بھیجے ، عوام کو ابتداء اسلامی عقائد یعنی ارکانِ خمسہ اسلام سے واقفیت کرانے کی کوشش کی ، مواعظ کے ذریعہ سے اخلاقی قدروں کو بلند کیا اور اس خرابے میں علم و عرفان کی وہ شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کھنچ آپ کے گرد جمع ہونے لگے (۱)۔

بیعت :

اتفاق سے ۵۹۹۳ (۱۵۸۵ع) میں حضرت میر ابوالفتح قنباچی جو کہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری (۲) کے مرید و خلیفہ تھے پشاور ہوتے ہوئے

۱۔ ماخوذ از تذکرہ علماء و مشائخ سرحد بحوالہ تحفۃ الاولیاء ص ۱۸۔

۲۔ حضرت شیخ جلال تھانیسری ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے جلیل القدر خلفاء میں تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی قاضی محمد عمری تھا۔ صاحب ”خزینۃ الاصفیاء“ نے آپ کے بزرگوں کا وطن بلخ بتایا ہے ، لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ”اخبار الاخیار“ میں آپ کو کابلی لکھا ہے۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے اور درس و تدریس و افتاء میں مشغول ہوئے۔ آخر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا اور تصوف و عرفان کی اعلیٰ منازل پر فائز ہوئے۔

صاحب ”اخبار الاخیار“ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کے علم و فضل و جلالت شان کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”شیخ جلال الدین تھانیسری الکابلی رحمۃ اللہ علیہ مرید و

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۱ پر)

اکبر پورہ تشریف لائے ، اخوند پنجو بابا نے سلسلہ چشتیہ میں انہیں بزرگ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا)

خلیفہ شیخ عبدالقدوس ست ، از مشاہیر و مشائخ وقت
بود ، مرید و عامل و مستقیم و شیخ کامل ، از اول عمر
تا آخر بطاعت و عبادت و درس و ذکر و سماع و ذوق و
حالت گزرائید ۔ سن طویل یافتہ بود ، و بر حفظ ادب و
و نوافل و رعایت اوراد اوقات تا آخر حیات مستقیم بود۔“
”اخبارالاخیار“ ۔ صفحہ ۲۸۵)

مولانا عبدالقادر بدایونی جنہوں نے حضرت جلال تھانیسری سے
ملاقات بھی کی تھی ، انہوں نے ان کے محامد و اوصاف بیان
کرتے ہوئے لکھا کہ :

”شیخ جلال تھانیسری ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی
کے خلیفہ تھے ۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے ،
علوم دینیہ کی اشاعت اور معارف یقینیہ کے پھیلانے میں
غیر معمولی شغف رکھتے تھے ، آخر میں علوم رسمیہ
سے اعراض فرما کر ، جلوت سے کنارہ کش ہو کر خلوت
اختیار فرمائی ۔ آپ کے اکثر اوقات تلاوت قرآن ، ادائے
نوافل ، درود اور دعا میں گزرتے تھے ۔ تیرانوے سال
کی عمر میں بالکل ضعیف ہو چکے تھے ۔ یہاں تک کہ
اٹھنا بیٹھنا اور حرکت کرنا بھی مشکل تھا ۔ کم قوی
اور ضعف کی وجہ سے تکیے کا سہارا لے کر غنودگی میں
رہتے ۔ لیکن جس وقت اذان کی آواز سنتے فوراً ہی بغیر
دوسرے سے مدد لیے اٹھتے اور جوتا پہن کر عصا ہاتھ
میں لے کر خود طہارت اور وضوء سے فارغ ہوتے
اور نماز ادا فرماتے ۔ نماز ادا فرما کر پھر حسب عادت

(بانی حاشیہ صفحہ ۲۱۲ پر)

کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر بہت سی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱ کا)

بستر پر لیٹ جاتے۔ اس فقیر نے بھی دو مرتبہ آن سے شرفِ ملاقات حاصل کیا تھا۔ ایک مرتبہ تو اس وقت جب کہ وہ ۵۹۶۹ھ (۱۵۶۱ع) میں ائمہ تھانیسر کی تنظیم اور سفارش کے لیے تھانیسر سے آگئے آئے تھے، دوسری مرتبہ ۵۹۸۱ھ (۱۵۷۳ع) میں حسین خان کے ساتھ جب کہ وہ یلغار کرتا ہوا الغ میرزا کے تعاقب میں جا رہا تھا، میں تھانیسر سے گزرتے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ میں نے ان کو دیکھا سراپا نور معلوم ہوتے تھے۔“

(”منتخب التواریخ“ جلد ۳ - صفحہ ۳ - ۴)

دارا شکوہ نے ”سفینۃ الاولیاء“ میں لکھا ہے کہ سلسلہ چشتیہ میں ”مشائخ متاخرین“ میں آپ سے زیادہ بزرگ نہیں ہوا۔

”خزینۃ الاصفیاء“ میں ہے کہ حضرت شیخ جلال تھانیسری پر استغراق کی کیفیت زیادہ طاری رہتی تھی، نماز کے وقت مریدین اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر بیدار کرتے اور وہ عالم جذب و استغراق سے باہر آ کر نماز ادا فرماتے۔

(”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول - صفحہ اول - ۴۴۹)

سماع سے ذوق رکھتے تھے، ”اخبار الاخیار“ میں ہے کہ :

”حضرت شیخ جلال کے ایک صاحبزادے کی وفات ہوگئی جب تک ان کو اس کا غم رہا آپ نے سماع نہیں سنا، یہاں تک کہ وہ دردِ حق کی محبت میں تبدیل ہوگیا۔“

(”اخبار الاخیار“ - صفحہ ۲۸۵)

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت شیخ جلال کا مرتبہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

تذکرہ صوفیائے سرحد

خرقہ خلافت حاصل کیا ۔

ریاضتیں اور مجاہدے :

عبادات و ریاضت اور کیفیات میں بھی آپ پر سلسلہ چشتیہ کے اکابر شیوخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲ کا)

بہت بلند تھا ۔ آپ عہد اکبری کے علمائے کبار میں سمجھے جاتے تھے ، ”اقبال نامہ جہانگیری“ میں ہے کہ :

”جب اکبر نے اپنے بھائی میرزا عبدالحکیم پر فوج کشی کی تو راستے میں تھانیسر پڑا ۔ اکبر نے حضرت جلال تھانیسری کی زیارت کی ۔ ملاقات کے وقت حضرت جلال تھانیسری نے توحید کی وضاحت کرتے ہوئے یہ رباعی پڑھی :

آفتابے در ہزاراں آبگینہ تاختہ
پس برنگے ہر یکے تابِ عنان انداختہ
جملہ یک نورست امارنگہائے مختلف
اختلافے در میان این و آن انداختہ

اکبر آپ کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا ، لیکن آپ نے گوشہ فقر کو چھوڑ کر کبھی دربار سے وابستگی پسند نہ کی (”رودِ کوثر“ بحوالہ ”اقبال نامہ جہانگیری“ و ”انوار العارفین“ صفحہ ۳۴۶)

حضرت شیخ جلال صاحب تصنیف و تالیف تھے ، ”اراضی الہند“ اور ”ارشاد الطالبین“ آپ کی مشہور تصانیف ہیں ۔ اس کے علاوہ آپ کے مکتوبات بھی ہیں ، ان مکتوبات کا طرز نگارش اور اسلوب آپ کے پیر شیخ عبد القدس کے طرز پر ہے ۔ بعض کتب متداولہ پر آپ نے حاشیے بھی لکھے تھے ۔

حضرت شیخ جلال تھانیسری نے ۱۴ ذالحدجہ ۹۸۹ھ (۱۵۷۱ع) میں وفات پائی ۔
(”خزینۃ الإصفیاء“)

یعنی حضرت احمد عبدالحق ردولوی (۱) حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۲)

۱۔ حضرت شیخ جلال پانی پتی کے خلفاء میں شیخ احمد عبدالحق ردولوی ”صاحبِ نوشہ“ کا نام سب سے زیادہ جلی نظر آتا ہے۔ ان کے دور میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کو غیر معمولی وسعت و ترقی حاصل ہوئی۔ آپ ردولی ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی عمر اور آپ کے دادا کا اسم گرامی داؤد ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔ آپ کے دادا نے قصبہ ردولی میں سکونت اختیار کی اور حضرت چراغ دہلی سے بیعت ہو کر تعلیم و تربیت حاصل کی اور ردولی ہی میں واصل بحق ہوئے شیخ داؤد کے صاحبزادے عمر کے دو صاحبزادے ہوئے۔ ایک شیخ تقی الدین، دوسرے حضرت شیخ احمد عبدالحق۔ شیخ تقی الدین نے دہلی میں سکونت اختیار کی اور شیخ احمد عبدالحق ردولی ہی میں مقیم رہے، بارہ سال کی عمر میں آپ تحصیل علم کے ارادے سے دہلی پہنچے۔ آپ کے بھائی تقی الدین جو دہلی میں مقیم تھے انہوں نے خود آپ کو تعلیم ظاہری دینی چاہی، آپ نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں، مجھے تو آپ معرفت کے علوم سکھائیے۔ آخر وہ عاجز ہو کر آپ کو دہلی کے مشہور اساتذہ کے پاس لے کر گئے، ان حضرات نے آپ کے سامنے ”میزان الصرف“ رکھی اور پڑھانا چاہا۔ جب ضرب ضرب کی گردان پر پہنچے اور انہوں نے ضرب کے معنی مارا بیان کیے تو آپ نے فرمایا، ”راہِ خدا میں مرنا اور مارنا عوام اور خواص کے لیے بڑی فضیلت کی بات ہے، بشرطیکہ وہ اللہ کے لیے ہو اور انتقام کے لیے نہ ہو“، پھر فرمایا، ”مجھے تو آپ حضرات معرفتِ الہی کا درس دیجیے (باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۵ پر)

اور حضرت جلال تھانیسری کا رنگ غالب تھا۔ حضرت جلال تھانیسری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۴ کا)

تاکہ میں اسے پہچانوں اور دوست رکھوں۔“ پھر آپ وہاں سے اٹھے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

(”دّر مکنون“ ترجمہ ”انوار العیون“ صفحہ ۱۰)

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا بیان ہے کہ پھر شیخ احمد عبدالحق پر طریقت کی تلاش میں نکلے اور مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے پانی پت تشریف لائے اور حضرت شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ حضرت جلال پانی پتی نے اپنی ٹوپی آپ کے سر پر رکھی اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ایک مدت تک ریاضتیں اور مجاہدے کر کے آپ اپنے مرشد سے رخصت ہوئے اور مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے اپنے وطن ردولی تشریف لائے اور آپ کی خانقاہ سلسلہ چشتیہ صابریہ کا اہم مرکز بنی۔ ”انوار العیون“ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی تحریر فرماتے ہیں کہ :

”حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی ذات بے نام و نشان ہے۔ جو نام اس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں ان میں اسم حق سے بہتر کوئی نام نہیں، اسم حق کی نسبت، بہ نسبت اور تمام ناموں کے بہتر ہے۔“

خود حضرت شیخ احمد عبدالحق اور آپ کی خانقاہ کے تمام رہنمے والے پاس انفاس کرتے تھے، چنانچہ کسی ساعت بھی یاد الہی سے غافل نہ رہتے تھے۔ نماز کے اول و آخر میں تین بار باواز بلند حق حق حق کہتے، یہاں (باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۶ پر)

کے حالات کس گزشتہ فٹ نوٹ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ ان پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۵ کا)

تک کہ خرید و فروخت میں بھی جال حق میں مستغرق رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے سلسلے میں یہ طریقہ تھا کہ حق حق آپ کے طالبوں اور مریدوں کی زبان پر جاری رہتا اور ہر دم، ہر سانس اور ہر قدم پر حق کے سوا کچھ نہ کہتے تھے، یہاں تک کہ سلام کے بجائے اور چھینکنے والے کے جواب میں بھی حق حق کہتے، خط کے شروع میں بھی تین مرتبہ کلمہ حق لکھتے، نماز، تکبیر اور فاتحہ کے بعد، خرید و فروخت اور تمام کاموں میں تین مرتبہ حق حق حق کہتے۔ یہ علامت آپ کے مریدوں کی تھی، اسی وجہ سے آپ کو حقانی اور حق گو بھی کہتے ہیں۔



حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اس کتاب میں آگے چل کر تحریر فرمایا کہ شیخ المشائخ شیخ احمد عارف اور حضرت شیخ احمد عبدالحق کے اکثر مرید اس جہان فانی سے حق حق کہتے تشریف لے گئے، اور سب کا خاتمہ بالخیر ہوا۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق ۱۵ جادی الثانی ۱۲۷۳ھ (۱۸۳۰ع) کو سلطان ابراہیم شرقی کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار پر انوار ردولی میں مرجع زیارت خاص و عام ہے۔ (یہ تمام حالات ”در مکنون“ ترجمہ ”انوار العیون“ تصنیف حضرت شیخ عبدالقدوس اور ”اخبار الاخیار“

صفحہ ۱۸۷ تا ۱۹۰ سے ماخوذ ہیں)

۲۔ آپ کا اسم گرامی شیخ عبدالقدوس، آپ کے والد کا نام شیخ اسماعیل اور دادا کا نام قاضی صفی الدین دانشمند تھا، آپ کا سلسلہ نسب تیس (۲۳) واسطوں سے حضرت امام ابوحنیفہ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۷ پر)

استغراق کی کیفیت زیادہ طاری رہتی تھی ، نماز کے وقت ان کے مریدین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶ کا)

سے جا ملتا ہے ۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی حضرت شیخ محمد ردولوی بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق کے مرید اور ممتاز خلفاء میں تھے ۔ سلسلہ صابریہ میں جو عظمت و شہرت حضرت شیخ کو حاصل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ حضرت شیخ ردولی میں پیدا ہوئے ، وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی ، ۹۱ - ۱۴۹۰ع میں جب ردولی کے حالات خراب ہوئے اور کفار کا غلبہ ہوا ، شعار اسلام مٹائے گئے ، یہاں تک کہ سور کا گوشت بازاروں میں فروخت ہونے لگا تو آپ ترکِ وطن کر کے شاہ آباد تشریف لائے ، جہاں آپ نے اڑتیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ، جب افغانوں کی حکومت ختم ہوئی اور ہندوستان میں بابر کا تسلط ہوا اور شاہ آباد ویران و برباد ہوا تو ملک عثمان کرنائی کی تحریک پر آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ گنگوہ ضلع سہارنپور تشریف لائے ۔ آپ کی گنگوہ میں تشریف آوری ابراہیم لودھی کی ہزیمت سے ایک سال پہلے ہوئی ۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ابتداءً سیاست میں حصہ نہ لیتے تھے ، لیکن حالات کے لحاظ سے بعد میں آپ کو سیاست میں حصہ لینا پڑا ۔ آپ نے اس دور کے سلاطین سے ربط قائم کیا ۔ ”مکاتیب قدوسیہ“ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سکندر لودھی اور بابر جیسے شاہان وقت کو خطوط لکھے ، جن میں ان کو غم خواری خلق ، علماء کا احترام ، عدل و انصاف اور احکام شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلائی ۔ بابر کو ایک خط میں نصیحت فرماتے ہوئے (باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۸ پر)

اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر بیدار کرتے اور وہ عالم جذب و استغراق سے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا)

لکھتے ہیں:

”باید و سزد کہ نعمت برائے منعم سایہ عدل بر عالمیاں
چنان کشند کہ هیچ کس بر هیچ کس ظلم نظر نکند، و ہمہ
خلق و ہمہ سپاہ بامروناوی شرع مستقیم و مستقیم ہوں،
نماز جماعت بگردند و علم و علماء را دوست دارند،
و در بازار ہر شہرے محتسبان بگردند، تا شہر و بازار
بہ حال عدل شرع محدی بیاریند و روشن و منور گردانند
چنانکہ در عہد سلف و خلفائے راشدین با جمیع شرائط
بے شبہ بود۔“

ان کے علاوہ آپ نے اس زمانے کے امراء کو بھی خطوط
کے ذریعے سے اتباع شریعت، تقویٰ، نیکی اور پرہیزگاری کی
طرف توجہ دلائی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نہ صرف جلیل القدر درویش
تھے، بلکہ علم و فضل میں بھی آپ کا مرتبہ بے حد بلند تھا،
صاحب تصانیف تھے۔ آپ کی کتابوں کو دیکھ کر آپ کے
تبحر علمی، جلالت اور وسعت نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔
شاعر مشرق علامہ اقبال نے ان الفاظ میں حضرت شیخ
عبدالقدوس گنگوہی کے علم و فضل اور عرفان و تصوف کی
عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت شیخ کا مندرجہ ذیل قول:

”عہد مصطفیٰ در قاب قوسین او ادنیٰ رفت و باز گردید،

واللہ ما باز نگردیم“ (لطائف قدوسی صفحہ ۶۵ - لطیفہ ۷۹)

نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایک بہت بڑے صوفی مسلمان
ولی اللہ حضرت مولانا عہد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۹ پر)

باہر آکر نماز ادا فرماتے، حضرت اخوند پنجو بابا پر بھی سکر و استغراق کی یہی کیفیت طاری رہتی تھی۔ نماز کے وقت آپ کے خدام یا حق یا حق کہہ کر اٹھاتے تھے۔ آپ اٹھ کر وضو کرتے، نماز ادا فرماتے اور پھر استغراق میں غرق ہو کر ماسوا اللہ سے بے خبر ہو جاتے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے متعلق ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین (۱) کا بیان ہے کہ عین موسم سرما میں جب برف گرتی تھی حضرت شیخ عبدالقدوس صحن خانہ میں بیٹھ کر برہنہ سر وضو کرتے اور

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا)

قول ہے، صوفیانہ ادب کے سارے سرمائے میں شاید ہی کوئی اور مثال مل سکے جہاں ایک مختصر سے جملے میں نبوت اور ولایت کے نفسیاتی فرق کو اس درجہ صاف اور واضع طریقے پر بیان کیا گیا ہو۔ (اسلام میں مذہبی افکار کی تجدید - ڈاکٹر اقبال کے خطبات - صفحہ ۱۲۴ -

۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۹۴۴ھ (۱۵۳۷ع) کو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اس دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور (یو۔ پی) بھارت میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

یہ راقم الحروف بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد سے ہے۔

(ماخوذ از فٹ نوٹ ”تذکرہ صوفیائے سندھ“ نمبر ۱

صفحہ ۲۶۴ - تفصیل کے لیے دیکھیے شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات)

۱ - شیخ رکن الدین حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے دوسرے صاحبزادے تھے، یہ ۵ جمادی الاولیٰ ۸۸۷ھ کو شاہ آباد ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ ”اخبار الاخیار“ میں ہے کہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حسبِ عادات رات کو کئی کئی مرتبہ وضو کے لیے اٹھتے۔ آخرِ عمر میں عین موسمِ سرما میں باریک پیرھن پہنے ہوئے بیت الخلاء تشریف لے جاتے اور وہاں دیر لگ جاتی۔ یہ دیکھ کر ہمیں خیال ہوا کہ اگر آپ نیم آستین پہن لیا کریں تو اچھا ہو، کیوں کہ خوف کا زمانہ ہے اور سردی بہت ہے۔ چنانچہ آپ سے عرض کیا گیا، فرمایا سرما ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

حضرت عبدالقدوس گنگوہی کی محویت کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ایک اور جگہ شیخ رکن الدین نے لکھا کہ وفات سے کچھ سال پہلے ایک روز آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، پائے مبارک میں لغزش ہوئی، آپ کو سہارا دیا گیا اور عرض کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ اچھی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹ کا)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے اولاد بہت ہوئی، آپ کے صاحبزادے سب کے سب عالم، عبادت گزار اور مشائخ کے لباس میں ملبوس تھے، خصوصاً ان میں شیخ رکن الدین نہایت متبرک بزرگ اور مشرب فقر و محبت سے موصوف تھے اور اپنے والد کے نقشِ قدم پر تھے۔

شیخ رکن الدین نے علومِ درسیہ کی تعلیم شیخ فتح اللہ بن نصیر الدین، سید احمد حسینی ملتانی اور شیخ ابراہیم معین حسین ایرجی سے حاصل کی اور اپنے والد سے سلسلہ چشتیہ اور دوسرے طریقوں کی تعلیم حاصل کی اور طریقہ قادریہ ابراہیم بن معین ایرجی سے حاصل کیا اور اپنے والد کی وفات کے بعد گنگوہ میں متولی ہوئے۔ شیخ رکن الدین نے ۱۹۸۲ھ (۱۵۷۴ع) میں گنگوہ وفات پائی۔ ان کے خلفاء حضرت مجدد الف ثانی کے والد حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی تھے۔ شیخ رکن الدین کی قبر گنگوہ میں اپنے والد کی قبر کے متصل جانبِ جنوب واقع ہے۔ (ماخوذ از شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات)

قیام نہیں فرما سکتے۔ آپ نے فرمایا فنا کی موجیں وقتاً فوقتاً آتی ہیں اور مجھے ہوش میں نہیں آنے دیتیں۔

تقریباً یہی کیفیتیں اخوند پنجو بابا پر بھی طاری تھیں، چہرہ عشقِ الہی سے گل رنگ رہتا تھا سخت سردیوں کے زمانے میں بھی صرف ململ کا ایک کرتا پہنتے۔ آپ کے ایک مقرب میاں علی بابا کا بیان ہے کہ میں انتہائی سرما کے زمانے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ایک باریک کرتا پہنے ہوئے اور ایک عمامہ باندھے ہوئے تھے (۱)

اخلاق :

آپ کے آئینہ اخلاق میں سخاوت اور استغنا کا وصف سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ کوئی حاجت مند آپ کے در سے خالی نہ جاتا تھا۔ استغنا و بنیازی کی یہ کیفیت تھی کہ آراء و حکام کے تحفے قبول نہ فرماتے تھے۔ شاہانِ مغلیہ نے کئی مرتبہ لنگر کے مصاف کے لیے کچھ پیش کرنا چاہا مگر آپ نے ہمیشہ انکار کر دیا۔ (۲)

شاہانِ وقت کی عقیدت :

شاہانِ وقت کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ۹۲۳ھ میں جب پیرِ روشن نے مغل حکومت کے خلاف شورش کی، جس کی تفصیل ہم پیرِ روشن کے حالات میں لکھ چکے ہیں تو خود سلطان جلال الدین اکبر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوا۔ اس وقت آپ کھجور والی مسجد میں مقیم تھے، آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی (۳)

معمولات :

آپ کے روز و شب کے معمولات یہ تھے کہ صبح کی نماز کے بعد چاشت کی نماز تک ذکر میں مصروف رہتے، دوپہر تک جس دم اور دیگر

۱ - ماخوذ از ”تذکرہ مشائخ و علماء سرحد“ - صفحہ ۱۹

۲ - ایضاً صفحہ ۲۰

۳ - ایضاً صفحہ ۲۲

تذکرہ صوفیائے سرحد

اوراد و وظائف پڑھتے ، نماز ظہر کے بعد تھوڑی دیر قیلولے کے بعد طلبہ کو درس دیتے ، عصر سے مغرب تک صلوٰۃ الوسطیٰ میں مشغول رہتے ، مغرب کی نماز کے بعد درس قرآن مجید دیتے ، عشاء کی نماز کے بعد اوراد و وظائف اور مراقبات میں مشغول ہو جاتے ، اس طرح آپ کا تمام وقت یادِ الہی اور اطاعتِ رسول میں گزرتا تھا (۱)

فضائل و مناقب :

”صاحبِ خزینۃ الاصفیاء“ مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ شیخ پنجو پشوری اگرچہ گوجر قوم سے تھے ، لیکن اپنے وقت کے مشائخِ کاملین میں تھے ، عبادت و عشق میں غرق اور اہل چشت کے طریقے کو پھیلانے میں سرگرم عمل اور ساعی رہتے تھے ۔ ان کا طریقہ مولانا درویش پشوری کے طریقے کے مطابق تھا ، وہ ان کی تصنیف ”مخزن الاسلام“ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے کی طرف توجہ دلاتے تھے ۔ اگرچہ افغانی زبان میں گفتگو کرتے ، لیکن فارسی زبان میں شعر کہتے اور ہندی (اردو) میں گفتگو فرماتے تھے ۔ ان کے مریدوں میں مولانا چالاک میاں ، شیخو شاہجہانپوری اور شیخ علی وغیرہ مشہور ہیں جنہوں نے علومِ دینی سے آپ کی خدمت میں رہ کر بڑا حصہ حاصل کیا تھا (۲)

وفات :

آپ عہدِ شاہجہانی میں ۹۵ سال کی عمر میں ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ع) میں واصل الی اللہ ہوئے ۔ آپ کی نبھیز و تکفین میں میاں عثمان اخون سالک کابگرامی میاں علی با اور حضرت شیخ رحمکار جیسے جلیل القدر بزرگ شریک تھے (۳)

آپ کے صاحبزادے عثمان میاں کے مشورے کی بنا پر آپ کو اکبرپورے

۱ - ماخوذ از ”تذکرہ مشائخ و علماء“ سرحد - صفحہ ۱۹ -

۲ - ”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول - صفحہ ۲۷۹ تا ۲۸۰ -

۳ - تذکرہ علماء و مشائخ سرحد - صفحہ ۲۴ -

کے قریب مصری پورہ میں دفن کیا گیا ، جہاں آج بھی آپ کا مزار پُر انوار مرجع خلائق ہے (۱)

مزار :

آپ کا مزار مبارک پہلے بالکل سادہ بنا ہوا تھا ، لیکن ۱۲۲۲ھ میں پشاور کے رہنے والے ایک صاحب مصطفیٰ نامی نے اسے پختہ تعمیر کرایا اور اس پر سنگ مرمر کا کتبہ نصب کرایا ۔ سکھوں نے اپنے دور اقتدار میں اس مزار کو توڑا ۔ شمس العلماء قاضی میر احمد رضوانی اکبرپوری نے لوح مزار کے یہ چند شعر نقل کیے ہیں ، جن سے اس مزار کی تعمیر کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے ،

حامی ملت رسول اللہ
شیخ پنجو اخون جی با با
قطبِ دوراں و غوثِ خلقِ خدا
چیدہ صاحبانِ صدق و صفا
الف در صد و بست و یک بالا

شد معمر مزار او والا

انگریزوں کے عہد میں اس مزار پر گنبد کی تعمیر ہوئی (۲)

اولاد :

حضرت اخوند پنجو با با نے اپنے بعد چار صاحبزادے چھوڑے ، جن کے نام یہ ہیں : (۱) عثمان میاں (۲) سلیمان میاں (۳) لقمان میاں (۴) فرید الدین میاں ، ان میں سے صرف سب سے چھوٹے صاحبزادے فرید الدین میاں لاولد تھے ، باقی تینوں صاحبزادوں کی اولاد عثمان خیل ، لقمان خیل ، سلیمان خیل اور میاں گان کے نام سے موسوم ہے اور یہ خاندان ، گجرات ، حمزہ کوٹ ، ادینہ ، اسماعیلیہ ، چمکنی ، ماشو ، خوش مقام ، اتمان زئی ، نامی مواضعات میں آباد ہیں ۔ (۳)

خلفاء :

آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے ، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں ۔
(۱) علی خاں : یہ آپ کے جلیل القدر خلفاء میں تھے ، حضرت

۱ - سلسلہ اولیاء سرحد نمبر ۱۸ مولفہ نصر اللہ خاں نصر

۲ - ایضاً -

۳ - ایضاً -

تذکرہ صوفیائے سرحد

اخوند پنجو بابا ہمیشہ ان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے ، اور پیر روشن کے مریدین کے مقابلے کے لیے ان کو بھیجتے تھے ۔

(۲) ۱۳۰۱ک صاحب : یہ حضرت شیخ رحمار کے والد ماجد تھے ، انہوں نے بھی حضرت اخوند پنجو بابا سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا ۔

(۳) بوڈا بابا : یہ بھی حضرت اخوند پنجو بابا کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے ، ان کا اصل نام تو عبدالغفور تھا ، لیکن مشہور بوڈا بابا سے تھے ۔ ترکستان سے پشاور آ کر حضرت اخوند پنجو بابا کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ بتیس سال تک شب و روز عبادت میں مصروف رہے اور یہیں وفات پائی ۔ ان کا مزار موضع کوچی میں شل گزی بابا کے مقبرے میں واقع ہے ۔ ان کی تصانیف میں اخوند پنجو بابا کے مناقب مشہور ہیں ۔

ان کے مریدوں میں صاحب مہمند اور موضع شیخاں کے اخوند صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

(۴) اخوند سالاک : یہ بزرگ بھی ترکستان کے رہنے والے تھے ۔ وہاں سے ترک وطن کر کے سابق صوبہ سرحد میں آ کر علاقہ چغرزئی میں آباد ہوئے ۔ حضرت اخوند پنجو بابا کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ صاحب تصانیف تھے ، ان کی تصانیف میں فتاویٰ غریبہ ”بحرالانساب“ اور غزویہ مشہور ہیں ۔

(۵) اخوند سباک : یہ اخوند سالاک کے بھائی تھے اور حضرت اخوند پنجو بابا کے جلیل القدر خلفاء میں تھے ۔ انہوں نے علاقہ سدوم بھڑوچ پانڈے میں وفات پائی ۔ وہیں آپ کا مزار پر انوار مرجع خلافت ہے ۔

عرس

حضرت اخوند پنجو بابا کا عرس ۲۷ ، ۲۸ رجب کو ہر سال بڑے

اہتمام سے منعقد ہوتا ہے (۱)

۱ - خلفاء کی یہ تمام تفصیل سلسلہ اولیائے سرحد نمبر ۱۸ مؤلفہ

نصر اللہ فال نصر سے ماخوذ ہے ۔

حضرت اخوند درويزا

حالات : جن بزرگوں نے مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد میں رشد و ہدایت اور اسلامی تعلیمات کو پھیلایا اور جن کی تبلیغی کوششوں نے اس علاقے میں عرفان و ہدایت کے نور کو عام کیا ان میں حضرت اخوند درويزا کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے اس علاقے میں قدیم صوفیاء کے طرز پر تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا، اور اپنی زبان و قلم سے عین اس وقت شمع رشد و ہدایت روشن کی، جب کہ اس علاقے کے مسلمان ایک نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے تھے، مذہب کی روح اوہام کے تار و پود میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ان کی کتابوں کا پڑھنے والا یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان میں شدید دینی جذبہ ہے اور انہوں نے اپنی تحریروں میں ہر اس شخص کا جو ان کے عقائد سے ذرا بھی ہٹا ہوا تھا نہایت ہی حقارت سے تذکرہ کیا ہے، ان کے خلوص نیت اور ان کے جذبہ ایمانی سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس علاقے میں سلسلہ چشتیہ (۱) صابریہ کو انہوں نے احیاء بخشا، اور وہ آخر

۱۔ سلسلہ چشتیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ افغانستان کے ضلع ہرات میں ایک قصبہ ہے چشت، جہاں کچھ بزرگان دین نے مل کر تزکیۂ نفس اور تربیت باطن کا ایک مرکز قائم کیا تھا، جسے آئندہ چل کر بڑی شہرت حاصل ہوئی، اس نظام کی وجہ سے اس سلسلے کو بھی سلسلہ چشتیہ کہنے لگے، ”شجرۃ الانوار“ میں ہے کہ

وآن دو مقام اند، یکے شہرے | چشت نام کے دو مقام ہیں، ایک (باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۶ پر)

وقت تک۔ احيائے ملت اور احيائے کلمۃ الحق میں مشغول رہے۔

حضرت اخوند درويزا رحمۃ اللہ علیہ حضرت مير سيد علی شواص کے خلفاء میں تھے، جنہوں نے حضرت شيخ نظام الدین بلخی (۱) سے خلافت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۵ کا)

ست درمیان ولایت خراسان | شہر ہے خراسان میں ہرات کے قریب ہرات، وچشت دوئم | قریب، دوسرا چشت ہندوستان میں دیہہ ست دروایت ہندوستان | آج اور ملتان کے درمیان واقع ہے، درمیان اچھ و ملتان، و | خواجگان چشت خراسان کے چشت خواجگان چشت از چشت | سے تعلق رکھتے ہیں۔
خراسان بودہ اند

خواجہ ابو اسحاق شامی (متوفی ۷۳۲۹ھ) پہلے بزرگ ہیں، جن کے نام کے ساتھ تذکروں میں لفظ چشتی ملتا ہے۔ یہ سلسلہ بابا فرید گنج شکر کے بعد دو سلسلوں میں تقسیم ہو گیا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے سلسلے کے مرید چشتیہ نظامیہ کہلائے اور حضرت مخدوم علاؤ الدین صابر کے سلسلے کے مرید چشتیہ صابریہ کہلائے ("تاریخ مشائخ چشت"۔ صفحہ ۱۳۵)

۱۔ حضرت شیخ نظام الدین بلخی حضرت شیخ جلال تھانیسری کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، اور وہ خلیفہ تھے سلسلہ صابریہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے۔ اس طرح تین واسطوں سے حضرت اخوند درويزا کا سلسلہ طریقت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے جا ملتا ہے، شیخ نظام الدین تھانیسری ثم بلخی نے حضرت شیخ جلال تھانیسری کے خلفاء میں غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ ان کے والد کا نام عبدالشکور تھا، ان کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۷ پر)

حاصل کی تھی اور جو سلسلہ چشتیہ صابریہ کے جلیل القدر شیوخ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶)

”خزینۃ الاصفیاء“ میں ہے کہ خواجہ نظام الدین ہندوستان کے اولیاء میں تصرف ظاہری و باطنی میں جامع کمالات صوریہ و معنویہ تھے۔ انہوں نے حضرت جلال تھانیسری کے دست حق پرست پر بیعت کر کے ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین نے اگرچہ علوم ظاہری کی تعلیم باقاعدہ کسی استاد سے حاصل نہیں کی تھی، یہاں تک کہ آپ کا ہاتھ قلم سے بھی آشنا نہ تھا، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو علم لدنی سے سرفراز فرمایا گیا تھا اور ان پر علوم ظاہری و باطنی کے اسرار منکشف تھے، وہ سلسلہ چشتیہ میں ایک خاص مشرب رکھتے تھے، صاحب تصانیف تھے، جو کچھ ان پر منکشف ہوتا، ان کو اپنے رسائل میں لے آتے، ان کی تصانیف میں شرح لمعات، ”رسالہ حقیقت بیان“، ”ہفت بطن“، تفسیر ریاض القدس اور رسالہ بلخیہ وغیرہ مشہور ہیں (”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول)

صاحب ”حدیقہ داؤدی“ نے ان کی جلالت شان کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

قطب المحققین و تاج الموحدین حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ نام پدر بزرگش غریق دریائے نور شیخ عبدالشکور بودہ، و نشو و نماش از بلدہ تھانیسر است، و نسبتش در طریق تصوف بقطب باکمال حضرت شیخ جلال تھانیسری خلیفہ اجل قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہما وہم نسبت اجداد شریفش و اجداد قطب باکمال حضرت شیخ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۸ پر)

تذکرہ صولیا ئے سرحد

ہیں۔ اگرچہ ہماری رائے میں یہ امر غور طلب ہے کہ حضرت سید علی غواص کس کے خلیفہ تھے، اور ان کے پیر کون تھے، ہم آئندہ اوراق میں اس پر بحث کریں گے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

جلال بیگ جامی رسد (دیباچہ ”حدیقہ داؤدی“ قلمی۔
تالیف غلام عبدالقدوس ابن شیخ محمد یوسف عثمانی مملوکہ
صوفی بشیر احمد قدوسی)

شیخ نظام الدین اپنے مرشد حضرت شیخ جلال کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ ان کے کمال و کرامت کا غلغلہ اس قدر بلند ہوا کہ جہانگیر ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ اکبر نے ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ع) میں وفات پائی، اور جہانگیر تخت پر بیٹھا تو اس کا لڑکا خسرو باپ سے باغی ہو کر اکبر آباد سے پنجاب کی طرف بھاگا، راستے میں تھانیسر پڑتا تھا، وہ شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا شیخ نظام الدین نے اسے ہر چند سمجھایا، مگر وہ نہ مانا اور ییاس کی طرف چلا گیا۔ شیخ کے معاندین نے جہانگیر کو بھڑکایا کہ شیخ نظام الدین خسرو کی سلطنت کے لیے دعا کر رہے ہیں، جہانگیر نے رنجیدہ ہو کر حکم جاری کیا کہ شیخ ہندوستان چھوڑ دیں، اور پھر واپس نہ آئیں۔ شیخ نظام الدین پہلے مکہ معظمہ حاضر ہوئے، اور حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور چند سال وہاں قیام فرمایا۔ وہیں انہوں نے شرح لمعات تصنیف کی، پھر بلخ روانہ ہوئے، اور وفات تک بلخ ہی میں مقیم رہے۔ بلخ کا بادشاہ اسام قلی خان ازبک ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا۔ ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹ پر)

حضرت اخوند درویش کی جلالتِ شان اور علم و فضل کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ریورٹی جس کا شمار پشتو ادبیات کے بڑے عالموں میں ہوتا ہے ، اس کا بیان ہے کہ افغانوں میں سب سے مشہور اور عالم بزرگ حضرت اخوند درویش ہی ہیں۔ (۱)

صاحب ”خزینۃ الاصفیاء“ ان کے محامد و مناقب بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

”جال ولایت خود را در پردہ تدریس و تعلیم و کلامے

پوشیدہ می داشت“۔ (۲)

خاندان : اخوند درویش اگرچہ پٹھان نہ تھے ، لیکن وہ ایک عرصے تک قبیلہ یوسف زئی ، اور علاقہ یوسف زئی میں مقیم رہے ۔ خود ان کے بیان کے مطابق ان کے بزرگوں میں سے سب سے پہلا شخص جو لمغان کی جانب سے نگہار آیا وہ جیون بن جنتی تھا ۔ وہ اپنے آبائی نسب کے سلسلے میں اپنے اجداد کا تعلق تاجک ترکوں سے ، اور اپنے مادری شجرہ نسب کو سلاطین بلخ سے ملحق کرتے ہوئے اور سکندر ذوالقرنین سے ملاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ساع است از قدمائے خویش رحمہم اللہ تعالیٰ کہ در آیام ماضی
جیون بن جنتی نام شخصے از جانب لمغان بحدود ننگرہار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۸)

فیضِ تربیت سے تقریباً سو طالبانِ حق کمال کو پہنچے ۔
شیخ نظام الدین ۸ رجب ۱۰۲۶ھ (۱۶۲۶ع) کو بلخ ہی میں
واصل الی اللہ ہوئے۔ ان کے خلفا میں شیخ ابوسعید گنگوہی ،
شیخ ولی محمد نارنولی ، شیخ پابندہ بنوری ، سید اللہ بخش لاہوری
بکھری ، شیخ عبدالکریم لاہوری اور میر سید علی غواص
مشہور ہیں ۔ (”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول ص ۳۶۳ تا ۳۶۶)

۱۔ رود کوثر صفحہ ۳۶۴

۲۔ ”خزینۃ الاصفیاء“۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۷۱

تذکرہ صوفیائے سرحد

درآمدہ مع اہل و عیال و توابع
و اموال دردہ سہمند کہ آن درہ
ایست از درہائے ننگرہار، و رودے
است از رود ہائے آن دیار نزول
نمودہ و سکونت فرمودہ متوطن
گشت، اما از انساب او از قدما
ما برآئند کہ بمردم ترک باز میگردد
و میگویند قرابتے مادری مالبسلاطین
بلخ باز می گردد (۱)

میں نے اپنے بزرگوں رحمہم اللہ
تعالیٰ سے سنا ہے کہ گذشتہ زمانے
میں جیون بن جنتی نام کا ایک
شخص لمغان سے حدود ننگرہار میں
اپنے اہل و عیال، متعلقین اور سازو
سامان کے ساتھ آیا، اور درہ سہمند
میں جو ننگرہار کے دروں میں سے
ایک درہ ہے، اور جو ایک ندی
ہے ان شہروں کی ندیوں میں سے
وہاں اتر کر سکونت اختیار کی اور
متوطن ہو گیا۔ اس کے نسب کے بارے
میں ہمارے قدماء اس پر ہیں کہ اس کا
نسب ترک خاندان پر منتهی ہوتا
ہے، اور کہتے ہیں کہ ہمارا مادری
سلسلہ نسب سلاطین بلخ تک پہنچتا
ہے۔

اپنی والدہ محترمہ کے سلسلہ نسب پر وہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے
ہیں کہ :

والدہ عقیفہ مستورہ عابدہ فقیر
قراری نام بنت نازو خاں بن ملک
داور پائی بن ملک بابو بن سلطان
قران بن سلطان خواجہ بن سلطان
تومنا بن سلطان بھرا تم بن سلطان
کہچا من بن سلطان ہندو بن سلطان
جرس بن سلطان جبار سماع است کہ

اس فقیر کی والدہ عقیفہ
پردہ نشین، عبادت گزار کا نام قراری
تھا، جو نازو خاں بن ملک داور پائی
بن ملک بابو بن سلطان قران بن سلطان
خواجہ بن سلطان تومنا بن سلطان
بھرا تم بن سلطان کہچا من بن سلطان
ہندو بن سلطان جرس بن سلطان جبار

۱ - "تذکرۃ الابرار والاشرار" صفحہ ۱۰۶ -

۲ - ایضاً صفحہ ۱۱۳-۱۱۴

سلطان جبار از اولادِ سلطان شمس کی بیٹی تھیں ، سنا گیا ہے کہ سلطان
است، سلطان شمس پسرے بود جبار، سلطان شمس کی اولاد سے ہے،
از پسرانِ سکندر ذوالقرنین (۲) اور سلطان شمس سکندر ذوالقرنین
کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا تھا ۔

کچھ دن کے بعد جیون بن جنتی کے اختلافات مہمندوں سے شروع
ہوئے۔ ان اختلافات کی تفصیل بتاتے ہوئے حضرت اخوند درویزا لکھتے
ہیں کہ ان کے جدِ اعلیٰ جیون بن جنتی سفید ریش اور گھنی داڑھی والے
بزرگ تھے ، ساتھ ہی دولت مند اور سخی بھی تھے جب انھوں نے
ننگھار میں مہمدی قبیلے کے لوگوں میں سکونت اختیار کی تو ایک
جشنِ عظیم منعقد کر کے تمام لوگوں کو ایک عام دعوت دی ، لیکن
اس قبیلے کے لوگوں نے ان کے ساتھ یہ ناروا سلوک کیا کہ جب وہ
کھانا کھا کر اٹھے تو ان میں سے ایک نے استہزاء اپنے کھانے کے
بھرے ہوئے ہاتھوں سے ان کی داڑھی پکڑ لی۔ جیون نے ناراض ہو کر
اس کا استغاثہ سلاطینِ بلخ سے کیا۔ سلاطینِ بلخ نے ان کی حمایت میں
کچھ لوگوں کو بھیجا ، جنھوں نے مہمندوں کی گوشالی کر کے ، اس
علاقے کو اپنی حکومت کے تحت لے لیا۔ اس وقت سے آج تک یہ ریاست
اولادِ جیون کے پاس ہے (۱) جیون کے سات بیٹے تھے ، ان میں سے ایک کا نام
متہ تھا، متہ کے بیٹے کا نام احمد اور احمد کے بیٹے کا نام درغان تھا ۔

درغان کی موضع پابینی میں اقامت :

یہی درغان علاقہ مہمند سے نکل کر علاقہ یوسف زئی میں آیا ، اور
موضع پابینی میں سکونت اختیار کی ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ یوسف زئی سوات پر اپنا قبضہ جانے کی فکر میں

تھے اور درغان کا بیٹا سعدی بھی ان کے ساتھ تھا ۔ جب شیخِ ملی نے

سوات کی زمین کی تقسیم شروع کی تو سعدی کو بھی دوسرے تیس افراد کے ساتھ قبیلہ ملی زئی کے ساتھ اراضی دے دی گئی۔ سعدی جو کہ عبادت و سخاوت کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھا، اس نے اس علاقے میں غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی، لیکن جب مغلوں نے یوسف زئیوں کے خلاف یورش کی، اور امیر قودانی نے سواروں کے دستے کے ساتھ اس علاقے کو تاخت و تاراج کیا۔ اس کے بعض سواروں نے اس غلط فہمی کی بنا پر کہ وہ بھی یوسف زئی ہے، سعدی کو بھی شہید کر دیا۔

اخوند درویزا کے والد کی گرفتاری اور رہائی :

اور سعدی کے صاحبزادے گدائی کو جو حضرت اخوند درویزا کے والد ہیں مع ان کے خاندان کے افراد کے گرفتار کر لیا۔ جب حاکم وقت نے لشکریوں سے سعدی کے متعلق دریافت کیا اور اسے معلوم ہوا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں تو اسے بے حد افسوس ہوا اور اس نے لشکریوں کو سخت زجر و توبیخ کر کے گدائی اور ان کے خاندان کے تمام افراد کو رہا کر دیا۔

اس لڑائی کے بعد گدائی نے مہمند زئی کے علاقے میں سکونت چھوڑ کر چغرزئی کے قبیلے اسماعیل خیل میں جا کر سکونت اختیار کر لی، جہاں ان کو اور ان کے دس ساتھیوں کو اس قبیلے کے لوگوں نے کچھ زمین دے دی (۱)

اخوند درویزا کا نام :

حضرت اخوند درویزا کی ولادت اور مقام ولادت کے متعلق کوئی تفصیل ہمیں نہیں ملتی۔ مولوی رحمان علی مرحوم نے اپنی مشہور کتاب ”تذکرہ علمائے ہند“ میں ان کا سنہ ولادت ۹۴۰ھ (۱۵۳۶ع) لکھا ہے۔ اس کا بھی صحیح پتہ نہیں چلتا کہ حضرت اخوند درویزا کا اصل نام کیا تھا۔ انہوں نے اپنی کسی تصنیف و تحریر میں اپنا اصل نام ظاہر نہیں کیا۔

۱۔ یہ تمام تفصیل ”تذکرۃ الابرار والاشرار صفحہ“ ۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷ سے ماخوذ ہے۔



ان کے تمام تذکرہ نویس انہیں ”اخوند درويزا“ ہی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ”یوسف زئی پٹھان“ کے مؤلف اللہ بخش صاحب یوسفی نے اس ضمن میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ اخوند اور درويزا دونوں القاب ہیں، اول الذکر علامہ کے مترادف ہے، اور موخر الذکر اس وجہ سے مشہور ہوا کہ طلباء کو محلے یا گاؤں کے گھروں سے آواز دے کر وظیفہ (سامانِ خوراک) دینے کی رسم انہوں ہی نے جاری کی تھی اور اس وقت تک پشاور اور مردان کے بعض علاقوں میں مساجد کے طلباء ”وظیفہ لاؤ ایماندارو“ کی جو آواز دیتے ہیں، وہ انہیں اخوند درويزا کی رسم کہن کی یادگار ہے۔ ”انسائیکلو پیڈیا آف اسلام“ کا مقالہ نگار ان کا نام عبدالکریم لکھتا ہے، یہی نام اخوند درويزا کے بیٹے کا بھی تھا، اس وجہ سے ہو سکتا ہے یا تو دونوں ہمنام ہوں، یا مقالہ نگار دونوں میں تمیز نہ کر سکا ہو (۱)

بچپن :

اپنے بچپن کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے اخوند درويزا لکھتے ہیں کہ میں نے زمانۂ طفولیت ہی سے فطرۂ زہد و ریاضت کی طرف میلان پایا تھا، میں نے اپنے بچپن سے لے کر اس وقت تک اس رجحان میں کوئی کمی محسوس نہیں کی، بلکہ اس میں ایک زیادتی ہی محسوس کی ہے۔ میں ابھی بچہ ہی تھا اور حال و کیفیات کا مجھے شعور نہ تھا، اس وقت بھی میرے شب و روز گریہ و زاری میں گزرتے تھے، اکثر اوقات مجھے گریہ و زاری میں دیکھ کر میری والد میرے طمانجیے مارتی تھیں، کبھی کبھی تو شدت گریہ سے میری جان پرین جاتی تھی اور میں اس کی کوئی تعبیر نہیں کر سکتا کہ مجھے یہ رونا کیوں آتا ہے اور کیا یہ رونا عذاب تنگی قبر کے ڈر کی وجہ سے ہے۔ یہاں تک کہ میں نے کچھ اور ہوش سنبھالا۔ اب میں راتوں کو عبادت کرتا، دنوں کو روزے رکھتا اور ہمیشہ باوضوء رہتا، اور شرعی اوامر و نواہی کی شدت سے پابندی کرتا، یہاں تک کہ مجھ

تذکرہ صوفیائے سرحد

کو تزکیہ بدن اور تصفیہ قلب حاصل ہو گیا۔ میں اور بھی امور دین میں اہتمام کرنے لگا، جس کی بدولت میں صفائی باطن میں ترقی کرتا جاتا تھا، یہاں تک کہ میں بلوغ کی حد تک پہنچ گیا۔ چونکہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی بنیاد علم پر ہے، اور جاہل واردات شیطانی اور روحانی میں فرق نہیں کر سکتا۔ میں بھی ان واردات میں کوئی فرق نہ کر سکتا تھا، بلکہ تمام واردات قلبی کو حقانی جانتا تھا، یہاں تک کہ میں افغانوں کا کامل و مکمل شیخ ہو گیا۔

اپنے استاد کے سامنے ایک پشینگوئی :

اُسی زمانے میں ایک دن میرے استاد ملاسنجر پابینی نے مجھ سے کہا کہ آج کل ترکلانی قبیلے کے لوگوں نے، چکان سرائے قبیلے کے لوگوں کو قلعہ بند کر رکھا ہے معلوم نہیں کہ ان کا کیا انجام ہوگا۔ میں جانتا تھا کہ میرے استاد محترم چکان سرائے قبیلے کے لوگوں کی فتح کے لیے رجحان رکھتے ہیں، میں نے دل میں اس پر غور کیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان سے کہا کہ چکان سرائے ایک موضع ہے جو دو دریاؤں کے درمیان ہے، حالانکہ میں نے کبھی موضع چکان سرائے نہ دیکھا تھا۔ پھر میں نے اس کے کچھ اور علامات بیان کیے۔ میرے استاد نے کہا کہ تم نے صحیح کہا، پھر میں نے کہا کہ ترکلانی کے لوگوں نے شکست کھائی، چنانچہ جب ان کے شکست کی خبر ہمارے ہاں پہنچی، تو ان کی شکست کا وقت وہی تھا، جس وقت میں نے کہا تھا۔

تحصیل علم باطنی :

اس کے بعد میں تحصیل علم میں مشغول ہو گیا، اور تھوڑی ہی مدت میں میں حقانی اور باطل واردات میں امتیاز کرنے لگا۔ اب علم نے میری طبیعت کو طریقہ سنت میں ڈھالا، اور اسی وجہ سے جاہل افغانوں کی محبت، عداوت میں تبدیل ہو گئی، کیونکہ ان کی طبیعتیں ہوائے نفس کی تابع تھیں، یہاں تک کہ جہال میری حق باتوں کو تعجب سے سنتے اور آپس میں کہتے کہ فلاں مُلا ایسا کہتا ہے اور یہ یہ کہتا ہے، اور اہل سنت میری باتوں کو سن کر میرے

ساتھ محبت سے پیش آتے اور میری باتوں پر آفرین کہتے۔ یہاں تک کہ اس وقت تک جب کہ میری ملاقات میرے شیخ (سید علی غواص) سے ہوئی میں نے اہل دنیا اور جاہ دنیا سے اس قدر پرہیز کیا کہ میرا آئینہ قلب آئینے کی طرح غبار اور زنگ سے صاف ہو گیا۔ میں جاہ سے اس قدر احتراز کرتا تھا، کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے دوست سے اس کے خطرہ قلب کو بیان کر دیا۔ میرے دوست نے اسے میرا کشف سمجھا، میں نے قسم کے ساتھ اس سے کہا کہ مجھے کوئی اطلاع تمہارے اس دلی معاملے کی نہ تھی بلکہ یہ جو کچھ میں نے تم سے کہا بالکل ایک اتفاق امر تھا۔ اس طرح میں نے اس کے ظن کو دور کیا، تا کہ یہ واقعہ میری جاہ طلبی کا سبب نہ بن سکے (۱)۔

تحصیل علم اور پہلا استاد : اپنے تحصیل علم کے واقعات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویشا لکھتے ہیں کہ ایک روز میں بنیر میں اپنے دوستوں کے ساتھ کوہ جعفر کے مشرقی جانب جا نکلا، اور ایک درخت کے نیچے مکین گاہ میں شکار کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ میں تیر کو ظاہرا طور پر کان میں چڑھائے ہوئے تھا، لیکن میری روحی توجہ اس سے غافل تھی۔ میں اسی حال میں تھا کہ دو سفید ریش شخص عصا ہاتھ میں لیے پہاڑ پر سے اتر کر اچانک میرے سامنے آئے، اور انہوں نے کہا احسن الخالقین و رب العالمین۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئے۔ چونکہ میں اس وقت تک الف ب بھی نہ جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انہوں نے کیا کہا، لیکن یہ بات مجھے یاد رہی، اور میں نے اس کا تذکرہ اپنے استاد مخدومی ملا مصر احمد سے کیا، جو سید محمود ولی بخاری کی اولاد میں تھے۔ انہوں نے پوری کیفیت سن کر فرمایا کہ اے فرزند دلہند! میں نے رات خواب میں دیکھا کہ تم ایک خطرناک دریا میں غرق ہو رہے ہو، ہر چند میں نے تم کو اس دریا سے نکلنے میں

۱۔ یہ تمام تفصیل ”تذکرۃ الأبرار والاشرار“ کے صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۶

سے ماخوذ ہے۔

ہاتھ پاؤں مارے ، لیکن میں جتنے بھی ہاتھ پاؤں مارتا تھا اتنے ہی تم غرق ہوتے جاتے تھے ، یہاں تک کہ میں تم کو نہ پا سکا ۔ میری والدہ اس خواب کی تعبیر کو سوچ کو بہت پریشان ہوئیں ، اور خوف زدہ ہو گئیں ۔ حضرت مخدومیؒ ملا مصر احمد نے فرمایا کہ میرے اس خواب کی تعبیر اور تمہارا مشاہدہ آپس میں تطابق رکھتے ہیں ، اگر تم نے طلب علم میں کوشش کی تو تم اس بلند مرتبے پر فائز ہو گے کہ ہم سے اور اپنے زمانے کے اکثر علماء سے سبقت لے جاؤ گے ۔ یہ سن کر اسی وقت میری والدہ نے تھوڑا سا میوہ حضرت مولانا مصر احمد کی خدمت میں پیش کیا ، اور حضرت ملا مصر احمد نے ایک تختے پر حروف تہجی لکھ کر مجھے دیے اور مجھے پڑھانا شروع کیا ۔ اسی دن میں نے نماز عشاء تک سات مرتبہ قواعد حروف تہجی کو سیکھ لیا ، آٹھویں مرتبہ میں نے ابجد کو پڑھا ، یہاں تک کہ میں نے سمجھ لیا کہ احسن الخالقین و رب العالمین کا یہ کلمہ کلمات علم میں سے تھا اس کے بعد ہر روز میں دو سورتیں پڑھتا ، یہاں تک کہ میں نے سورۃ فجر ختم کی ، پھر میں ہر روز ایک سورۃ پڑھتا ، یہاں تک کہ میں نے ایک سال میں پورا قرآن مجید چند کتابوں کے ساتھ پڑھ لیا ، یہاں تک کہ مخدومیؒ مصر احمد مجھ سے تحصیل علم کرنے لگے ۔ خدا کا فضل میرے شامل حال تھا ، جو کچھ میں سنتا میرے حافظے میں پتھر کی لکیر ہو جاتا اور میں اسے نہیں بھول سکتا تھا ۔

زمانہ طالب علمی میں خشیت الہی :

اپنی زمانہ طفلی کی خشیت الہی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت اخوند درویشا نے لکھا کہ یوں تو میں بچپن سے لے کر زمانہ بلوغ تک ہمیشہ خوف الہی سے لرزاں و ترساں رہتا تھا ، لیکن جب میں علم حاصل کرنے میں مشغول ہوا تو میں نے اپنے اساتذہ ملا مصر احمد وغیرہ کو اپنے سے بھی زیادہ خشیت الہی کی وجہ سے لرزاں و ترساں پایا ۔ ان کی خشیت کو دیکھ کر مجھ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ میری یہ حالت ہو گئی کہ بعض مرتبہ تو میں یہ سمجھتا تھا کہ خشیت الہی سے میری

جان نکل جائے گی ۱۔

ملا جال الدین سے تعلیم :

یہاں تک کہ جب میں ملا جال الدین ہندوستانی کی خدمت میں طلب علم کے لیے حاضر ہوا ، اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے لگا ، تو میں نے وہاں کے شاگردوں کے حالات کو مختلف پایا۔ وہ اکثر اوقات مبسم و خندان نظر آتے اور قہقہے لگاتے رہتے تھے ، اور آپس میں مذاقیہ باتیں کرتے رہتے تھے ، ان کے قلب میں خوف ، خطرہ قیامت اور مرنے کا خوف کم دیکھنے میں آتا تھا۔

شیخ سید علی ترمذی کی خدمت میں حاضری :

اپنے پیر و مرشد حضرت سید علی کی خدمت میں حاضری کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویش لکھتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ ایک دن میرے استاد ملا سنجراں راہِ شفقت مجھے شیخ الاسلام و المسلمین ، امام المومنین ، سراج الائمین شیخ علی ترمذی علیہ الرحمہ و الغفران کے مکان پر لے کر حاضر ہوئے۔ میں نے ملاقات کے بعد حضرت سے اپنے حالات و کشف و کرامات کو بیان کیا۔ حضرت سید علی نے ہنس کر فرمایا اب تو تم افغانوں کے پیر ہو گئے ہو ، لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ ریاضت میں بغیر شیخ فانی کے اس قسم کا اقدام بسا اوقات گمراہی تک پہنچا دیتا ہے۔ مبتدی کو چاہیے کہ وہ شروع میں زہد و ریاضت اس طرح کرے کہ وہ اپنے گفتار و کردار میں رسول اکرم کا ہو بہو متبع ہو ، ورنہ وہ مردودِ دارین ٹھہرے گا ، اگرچہ اس کا عمل بظاہر مجاہدہ دکھائی دیتا ہو۔

تجدیدِ توبہ :

اس کے بعد میرے پیر حضرت سید علی نے کچھ اور موعظت و نصیحت کی باتیں فرمائیں ، یہاں تک کہ میں تجدیدِ توبہ کے شرائط سمجھا

۱۔ یہ تمام تفصیل ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ کے صفحہ ۱۱۹-۱۲۰۔

لایا۔ توبہ کا شرف حاصل کرنے کے بعد میرے پر نے مجھے اوامر و اجابہ کا حکم دیا، جیسا کہ ایام بیض کے روزے صلوٰۃ، اوابین، اور پانچوں وقت کی نماز کو باجماعت ادا کرنا وغیرہ۔ اگرچہ میں ان معاملات و عبادات میں پہلے سے ثابت قدم تھا، لیکن میرے پر نے بحیثیت پر کے اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مجھے ان باتوں کا حکم دیا تھا (۱)۔

بیعت :

ایک مدت کے بعد میرے استاد مدقق اور خواجہ محقق حاجی الحرمین ملا زنگی پابینی نے حضرت سید علی سے گزارش کرتے ہوئے کہا کہ اخوند درویشا آپ سے شغل و تلقین کا ارادہ رکھتا ہے، اور وہ اس کا اہل بھی ہے، امید ہے کہ آپ اس کو اپنی بیعت سے مشرف فرمائیں گے۔ حضرت سید علی کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ عموماً تلقین ذکر سے احتراز کرتے تھے، صرف خاص خاص ہی لوگوں کو تلقین فرماتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ذکر امانت الہی ہے، اس امانت کو اس کے اہل ہی کو دینا چاہیے، اور اس کے اہل علمائے اتقیاء ہیں، نہ کہ عوام و جہال کہ جو اس کے شرائط و لوازم کے پورا کرنے سے عاجز ہیں، اور اس کی گرمی کو برداشت نہیں کر سکتے اور آخر ضلالت و گمراہی میں اور الحاد و بدعت میں جا پڑتے ہیں۔ لیکن چونکہ خدا کا فضل میرے شامل حال تھا، حضرت شیخ نے بھی میرے استاد ملا زنگی کی بات سن کر فرمایا واقعی وہ اس کا اہل ہے۔ پھر شرائط تلقین ادا کرانے کے بعد ظہر کے وقت آپ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے خوب اچھی طرح غور کر کے بتلاؤ کہ کون سے وقت اگر تمہیں ذکر کی تلقین کی جائے تو وہ تمہارے قلب کی گہرائیوں میں اُتر سکے گا۔ میں نے غور و فکر کے بعد عرض کیا کہ بعد نماز عشا مناسب ہوگا (۲)۔

۱۔ ”تذکرۃ الابرار والا شرار“۔ صفحہ ۱۳۳

۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۲۴

زہد و ریاضت :

چنانچہ اس کے بعد چند دن کی حضوری نے مجھ میں یہ کیفیت پیدا کر دی کہ میں کھانے پینے ، سونے اور لوگوں کے میل جول سے بہت دور ہو گیا ۔ کبھی کبھی میں نیند میں ہوتا تھا ۔ اس نیند سے میرے جسم کو آرام ضرور ملتا تھا ، لیکن اگر اس جگہ کوئی بات کرتا تھا تو میں سونے میں بھی وہ ساری بات سن لیتا تھا ۔ میری نیند یہاں تک کمزور ہو گئی کہ اگر مکھی بھی اڑ کر اس طرف سے گزرتی تو اس کے پروں کی ہنہناہٹ سے میری آنکھ کھل جاتی ۔ وہ کیفیات ناموجہ جو اہل اللہ کے نزدیک غیر معتبر ہیں اس سے قبل میرے قلب پر وارد ہوتی تھیں ، وہ یکبارگی مفقود ہو گئیں ۔ میں نے تھوڑی ہی مدت میں خدا کے فضل اور اس کی مشیت اور پیر کی توجہ سے علم باطنی میں نمایاں ترقی کی (۱) ۔

شیخ کا ارشاد :

حضرت شیخ نے میری روحانی ترقیات کو دیکھ کر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہ وقت طلب علم تصوف میں نہایت ہی جد و جہد اور احتیاط کا ہے ، اسی وقت سے عارف کو اپنے آپ کو شریعت صمدانی کے مطابق بنانا چاہیے ، تا کہ وہ اپنے ایمان کو اور جامعہ کثیر مومنین اور مومنات کے ایمان کو زوال سے محفوظ رکھے ، اور مسلمانوں کو تشبیہ و تعطیل سے معصوم کرے ۔ چونکہ اکثر اہل ہوا اس زمانے میں بغیر ادائی شروط مذکورہ کے جب اس علم کے اشارات و عبارات سے عاجز رہتے ہیں تو معرفت بیچون و بیچگون میں غلطی کھا کر کفر کی حد تک پہنچ جاتے ہیں ۔ بعض اس غلطی میں مبتلا ہو کر خدا کو صورت میں منصور کرتے ہیں ، اور بعضے خدا کو کسی مکان پر جانتے ہیں ، اور بعضے ارواح و انفاس کو خدا جانتے ہیں ، اور بعضے تمام اشیاء کو ایک وجود اور ایک ذات جان کر خدا کہتے ہیں ، اور بعضے خدا کو خلق میں

اور خلق کو خدا میں محو جانتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو کر ایسے کلمات زبان پر لاتے ہیں جو شریعت مجددیہ کے خلاف ہوتے ہیں، اور ان کلمات اور اس قسم کے معتقدات سے کافر ہو جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الکفر بعد الایمان۔ پس چاہیے کہ علم تصوف کو ایسے استاد حقانی اور شیخ ربانی سے حاصل کرے کہ جس کا ظاہر و باطن شریعت مجددیہ سے آراستہ ہو، تا کہ علم تصوف کے اشارات کو شریعت کے علم کے مطابق کرے (۱)۔

رسالہ جام جہان نما کہ تعلیم :

پھر اسی وقت آپ نے مجھ کو رسالہ حضرت شیخ جام جہان نما عنایت فرمایا۔ آپ اس کا درس دیتے جاتے تھے اور میں سنتا جاتا تھا، یہاں تک کہ آپ نے اس رسالے کے کلمات کے متعلق تقریر فرمائی۔ میں اس تقریر پر ایک رات اور ایک دن غور کرتا رہا، کیونکہ اس علم کی بنیاد تامل و تفکر پر ہے۔ آخر میں نے اپنے تفکر و تامل کے نتائج کو اپنے شیخ کے سامنے پیش کیا، اس کے باوجود کہ میں نے جانا اور سمجھا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نہ کچھ جانتا تھا نہ سمجھتا تھا۔

اس کے علاوہ میں نے اور چند رسالے جیسا کہ لمحات اور سواغ اور دیوان خواجہ قاسم انوار ہے حضرت کے سامنے نظر سے گزارے (۲)۔

شیخ کی تاثیر گفتار اور کردار :

میرے شیخ (حضرت سید علی) کے تاثیر گفتار اور کردار کا یہ عالم تھا کہ تصوف کے اکثر طالب علم تھوڑا ہی سا پڑھ کر اور بہت ہی کم زمانے میں حضرت شیخ کی توجہ سے متبحر عالم ہو جاتے تھے (۳)۔

خلافت :

مختصر یہ کہ ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہا۔

۱ - "تذکرۃ الابرار والاشرار" صفحہ ۱۲۴-۱۲۵ -

۲ - ایضاً صفحہ ۱۲۵ -

۳ - ایضاً صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۹ -

چونکہ حضرت کو مقدمین مشائخ سے پانچ خانوادوں میں بیعت کی اجازت حاصل تھی، چار میں اپنے شیخ سالار رومی کی طرف سے اور ایک میں اپنے جد کی طرف سے۔ آپ نے چار خانوادوں میں مجھے اجازت عطا فرمائی۔ وہ خانوادے جن میں ان کے شیخ نے ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا ان کی صراحت کرتے ہوئے حضرت اخوند درویش نے لکھا کہ وہ سلسلہ کبرویہ، سلسلہ عزیزہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ شطاریہ ہیں (۱)۔

مناظرے :

میرے شیخ کا طریقہ یہ تھا کہ ملک کے اطراف و جوانب میں گھوم کر اہل ہوا و بدعت سے مناظرے کرتے تھے اور ان متمرّدوں کو لوگوں کے سامنے شرمندہ کر کے عوام و خواص میں اعلان فرماتے کہ ان متمرّدوں سے بچو، اور ان کی پیروی نہ کرو تاکہ تمہارا دین محفوظ رہے۔ افغان اس درجہ آپ پر اعتقاد کرتے تھے کہ جب کوئی شیخ یا عالم ان کے درمیان ظاہر ہوتا جب تک کہ وہ میرے شیخ اور میری نظر سے نہ گزرتا وہ اس کے اقوال و افعال کو قبول نہ کرتے۔ غرض کہ میرے شیخ نے گمراہوں سے مناظرے کرنے میں بڑی جد و جہد کی۔

جب میں خدا کے فضل سے تحصیل علم سے فارغ ہوا اور سجادہ شریعت مصطفوی پر ثابت قدم ہوا اور اپنے شیخ کی خدمت میں رات دن سفرو حضر میں رہا تو بعض مقامات پر جب کہ میرے شیخ استغراق شغلِ باطن سے فارغ نہ ہوتے تو ان اہل ہوا و بدعت سے مناظرے کو میرے سپرد کرتے اور بعض مقامات پر میں تنہا بھی ان سے مناظرہ کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام اہل ہوا میرے دشمن ہو گئے ورنہ ویسے کوئی عداوت ذاتی میرے اور ان کے درمیان نہ تھی، لیکن الحمد للہ باوجود ان کے بغض و عداوت کے میں اپنے مسلک پر مستقیم ہوں اور انشاء اللہ موت تک اس مسلک پر مستقیم رہوں گا (۲)۔

پیر با یزید سے ایک مناظرہ

پیر با یزید جس کی مخالفت میں انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے ان سے اپنے ایک مناظرے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس فقیر نے اس کے سامنے تقریر کی اور اس سے اس قدر سوال و جواب کیے کہ وہ لعین اور تمام لوگ متحیر ہو گئے۔ وہ اپنے عاجز رہنے کا معترف اور عالم کے سامنے شرمندہ ہوا لیکن چونکہ ہوائے نفسانی اس پر غالب تھی اور اغوائے شیطانی اس پر مستولی تھا اور اس کا خاتمہ شقاوت پر ہونا تھا اس لیے وہ مسلمان نہیں ہوا۔ پھر ایک مدت کے بعد یہ فقیر اس سے بحث و مناظرہ کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ سیادت سب سید ہارون بھی میرے ساتھ تھے اور یوسف زئی قبیلے کے کثیر مسلمانوں کی جماعت کو بھی ہم اپنے ساتھ لے گئے، لیکن یہ ملعون مقابلے کے لیے نہیں نکلا۔ کیونکہ وہ سابقہ شرمندگی کی وجہ سے سامنا نہیں کرسکتا تھا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ چونکہ یہ ملعون خود کو اور اپنے متبعین کو منصور حلاج کے مرتبے پر جانتا ہے اگر وہ واقعی منصور حلاج کے مرتبے پر ہے تو منصور کے اس شعر کا مطلب بیان کرے :

ولدت اسی ابا ہا و ذامن عجباقی

انا طفل صغیر فی حجور مرضعاتی

جب یہ لکھا ہوا شعر اس کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اس قدر ہیبت زدہ ہوا کہ اس شعر کا مطلب تو کجا اسے پڑھ بھی نہ سکا۔ اس کے بعد کرامت کا طالب ہوا۔ میرے شیخ نے فرمایا اگر وہ لعین اظہار کرامت چاہتا ہے تو وقت ضرورت کرامت کا ظاہر کرنا واجبات میں سے ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ کو فقیر کے سامنے کرے اگر وہ بغیر کسی آلے کے خود بہ خود کٹ کر زمین پر گر جائے تو اسے اس کے بعد انکار نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن چونکہ یہ ملعون نہایت ہی زیرک اور ذہین تھا اور اولیاء اللہ کے تصرفات کی برکتوں سے واقف تھا، لہذا اس سے بھی اعراض کیا اور شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ (۱)

پیر تاریک کا خطاب :

اس وقت میرے استاد حاجی الحرمین ملا محمد مشہور بہ ملازنگی پابینی بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اس کو ”پیر تاریک“ کا نام دیا۔ (۱)

پیر بایزید کی ذہانت کا اعتراف :
”تذکرۃ الابرار والاشرار“ میں اخوند درویش اپنے شیخ کی اہمیت اور علم و فضل کے بحر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس علاقے میں گمراہیاں اس قدر عام تھیں کہ اگر میرے شیخ اس علاقے میں نہ ہوتے تو معلوم نہیں کہ کوئی فرد بھی اس علاقے میں مسلمان رہتا۔ اس لیے کہ یہ لعین پیر (بایزید) علوم عقلیہ میں اس درجہ غلو رکھتا تھا کہ عالم بھی مناظرے میں اس سے نہ جیت سکتا تھا (۲)۔

شیخ کی ایک نصیحت :

حضرت اخوند درویش کا بیان ہے کہ چند دن تک ایسا اتفاق ہوا کہ میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ جب میں اس مسلسل غیرحاضری کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ اتنے دن کہاں غائب تھے۔ میں نے نہایت شرمندگی سے عرض کیا کہ کئی روز سے میرا ہاتھ خالی تھا، اور بزرگوں کی خدمت میں خالی ہاتھ آنا میں بے ادبی سمجھتا ہوں۔ میرے شیخ میری یہ بات سن کر ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ وہ لوگ جو اونٹ اور گھوڑوں پر میرے پاس آتے ہیں اور تحفے لاتے ہیں، میں ان کو اپنا دوست اور مرید نہیں سمجھتا بلکہ ان تحفوں کو بھی ان کی طرف سے نہیں سمجھتا، بلکہ واہب حقیقی کی طرف سمجھتا ہوں۔ لیکن میرے حقیقی دوست اور ساتھی تو وہ ہیں کہ جو مجھ سے واقف ہو کر اپنا حصہ لے جاتے ہیں (۳)۔

شیخ کی وفات :

حضرت اخوند درویش نے اپنے شیخ کی وفات کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ۱۵۸۳ ع (۹۹۱ھ) میں میرے شیخ (حضرت سید علی ترمذی

۱۔ تذکرۃ الابرار والاشرار، صفحہ ۱۵۲۔

۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۵۱۔

۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۳۔

نے وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بعد ہی اکبر بادشاہ نے اس علاقے کے لوگوں کی طرف توجہ کی۔ میرے شیخ کا ارادہ کسی وقت بھی اس علاقے میں رہنے کا نہ تھا، لیکن یہاں کے قیام کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آب و دانے کی قید لوہے کی قید سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے۔ اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ آپ کے شیخ حضرت سالار رومی نے بھی میرے شیخ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تمہارا مسکن ”کوہستان“ ہوگا۔ یہ دو چیزیں آپ کو یہاں سے منتقل ہونے میں مانع آتی تھیں۔ اس پر بھی جب کبھی آپ یہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتے تو قبیلے کے لوگ آپ سے بگڑا کر عرض کرتے کہ صرف ایک سال اور قیام فرمالیجیے۔ چوں کہ تقدیر میں اسی خاک میں ملنا مقدر تھا، وہ مجھے بھی یہاں سے جانے سے روکتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد الحمد للہ کہ آپ کی اولاد بھی آپ ہی کے نقش قدم پر ہے، اور درگاہ ذوالجلال سے امید ہے کہ آپ کے خاندان والے کبھی ہوا و بدعت کی طرف مائل نہ ہوں گے (۱)۔

رشد و ہدایت :

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت اخوند درویشا نے اس علاقے میں گمراہیوں کو دور کرنے اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں، اگرچہ شدت دینی کی وجہ سے انہوں نے ان لوگوں پر جو ان سے ذرا بھی اختلاف رکھتے تھے بڑی لعن و طعن کی ہے اور اپنے مخصوص عقاید سے ہر اختلاف کرنے والے کا ذکر نہایت حقارت سے کیا ہے جس کو ہم نے ان کے حالات کے خاتمے پر تفصیل سے پیش کریں گے مگر اس کو ان کی ایک بشری کمزوری کہا جاسکتا ہے، لیکن ان کے خلوص نیت پر کوئی حرف نہیں لایا جاسکتا۔ ہمیں با یزید کے مسئلے میں ان کی رائے سے خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، لیکن ہمیں اس اعتراف میں ذرا بھی باک نہیں کہ افغانوں سے بدعات کے دور کرنے، علم کو عام کرنے، اور طریقت کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے اور روحانی

مطلق العنانی کو دور کرنے میں ان کی زبان اور قلم کا بڑا حصہ ہے۔

گمراہیوں کی جڑ :

وہ اپنی کتابوں میں گمراہیوں کے علل و اسباب بیان کرتے ہوئے ، گمراہیوں کا سب سے بڑا ذمہ دار اپنے زمانے کے صوفیائے خام اور طریقت کی غلط ترجمانی کو بتاتے ہیں ۔ ایک جگہ وہ افغانوں کے ملی زوال کی وجہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

دریں ایام ہر کہ از افغانان دربلائے | اس زمانے میں افغانوں میں سے جو درآمدہ است از پیری و مریدی درآمدہ | بھی بلا میں پھنسا ہے وہ پیری است ۔ | مریدی کے ذریعے سے پھنسا ہے

اپنی مشہور تصنیف ”ارشاد الطالبین“ میں اپنے سوزِ دل کا اظہار کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں

اما بعد یکے از مریدان کمترینہ | اما بعد ایک مریدوں میں سے حضرت شیخ الاسلام والمسلمین | کمترین مرید حضرت شیخ الاسلام وارث علوم انبیاء والمرسلین | والمسلمین وارث علوم انبیاء ومرسلین علی ترمذی یعنی اضعف عباداللہ | شیخ علی ترمذی یعنی اضعف العباد الباری میگوید کہ ... چوں انواع | باری کہتا ہے کہ ... جب کہ اهل الحاد تغلب نموده اند پس ... | قسم قسم کے اهل الحاد نے غلبہ معتقدان و معتمدان مذهب سنت و | حاصل کر لیا ہے ، پس میں نے معتقدان جماعت بل عالمان و عاملان مشرب | و معتمدان مذهب سنت و جماعت شریعت را غریب الغریبہ دیدم ... | کو بلکہ عالموں اور شریعت کے از شدت تعصب دینی روز بروز در | مشرب پر عمل کرنے والوں کو سوز و گداز درآمدم اما از روئے تحقیق | غریب الغریبہ دیکھا ، شدت تعصب نظر کردم کہ سبب تفریق است بہ | دینی کی وجہ سے روز بروز مجھ میں ہفتاد و سہ گروہ چہ می باشد ؟ | سوز و گداز پیدا ہوا ، اور میں نے جز امر شیخوخت مردودہ مبتدعہ | تحقیق کے نقطہ نظر سے اس پر غور چیزے دیگر نیاقم ، زیرا کہ تمامی | کیا کہ تہتر فرقوں میں امت کی افعال و اقوال و احوال شیوخ این | تفریق کا کیا سبب ہے ؟ مجھے

تذکرہ صوفیائے سرحد

زمانہ ایام را مخالفِ قرآن و حدیث و | شیخوختِ مردودہ اور مبتدعہ کے مخالف روایاتِ ائمہ و مخالف حالات | سوا کوئی دوسری چیز میں نے نہ شیوخِ سلفِ دیدم تا ہرکہ تحقیق | پائی، اس لیے کہ میں نے تمام افعال، خواہد پس حالاتِ ابنِ مبتدعان را با | اقوال اور احوال اس زمانے کے حالاتِ صلحاً مے سلف تطبیق نماید - | شیوخ کے مخالفِ قرآن و حدیث اور (ارشاد المریدین قلمی ص ۲) - | مخالف روایات اور آئمہ مخالف حالاتِ شیوخ کے دیکھے -

توسیع علم :

انہوں نے اس کی بھی بڑی جد و جہد کی کہ افغانوں سے جہالت دور ہو، ان میں علم کی روشنی عام ہو، کیوں کہ تمام خویوں کا سرچشمہ علم ہے اور بغیر علم کے مادی اور روحانی ترقیوں کے دروازے انسان پر نہیں کھل سکتے۔ جو لوگ علم کو حجابِ اکبر کہتے تھے، وہ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ قول صحیح ہوتا تو رسول اکرم کیوں ربِ زدنی علماً فرماتے۔

اتباع شریعت :

وہ اپنی تعلیمات میں اتباعِ شریعت پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے پیر و مرشد کو بھی اس بنا پر ٹوکا۔
اخبار الاولیاء میں ہے کہ شیخ علی ترمذی جو سلسلہ چشتیہ صابریہ سے منسلک تھے، سلسلہ چشتیہ کے رواج کے مطابق سماع سنتے تھے، حضرت اخوند درویشا نے اس پر اپنے مرشد کو ٹوکا، اُن کے شیخ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میں کبھی کبھی سماع اس لیے سنتا ہوں کہ سماع کی حالت میں بعض اسرار مجھ پر متکشف ہوتے ہیں لیکن میں اسے ترک کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے پھر کبھی سماع نہیں سنا (۱)۔

اس زمانے میں اس علاقے میں تبلیغِ دین اور احقاقِ حق کے لیے

مناظروں اور مباحثوں کا بہت رواج تھا۔ تحریک روشنائی کے بانی بایزید کو وہ اپنے خیال میں گمراہ، زندقی اور ملحد خیال کرتے تھے۔ آپ نے پیر بایزید اور ان کے حامیوں اور مریدین سے مباحثے اور مناظرے کیے۔ انتہا یہ ہے کہ جب میاں بایزید ہشت نگر میں ٹھہرے ہوئے تھے تو یہ اپنے پیر و مرشد حضرت سید علی غواص کے ماتھ ان کے خیالات کی اصلاح اور انہیں راہ راست پر لانے کے لیے ہشت نگر پہنچے۔ چنانچہ اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب ”مخزن الاسلام“ میں لکھتے ہیں کہ

چون حضرت پیر دستگیر ابن فقیر | جب اس فقیر کے پیر دستگیر،
 شیخ المشایخ والاولیاء، اسیف السنۃ | شیخ المشایخ والا لباء اسیف السنۃ
 سید علی ترمذی درمیان افغانان | سید علی ترمذی افغانان یوسف زئی
 یوسف زئی درموضع بونیر بودہ از | کے درمیان موضع بونیر میں تھے تو
 بایزید خبر یافتہ، دفع دعویٰ اورا | آپ کو بایزید کی خبر ملی۔ آپ نے
 بر خود فرض دید۔۔۔ پس این | اس کے دعوے کی تردید کو اپنے
 فقیر ہم ہمراہ برفتم، اورا چناں در | اوپر فرض جانا۔۔۔ پس یہ فقیر
 دعویٰ خجل ساختم و شرمسار | بھی آپ کے ہمراہ گیا، میں نے اس
 ساختم کہ سخن و دم زدن درحضور | (بایزید) کو اس کے دعوے میں
 نتوانست، تا لقب او را ”پیرتاریک“ | ایسا شرمندہ اور شرمسار کیا کہ وہ
 کردم، و لهذا بکرات و مرات گاہے | حضور کے سامنے دم نہ مار سکا یہاں
 باحضرت پیر و قبلہ و گاہے گاہے | تک کہ میں نے اس کا لقب ”پیرتاریک“
 یتھائی، خود حاضر می شدم، و این | رکھا، اور اکثر و متعدد مرتبہ
 ملحد را خجل ساختم (مخزن اسلام) | کبھی حضرت پیر صاحب قبلہ کے
 ساتھ اور کبھی تنہا میں حاضر ہوتا |
 اور اس ملحد کو شرمندہ کرتا۔

لیکن باوجود انتہائی کوششوں کے حضرت اخوندرویزا کو اس راہ میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خود ان کا بیان ہے کہ اگر میں ایک افغان کو سمجھاتا تو دوسرا اس کے پاس پہنچ جاتا۔

مناظروں میں مہارت :

وہ اپنے شیخ کی مناظروں میں مہارتِ تامہ کو واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جب یہ فقیر اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ان کے جادۂ علم اور مجاہدۂ شریعت مصطفویٰ پر ثابت قدم و مستحکم ہو گیا ، اور ایک طویل زمانے تک رات اور دن ، سفر و حضر میں اپنے شیخ کے فیوض سے مستفیض ہوا ، اس زمانے میں اگر بعض مقامات پر میرے شیخ میرے ساتھ ہوتے تو عموماً بحث و مناظرے کو میرے سپرد فرماتے ، اور بعض مقامات پر جہاں میرے شیخ میرے ساتھ نہ ہوتے تو میں خود ہی بحث و مناظرے کرتا ، یہاں تک کہ میں نے اکثر اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت کو نابود کر دیا ، یہی وجہ ہے کہ سب کے سب اہلِ ہوا میرے دشمن ہیں ورنہ کوئی عداوت میرے اور ان کے درمیان نہیں (۱) -

اسلامی علوم کی اشاعت :

اس علاقے میں علم کی کمی اور گمراہی کو دیکھتے ہوئے ، حضرت اخوند درویشا نے فیصلہ کیا کہ ان گمراہیوں کا علاج اسلامی علوم کے پھیلانے میں ہوشیدہ ہے - چنانچہ انہوں نے پشتو اور فارسی میں کتابیں لکھنی شروع کیں - ان کی تصانیف میں ہمیں حسبِ ذیل کتابوں کا پتہ چلتا ہے -

مخزنِ اسلام : یہ کتاب حضرت اخوند درویشا نے پیرِ روشن کی مشہور کتاب ”خیر الیاب“ کے جواب میں اسی طرح چار زبانوں میں لکھی جیسے کہ پیرِ روشن کی کتاب چار زبانوں میں ہے مخزنِ اسلام مطبع فیض عام دہلی سے شائع ہو چکی ہے - اس کی ضخامت ۱۶۰ صفحات پر ہے - یہ کتاب عقائد و عبادات پر مشتمل ہے ، اس کتاب میں آٹھ ابواب ہیں - اس کا پہلا باب تصوف پر ہے - اس کا دوسرا باب واجباتِ نماز پر ہے ، اس کا تیسرا باب نماز کی سنتوں پر ہے ، اس کا چوتھا باب مستحبات پر ہے ، اس کا پانچواں باب ان چیزوں پر ہے جو نماز میں حرام ہیں ، اس کا چھٹا

باب مکروہات نماز پر ہے اس کا ساتواں باب نماز کے مباح پر ہے ، اس کا آٹھواں باب مفسدات نماز پر ہے ۔

اس کتاب کی وجہ تالیف پر انہوں نے روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ :

اس فقیر کا یہ بھی خیال ہے کہ اس رسالے کا افغانی زبان میں ترجمہ کرے تاکہ افغانوں کو اس سے فائدہ پہنچے ، اس لیے کہ یہ (صوفیائے خام کا) ناموافق گروہ افغانوں میں بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے ، اور بہت سے لوگوں کو انہوں نے راہِ راست سے ہٹا کر گمراہ کر دیا ہے ۔

ایں فقیر نیز میخواہد کہ ترجمہ این رسالہ را بافغانی بیارد ، تا افغانان را فائدہ بود ، از آن کہ این طائفہائے ناموافق در میان افغانان بغایت پراگندہ گشتہ اند ، و اکثر مردم راہ از راہِ راست پیروں بردہ اند (۱)

پھر ایک اور جگہ اس کتاب کی تالیف کی محرکات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ

آج کل اکثر اہل بدعت کے معتقدات افغانوں کے درمیان مشہور و مروج ہیں جو آدم صورت اور شیطان سیرت اور سرکش شیخوں اور پیروں کے واسطے سے پھیلے ہیں ۔

اور ان مسائل کی کثرت اور شیوع کا سبب وہ دنیا دار علماء بھی ہیں کہ جو دنیا کو دین کے عوض حاصل کر رہے ہیں ، اور حق کے

الحال اکثر معتقدات اہل بدعت در میان افغانان مشہور آمدہ ۔ بواسطہ کثرت شیخان پیران متمردان آدم صورت و شیطان سیرت و سبب ازدھام باتمام علمائے دنیاوی کہ دین را ایشان بدنیا طلبیدہ اند وحق پوشیدن خیال کردہ اند ، نعوذ باللہ پس این فقیر میخواہد کہ متن عقائد بلفظ افغانی بیارد تاکہ ہر کہ آن را دریابد و یاد آورد ہرگز

گمراہ نگردد و مبتدع و بے راہ | چھپانے ہی میں اپنی مصلحت
نخواہشد ۔ سمجھتے ہیں ۔

یہ فقیر چاہتا ہے کہ (اس کتاب کے
عقائد کے) متن کو افغانی زبان میں
ترجمہ کرے ، تاکہ جو کوئی اس
کو پالے اور یاد کرے ، وہ
بدعتی اور گمراہ نہ ہو ۔



مخزن اسلام میں بھی انہوں نے صفحہ ۱۴۶ پر ”پیر روشن“ کا تذکرہ
ملحد کے عنوان سے لکھا ہے اور اسے بھی اس کتاب کے لکھنے کا ایک
بڑا محرک بتایا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ”پیر روشن“ پر جو الزامات قائم
کیے ، اور جس کی بنا پر وہ انہیں ملحد سمجھتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

۱ - بایزید کہتا ہے کہ شریعت ، طریقت سے جدا ہے ۔
۲ - خلوت میں وہ اپنے مریدوں کو جس ذکر کی تلقین کرتا ہے ،
وہ خدا کے نام نہیں ہوتے بلکہ بعضوں کو فارسی میں اور بعضوں کو
افغانی زبان میں سخن موزوں کر کے دے دیتا ہے ۔

۳ - وہ ذکر کی آٹھ قسمیں بیان کرتا تھا ۔ جب مرید آٹھویں قسم
سے فارغ ہو جاتا تو اس سے کہتا تھا کہ اب تو شریعت کے اوامر و
نواہی سے فارغ ہو گیا ، اب جو کچھ تجھے ملے کھا اور پی ، وہ حلال و حرام
کی تمیز اٹھا دیتا تھا ۔

۴ - اس ملحد (پیر روشن) نے ایک کتاب تصنیف کی ، جس کا نام
”خیرالبیان“ رکھا ، اور کہتا تھا کہ یہ کتاب قرآن کے مقابلے میں مجھ پر
نازل ہوئی ، اور بہت سے رسائل باب الحاد میں اس نے تصنیف کیے ۔

۵ - پھر اس کی پیغمبری کے دعویٰ کے ثبوت کے طور پر اس کی مہر
کی کندہ کی ہوئی عبارت کو نقل کیا ہے ، جو یہ تھی :
”سبحان الملک الباری ، جدا کرد عالمے نوری از ناری ،
بایزید انصاری“

آخر میں اس عنوان کو ختم کرتے ہوئے دین و ملت کی حالت پر

اظہارِ تاسف کرتے ہوئے لکھا کہ :

اسا از آنجا کہ دین و ملت بے حکمت حکام اسلام تقویت نمی یابد
فائدہ نگردد ، زیرا کہ بادشاہ اسلام نبودہ تا سر او را برند ۔
'مخزن اسلام' کا بڑا حصہ خود حضرت اخوند درویزا نے لکھا ، لیکن
آخر کے دو باب ان کے صاحبزادے مولانا عبدالکریم نے اضافہ کیے (۱) ۔
۲ - ارشاد المریدین - یہ کتاب تصوف کے حقائق و معارف پر ہے ۔
میں نے اس کا ایک خطی نسخہ پشتوا کیڈیمی ، پشاور میں دیکھا ۔ اس
نسخے کا مسطر ۱۵ سطری ہے ، اس کتاب کی وجہ تالیف کو بیان کرتے
ہوئے حضرت اخوند درویزا تحریر فرماتے ہیں کہ :

اما بعد یکے از خویدیمان کمینہ ، و مریدانِ کمترینہ حضرت شیخ
الاسلام و المسلمین ، وارث الانبیاء والمرسلین ، شیخ سید علی
ترمذی یعنی اضعف العباد الباری ، درویزا ننگرہاری ہمی
گوید کہ از کثرت شدتِ تعصبِ دینی روز بروز درگداز و
سوز آسدم (۲)

پاکستان کی ثقافتی تاریخ کے ایک محقق شیخ محمد اکرام نے اس کا
نام 'ارشاد الطالبین' لکھا ہے ، لیکن اس مخطوطے کے صفحہ ۴ پر اس کتاب کا
نام 'ارشاد المریدین' لوام مبتدع لکھا ہے ، پھر کتاب میں اس نام کی
صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

و نامیدم این رسالہ را ارشاد المریدین، و مرتب
گردانیدم بر یک مقدمہ و چند نکتہ و خاتمہ

یہ مخطوطہ ۱۷ اوراق پر مشتمل ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
اس کی تصحیح و کتابت خود ان کے صاحبزادے مولانا عبدالکریم نے فرمائی
تھی ۔ مولانا عبدالکریم نے ، اس مخطوطے کے آخر میں خاتمہ کتاب لکھتے
ہوئے لکھا ہے کہ یہ میرے والد کا چھٹا رسالہ ہے کہ جس کی میں نے

۱ - ماخوذ از مخزن اسلام - صفحہ ۱۴۶ تا ۱۴۹

۲ - ارشاد المریدین قلمی - مملو کہ پشتوا کیڈیمی پشاور

تصحیح کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :

فقیر حقیر کثیرالتقصیر عبدالکریم باندازۃ وقوف خود میخواید
تا تمام رسائل رابصحت رساند۔ این رسالہ ششم است ، آنکہ
این رافع نعال صلاح بصحت رسانیدہ ، وامید از علماء اتقیا
آنکہ بر صحت و فساد این واقف گردند ، بمضمون خذ باصفا دع
ماکدر ، آنچه صحیح یابند... مؤلف مصحح را بدعاے ایمان
و امن از نیران و وصول بچیان و محظوظ آمدن بلقائے رحمان
یادفرمایند ، و آنچه فاسد است بصحت رسانند ، و از برائے
این فقیر آمرزش خوانند ، اللہ تعالیٰ جمیع المؤمنین و مؤمنات
را از زوال نگاہ دارد و مراد اخروی رساند۔ آمین رب العالمین۔
تمت تمام شد (۱)

ہمارا خیال ہے کہ یہ نادر مخطوطہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ، اگر
پشتو اکیڈمی اس کی اشاعت کا جلد اہتمام کرے تو اس کا یہ مستحسن
اقدام علمی دنیا پر ایک احسان عظیم ہوگا۔

۳۔ ارشاد الطالبین :- یہ اخوند درویشا کی ایک اور کتاب ہے ،
جس کا مطبوعہ نسخہ میں نے اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں دیکھا۔
اس کتاب کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویشا نے لکھا:

اما بعد اضعف عباد اللہ ، قدم بوس علماء و درویشاں و ملتس
احوال و فضائل ایشان میگوید کہ از چہار خانوادہ اذن و ارشاد
شیخ المشائخ والاولیاء حضرت سیادت پناہی سید علی ترمذی
رسیدہ بود ، و از او باین قدم بوس شمعہ بمشام کام رسیدہ است ،
پس ناچار است کہ بالتاس فرزندانے چیزی از آن واز عموم
بلوی خواہیم بیان کرد (۲)

یہ کتاب چار ابواب پر اور ہر باب چند فصول پر مشتمل ہے۔

۱۔ ارشاد المریدین قلمی۔ مملوکہ پشتو اکیڈمی۔ ورق ۱۷

۲۔ ارشاد الطالبین۔ ص۔ ۳

پہلے باب میں توحید و ایمان ، وضوء اور نماز وغیرہ کی حقیقت اور فضیلت بیان کی گئی ہے ۔

دوسرے باب میں توبہ ، پیر کامل کی علامات ، علم اور ذکر کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے ۔ تیسرے باب میں سیر و سلوک پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

چوتھے باب میں اخلاقِ حسنہ اور اخلاقِ ذمیمہ کو بیان کیا گیا ہے ۔ یہ کتاب ۵۵۱ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے :

حمدے ییحد و ثنائے یبعد سرائے ذاتے را کہ بتغلب وحدت
از عالم الغیوب کہ اعلائے محبت اوست بذکر ممکنات بنور
ارادت در اراضی واحدیہ کاشت (۱)

اس کا خاتمہ فائدہ تعویذ چشم پر ہوتا ہے ۔ یہ کتاب ۱۲۷۸ء (۱۸۶۱ع) مطبع پشاور سے چھپی ۔

۴۔ تذکرۃ الابرار و الاشرار : یہ حضرت اخوند درویش کا مرتب کیا ہوا ایک معرکۃ الآرا تذکرہ ہے ، جو انہوں نے اسی سال کی عمر میں مرتب کیا تھا ۔ انہوں نے ان تمام اسلامی تحریکات کو دیکھ کر جو ان کی رائے میں اسلام کے عروج و زوال سے متعلق تھیں ، اس تذکرے کو مرتب کیا تھا ۔ پیر بایزید اور ان کے معاونین کو جن کا اثر اس زمانے میں شاہی سرحدی علاقوں پر خاصا تھا ، وہ اسلام کے زوال کا باعث سمجھتے تھے ۔ ان کے علاوہ اس دور میں کچھ اور بھی ایسے علماء ، مشائخ اور پیر موجود تھے جن کے عقائد اور طور و طریقے کو وہ نہایت اخلاص سے اسلامی تعلیمات کے منافی سمجھتے تھے ۔ یہ تذکرہ ان حالات و واقعات کا ایک تفصیلی مرقع ہے کہ کس طرح انہوں نے اور ان کے پیر نے بایزید کا خصوصاً اور دوسرے پیروں دنیا داز اور علمائے سوء کا مقابلہ کیا ، اور عوام کو اپنی تبلیغی جدوجہد سے کس طرح اہل سنت و جماعت کے عقیدے پر مستقیم

کیا، یہ مجموعی تذکرہ تین تذکروں پر مشتمل ہے۔ پہلے تذکرے میں حضرت اخوند درویزا کے پیر حضرت سید علی غواص ترمذی کے حالات و مناقب ہیں۔ دوسرے تذکرے میں افغان کے انساب و قبائل کو بیان کیا گیا ہے اور اسی تذکرے میں حضرت اخوند درویزا نے اپنے حالات بھی جستہ جستہ قلم بند کیے ہیں۔

تیسرے تذکرے میں انہوں نے اپنے زمانے کے مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد کے صوفیائے خام کے حالات دیے ہیں، ضمناً ہر تذکرے میں تصوف اور شریعت کے بعض اہم مسائل بھی قلم بند کیے ہیں، یہ تذکرہ حضرت اخوند درویزا نے ۱۱۲۱ھ میں لکھا تھا۔ جو ۱۳۰۹ھ میں مطبع ہندو پریس سے شائع ہوا۔ یہ مطبوعہ نسخہ ۳۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ہمیں حضرت اخوند درویزا اور آن کے پیر کی سوانح حیات کے وہ ٹکڑے ملتے ہیں، جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتے۔

ان کے علاوہ ان کی دو اور کتابیں تلقین المریدین اور ”تذکرہ اولیاء“ بھی ہیں (۱)۔

شاعری:

اخوند درویزا نہ صرف اہل قلم تھے، بلکہ پشتو زبان کے شاعر بھی تھے۔ میر احمد شاہ رضوانی مرحوم نے اپنی کتاب بہارستان میں ان کی ایک مثنوی صبر کی فضیلت پر نقل کی ہے۔

پشتو زبان و ادب پر اخوند درویزا کے احسانات:

حضرت اخوند درویزا پشتو ادب کے محسنین میں ہیں۔ انہوں نے پشتو زبان کے ارتقاء میں غیر معمولی حصہ لیا ہے۔ انہوں نے پشتو میں کتابیں لکھ کر اس زبان کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا، اس لیے ان کا نام پشتو زبان کے خدمت گزاروں میں ہمیشہ عظمت سے لیا جائے گا (۲)۔

ملاحدہ و زندا قہ :

حضرت اخوند درويزا نے اپنے جن مخالفين کو ملحد و زندیق ٹھیرایا ہے ، ان کے حالات انھوں نے تذکرۃ الابرار والا شرار میں دیے ہیں ۔ ہم ان کے حالات کے کچھ اقتباسات ان کی اسی کتاب سے درج کرتے ہیں تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ صرف ایک بايزيد ہی نہیں بلکہ اس علاقے میں اور بہت سے لوگ بھی تھے جنھیں وہ ملحد زندیق سمجھتے تھے ۔

(۱) - شہباز قلندر :

شہباز قلندر کے متعلق انھوں نے تحریر فرمایا کہ یہ شخص لباس قلندری میں موضع لنگر میں آیا ، اور قبیلے ہنجکزی میں مقیم ہو گیا ، اور ایک مدت کے بعد اس لعین نے اس قبیلے کو ملحد رافضی بنایا ، اور لوگوں کو نماز روزہ اور اوامر شرعیہ سے ہٹا کر ، منیات شرعیہ مثلاً خمر و زنا وغیرہ پر لگایا ۔ اس زمانے میں کہ اکبر ہادشاہ کے خوانین نے یوسف زئیوں کی طرف توجہ کی ، اور انھوں نے موضع لنگر میں قلعہ بنا کر اس موضع کا نام لنگرکوٹ رکھا ، چونکہ وہ اس لعین کی حقیقت سے واقف نہ تھے ، اس لیے اس خبیث کے مقبرے کا نام انھوں نے شہباز گرہ رکھا (۱) ۔

(۲) - پیر پہلوان :

پیر پہلوان کے متعلق انھوں نے لکھا کہ یہ خراسان سے آیا تھا ، اور اس نے قبیلۂ مندثر میں سوات کے موضع چکدرہ میں اقامت اختیار کر کے شادی کر لی ، اور ان میں قواعد و قوانین رفض و الحاد کو پھیلایا ۔ اس کے ماننے والے علی پرست اور خلفائے ثلاثہ کے دشمن ہیں ۔ نماز و روزہ اوامر شرعیہ کو لوگوں پر سے اٹھا دیا ۔ شراب پینے ، زنا کرنے ، داڑھی مونڈانے اور قوانین فسق و فجور کو دین و ملت بنایا ۔ اس لعین و خبیث کا مدفن موضع چکدرہ میں ہے ، (۲) ۔

(۳) - پیر طیب :

پیر طیب کے متعلق لکھا کہ وہ خلعی افغانوں میں سے تھا ، اور مذہب تناسخ کا ماننے والا تھا ۔ اس نے قسم قسم کے ملاہی و مناہی کی طرف اقدام کیا ، اور اپنے متبعین کو اس کی طرف دعوت دی ، لیکن پیر طیب نے آخر عمر میں میرے شیخ (سید علی غواص ترمذی) کے سامنے اور میرے رو برو اعتراف کیا کہ اس نے قسم قسم کی بدعتوں کو لوگوں میں پھیلایا ہے ، اور اب میں تجدید ایمان کرتا ہوں ۔ پس وہ تجدید ایمان ، توبہ اور استغفار سے میرے شیخ کے ہاتھ پر مشرف ہوا ، اور اس کے تھوڑے ہی دن بعد مر گیا ۔

پھر آگے چل کر لکھا کہ معلوم نہیں کہ پیر طیب کا تجدید ایمان اور توبہ و استغفار مقبول بھی ہوا یا نہیں کیوں کہ یہ اس پر منحصر ہے کہ توبہ کے بعد اس نے لوگوں کو اپنے پہلے عقیدے پر عمل کرنے کی دعوت نہ دی ہو (۱) ۔

(۴) - پیر ولی :

پیر ولی کے متعلق لکھا کہ وہ افغانان بڑے میں تھا ، اور کئی قسم کے الحاد کو بڑے اختیار کیے ہوئے تھے ، اور اس نے لوگوں کو دینِ مجددی سے نکال دیا تھا ۔ یہ بھی قبیلہ مندثر میں تھا اور مذہب تناسخ کا اظہار کرتا تھا ، اور کبھی کبھی اس کا ظنِ فاسد اس طرف بھی جاتا تھا کہ ارواح اور نفس حیوانات خدا ہیں ۔

آگے چل کر اپنے اور پیر ولی کے ایک مناظرے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا کہ میں اور پیر ولی ایک مجمع میں موجود تھے۔ میں نے اس کے ارواح اور نفس حیوانات کو خدا کہنے پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس قسم کے اقوال سے انسان کافر ہو جاتا ہے ۔ اس نے اس کے جواب میں ”انا الحق“ ”و سبحانی“ کلمات کفر و الحاد جواب میں پیش کیے ۔ اتفاق سے اسی وقت نماز کا وقت آگیا ، اور مومنین کی ایک کثیر جماعت نے میری پیروی کی ، لیکن

اس متمرّد نے اپنے متبعین کو میری اقتدا سے منع کیا ۔

میرے بعد اس نے نماز پڑھی اور اس کے متبعین نے اس کی اقتدا کی ۔ میں نے نماز کے بعد اس سے کہا کہ تمام کتب اسلامیہ میں ہے کہ اس قسم کے کلمات کفر والحاد اگر بشارات عقل و ہوش و حواس کہے جائیں تو کافر ہو جائے گا ، اور اس کے لیے تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح ضروری ہے ، اور اگر نشے اور یخودی میں کہے تو بے ہوشی اور نشہ ناقص وضو ہیں ، اور جب نماز کو بے وضو ادا کرے گا تب بھی کافر ہو جائے گا ۔ میری اس دلیل پر وہ بے حیا اس قدر لاجواب ہوا کہ کچھ نہ کہہ سکا ۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے قاضی جلال سے سنا ہے کہ عوام کا خدا آسمان پر ہے ، اور خواص کا خدا مومنوں کے دل میں ہے ، نعوذ باللہ من کفر ہم ۔ پھر میں نے کہا کہ اے غبی بے فصاحت اور اے دنی بے دیانت کفر اور اسلام میں فرق یہ ہے کہ اہل اسلام انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے دلائل سے وحدانیت صانع بیچون کے قائل ہیں ، اور اعتقاد فاسد کافروں کا یہ ہے کہ صانع مصنوعات کے متعدد ہونے چاہئیں ، پس تو اپنے آپ کو زمرۂ مسلمانوں میں شمار کرتا ہے یا مجمع کفار میں ، باوجود اس کے کہ تو اپنے آپ کو درویش کہتا ہے ، اور درویشوں نے وحدانیت کے لیے ہمیشہ خون جگر کھایا ہے ۔ میری اس تقریر پر وہ بے حد شرمندہ ہوا ، اور اس فقیر کو چونکہ ظاہری طاقت نہ تھی ، اس لیے میں اس کی مجلس سے اٹھ گیا ، اور اس متمرّد کی اولاد نے بھی اپنے باپ کے طریقے پر کفر اختیار کیا (۱) ۔

(۵) ۔ کریم داد : کریم داد کے متعلق لکھا کہ وہ ملحد بھی افغان غرغشتی میں سے تھا ، اور مندڑ قبیلے کے لوگوں میں رہتا تھا ، اور قسم قسم کے الحاد کو اختیار کیے ہوئے تھا (۲) ۔

(۶) ۔ شیخ الیاس : شیخ الیاس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ وہ بھی قبیلہ مندڑ میں تھا ، اس نے زہد و ریاضت ، مجاہدۂ نفس اور اعمال

۱ ۔ ماخوذ از ”تذکرۃ الابرار“ والا شرار“ ۔ صفحہ ۱۶۳-۱۶۴

۲ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۱۶۴

کو اپنا شعار بنایا ، یہاں تک کے مدتوں کھانا پینا ترک کر دیا ، لیکن چونکہ وہ تاریکیوں میں علم کی شمع نہیں رکھتا تھا اور کوئی شیخ محقق رام سلوک میں اس کا رہبر نہ تھا اور علماء و اقیاء کی صحبت میں نہ بیٹھتا تھا ، اس لیے چاہے ضلالت میں اوندھے منہ گر پڑا اور جنوں کے تابع ہو گیا۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ دن پیر ولی کی صحبت میں گزارے اس لیے ملحد و مرتد ہو گیا۔ اس کے متبعین تارک صلوٰۃ و صیام اور مانع خیر و زکوٰۃ ہوئے ، مذہب جبریہ کو اختیار کر کے زنا کر گئے میں ڈال کر کافر اور منکر بعث ہوئے۔ مختصر یہ کہ شیخ الیاس کبھی کبھی اس فقیر کے پاس بیٹھتا تھا اور نصیحتیں اور عقائد اہل سنت و جماعت کو مجھ سے سنتا رہتا تھا۔ ایک مبارک وقت میں میری اور اس کی ملاقات ہوئی۔ میں نے سابقہ تعارف کی بنا پر عقائد اہل سنت و جماعت اور تقدیر کے مفہوم کو اسے سمجھایا اور اسے مذہب جبریہ اور قدریہ کے اتباع سے روکا اور اُسے بتایا کہ تمام امور آخرت ، بعث ، حشر و نشر کو حق ماننا چاہیے۔ اس کے علاوہ میں نے اس کو کچھ اور نصیحتیں بھی کیں ، یہاں تک کہ وہ میرا معتقد ہو کر نائب ہو گیا۔ اگر وہ اپنے متبعین کی قومیت میں گرفتار نہ ہوا تو بخشا جائے گا۔

ہم نے 'تذکرۃ الابرار' و الاشرار سے ، یہ چند اشارے کے حالات یہاں نقل کر دیے ہیں۔ ان بیانات سے ہمیں حضرت اخوند درویش کی شدت دینی اور مزاج کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے مسلک کے ہر مخالف کو ملحد و زندق اور کافر ٹھیرایا ہے ، یہاں تک کہ جن لوگوں نے ان کے پیر کے سامنے توبہ و تجدید ایمان بھی کی ، ان کے متعلق بھی وہ مطمئن نہیں ہو پاتے۔

بایزید کی مخالفت میں تو وہ اس قدر سخت ہیں کہ جب یوسف زئیوں نے بایزید کی وفات کے بعد اس کی جماعت کے مال و اسباب کو لوٹ لیا اور ان کے مال کو مال غنیمت سمجھا ، ان کی عورتوں اور لڑکوں کو غلام بنایا اور ان کی جماعت کو منتشر کر دیا تو انہوں نے اس پر شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا الحمد للہ کیا ہی سعادت ہے ان لوگوں کی کہ حق

سجانبہ کی توفیق اور تائید ربانی سے ان کا یہ عمل موافق اعمال خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کردار کے مطابق ہوا، امید ہے کہ وہ اپنے اس عمل پر بہترین جزائے اخروی پائیں گے۔ پھر آگے چل کر مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اگر (بایزید کی) یہ سرکش جماعت مرتد بھی نہ ہوتی تو ان کا مال غصب کر لینا ان مسلمانوں کے لیے جائز تھا کیونکہ ان کی جانب سے ظلم کی ابتداء ہوئی تھی، کیونکہ وہ تمام لوگوں کو خواہ کافر ہو یا مسلمان قتل کرتے تھے اور مسلمانوں کے مال کو لوٹتے تھے اور ان کے بال بچوں کو قیدی بناتے تھے، اگر وہ اپنے اس عمل کو جائز سمجھتے تھے تو وہ کافر تھے اور اگر وہ ناجائز سمجھ کر بھی یہ عمل کرتے تھے، تب بھی مسلمانوں پر فرض و لازم تھا کہ وہ جنگ کر کے ان کو ہلاک کر دیں اور ان کا جو مال ان کے ہاتھ پڑے وہ ان کے لیے مباح ہے، اس باب میں کسی امام نے اختلاف نہیں کیا (۱)۔

جب بایزید کی ہڈیاں جلائی گئیں اور ان کی بیوی کو ایک ڈوم کے حوالے کیا گیا تاکہ وہ ان کو باندی بنا کر ان سے متمتع ہو تو اس پر بھی حضرت اخوند درویزا نے کسی تاسف کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ فتویٰ دیا کہ ان مرتدوں کی عورتیں اور بچے مال غنیمت ہیں اور ان کی تقسیم خاندانوں میں جائز ہے (۲)۔

پیر بایزید کی مخالفت میں وہ اس قدر آگے بڑھے کہ باوجود اس عظمت و جلالت شان کے انہوں نے اس کے اندرونی حالات کے تجسس سے بھی گریز نہیں کیا۔ ”تذکرۃ الابرار والاشرار“ میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ

ایں فقیر شیخ از شبہا در ہشت نفر | یہ فقیر ہشت نگر میں ایک رات اس
مہان اوبود چون از عادات فقیر از | کا مہان تھا۔ چونکہ اس فقیر کی

۱۔ ”تذکرۃ الابرار والاشرار“۔ صفحہ ۱۵۶-۱۵۷

۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۵۵-۱۵۶

عادت اول عمر سے اب آخر عمر تک یہ ہے کہ شب بیدار رہتا ہے۔ اس رات اس کے تجسس حالات کے لیے اور بھی زیادہ بیدار تھا، اس فقیر اور اس کی خواب گاہ کے درمیان ایک لطیف پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تمام رات اپنی بیوی کے ساتھ خواب میں رہا جب صبح طلوع ہوئی تو بستر خواب سے اٹھا کپڑے پہنے، نہ غسل کیا نہ وضو، یہاں تک کہ آکر مسجد میں بیٹھ گیا، پھر اس کے متبعین آئے، اور فجر کی نماز میں مشغول ہو گئے، اور اس فقیر نے تنہا نماز پڑھی۔

اول عمر تا باخر ہمیں کہ شب بیدار می باشد، در آن شب ہنوز بقصد تجسس احوال او بیدار تر بودم، چون درمیان فقیر و خواب گاہ او پردہ لطیف بود دریاقتم کہ تمام شب باعروس خود در خواب بودہ۔ چون صبح دمید از بستر خواب برخاستہ جامہا پوشیدہ، نے غسل بجا آوردہ و نہ وضو، تا آمدہ در مسجد نشست، بعدہ اتباع او در رسیدند و بہ نماز بامداد مشغول گشتند، و این فقیر تنہا نماز را بجا آوردہ (۱)

چونکہ ایک شدید جذبہ مخالفت حضرت اخوند درویش کے قلب میں ہائیزید کے متعلق پیدا ہو گیا تھا اس لیے اس کی خوبیوں میں بھی وہ ایک ریا کاری کا پہلو پاتے تھے۔ وہ اس کے اتباع قرآن اور حدیث نبوی پر چلنے کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

یہ ملعون اور اس کے متبعین قرآن ربانی اور احادیث نبوی کے منکر ہیں، لیکن اس بنا پر تا کہ عوام کو شکار کریں، آیت و احادیث زبان سے پڑھتے ہیں، چونکہ یہ کفار مکرو تلبیس سے بھرے ہوئے ہیں بعض اوقات ظاہر شریعت پر عمل کرتے ہیں، اور باطن میں

این ملعون و اتباع او از قرآن ربانی و احادیث نبوی منکر اند، اما از برائے تا عوام ایام را صید خود کنند آیت و احادیث بر زبان رانند، چہ این کفار مملوء از مکر و تلبیس اند، در بعضی اوقات بر ظاہر شریعت روند و در باطن بر کفر حقیقی معتقد

میباشند (۱) -

کفر حقیقی کے معتقد ہیں -

انہیں اس کی محتاط زندگی میں بھی جسے تقویٰ و تقدس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ، اس کا مکر و تلبیس نظر آتا ہے - ایک جگہ وہ بایزید کے ابتدائی حالات کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

| | |
|---|---|
| <p>یہ ملعون ابتدائے احوال میں پشاور میں سبز گھاس کو بھی نہ کاٹتا تھا اور چھوٹی کو بھی پاؤں تلے نہ لاتا تھا اور اپنے متبعین کو اسی کا حکم دیتا تھا ، یہ سب کچھ اس کا مکر و تلبیس تھا -</p> | <p>ایں ملعون در ابتداء احوال در پر شور گیا ہے سبز را نہ بریدے و سپش را نہ کشتے و مورچہ را نہ پا نہ آوردے ، و اتباع خویش را چنین امر کر دے این همه از مکر و تلبیس او بود (۲)</p> |
|---|---|

اس کی طویل عبادت اور نماز میں بھی وہ اس کی خامیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

| | |
|---|--|
| <p>یہ ملعون ابتدائے احوال میں زوال آفتاب کے بعد نماز ظہر کے لیے کھڑا ہوتا ، اور آخر وقت میں اس سے فارغ ہوتا ، اور بعد نماز ظہر کے دوسری نماز شروع کرتا ، اور غروب تک پڑھتا رہتا ، علیٰ ہذا القیاس قیام و قعود ، رکوع اور سجدہ مخالف شریعت بجا لاتا ، لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ بے طہارت کے بجا لاتا تھا -</p> | <p>ایں ملعون در بدء احوال بعد از زوال بہ نماز پیش قیام نمودے ، تا بہ آخر وقت از آل فارغ گشتے ، و بعد از ظہر نماز دیگر شروع کردے تا غروب از آن فارغ آمدے ، و علیٰ ہذا القیاس قیام و قعود و رکوع و سجدہ مخالف شریعت بجا آوردے اما از روئے تحقیق بے طہارت بجا آوردے (۳)</p> |
|---|--|

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت آئینے کی طرح سامنے آتی ہے کہ حضرت اخوند درویش اپنے مسلک پر بہت پختہ تھے ، اور اپنے مسلک کے

۱ - تذکرۃ الابرار والاشرار ص - ۱۵۰

۲ - ایضاً ص - ۱۵۰

۳ - ایضاً - صفحہ ۱۵۵ -



تذکرہ صوفیائے سرحد

مخالفین کے بارے میں وہ اس قدر سخت تھے کہ وہ اپنے عقیدے کی ذرا سی بھی مخالفت برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ہمیں ان کی تحریروں سے ان کے مزاج اور ان کے شدت دینی کے سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ ہم حضرت اخوند درویزا کے تمام احترامات کے باوجود اپنے آپ کو بایزید کے کفر والحاد و زندقیت کے بارے میں ان سے متفق نہیں پاتے، اور اس قسم کے تمام اقوال کو جو انھوں نے بایزید کے بارے میں کہے ہیں ان کے شدید جذبہ دینی پر محمول کرتے ہیں۔

وفات :

حضرت اخوند درویزا آخر عمر میں علاقہ یوسف زئی سے نکل کر پشاور میں مقیم ہو گئے تھے۔ انھوں نے ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ع) میں عہد شاہجہانی میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک پشاور میں موضع ہزار خانی کے قریب مرجع خاص وعام ہے (۱)۔

صاحب ”خزینۃ الاصفیاء“ نے حسب ذیل قطعے میں ان کی تاریخ وفات

کہی ہے :

ز دنیا رفت در فردوس والا

چو آن در ویزا درویش معظم

ز والی رضا جو ارتحالش

بخوان درویزا معشوق مکرم (۲)

۱۰۴۸ھ

اولاد :

حضرت اخوند درویزا کے صاحبزادوں کی تعداد اور ان کے نام ہمیں ”ملا صفی اللہ کی کتاب نظم الدور فی سلک السیر میں ملتے ہیں، نظم الدور

۱۔ رود کوثر - صفحہ ۳۷۰ و خزینۃ الاصفیاء جلد اول - صفحہ

۳۷۱ -

۲۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول - صفحہ ۳۷۲ -

میں ہے کہ جب ملا امیر کوٹہ سوات جاتے ہوئے موضع کنبو پہنچے جہاں حضرت اخوند درویشا کے صاحبزادے اخوند کریم داد کا مزار ہے ، جو شہید بابا کے نام سے مشہور ہیں تو آپ نے رات وہاں گزاری ۔ ۹ صفر کو صبح کی نماز کے بعد ملا کوٹہ صاحب اخوند کریم داد کے مزار کی زیارت کے لیے گئے ، اور وہاں بیٹھ کر مراقبہ کیا ۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد شہید بابا کی قبر کے متصل حلیم بابا کی جو قبر ہے ، اس کے متعلق لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے ؟ ایک شخص نے کہا کہ یہ شہید بابا کے نواسے کی قبر ہے ۔ پھر آپ نے پوچھا کہ حضرت اخوند درویشا کے کتنے صاحبزادے تھے ؟ اس شخص نے کہا کہ آپ کے تین صاحبزادے تھے ، ایک اخوند کریم داد جو شہید بابا کے نام سے مشہور ہیں ، جن کا یہ مزار ہے ، دوسرے میاں پایندہ بھد ، ان کا مزار موضع ادین زئی میں ہے ، تیسرے میاں عبداللہ ، ان کا مزار اسلام پور میں ہے ، اور یہ عبداللہ حلیم میاں عبداللہ کے صاحبزادے ہیں (۱) ۔

منسلقہ طریقت :

ہم اس قبل (صفحہ ۶۴ تا ۶۷) پر حضرت اخوند درویشا کے پر حضرت سید علی غواص کے ضمن میں ان کے چاروں طریقت کے سلسلے نقل کر چکے ہیں ۔ حضرت سید علی غواص کا سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے توسط سے آگے بڑھتا ہے ۔ اس لیے حضرت اخوند درویشا کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہوا ۔ ممکن ہے کہ حضرت سید علی غواص نے حضرت شیخ نظام الدین تھانیسری سے بھی بیعت کی ہو اور ان کا سلسلہ چشتیہ صابریہ بھی ہو ، مگر سوائے خزینۃ الاصفیاء کی روایت کے ہمیں اساسی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا ، واللہ اعلم بالصواب ۔

۱۔ نظم الدور فی سلک السیر - تالیف ملاصفی اللہ (فارسی) ، مطبوعہ مطبع فاروق دہلی - صفحہ ۱۸۵-۱۸۶ ۔

(۷)

میان ابو بکر پٹھاری

حالات :

میان ابوبکر دانشمند پٹھاری اپنے دور کے جلیل القدر عالم ، فقیہ ، صاحبِ تقویٰ و تقدس بزرگ تھے ۔ اخوند درویشا ان کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر ثبات و استقامت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

| | |
|------------------------------------|------------------------------------|
| در ادائے امر معروف و نہی منکر چنان | وہ اداۓ امر معروف اور نہی |
| مستحکم بود و مبہم کہ در ہیچ | عن المنکر میں اس قدر مضبوط اور اٹل |
| او ان رعایت خاطر مہتران و کہتران | تھے کہ اس معاملے میں کسی جگہ اور |
| دنیا نمودے ۔ | کسی موقع پر بھی دنیا کے بڑوں اور |
| | چھوٹوں کی رعایت نہ کرتے تھے ۔ |

اظہار حق :

اظہار حق میں وہ اس قدر جری اور بیباک تھے کہ حق کے کہنے میں وہ بڑی سے بڑی طاقت سے مرعوب نہ ہوتے تھے ، یہاں تک کہ سید خاں ککر جس کے علاقے میں وہ رہتے تھے ۔ وہ انواع و اقسام کے تحائف و ہدایا لے کر آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا ۔ آپ اسے دور ہی سے دیکھ کر کافر کہ کر خطاب فرماتے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سید خاں ککر نے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کیا تھا جو شریعت اسلامیہ میں حرام ہے اور فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ جو شخص زن محرمہ کو اپنے نکاح میں رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے ، اس لیے کہ حرام پر مداومت بغیر حلال سمجھے نہیں کر سکتا اور حرام کو حلال ماننا کفر ہے ۔

اتباع سنت :

بے حد متبع سنت تھے ، اتباع سنت کا یہ عالم تھا اگر کسی کے فعل یا عمل کو خلاف سنت ہاتے تو اس کی ملاقات سے بھی احتراز فرماتے ۔

ایک دفعہ آپ موضع بیلوت تشریف لے گئے۔ جب اس موضع کے قریب پہنچے تو کچھ دیر آرام کے لیے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اس موضع کے سادات کو جب آپ کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو میان عبدالرحمان جو اس موضع کے بڑے آدمی تھے، سادات کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے جب ان لوگوں کو دور سے آتا ہوا دیکھا تو اشارے سے وہیں روک دیا۔ نہ کسی سے ملاقات کی اور نہ معانقہ اور مصافحہ کیا۔ ان لوگوں نے آپ سے خفگی کی وجہ پوچھی تو فرمایا بات یہ ہے کہ تم نے پاجامے اور آستینوں میں حدودِ شریعت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ شاید تمہیں اس معاملے میں اس وعید کی خبر نہیں کہ جو حدیث نبوی میں ہے۔ پھر آپ نے قینچی لے کر ان کی آستینوں اور پاجاموں کو حدِ شرعی تک کاٹ دیا، اس کے بعد ان سے مصافحہ فرمایا۔

عبادت و ریاضت:

میاں ابوبکر کا بڑا وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ وہ رات کو برہنہ سر دو رکعت نماز پڑھتے اور ہر رکعت میں ایک ہزار بار سورۃ فاتحہ پڑھتے، اس کے علاوہ شب و روز ریاضتوں اور عبادتوں میں مشغول رہتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اس قدر سخت تھے کہ کسی بے نمازی اور بدعتی کو اپنے شہر میں نہ رہنے دیتے۔

فضائل و مناقب:

ان کے فضائل و مناقب کی مدح سرائی کرتے ہوئے اخوند درویش لکھتے ہیں کہ وہ تصوف اور سلوک میں عمل اور قول کے اعتبار سے وحید العصر تھے۔ انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ میرے شیخ سید علی غواص ترمذی کے قدموں میں بسر کیا تھا اور علومِ معرفت میں میرے شیخ سے استفادہ کیا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے تین سو ذکر، سند اور صحیح تصور و فکر کے ساتھ میرے شیخ سے حاصل کیے تھے (۱)۔

۱۔ میاں ابوبکر پٹھاری کے یہ تمام حالات ”تذکرۃ الابرار و الاشرار“

صفحہ ۲۱۲ = ۲۱۷ سے ماخوذ ہیں۔

(۸)

شیخ نور محمد پشاوری

حالات :

شیخ نور محمد پشاوری ، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور بزرگ حضرت آدم ربّوری کے جلیل القدر خلفاء اور اصحاب میں ہیں ۔ وہ اپنے زمانے میں ترک و تجرید ، عزلت ، سخاوت اور شجاعت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے ۔ انہوں نے ابتدائے جوانی میں لاہور اور سلطان پور میں علوم ظاہری کی تحصیل کی اور حصول علم کے بعد شیخ آدم ربّوری کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دست حق پر بیعت کی اور ریاضتوں و مجاہدوں کے بعد درجہ کمال پر فائز ہوئے ۔

رشد و ہدایت :

انہوں نے یوسف زئی علاقے میں رشد و ہدایت کے چراغ کو روشن کیا اور ان کی بدولت یوسف زئی قبیلے کے بہت سے لوگ درجہ ولایت کو پہنچے ۔

وفات :

شیخ نور محمد نے ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ ع) میں وفات پائی ۔ اس شعر سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے :

ندا شد فیض حقانی وصالش

۱۰۵۹

دگر مشکل کشا نور محمد

۱۰۵۹

اولاد :

شیخ نور محمد کی اولاد اور ان کے مرید اب تک اواج پشاور میں موجود ہیں (۱)۔

۱۔ یہ تمام تفصیل ”خزینۃ الامقیاء“ جلد اول ، صفحہ ۶۳۶ سے
ماخوذ ہے۔

(۹)

حضرت شیخ رحمکار حضرت کا صاحب

نام و لقب :

مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد میں صدیاں گزر جانے پر آج بھی جن بزرگوں کی عظمت و شہرت کو ثبت دوام حاصل ہے ، ان میں خاندان اویسیہ و سہروردیہ کے روشن چراغ حضرت شیخ رحمکار حضرت کا کا صاحب کا نام نمایاں نظر آتا ہے ۔

آپ کا اصلی نام کستیر گل ہے ، لیکن آپ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک ، مخلوقِ خدا پر شفقت کی وجہ سے ”رحمکار“ کے لقب سے اس طرح مشہور ہوئے کہ اوگ آپ کا اصل نام بھول گئے ، اور چوں کہ آپ کی عظمت اور بزرگی کا نقش ہر ایک کے قلب پر بیٹھا ہوا تھا ، اس لیے آپ ”کا کا صاحب“ کے خطاب سے بھی مشہور ہوئے۔ ”کا کا“ پشتو زبان میں بزرگ اور محترم کو کہتے ہیں ۔ اسی خطاب کی بنا پر آپ کی اولاد بھی آئندہ چل کر ”کا کا خیل“ کے نام سے موسوم ہوئی ۔ مقامات قطبیہ میں ہے ۔

نامہائے حضرت ایشاں آن کہ اشہر خلق بود شیخ رحمکار و شیخ رامکار و کستری و کستر بوقف را بود ، و کثیر الناس نیز اورا کا کا گفتندے و بعض از مردم مغلیہ اورا شیخ رحمان کار خواندے (۱) ۔

حضرت شیخ رحمکار حسینی سادات میں سے ہیں ، آپ کا سلسلہ نسب تیس ۲۳ واسطوں سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ہے ۔

اجداد :

دسویں صدی ہجری کے اوائل میں آپ کے اجداد میں سے سید آدم نامی ایک بزرگ علاقہ خوست سے تشریف لا کر علاقہ کوھاٹ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ انہوں نے موضع کربوغہ علاقہ کوھاٹ میں وفات پائی، اور کربوغہ میں آج بھی ان کا مزار ”آدم بابا“ کے نام سے مرجع خاص و عام ہے۔

سید آدم کے صاحبزادے سید غالب جو ”غالب بابا“ کے نام سے بھی مشہور ہیں، اپنے والد کی وفات کے بعد موضع کربوغہ سے کسی وجہ سے ترک سکونت کر کے علاقہ خوڑہ تحصیل نوشہرہ میں مقیم ہو گئے۔ سید غالب ایک صاحب حال بزرگ تھے، طریقت میں سلسلہ سہروردیہ (۱) ان کا آبائی طریقہ تھا لیکن انہوں نے ہندوستان جا کر اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہو کر اس سلسلے کے فیوض و برکات بھی حاصل کیے تھے، سید غالب نے خوڑہ ہی میں وفات پائی، ان کا مزار علاقہ خوڑہ میں مرویہ نامی گاؤں کے قریب چھاؤنی چراٹ کی بلند پہاڑی کے نیچے ۳ یا ۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

سید غالب کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سید نادر صاحب جو مست بابا کے نام سے مشہور ہیں، وہ وہاں سے تھوڑی دور منتقل ہو کر شہال کی طرف آ کر پہاڑیوں میں مقیم ہو گئے، اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔ سید نادر کا مزار زیارت کا صاحب سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہی سید نادر حضرت شیخ رحمکار کے دادا ہیں۔

-
- ۱۔ سہرورد ایک مقام کا نام ہے، جو عراق کے اندر ہمدان و زنجان کے درمیان واقع تھا۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین ابو نجیب، اور ان کے پیر شیخ وجیہ الدین سہرورد کے رہنے والے تھے، اس لیے ان کے سلسلے کو سہروردیہ کہتے ہیں۔
(ماخوذ از فٹ نوٹ ”بزم صوفیہ“۔ صفحہ ۷۸۹)

نسب :

حضرت شیخ رحمکار کے اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کو خاندانی اعتبار سے سید لکھا ہے لیکن جس وقت ہم یہ سطور لکھ رہے تھے ہمیں اپنے محترم دوست پیر محمد شارق اسسٹنٹ ایڈیٹر اباسین کی بدولت سابق صوبہ سرحد کے ایک محقق جناب محمد سرفراز خاں خٹک عقاب کا ایک رسالہ ”کا کا صاحب“ ملا ، جس میں موصوف نے حضرت شیخ رحمکار کے نسب پر خاص ریسرچ اور تحقیق کر کے اس رسالے کو لکھا ہے ۔ عقاب صاحب کا خیال ہے کہ شیخ رحمکار سید نہیں تھے ، بلکہ آپ کا نسبی تعلق قوم خٹک سے ہے ۔ انہوں نے اپنے اس دعوے کے لیے جو دلائل پیش کیے ہیں ، ان میں سب سے پہلے آپ کا شجرہ نسب ہے (۱) ۔ عقاب صاحب کا خیال ہے کہ حضرت شیخ رحمکار کے جد اعلیٰ شیخ آدم جن کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے ، خواست سے نہیں آئے تھے بلکہ وہ کربو غہ میں اپنے ہم قبیلہ بٹی خیلوں کے ساتھ رہتے تھے ، انہوں نے وہیں وفات پائی ، اور وہیں ان کا مزار موجود ہے (۲) ، شیخ آدم کے والد کا نام ’یسین تھا ، اور انہیں کے نام پر ان کی اولاد ’یسین خیل کہلاتی ہے اور انہیں کی رعایت سے صاحب ”تاریخ مرصع“ اور صاحب ”حالات کوھاٹ“ نے حضرت شیخ رحمکار کو ’یسین خیل خٹک لکھا ہے (۳) ، وہ اپنی اس دلیل کو قوی کرنے کے لیے ان قراین کو بھی نظر انداز نہیں کرتے جو حضرت شیخ رحمکار کے خٹک ہونے کے مدد بن سکتے ہیں ، وہ لکھتے ہیں کہ آج بھی ’یسین خیل ، مناہی ، سرور خیل اور تنگی وغیرہ گاؤں میں آباد ہیں ، اور خود حضرت شیخ رحمکار کا پرانا مکان بھی علاقہ ’یسین خیل میں آباد ہے (۴) ، وہ کہتے ہیں کہ جو حضرت شیخ رحمکار کے نسباً سید ہونے کے مدعی ہیں وہ اس ’یسین کو جو آپ کے

۱ - رسالہ کا کا صاحب ص - ۱۶

۲ - ایضاً ص - ۶۶

۳ - ایضاً ص - ۲۷

۴ - ایضاً ص - ۲۷

جد اعلیٰ شیخ آدم کے باپ ہیں اور قبیلہ خٹک سے تعلق رکھتے ہیں ، اس
ایسین نامی شخص سے خلط ملط کر دیتے ہیں جو نسباً سید اور بخاری تھا ،
اور پشین کے یسین زئی سیدوں کا مورث اعلیٰ تھا ۔ لیکن افسوس ہے
کہ یسین زئیوں اور یسین خیلوں کے شجرے بالکل مختلف ہیں ۔ پھر انہوں
نے اپنے استاد میں حضرت شیخ رحمکار کے بھائیوں شیخ حیات خاں اور
شیخ عفان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ زیارت کا کا صاحب کے نواحی
دیہات میں آج بھی شیخ اتان (شیخ حیات) اور شیخ عفان کی اولاد ”ایک خیل“ کے
نام سے موجود ہے ، جو اپنے آپ کو خٹک کہتے ہیں ، پھر انہوں نے اپنے
دعوے کی دلیل میں بعض کتابوں کے حوالے دیے ہیں جن میں آپ کو
خٹک لکھا گیا ۔ ان کتابوں میں ”فلاح الانساب“ ، قلمی تالیف سید محمد شاہ
جس کا نسخہ میانگن کے پاس موجود ہے ، اور جو سابق صوبہ سرحد کے
اصلی اور نقلی سیدوں کا تذکرہ ہے ، اس کے صفحہ ۲۱۱ کے حوالے سے یہ
عبارت نقل کی ہے کہ :

”شیخ رحمکار کی اولاد دعویٰ رکھتی ہے کہ ہم امام حسین رضہ اور
امام حسین رضہ کی اولاد سے ہیں، اور سید ہیں، یہ خالص جھوٹ
ہے ، اور ان کا یہ دعویٰ غلط ہے ، اس لیے کہ شیخ رحمکار ایک
خٹک تھے“ (۱) ۔

پھر انہوں نے میجر رگو کی کتاب صفحہ ۹۳ اور ڈلف مرے کی کتاب
صفحہ ۹۹ اور روز جلد ۲ صفحہ ۵۲ اور میگل کریکر جلد ۲۔ صفحہ ۹۰ سے اور
فقیر جمیل بیگ ند درویش اور عبدالحلیم صاحب کی ”مقامات قطبیہ“ صفحہ ۱۵۶
کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ سب حضرات شیخ رحمکار کو خٹک
لکھتے ہیں ۔

انہوں نے اس سے بھی بحث کی ہے کہ شیخ رحمکار کونسا سادات
بنانے کے کیا وجوہ تھے۔ وہ ان کے سید بنانے کا الزام صاحب ”مجمع البرکات“
پر لگاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

تذکرہ صوفیائے سرحد

”جمع البرکات“ ہی وہ کتاب ہے، جس میں محرم ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ع) میں پہلی مرتبہ آپ کو سید لکھا، اور کئی لوگوں کی گمراہی کا سبب بنی۔ پنجاب کے بعد پشاور میں بندوبست ہونے والا تھا، عوام میں مالیے، معافیوں، انعامات کی بخششیں گرم تھیں، سادات اور آستانہ داروں کو معافیاں ملنے کا امکان تھا، سید عبداللہ شاہ معتقد کا صاحب نے آپ کی اولاد کو سید ثابت کرنے کی سوچی، اور بیٹھ کر جلد از جلد ”جمع البرکات“ مرتب کر ڈالی، لیکن چونکہ ایک جھوٹ ثابت کرنے کے لیے سو اور جھوٹ کہنے پڑتے ہیں، اس لیے اس کی کتاب بھی جھوٹ کا پلندا بن کر رہ گئی (۱)۔

عقاب صاحب نے جو کچھ لکھا تاریخ اور تحقیق کے نقطہ نظر سے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ حضرت شیخ رحمکار خواہ سید ہوں یا خٹک ان کی عظمت اور شہرت کا دار مدار ان کے سید اور خٹک ہونے پر نہیں، بلکہ ان کی شرف و مجد کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے اتقاء اور پرہیزگاری ہی نے ان کو اس مرتبہ عالی پر فائز کیا کہ آج دو سو باسٹھ سال گزرنے پر بھی اہل نظر ان کے تذکرے کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں، اور ویسے بھی وہ جس راہ پر گامزن تھے، اس راہ کے راہی کے متعلق عارف جامی (۲) نے یہ فیصلہ دے کر:

بندۂ عشق شدی توک نسب کن ”جامی“

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

۱۔ رسالہ کا کا صاحب - صفحہ ۳۳۔

۲۔ مولانا جامی کا نام عبد الرحمن، لقب عماد الدین و نور الدین، تخلص جامی تھا۔ آپ کے والد کا نام احمد بن دشتی تھا۔ آپ کی ولادت جام میں شعبان ۸۱۷ھ کو ہوئی۔ مولانا جامی عارف کامل اور علوم ظاہری و باطنی کے ماهر اور جامع تھے اور حضرت (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۳ پر)

ہمیشہ کے لیے حسب و نسب کی بحث کو ختم کر دیا ہے ، لہذا ہم بھی اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں ۔
مست بابا کے صاحبزادے سید بہادر تھے ، جو ”ایک صاحب“ کے نام سے بھی مشہور ہوئے ۔ صاحب ”مجمع البرکات“ نے ان کے نام بہادر کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

”جون در زمان کودکی امور خلائق
از ایشاں کشادہ شدند ، از آن
ویرا حضرت پدر بہادر خاں خواند ،
یعنی مرد شجاع ۔“
جب بچپن ہی کے زمانے میں ان
سے مخلوق کے کام نکلنے لگے ، تو
اس کی وجہ سے ان کو ان کے والد
نے بہادر خاں کہہ کر پکارا ، یعنی
مرد شجاع ۔

سید بہادر ایک عابد و زاہد بزرگ تھے ، اور اپنے دور کے اقطاب میں ان کا شمار ہوتا تھا ۔ انہیں کے صاحبزادے حضرت شیخ رحمکار ہیں جو سابق صوبہ سوحد کے افق پر آفتاب ہدایت بن کر تاباں ہوئے ، اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۲)

سعد الدین کاشغری کے ارشد مریدین میں تھے ۔ زمانہ طفولیت میں جب آپ خراسان میں تھے تو خواجہ محمد پارسا کی صحبت میں ایک عرصے تک رہے ۔ خواجہ احرار قدس سرہ کو بھی آپ سے بڑی عقیدت تھی ، اور وہ آپ کا بڑا احترام کرتے تھے ۔ چنانچہ انتہائی عقیدت اور محبت میں اپنے مکاتیب کو جو آپ کو لکھتے تھے لفظ عرضداشت سے تعبیر کرتے تھے ، اور فرمایا کرتے تھے کہ خراسان میں ایک آفتاب ہے ، پھر لوگ چراغ کی روشنی میں ماوراء النہر کیوں آتے ہیں ؟ مولانا جامی کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۴۴۷ ہے ۔ آپ نے ۸۱ سال کی عمر میں ۱۸ محرم بروز جمعہ ۵۸۹۸ھ میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار خیابان ہرات میں ہے (ماخوذ از ”سقیۃ الاولیاء“ ۔ داراشکوہ قادری ۔ ”تذکرہ مولانا عبد الرحمان جامی“)

اس سارے علاقے کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور بنادیا ۔
ولادت :

شیخ رحمکار کی ولادت با سعادت ۳ شعبان یا یکم رمضان کو ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ع) میں ہوئی ۔ آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد محترم قصبہ زیارت کا صاحب سے جانب جنوب چھ میل کے فاصلے پر جنگل میں مقیم تھے ۔ جناب مجدد سرفراز خان خٹک عقاب نے جو سابق صوبہ سرحد کی ثقافتی اور روحانی تاریخ کے محققین میں سے ایک ہیں اپنے رسالے ”کا کا صاحب“ میں آپ کے سنہ ولادت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ سب لوگ ”تاریخ مرصع“ سے خوشحال کی بیاض خاص سے نقل کی ہوئی عبارت کی بنا پر کہ بتاریخ ۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ بروز جمعہ ، جمعہ کے خطبے کے وقت جب خطیب نے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا تو حضرت شیخ رحمکار کی روح نے اس قالب جسمانی کو خالی کر دیا ۔ اس وقت شیخ کی عمر قریب اسی سال کے پہنچ چکی تھی ۔ آپ کا سن ولادت آپ کی عمر کے بیاسی سال منہا کر کے ۹۸۳ھ قرار دیتے ہیں ، حالانکہ آپ کے ایک مرید فقیر جمیل بیگ نے اپنی کتاب ”تذکرۃ الاولیاء“ میں لکھا ہے کہ شیخ ملی نے جو شیخ رحمکار کے خاص مرید تھے مجھ سے کہا کہ ہمارے مرشد نے اپنی زندگی کے بیاسی سالوں میں چار من اور چار سیر مختلف قسم کا غلہ یعنی جو اور جوار وغیرہ کھایا تھا ۔ اس روایت کی بنا پر عقاب صاحب کا خیال ہے کہ آپ کا سن ولادت ۹۸۱ھ ہے ، اور خوشحال خان خٹک کی روایت کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ لوگوں نے اس عبارت سے سن ولادت متعین کرتے ہوئے لفظ قریب کو نظر انداز کر دیا ہے جو خود تخمینے یا اندازے کو ظاہر کرتا ہے (۱)۔

تعلیم :

علوم ظاہری میں جن بزرگوں نے آپ کے جوہر قابل کو جلا بخشی افسوس ہے کہ ہمیں ان کا تفصیلی تذکرہ کہیں نہیں ملتا ، لیکن یہ

حقیقت ہے کہ شیخ رحمکار بارہ تیرہ سال کی عمر میں ہی علوم متداولہ کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے ، تفسیر و حدیث سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا ، اور تفسیر و حدیث کی تقریباً اٹھارہ کتابیں ہر وقت آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں ۔

حکیم محمد امجد مرحوم نے اپنی کتاب ”تاریخ زیارت کا کا صاحب“ میں آپ کے ایک استاد اخون دین صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

| | |
|--|--|
| <p>انہوں نے اس وجہ سے شہرت</p> <p>پائی کہ جناب اخ الدین یا اخون دین</p> <p>کا کا صاحب کے استاد ہیں ۔</p> | <p>ازیں جہت تشہیر یافتہ کہ</p> <p>جناب اخ الدین یا اخون الدین</p> <p>صاحب ، استاد کا کا صاحب است</p> |
|--|--|

تاریخ زیارت کا کا صاحب میں بحوالہ ”مجموعۃ الخطب“ منقول ہے کہ اخون دین صاحب ، صاحب علم و فضل و بزرگ تھے ۔ وہ حصول معرفت و سلوک کے لیے حضرت شیخ رحمکار کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔ چند روز کے بعد انہوں نے واپس جانے کی اجازت چاہی ، مگر آپ نے اجازت نہ دی ، مگر وہ بغیر اجازت ہی روانہ ہو گئے ۔ آخر انہیں شیخ کی کرامت سے واپس آنا پڑا ۔ اخون الدین صاحب نے واپسی کے بعد آپ سے درخواست کی کہ اگر آپ مشکوٰۃ شریف کے چند سبق مجھ سے پڑھ لیں تو یہ میرے لیے موجب تسکین ہوگا ۔ حضرت شیخ رحمکار نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی ، اور مشکوٰۃ شریف کے چند اسباق ان سے پڑھ لیے ۔

میلہ میں قیام:

اپنے والد کی وفات کے تین سال بعد آپ میلہ تشریف لائے ، اور ایک چشمے کے قریب قیام فرما کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے ۔ آہستہ آہستہ اس علاقے میں آپ کی عبادت و ریاضت کی شہرت پھیلی اور لوگوں کا عجم ہونے لگا ۔ دور دور سے لوگ طلب حق میں آپ کے آستانے پر حاضر ہوتے اور رشد و ہدایت سے فیض یاب ہو کر جاتے ۔

اکبر کی عقیدت :

”مجمع البرکات“ کے بعض اندراجات سے پتہ چلتا ہے کہ جس زمانے میں اکبر بادشاہ دہلی سے پشاور آیا تو اس نے نوشہرہ میں آپ سے ملاقات

تذکرہ صوفیائے سرحد

کی اور نہایت عقیدت سے پیش آیا اور آپ سے گزارش کی کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے غیر اللہ سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ جب وہ رخصت ہونے لگا تو آپ کو اٹک تک اپنے ساتھ لے گیا اور وہاں سے اس نے آپ کو نہایت عزت و احترام سے واپس کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس نے انکار کے باوجود علاقہ خٹک اور اتمان بلاق آپ کو جاگیر میں دیا، لیکن آپ نے وہ جاگیر پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خاں خٹک کے والد شہباز خاں خٹک کو دے دی جو ان کے مرید تھے۔

بیعت :

شیخ رحمکار کے تذکرہ نگاروں نے آپ کا سلسلہ طریقت اویسی بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ

| | |
|---|--|
| <p>حضرت شیخ (رحمکار) کا طریقہ اویسی تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آپ کا مربی تھا آپ کے قول صریح سے آپ کا یہ طریقہ اویسی معلوم ہوا ہے آپ اس طریقہ اویسی کو ہر ایک پر ظاہر نہیں فرماتے تھے اور نہ کسی سے کہتے</p> | <p>”و طریقہ شیخ اویسی (۱) بود ، ونور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مربی و از قول صریح او قدس سرہ این طریقہ اویسی معلوم شدہ است ، حضرت ایشاں طریقہ اویسی بہر کم ظاہر نمی کرد و نمی گفت ، از جہت آنکہ از اسرار است و سر اسرار اولیٰ تر است۔“</p> |
|---|--|

۱۔ اویسیہ طریقے کے سلسلے میں ابوالفضل نے ”آئین اکبری“ میں لکھا کہ یہ مرتبہ بزرگ (ولایت) بجز خدا کی مدد یا قسمت کے حاصل نہیں ہوتا، اگرچہ بیشتر یہ مرتبہ بالواسطہ یعنی مرشد کی امداد سے حاصل ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات بلاواسطہ بھی اس مرتبے تک پہنچتے ہیں۔ قسم ثانی کے اولیاء کو اویسی کہتے ہیں۔ ماخوذ از ترجمہ ”آئین اکبری“ جلد دوم۔

تھے ، اس لیے کہ وہ اسرار میں سے
ہے ، اور اسرار کا چھپانا زیادہ بہتر ہے ۔

”مقامات قطبیہ“ میں ہے ۔ اویسی طریقہ داشت ، نوازش زنبی یافت (۱)
اویسی طریقے کا طالب براہ راست فیضان نبوی سے مستفید ہوتا ہے ،
لیکن ”جمع البرکات“ میں ہے کہ اویسی طریقے کے علاوہ آپ سلسلہ
سہروردیہ میں اپنے والد سے بیعت تھے ۔
”مقامات قطبیہ“ میں ہے کہ

اگرچہ میں نے حضرت سے نہیں
سنا ، لیکن آپ کے غیر معمولی
ادب اور بہت تعریف کی وجہ سے ،
اور مزار پر انوار پر جانے کی وجہ
سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ وہ
طریقہ سہروردی میں اپنے والد شیخ
بہادر سے بھی نسبت رکھتے تھے ۔
اور آپ کے صریح قول سے آپ کا
اویسی ہونا معلوم نہیں ہوتا ہے ۔

”واذ قول حضرت ایشاں نشنیدہ
ام لیکن از آداب و مدح بسیار ،
و رفتن بسوئے مزار پر انوار
بخطا میرسد کہ بطریقہ سہروردی
از جانب پدر خود شیخ بہادر ہم
نسبتے دارد (۲) و از قول صریح او
قدس سرہ ، طریقہ اویسی معلوم نشدہ
است (۲) ۔“

”جمع البرکات“ میں ہمیں وثوق کے ساتھ اس کی تصریح ملتی ہے کہ
آپ نے یقینی طور پر سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد سے بیعت کی تھی ،
”جمع البرکات“ میں کے کہ

انہوں نے یعنی (شیخ رحمکار)
قدس سرہ ، باتفاق مشائخ اور ارباب
عرفان ذی تحقیق و علماء ذی تدقیق
کسی سے بیعت نہیں کی تھی سوائے
اپنے والد بزرگوار کے ۔

”ایشاں قدس سرہ ، بہ اتفاق مشائخ
وارباب عرفان ذی تحقیق و علماء ذی
تدقیق نزد هیچ کس بیعت نکرد ،
غیر از پدر بزرگوار خود ۔“

صاحب ”مجمع البرکات“ کا خیال ہے کہ آپ کے والد شیخ بہادر سلسلہ چشتیہ میں شیخ محمد جعفر لاہوری چشتی سے بیعت تھے۔ ان کا خیال ہے کہ سلسلہ چشتیہ میں بھی آپ کی بیعت و خلافت ہوگی۔

جناب سرفراز صاحب عقاب مؤلف رسالہ ”کا کا صاحب“ نے حضرت شیخ رحمکار کے طریقت اور ان کے مرشد کے متعلق بحث کرتے ہوئے مختلف کتابوں کے حوالے سے لکھا کہ ”مراقبات رحمکار“ کی منقبت نمبر ۲۳ میں آپ کا طریقہ اویسیہ اور منقبت نمبر ۸ میں قلندریہ لکھا ہے۔ ”مقامات قطبیہ“ سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ سہروردیہ تھا (۱)۔ اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ کا پر کون تھا۔ آپ کے مختلف تذکرہ نگاروں نے آپ کے مختلف پیر بتائے ہیں، مثلاً اخوند اسمعیل (۲) نے جو آپ کے مرید ہیں ۱۰۷۹ھ میں اپنی کتاب ”مناقب رحمکار“ میں منقبت نمبر ۱۶ میں شیخ حسن بیگ کے حوالے سے جو آپ کے مریدوں میں سے ایک تھے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ رحمکار اپنے پیر دستگر پیر سباک کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے (۳) ان کے ۶۷ سال بعد ”قصۃ المشائخ“ کے مؤلف نے اپنی کتاب ”قصۃ المشائخ“ میں لکھا کہ پیر سباک کے بہت سے مرید تھے، چنانچہ شیخ رحمکار خٹک، جن کا مزار حدود خٹک میں ہے اور جو کامل

۱۔ ”کا کا صاحب“۔ صفحہ ۵۳

۲۔ اخوند اسمعیل مصنف ”مراقبات رحمکار“ حضرت شیخ رحمکار کے مریدوں میں تھے، چہار باغ سوات کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام شاہ ویس تھا انھوں نے فارسی نثر اور نظم میں ۱۰۷۹ھ (۱۶۶۸ع) اور ۱۰۸۶ھ کے درمیان ”مراقبات رحمکار“ لکھی جو ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ حضرت شیخ رحمکار کے مناقب پر سب سے قدیم اور مستند کتاب ہے۔ اس میں اخوند اسمعیل کے بیٹے مظفر کی دو نظمیں بھی شامل ہیں (ماخوذ از رسالہ ”کا کا صاحب“۔ تالیف محمد سرفراز خان عقاب صفحہ ۶

۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۶۸

اکمل پیر تھے سباک کے صحابہ میں سے ایک تھے (۱) میر احمد شاہ رضوانی، صاحب ”تحفۃ الاولیاء“ نے آپ کا پیر اخوند پنجو با با کو بتایا ہے (۲)، مجدد درویش نے اپنی کتاب ”تحفۃ السالکین“ میں آپ کے پیر کا نام حاجی بہادر کوھاٹ لکھا ہے ، وہ لکھتے ہیں کہ :

”ایک دن ایک شخص نے میرے مخدوم (حاجی بہادر کوھاٹ) کی مجلس میں یہ بات شروع کی کہ مشائخ پناہ..... شیخ رحمکار خٹک نے لوگوں میں فقر کا ہنگامہ برپا کر دیا ہے اور خٹک ، یوسف زئی اور پشاور وغیرہ کے سب لوگ ان کے پاس طلب اور باطنی کمالات حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں۔“

یہ سن کر ایک ساعت خاموش رہے... ایک گھنٹے کے بعد..... اخوند اللہ داد قوم او ان... کو بلایا اور اس سے کہا کل اس شخص کے پاس جاؤ اور... اسے کہو کہ... تم نے لوگوں کی تلقین اور ارشاد کی راہ اختیار کی ہے اور طالبان حق کو اپنا مرید بناتے ہو ، حالانکہ ظاہر میں تمہارا پیر اور مرشد نہیں ہے..... اور پیر طریقت کے اذن اور اجازت کے بغیر پیری کرنی جائز اور روا نہیں ، جو کوئی ظاہری پیر اور مرشد نہیں رکھتا ، وہ اویسی کہلاتا ہے ، ان کے لیے ارشاد اور تعلیم لینے اور دینے کا راستہ بند ہے ، کیوں کہ طالبان حق کو ان سے فائدہ نہیں ملتا... اور تم اویسیوں کے گروہ سے ہو... اس خیال اور اشغال سے اجتناب کرو ۔

جب اس نے یہ سنا... تو نعرہ لگایا کہ... چاہیے کہ تم میں سے ہر شخص رخصت ہو جائے ۔ اس پر سب لوگ جو وہاں جمع تھے تتر بتر ہو گئے۔ بیس پچیس دن کے بعد اللہ داد

۱ - مآخوذ از رسالہ کا کا صاحب تالیف مجدد سرفراز خان عقاب

صفحہ ۴۷

۲ - ایضاً - صفحہ ۴۲

کو دوبارہ اس کے پاس بھیجا اور دعا اور توجہ کرنے کی اجازت دے دی۔۔۔ تب شیخ رحمکار نے پھر زور سے نعرہ لگایا کہ کوھاٹ کے صاحب نے مجھے اذن اور اجازت دی ہے۔۔۔ آؤ ممانعت نہیں ہے۔

”تحفۃ السالکین“ کے آخر میں جو اشعار ہیں، ان میں حاجی بہادر صاحب کوھاٹ کے مریدوں کا ذکر ہے، ان میں سے ایک شعر یہ ہے:

شیخ رحمکار عاشق و صادق

ہم ازو بہرہ یافت شد لائق (۱)

حضرت شیخ رحمکار کے صاحبزادے شیخ عبدالحلیم نے اپنی کتاب ”مقامات قطبیہ“ میں آپ کو اویسی لکھا ہے اور آپ کے والد کے مزار پر زیادہ آمد و رفت دیکھ کر اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ شیخ رحمکار سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد کے مرید تھے۔ پھر شیخ عبدالحلیم نے اس قرینے کو بھی اپنی دلیل بنایا ہے کہ جب وہ اپنے والد کا نام لیتے تو نہایت ادب سے لیتے اور ان کو ریشتی (راست گو) کہتے تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

| | |
|----------------------------------|------------------------------|
| ”ہر گاہ چوں نام پدر خود قطب | جب کبھی وہ اپنے والد قطب |
| عالم شیخ بہادر صاحب یاد میکردے | عالم شیخ بہادر کو یاد کرتے، |
| بطریق ادب یاد میکردے، و او | نہایت ادب سے یاد کرتے، ان کو |
| را ریشتی (راست گو) می گفتے۔ (۲)“ | ریشتی (راست گو) کہتے۔ |

عقاب صاحب نے اپنے رسالے ”کا کا صاحب“ میں حضرت شیخ رحمکار کے سلسلہ طریقت اور مرشد کے متعلق ان تمام اختلافات و اقوال کو نقل کرتے ہوئے صاحب ”تحفۃ السالکین“ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا کہ وہ ان تمام روایت و اقوال کو دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضرت شیخ رحمکار، حضرت شیخ حاجی بہادر کوھاٹ کے ماذون تھے، لیکن چونکہ

۱۔ رسالہ ”کا کا صاحب“ صفحہ ۵۰-۵۱۔

۲۔ ”مقامات قطبیہ“ باب اول صفحہ ۲۱۔

آپ کو حاجی بہادر سے اذن تھا اور آپ نے ان سے طریقہ حاصل نہیں کیا تھا، اس لیے حاجی بہادر کے سلسلے کے مطابق آپ نقشبندی نہ تھے۔ لیکن عقاب صاحب کے ان دلائل کے باوجود ہم اپنے آپ کو ان کا ہم خیال نہیں باتے، بلکہ ہم آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالحلیم صاحب "مقامات قطبیہ" کے اس قیاس کو ترجیح دیتے ہیں کہ حضرت شیخ رحمکار اپنے والد کی جانب سے سلسلہ سہروردیہ میں ماذون تھے۔ چونکہ شیخ عبدالحلیم آپ کے صاحبزادے ہیں، صاحب علم و فضل اور صاحب تقویٰ ہیں ایک بیٹے سے زیادہ اپنے باپ کے حالات کو اور کون جان سکتا ہے، اس لیے ہم انہیں کے قیاس کو قرین قیاس سمجھتے ہیں۔ پھر ہمارا یہ قیاس، یقین کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے، جب کہ آپ کے ایک اور معتقد سید عبداللہ شاہ مؤلف "مجمع البرکات" کی روایت صراحت سے ہمیں اس قیاس کی تائید میں ملتی ہے جسے ہم گزشتہ اوراق میں نقل کر آئے ہیں، جس میں واضح طور سے مذکور ہے کہ حضرت شیخ رحمکار اپنے والد سے بیعت تھے۔

عشق الہی :

حضرت شیخ رحمکار عشق الہی سے سرشار اور مقام عبدیت کی انتہائی منزل پر فائز تھے۔ وہ اس منزل کے کیف اور لذتوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے :

حضرت شیخ (رحمکار) کے خصوصی الفاظ میں سے یہ ایک تھا جو سہرانی کی بنا پر بہت سے لوگوں سے کہتے تھے کہ میں نے شیخی شیخوں کو اور سلوک سالکوں کو اور تصوف صوفیوں کو بخش دیا، اور میں اس پر ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی بندگی کی زنجیر میری گردن میں ڈال دے اور حق تعالیٰ

این لفظ از خواص حضرت ایشان بود کہ از روئے سہرانی با بسیار کسان میگفتند کہ شیخی بہ شیخان بخشیدم، پیری بہ پیران بخشیدم و سلوک بہ سالکان بخشیدم و تصوف بہ صوفیان بخشیدم و من بر آئم کہ اللہ تبارک و تعالیٰ زنجیر بندہ گری در گردن من انداختہ و او تعالیٰ این زنجیر از گردنم بدر

نگردانند (۱)

یہ زنجیر میری گردن سے نہ نکالے

شیخ عبدالحلم صاحب "مقامات قطبیہ" نے ان کو شہبازِ اوج و عشق و محبت اور شہسوارِ میدانِ عبودیت بتاتے ہوئے لکھا کہ :

حضرت شیخ المشائخ ہمارے شیخ
کو مقام عبودیت حاصل ہو چکا تھا
اور یقینِ کامل اور صدقِ دل کی
منزل آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور
راہِ حقیقت آپ پر کھل چکی تھی۔
آپ عشق و محبت کی بلندیوں کے
شہباز تھے۔

حضرت شیخ المشائخ شیخنا را
طے مقام عبودیت حاصل شدہ و
یقین کامل و صدق دل اورا روئے
دادہ و راہ حقیقت بر او کشادہ و
شہباز اوج عشق و محبت بود (۲)

آگے چل کر لکھا ہے کہ

حضرت شیخ المشائخ ہمارے شیخ
قدس سرہ میدانِ عبودیت کے شہسوار
تھے۔

حضرت شیخ المشائخ شیخنا
قدس سرہ شہسوار میدانِ عبودیت
و صدق و یقین بودہ (۳)۔

استغنا و بے نیازی :

استغنا و بے نیازی حضرت شیخ رحمکار کا امتیازی وصف تھا۔ وہ نہ
صرف خود دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز رہتے تھے بلکہ اپنے مریدوں کو
بھی اس کی نصیحت فرماتے۔ "مقامات قطبیہ" میں ہے کہ :

حضرت شیخ (رحمکار) دنیا کی محبت
ترک کیے ہوئے تھے۔ ایک مرید سے
قسم کھا کر فرمایا کہ سونا اور
چاندی میرے دل میں پتھر کے
برابر ہے۔

حضرت ایشان ترک حب دنیا
کردہ بودند۔ یک مرید را زبانِ
مبارک قسم ظاہر نمود کہ زر سرخ
و سفید در دل من برابر سنگ
است (۴)

۱۔ مقامات قطبیہ - صفحہ ۱۹

۲۔ ایضاً صفحہ ۱۱۱

۳۔ ایضاً صفحہ ۱۱۲

۴۔ ایضاً - صفحہ ۱۵۹

اپنے مریدین کو بھی استغنا اور بے نیازی کی تعلیم دیتے تھے کہ وہ دنیا سے بے نیاز ہو کر آخرت کی زندگی کو اپنا مقصدِ اعلیٰ بنائیں۔ ”مقاماتِ قطبیہ“ میں ہے کہ :

| | |
|------------------------------------|-----------------------------------|
| حضرت ایشاں بعض اصحابِ خود | آپ اپنے بعض اصحاب کو باطن |
| را در باطن از کار دنیا میداشتند کہ | میں کارِ دنیا سے روکا کرتے تھے کہ |
| در بودن دنیا هیچ فائدہ نیست (۱) | محض دنیا کے دھندوں میں پڑ جانے |
| | سے کوئی فائدہ نہیں۔ |

ایک مرتبہ شیخ دریا خاں چمکنی (۲) جو آپ کے جلیل القدر خلفاء

۱۔ مقاماتِ قطبیہ صفحہ ۱۱۱

۲۔ شیخ دریا خاں چمکنی ایک رئیس تھے۔ امارت کو چھوڑ کر فقر کی طرف مائل ہوئے۔ پہلے حضرت سید آدم بنوری کے حلقہٴ اردات میں داخل ہوئے، پھر حضرت شیخ رحمکار سے بیعت ہو کر خرقہٴ خلافت حاصل کیا (ماخوذ از تذکرہٴ شیخ رحمکار صفحہ ۱۳۴) مقاماتِ قطبیہ میں ہے کہ شیخ دریا چمکنی نے آپ سے حج کی اجازت طلب کی، لیکن آپ نے اجازت نہ دی پھر وہ چند دن کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی اور کچھ دور تک ان کو رخصت کرنے کے لیے گئے۔ جب رخصت کر کے لوٹنے لگے تو فرمایا کہ یہ دیکھنا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دیکھنا ہے۔ شیخ دریا خاں حج کے لیے چلے گئے۔ جب وہ حج کر کے واپس ہوئے تو انہیں راستے میں حضرت شیخ کی رحلت کی خبر ملی۔ انہیں آپ کا وہ قول یاد آیا کہ چلتے وقت آپ نے فرمایا تھا کہ یہ دیکھنا تو قیامت کا دیکھنا معلوم ہوتا ہے۔ انہیں اس وقت اندازہ ہوا کہ ان کے شیخ نے ان کو اس طرح دائمی طور پر رخصت کیا تھا۔

(مقاماتِ قطبیہ - صفحہ ۱۵۱ - ۱۵۲)

تذکرہ صوفیائے سرحد

میں تھے آپ کی خدمت میں کچھ مٹھائی لے کر حاضر ہوئے۔ جب انہوں نے آپ کی خدمت میں پیش کی تو فرمایا کہ :

مرتبہ دیگر این میار کہ عاشقانِ خدا
را باین خاشاک کار نیست (۱)
دوسری مرتبہ یہ مت لے کر آؤ کہ
عاشقانِ خدا کو خس و خاشاک سے
کیا واسطہ ۔

تواضع و انکسار :

اس مرتبہ عالی پر فائز ہونے کے باوجود آپ بے حد متواضع اور منکسر المزاج تھے ۔ ”مقامات قطبیہ“ میں ہے کہ :

حضرت شیخ المشائخ شیخنا قدس
سرہ کثیر المتواضع بود و از کہر و
خودی بالکل منقطع بود (۲)۔
حضرت شیخ قدس سرہ بہت متواضع
اور کہر و خودی سے بالکل منقطع
تھے ۔

علم و فضل :

علوم رسمہ و شرعیہ میں بھی آپ آفتابِ علم تھے ۔ تقریباً پچیس سال تک آپ تحصیلِ علم میں مصروف رہ کر علم و فضل کا درخشاں آفتاب بنے ۔ علومِ قرآنیہ سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا ۔ ”مقامات قطبیہ“ میں ہے کہ :

حضرت شیخنا در دقائق و اسرار
معانی قرآنِ سرے و در کثرتِ عظیم
داشت ۔
ہمارے شیخ قرآن مجید کے معانی کی
باریکیوں اور قرآن مجید کے اسرار کے
سمجھنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے ۔

قرآن مجید کی تفاسیر کے مطالعے کا بھی غیر معمولی ذوق تھا ۔ تفسیر و حدیث اور فقہ و اصولِ فقہ کی تقریباً اٹھارہ کتابیں ہر وقت آپ کے پاس رہتی تھیں ۔ ”تفسیر بحر المعانی“ کو بے حد پسند فرماتے تھے ۔ ان اٹھارہ کتابوں کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ :

این تعلیم ظاہری فقیر است ۔ | یہ فقیر کی ظاہر تعلیم ہے ۔

۱ - مقاماتِ قطبیہ صفحہ ۱۲۲

۲ - ایضاً صفحہ ۸۶

کبھی فرماتے کہ :

مرا این چراغها است ، به روشنی
اینها می روم و می کنم و می
دارم ، آنچه دروے هست و اجتناب
ورزم آن کہ در آن ممنوع است (۱)
میرے لیے یہ کتابیں چراغ ہیں ۔ میں
ان کی روشنی میں چل رہا ہوں اور
اس پر عمل کرتا ہوں جس پر ان میں
عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور
ان سے اجتناب اختیار کرتا ہوں جن
سے ان میں روکا گیا ہے ۔

عملی طور سے جہاں آپ دریائے تصوف کے شناور تھے ، وہیں ایک
عالمِ علوم تصوف کی حیثیت سے بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا ۔ ”مقامات قطبیہ“
میں ہے کہ :

حضرت ایشاں را در علم الیقین
و حق الیقین و عین الیقین حظ عظیم
و علم کامل بود ، دریں مقامات درک
وافر میداشت ، زیرا کہ طے ہمہ
مقامات کردہ ، و ہمہ را دیدہ و
منظور و محفوظ آہا بودند (۲) ۔
حضرت علم الیقین ، حق الیقین اور
عین الیقین میں بڑا حصہ رکھتے تھے
اور آپ کا علم کامل تھا اور ان
مقامات میں بڑا درک رکھتے تھے ،
کیونکہ آپ نے یہ تمام مقامات طے کیے
تھے اور ہر ایک کو دیکھا تھا اور
ان سے حظ حاصل کیا تھا ۔

تعلیم و تعلّم سے خاص ذوق تھا ۔ آپ کی نگرانی و اہتمام میں سات
مدرسے قائم تھے ۔ ان میں سے تین مدرسوں میں قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی
تھی اور چار مدرسوں میں مختلف فنون پڑھائے جاتے تھے ۔
تذکیر و وعظ :

حضرت شیخ رحمکار کے نظام اصلاح و تربیت میں تذکیر و وعظ کو
بڑی اہمیت حاصل تھی ۔ آپ کے مواعظ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ،
حکمت و موعظت کا ایک گنجینہ ہوتے تھے ۔ اثر و تاثیر کا یہ عالم تھا

تذکرہ صولیائے مرحلہ

کہ ”مقامات قطبیہ“ میں ہے کہ آپ کے وعظ میں ایک خاص اثر تھا ، جس سے سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا ۔

شیخ عبدالعلیم مؤلف ”مقامات قطبیہ“ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ رحمکار نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ وعظ کہو ، میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق منبر پر بیٹھ کر وعظ کیا ، قرآن مجید اور احادیث نبوی کے مطالب و نکات نہایت دل آویز طریقے پر بیان کیے ، لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے سحرِ خطابت نے سامعین کو بالکل متاثر نہیں کیا ۔ میں اپنا وعظ ختم کر کے منبر پر سے اُترا اور آپ منبر پر تشریف لائے ۔ خطبہ ماثورہ پڑھنے کے بعد ابھی آپ نے زبان مبارک سے دو چار کلمے ہی ادا فرمائے تھے کہ مجمع کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی ، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نمناک نہ ہو ۔ پھر دوسرے ہفتے بھی آپ نے وعظ فرمایا اور اس دن بھی یہی حالت ہوئی ۔ رات کو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت ! اس کی کیا وجہ ہے کہ میں نے اس دن وعظ کیا لیکن میں کسی کو بھی متاثر نہ کر سکا اور آپ نے دونوں دفعہ چند کلمات ارشاد فرمائے اور مجمع بے قرار ہو گیا ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :

| | |
|-----------------------------------|-----------------------------------|
| اے فرزند ! تو ہرچہ گفتی و گوئی | اے فرزند تم نے جو کچھ کہا ہے |
| سخناں از خود گوئی و بزبان خود | اور جو کچھ کہتے ہو ، اپنی زبان سے |
| میگوئی ، ہرچہ داری ، و فقیر بزبان | کہتے ہو جو کچھ رکھتے ہو اور |
| غیر گوید (۱) | فقیر کسی اور کی طرف سے کہتا ہے ۔ |

عادت مبارک تھی کہ جمعہ اور پنجشنبہ کے روز اشراق کے وقت سے لے کر چاشت کے وقت تک وعظ فرماتے تھے ، جس میں علماء اور اہل سلوک شریک ہوتے تھے ۔ اس مجلس میں عام لوگ شریک نہیں ہو سکتے تھے ۔ جمعہ کی نماز کے بعد جو وعظ فرماتے تھے ، وہ بہت ہی عام فہم اور سلیس زبان میں ہوتا تھا ۔ اس میں سب شریک ہوتے ۔ اس وعظ میں آپ ترغیب و تربیت کے مسائل اور ضروری دینی مسائل پیش فرماتے تھے ۔ یہ وعظ کبھی

عصر کی نماز تک اور کبھی ذرا اس سے پہلے تک جاری رہتا ۔
آپ کے مواعظ ہمیشہ پشتو زبان میں ہوتے تھے ، لیکن اگر کوئی دوسری زبان کا شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ اسی کی زبان میں اس کو جواب دیتے اور اس سے اس طرح گفتگو فرماتے گویا اس زبان کے اہل زبان میں ہیں ۔ صاحب "المجمع النیرات" نے آپ کے مختلف زبانوں کی سہارت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا کہ :

| | |
|---------------------------------|-----------------------------------|
| در دنیا زبانے نبود کہ بایشان | دنیا میں کوئی زبان ایسی نہ تھی کہ |
| نیامده و حضرت به همه مطلع بود، | آپ کو نہ آتی ہو ، حضرت تمام |
| به هر زبان سخنان فرموده تو گوئی | زبانوں سے واقف تھے اور ہر زبان |
| کہ خاصه از اهل این زبان است ۔ | میں اس طرح باتیں کرتے تھے کہ تم |
| | سمجھو گے گویا آپ خاص اس زبان |
| | کے اہل زبان میں ہیں ۔ |

اخفا :

| | |
|--|----------------------------------|
| حضرت شیخ رحمکار اخفائے حال کو پسند فرماتے تھے ، شہرت اور لوگوں کے ہجوم سے گریز کرتے تھے ۔ "مقامات قطبیہ" میں ہے کہ : | مدتے چند ہر کسے کہ بزیارت |
| او آمدے خوراک طعام وغیرہ | ایک مدت تک جو کوئی بھی آپ |
| نہمیدادے تا شاید کہ ایشان منع | کی زیارت کو آتا اس کو کھانا اور |
| شوند ، پس زائرین توشہ و زاد ہمراہ | خوراک وغیرہ نہیں دیتے تھے تاکہ |
| خود آوردندے ، و مردم قرا می | شاید اس طرح لوگ آنے سے رک |
| نہشتند ، بعد ازاں حضرت ایشان امر | جائیں ، پس (یہ دیکھ کر) زیارت |
| کرد ، کسانے کہ نزدیک او بودند | کے لیے آنے والے توشہ اور زاد راہ |
| و سکونت بقرب ایشان داشتند ، | اپنے ہمراہ لانے لگے اور گاؤں کے |
| | لوگ ان کو پکا کر دینے لگے ۔ اس |

کے بعد حضوت شیخ رحمکار نے اپنے آس پاس رہنے والوں کو حکم دیا کہ وہ زائرین کا کھانا نہ پکائیں ، تاکہ لوگوں کا ہنگامہ اور ہجوم نہ ہو ۔ اس کے بعد زائرین کھانے پینے کی چیزیں اور دیگیں اپنے ساتھ لانے لگے اور خود پکانے لگے ۔ یہ دیکھ کر حضرت شیخ رحمکار نے حکم دیا کہ ان زائرین کی دیگیں توڑ دی جائیں ، پس آنے والے زائر بھوکے رہنے لگے ، مگر پھر بھی آنے سے نہ رکے ۔ اس پر بھی پے در پے آتے تھے ۔ جب اس طرح ایک زمانہ گزر گیا (اور یہ رنگ نہ بدلا) تو حضرت شیخ رحمکار نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ لوگوں کے ہجوم کو اپنے پاس آنے سے روکوں لیکن جب حق جل و علا نے میرا یہ مقدر کر دیا ہے میں اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت اور چارہ نہیں دیکھتا ۔ پھر آپ نے اجازت دے دی کہ جو چاہے زائرین کی خدمت کرے اور خود بھی کبھی کبھی زائرین کو کھانے کے لیے کچھ چیزیں بھیجتے تھے ۔

تا زادلا و توشہ زائران نپزند ، تاغلو و انبوه خلق نشود ، بعد از آن زائران حضرت شاہ زاد و توشہ مع دیگہائے خود آوردند و می پختے ۔ چنانکہ حضرت شاہ حکم کرد کہ دیگہائے زائرین بشکستند ، پس از آن زائرین گرسنہ میبودند و ہم منع نشدند پیالے می آمدند ، چون مدتی بریں گذشت حضرت شاہ فرمود کہ قصد آن داشتم کہ انبوه خلق از خود منع کم و چون حق جل و علا در پئے ما گماشته ۔ هیچ وجہ خلاصی نمی بینم و چارہ ندارم ۔ بعد از آن رخصت داد کہ هر که خواهد خدمت ایشان کردہ نمایند و خود ہم احياناً ایشان را چیزی خوردنی می دادند (۱)

فیاضی و سخاوت :

فیاضی و سخاوت حضرت شیخ رحمکار کا امتیازی وصف تھا۔ وہ اس وصف میں درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ قرض لے کر لوگوں پر خیرات کرتے۔ ”مقاماتِ قطبیہ“ میں ہے کہ شیخ رحمکار کی شفقت مسکینوں اور فقیروں پر زیادہ تھی۔ جتنا کوئی غریب ہوتا تھا آپ کو زیادہ محبوب ہوتا تھا (۱) فیاضی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ :

حضرت شیخ رحمکار اس قدر قرض و ادھار صدقات و خیرات کے لیے لیتے تھے کہ عقل میں نہیں آتا تھا کہ آپ اس قرض سے کس طرح چھٹکارا حاصل کر سکیں گے۔ مگر حق جل و علا اس قرض کو تھوڑی مدت میں ادا کروا دیتا تھا اور بدستور حضرت اور قرض لے لیتے تھے اور حق تعالیٰ اس کو بھی کم مدت میں اپنے لطف خاص سے ادا کروا دیتا۔ یہاں تک کہ اپنی وفات تک اسی طرح قرض لیتے رہے اور صدقہ کرتے رہے۔

حضرت ایشاں چنداں قرض و وام برائے صدقات و خیرات میگرفتے کہ بعقل نمی آمد کہ حضرت ایشاں ازیں قرض خلاص شوند۔ مگر حق جل و علا آن قرض را در مدتِ قلیل ادا کر دے و بدستور حضرت ایشاں دیگر قرض گرفتے و خیرات فرمودے و آنان را نیز در اقل مدت حق تعالیٰ بلفظ خود ادا فرمودے و تا وقت مرگ بریں ببط قرضها میگردندے و تصدق نمودندے (۲)

”مقاماتِ قطبیہ“ میں ہے کہ آپ کے والد حضرت شیخ بہادر کی وفات کے بعد جو ترکہ آپ کو ملا آپ نے وہ سب کا سب ایک دم راہِ خدا میں خیرات کردیا۔

جب آپ کی خانقاہ میں طالبانِ حق کا ہجوم بڑھا تو آپ نے ان کے لیے لنگر کا انتظام فرمایا۔ آپ اکثر لنگر کی وجہ سے مقروض ہو جاتے تھے۔ مریدین و معتقدین میں سے کوئی قرض پر پریشانی کا اظہار کرتا تو فرماتے:

اے فرزند ! غم مخور ، حق سبحانہ و تعالیٰ مسبب الاسباب ہست ، ہر کہ بہ او تکیہ کند روزی او فراخ است ، و اولاد او نیز از برکت توکل او در دنیا بسیار عیش دار باشد (۱)

اے بیٹے ! کچھ غم نہ کرو ۔ حق سبحانہ و تعالیٰ مسبب الاسباب ہے جو کوئی اس پر بھروسہ کرتا ہے نہ صرف اس کی روزی فراخ ہوگی بلکہ اس کی اولاد کو بھی توکل کی وجہ سے دنیا میں اچھی روزی حاصل ہوگی ۔

حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنا اور کسی سائل کے سوال کو رد نہ کرنا آپ کا خاص شعار تھا ۔ ”مجمع البرکات“ میں ہے کہ :

گاہ سائلے از ہر نوع تا آخر از درگاہ ایشاں تہی و بے نوا نماند ، اگرچہ سوالش از حد متجاوز بود (۲)

کسی نوعیت کا سائل آخر وقت تک آپ کی بارگاہ سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا اگرچہ اس کا سوال حد سے بڑھا ہوا ہوتا ۔

حسن اخلاق و سادگی :

حضرت جمیل بیگ مشہور بہ فقیر صاحب مرید و خلیفہ خاص حضرت شیخ رحمکار کی ایک تالیف ”تذکرۃ الاولیاء“ کے نام سے ہشتواکیذیہ پشاور میں ہماری نظر سے گذری جو خود ان کے قلم کی لکھی ہوئی ہے ۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اور اس میں قدیم مختلف صوفیہ کے تذکرے ہیں ۔ کتاب کے شروع میں حضرت جمیل بیگ نے اپنے مرشد حضرت شیخ رحمکار کے کچھ حالات اور مناقب لکھے ہیں ۔ انہوں نے اپنے مرشد کی سیرت اور حسن اخلاق کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا ترجمہ یہاں دیتے ہیں کہ اس سے ہمارے سامنے حضرت شیخ رحمکار کی پاکیزہ سیرت ، بلندی کردار اور حسن اخلاق اور ان کے معمولات کی صحیح تصویر آتی ہے ۔ جمیل بیگ نے اپنے شیخ کے مناقب و اوصاف اور معلومات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :

۱ - مجمع البرکات - صفحہ ۱۲۲

۲ - ایضاً صفحہ ۳۴۲

خدا نے تعالیٰ نے بلوغ ہی سے میرے مرشد کو ان چند باتوں سے نوازا تھا تاکہ ان کی عمرِ عزیز ضائع نہ ہو ۔ آپ خاموش اور گوشہ نشین تھے ۔ بات نرمی سے کرتے تھے ۔ آواز بلند نہیں ہوئی تھی ۔ آپ کی ہنسی ، قہقہے سے کم تھی ۔ کبھی کبھی تبسم کرتے تھے ۔ بے آواز ، حالم و بردباری آپ میں اس قدر تھی کہ اگر مجھ پر آپ کے جسم پر کٹتا تو نرمی سے ہاتھ اٹھاتے اور اسے اڑا دیتے ۔ چلنے میں آہستہ چلتے تھے اور کبک رفتار تھے صرف چند قدم چلتے تھے ۔ مسجد کو جاتے تھے اور مسجد سے حجرے کو واپس آتے تھے ۔ عبادت کے پیاسے تھے اور فقیروں اور مسکینوں کے لیے سخاوت کے تشنہ تھے ۔۔۔۔ صبح صادق سے پہلے مسجد میں آتے ، اور کبھی کبھی صبح صادق کے بعد آتے ۔ آپ سے پہلے کوئی مسجد میں نہ آتا تھا ۔ پانچ وقت کی نماز ہمیشہ مسجد میں ادا فرماتے ۔ نماز فجر پڑھنے کے بعد معرفت کی تعلیم ، عبادت اور تلاوت میں مشغول ہو جاتے ، یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جاتا ، پھر آپ نماز چاشت ادا فرماتے ۔۔۔ کپڑے جسم پر پارہ پارہ رہتے تھے اور روٹی ٹکڑے ٹکڑے تھی ۔ جب تک حیات رہے ، اس وضع پر قائم رہے ۔ کبھی کبھی ایک پرانی چادر اوڑھ لیتے ، اور ایک چھوٹی سی دستار سر پر باندھتے ، کبھی کبھی ایک پرانا کپڑا اوٹی یا سوتی سر کو لپیٹ لیتے ۔ جوئے کھجور کے بُنے ہوئے پتوں کے پھتے تھے ۔ آپ نے ساری عمر اسی طرح گزاری ۔ اگر کوئی نیا کپڑا لانا تو آپ اس کی خاطر داری کے لیے تھوڑی دیر کے لیے پہن لیتے ، پھر وہ کپڑا درویشوں کو دے دیتے ، اور پرانے کپڑے خود پہن لیتے ۔ سرما کی راتوں میں نفل نماز میں پڑھنے کی وجہ سے میرے مرشد کے پاؤں تڑخے ہوئے رہتے تھے ۔ گرمیوں اور سردیوں میں رات دن نماز پڑھتے رہتے ، صرف تھوڑی دیر آرام کرتے ۔۔۔۔ غرض کہ جملہ اوصاف

میں وہ حسن بصری ثانی تھے (۱)۔

حضرت شیخ رحمکار کے حسن اخلاق کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے مقامات قطبیہ کے مؤلف شیخ عبد الحلیم نے لکھا کہ

حضرت شیخ رحمکار اپنے قول میں سچے اور اپنے زمانے کے صادق تھے، لغو اور بیہودہ باتوں سے احتراز کرتے تھے اور نبی علیہ السلام کے قول پر عمل کرتے تھے، اور ہرگز ان کی زبان سے کوئی لغو اور بیہودہ بات نہ نکلتی تھی اور حق کے قائل تھے، اور نیز حضرت کے تمام کام اچھے تھے اور کمال حد کمال تک رکھتے تھے اور نبی علیہ السلام کے فعل سے آراستہ تھے، اور اس پر عمل کرتے تھے، اور ہوا اور نفس سے بالکل منقطع تھے اور حق کے راستے پر قدم رکھ کر چلتے تھے اور خواہشات اور نفس کے سر کو کاٹ کر اپنے سامنے ڈال دیا تھا، جن کا تعلق حواسہ خمسہ سے تھا اور حضرت، اخلاق حمیدہ رکھتے تھے، اور برائیوں کا ذرا بھی اثر آپ میں نہ تھا۔

حضرت ایشاں در قول خود راست و صادق زمان خود بود، از مالا یعنی متحرز و دور میبود و بر قول نبی علیہ السلام عمل میداشت و میکرد و ہرگز زبان مبارک ایشاں لغو و بیہودہ نرفته و قائل برحق میبود و نیز حضرت ایشاں را افعال نیک بود و کمال بہ کمال میداشت، و آراستہ بر فعل نبی علیہ السلام بود و برآں عدل میکرد، و از ہوا و نفس بالکل منقطع بود، و برآہ حق قدم نہادہ میرفت و سرہا نفس و ہوا بریدہ در پیش خود انداختہ بود کہ تعلق ہر حواس خمسہ میدارد، و نیز حضر ایشاں اخلاق حمیدہ میداشت و از ذمیمہ اثرے درو نبود (۲)

۱۔ تذکرۃ الاولیاء قلمی۔ تالیف جمیل بیگ برادر شہباز خٹک مملوکہ

پشتو اکیڈمی پشاور۔ صفحہ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔

۲۔ مقامات قطبیہ حصہ اول صفحہ ۳۹

ہمعصر صوفیہ سے ملاقاتیں :

اس دور کے جن اکابر صوفیہ سے آپ نے ملاقاتیں فرمائیں ۔ ان میں حضرت سید آدم بنوری ، اخون پنجو بابا ، پیر سباق اور اخون سالک خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

حضرت سید آدم بنوری جو حضرت مجدد الف ثانی (۱) کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں ، جب ہندوستان سے افغانستان جاتے ہوئے سرائے اکوڑہ تشریف لائے اور حضرت رحمکار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو آپ فوراً ان کی ملاقات کے لیے سرائے اکوڑہ حاضر ہوئے اور حضرت سید آدم بنوری سے اصرار کیا کہ وہ چند روز ان کی خانقاہ میں قیام فرمائیں ۔ حضرت سید آدم بنوری آپ کے اصرار پر ان کی خانقاہ میں تشریف لے گئے ۔ حضرت شیخ رحمکار نے ان کی سہانی اور تواضع میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی ۔ ”جمع البرکات“ میں ہے کہ :

جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو حضرت سید آدم بنوری نے حضرت شیخ رحمکار سے فرمایا کہ :

| | |
|--|--|
| <p>اے حضرت شیخ ! آپ آئیے ، میں نماز آپ کے پیچھے پڑھوں گا ۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہ ، آپ کی نماز کی برکت کی وجہ سے ، مجھ پر اور میرے یاروں پر رحم فرمائے ۔</p> | <p>اے حضرت شیخ ! شاہ بیائید ، نماز پس شایان گزارم ، شاید کہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہ برکتِ نماز شاہن و بیارانِ من رحم فرماید</p> |
|--|--|

حضرت شیخ رحمکار نے فرمایا کہ :

| | |
|---|---------------------------|
| <p>میں ہرگز تمہاری امامت نہیں کروں گا ۔</p> | <p>ہرگز امامتِ شاہنکم</p> |
|---|---------------------------|

سید آدم بنوری نے اصرار کرتے ہوئے فرمایا کہ :

| | |
|---|-----------------------|
| <p>برائے ما امامت کن ، دیگر ہر ہمارے لیے امامت کر ، پھر جو چہ کنی (۱) ۔</p> | <p>جی چاہے کرنا ۔</p> |
|---|-----------------------|

۱ ۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا اسم گرامی احمد ، (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۴)

تذکرہ صوفیائے سرحد

۴ جب حضرت سید آدم بتوری کا بے حد اسرار بڑھا تو مجبوراً آپ مصلے پر تشریف لائے اور امامت فرمائی ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۹۳)

لقب بدرالدین کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربانی تھا ۔ آپ کے والد کا نام شیخ عبدالاحد تھا جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کے مرید و خلیفہ تھے ۔ حضرت شیخ احمد کی ولادت باسعادت ۲۶ جون ۱۵۵۴ ع (۹۷۰ھ) کو سرہند میں ہوئی ، ابتداءً آپ نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی ، پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری سے تعلیم حاصل کی اور حدیث و تفسیر کی تعلیم قاضی بھلول بدخشانی سے پائی ۔ حصولِ تعلیم کے بعد ایک عرصے تک آپ اکبر آباد میں مقیم رہے ۔ اکبر آباد سے واپسی پر آپ کی شادی تھانیسر کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے ہوئی ۔ ۱۰۰۸ھ (۱۵۹۹ع) میں آپ نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کی اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ خلافت کے بعد آپ اپنے شیخ کے ارشاد کی بنا پر لاہور میں ارشاد و ہدایت کرتے رہے ۔ ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ع) میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے وطن سرہند میں ارشاد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا ، ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) میں آپ کے مجددانہ فیوض و برکات سارے پاک و ہند اور بیرونِ پاک و ہند میں پھیل چکے تھے ۔ جہانگیر نے آپ کو ظالمانہ طریقے پر ایک سال تک قلعہ گوالیار میں قید رکھا ۔ آخر اپنی غلطی پر نادام ہو کر معافی کا خواہاں ہوا اور آپ کو رہا کر دیا ۔ آخر میں جہانگیر آپ کا بیحد معتقد ہو گیا تھا ۔ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۴ع) کو حضرت مجدد الف ثانی واصل الی اللہ ہوئے ۔ آپ کا مزار مبارک سرہند میں مرجع خاص و عام ہے ۔ (ماخوذ از قٹ نوٹ ”تذکرہ صوفیائے سندھ“ صفحہ ۵۳ بہ حوالہ رودِ کوثر“)

تین روز تک حضرت سید آدم بنوری کا قیام آپ کی خانقاہ میں رہا۔ تیسرے روز وہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو حضرت شیخ رحمکار سے فرمایا کہ میں حج بیت اللہ کے لیے جا رہا ہوں۔ اپنے صاحبزادوں میں سے کسی صاحبزادے کو میرے ساتھ کر دیجیے۔ حضرت شیخ رحمکار نے اپنے صاحبزادے محمد گل کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ راستے میں اپنے مریدوں سے شیخ رحمکار کے متعلق اپنے تاثر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا :

| | |
|----------------------------------|---------------------------------|
| چند نمازہا پس شیخ خود احمد | چند نمازیں میں نے اپنے شیخ احمد |
| سرخندی گزارده بودم و این بانزده، | سرخندی کے پیچھے پڑھی تھیں |
| پس ایشان دیگر هیچ نماز بدین طریق | اور پندرہ نمازیں اب ان کے پیچھے |
| نہ بخود توانائی دارم کہ بگذارم ، | پڑھی ہیں ، کوئی نماز نہ میں خود |
| نہ دیگرے بداں نوع طاقت دارد | اس طرح پڑھ سکتا ہوں اور نہ |
| | کوئی دوسرا ہے جو اس قسم کی |
| | طاقت رکھتا ہو ۔ |

اخون پنجو بابا : جو سابق صوبہ سرحد کے مشہور صوفیائے کرام میں ہیں انہوں نے حضرت شیخ رحمکار کے والد شیخ بہادر سے بھی روحانی استفادہ کیا تھا اور وہ حضرت شیخ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ بچپن ہی میں آپ کے چہرے پر آثار ولایت و عرفان دیکھ کر دعائیں دیں اور آپ سے فرمایا میاں صاحبزادے جب آپ خدا کے فضل سے عرفان و تصوف کے بلند مقام پر پہنچیں تو اس فقیر کو فراموش نہ فرمائیے۔

پیر سباق جو آپ کے عہد کے مشہور بزرگ تھے آپ جوانی کے زمانے میں دو مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مختلف موضوعات پر گفتگو فرمائی۔

اخون سالاک یا اخون چالاک ، اپنے شیخ اخون پنجو بابا کے ارشاد کی بنا پر دعا کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت شیخ رحمکار ان کے ساتھ نہایت عزت و تکریم سے پیش آئے اور انہیں یہ اعزاز بخشا کہ انہیں مصلے پر بٹھایا۔ مصلے پر بیٹھتے ہی انہوں نے آپ کے فیوض و برکات کو محسوس کیا اور وہ مصلے سے ہٹ کر بیٹھنے لگے۔ آپ نے اصرار کیا

کہ وہ مصلے ہی پر بیٹھیں ، مگر وہ نہ مانے اور کہا کہ :
 اے اخون ! مرا توانائی نیست کہ | اے اخون ! مجھ میں یہ طاقت نہیں
 یک جا بہ عالماں بنشینم - | کہ یک جا عالموں کے ساتھ بیٹوں۔
 حضرت شیخ رحمکار نے فرمایا کہ :
 عالم کلاں توئی | بڑے عالم تو آپ ہی ہیں :

پھر بعض علمی مسائل پر گفتگو ہوئی ۔

حضرت مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۴ع) اور حضرت شیخ
 رحمکار کا زمانہ ایک ہی ہے ۔ اگرچہ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا تذکرہ
 ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملتا ، لیکن دونوں ایک دوسرے کا بیحد احترام
 کرتے تھے دونوں کی مراسلت رہی ہے ۔ جس سے دونوں کے باہمی ربط
 اور اخلاص و محبت کا پتا چلتا ہے ۔
 ”مجمع البرکات“ میں ہے کہ :

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ۳۱ مریدوں کا ایک وفد
 اپنے ایک خط کے ساتھ آپ کے پاس روانہ کیا تھا ۔ جب
 یہ وفد آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ اس وفد کے ساتھ نہایت
 عزت و احترام سے پیش آئے اور حضرت مجدد الف ثانی کے
 مکتوب کو نہایت عقیدت و احترام سے پڑھا ۔ یہ وفد چند روز
 آپ کی خانقاہ میں ٹھہرا رہا ۔ جب اس وفد نے واپسی کے لیے اصرار
 کیا تو آپ نے اپنے مرید خاص شیخ جال الدین کو خلوت
 میں بلایا اور حضرت مجدد الف ثانی کے گرامی نامے کا جواب
 لکھوا کر وفد کے حوالے کیا (۱) ۔

مرض الموت:

حضرت شیخ رحمکار کا مرض الموت تقریباً ایک سال تک
 ممتد رہا ۔ ایک سال کی طویل بیماری میں آپ ہمیشہ با وضو کھڑے ہو کر
 نماز ادا کرتے رہے حالانکہ کیفیت یہ تھی کہ بیماری کی وجہ سے سخت

۱ ۔ ان بزرگوں کی ملاقات کی تفصیل ”مجمع البرکات“ سے ماخوذ ہے۔

تکلیف آپ کو لاحق تھی۔ اکثر دو آدمی پکڑ کر آپ کو جلنے نماز تک پہنچاتے۔ تیمار داروں میں آپ کے بھائی شیخ عثان نے آپ کی تیمار داری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

وصیت :

دورانِ مرض میں اپنے بھائی شیخ عثان کو وصیت فرمائی کہ میرے مرض کی جب شدت بڑھ جائے تو میری وفات کے وقت کسی اجنبی کو میرے پاس نہ آنے دینا اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :

حق سبحانہ تعالیٰ مرا از اظہار | حق تعالیٰ نے مجھ کو اظہار اسرار
اسرارِ ربی محفوظ داشتہ ، مبادا کہ من | ربی سے محفوظ رکھا ، ایسا نہ ہو کہ
در شدتِ مرض چیزے ظاہر کنم ، و | میں شدتِ مرض میں کوئی چیز ظاہر
آنها آن را فاش کنند ، خوب نخواهد | کر دوں اور وہ اس کو فاش کر دیں
بود ۔ (۱)

یہ اچھا نہیں ہوگا ۔

نصیحتیں :

آپ کے عظیم المرتبت خلیفہ شیخ جمال الدین کا بیان ہے کہ وفات سے سات روز پہلے ۱۶ رجب ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۲ع) کو آپ نے اپنے مریدوں اور خلفاء میں سے ۷۰ افراد کو بلوایا اور خاص خاص نصیحتیں فرمائیں اور سلوک و عرفان کے اہم رموز و معارف ان کو سمجھائے۔ یہ سلسلہ چار روز تک جاری رہا۔ شیخ جمال الدین ان مجالس کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

بسیار وصیتہا از ہر نوع بمایان | ہر قسم کی بہت سی وصیتیں آپ نے
فرمودند ، دیگر هیچ کس نزد ایشان | فرمائیں اور ان دنوں میں ہم کسی
در آن روز ہا نگذاشتیم (۲)۔ | دوسرے شخص کو اپنے ساتھیوں
کے علاوہ آپ کے پاس آنے کے لیے | کے علاوہ آپ کے پاس آنے کے لیے
نہیں چھوڑتے تھے ۔

انہیں دنوں آپ نے شیخ عَفَّان کے سامنے بقا باللہ اور فنا فی اللہ پر ایک نہایت مؤثر تقریر کی۔ اسی ضمن میں اکوڑے سے واپسی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا :

برق رحمت از ابر محبت درخشید و
حقیقت مکشفہ جلال ذات روئے داد،
وبکالیت فنا فی اللہ و بقا باللہ رسانید،
واز کون و مکان در گذشتہ کہ آن
جا شبہ بود نہ روز نہ آسمان و نہ
زمین و نہ یمن و نہ یسار و نہ تحت
و نہ فوق، و نہ پیش و نہ پس کہ
لالیل عند اللہ ولانہار و او ار
درفہمائید، فہمہن، واین را کسے
فہم نکنند، مگر آن را کہ
فہم کنند (۱)

ابر محبت سے برق رحمت چمکی اور
مکاشفے سے جلال ذات کی حقیقت ظاہر
ہوئی اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے
کمال تک پہنچایا اور کون و مکان
سے گزر کر وہاں پہنچا کہ جہاں
رات تھی نہ دن تھا، نہ آسمان تھا
نہ زمین۔ نہ داہنا تھا، نہ بایاں، نہ
تحت تھا نہ فوق، نہ آگے تھا نہ پیچھے،
کہ اللہ کے ہاں نہ رات ہے نہ دن اور
اس نے مجھ کو سمجھایا میری
سمجھ کے مطابق اور اس کو کوئی
نہیں سمجھ سکتا مگر جس کو سمجھا
دیا جائے۔

خوشحال خان کی اجازت طلبی :

آخری رات کو پشتو کے عظیم المرتبت اور نامور شاعر خوشحال خان
خٹک نے حضرت شیخ رحمکار کے صاحبزادوں سے اجازت طلب کی کہ وہ
رات بھر شیخ رحمکار کے پاس رہ کر شیخ کی خدمت کی سعادت حاصل کرنا
چاہتے ہیں۔ صاحبزادوں نے اجازت دے دی۔ وہ رات بھر آپ کی خدمت
میں حاضر رہے۔ صبح کے وقت قضائے حاجت کے لیے آپ بیدار ہوئے۔
خوشحال خان نے استنجے اور وضو کے لیے لوٹے میں پانی رکھا۔ آپ نے
وضو فرما کر فجر کی نماز ادا فرمائی، نماز کے بعد لوگ جوق در جوق آتے
رہے اور آپ سے روحانی استفادہ کرتے رہے۔ جب سورج زوال پذیر ہونے

لگا ، تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کیا زوال ہو گیا ہے ؟ کسی نے کہا کہ ہاں ہو گیا ہے ۔ کوئی بولا کہ نہیں ۔ جب لوگوں میں اختلاف رائے ہوا تو فرمایا اچھا مجھے یہ بتا دو کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوا ہے یا نہیں ؟ تاکہ میں آخری نماز ادا کروں اور خدا کے سامنے جمعہ کی نماز ادا کر لوں اور خدائے تعالیٰ کے سامنے جمعہ کی نماز کا تحفہ لے جاؤں کہ جمعہ تمام دنوں سے افضل ہے ۔ زوال کے بعد آپ اٹھے ، وضو کیا اور نماز ادا فرمائی ۔ صاحب ”مجمع البرکات“ نے اس نماز کی ادائیگی کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

| | |
|--|--|
| <p>نماز کوٹے ہو کر ادا کی اور ظاہری و باطنی نماز کے تمام شرائط و ارکان و آداب و سنن اور فضائل کا پورا پورا لحاظ رکھا ۔ جس طرح کہ استقامت کے ساتھ آپ اپنی پوری زندگی میں نمازوں میں اُن کا خیال رکھ کر ادا کرتے تھے ۔</p> | <p>نماز را بقیام ظاہراً و باطناً ہرچہ بود از شروط و ارکان و آداب از سنن و فضائل با استقامت ہرچہ در حیات داشتہ ادا نمود ۔</p> |
|--|--|

نماز کے بعد باوجود نفاہت کے اپنے معتقدین سے فرمایا کہ مجھے مسجد لے چلو تاکہ میں امام کا خطبہ سن لوں ۔ خواجہ جال الدین کا بیان ہے کہ آپ میرے اور خواجہ گل نور کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے ۔

وفات

شیخ اخ الدین نے خطبہ پڑھا ۔ دورانِ خطبے میں ایک دم آپ نے فرمایا الموت جسر“ یوصل الحبيب الی | موت ایک پل ہے جو حبیب کو الحبيب | حبیب تک پہنچا دیتا ہے ۔

یہ کہہ کر آپ اُسی وقت جنت کو سدھارے ۔
”مجمع البرکات“ میں ہے کہ :

| | |
|---|---|
| <p>ہاں زمان حق را توصل کردند و پروانہ جانان گشت و عالم قدس را محبوب کے پروانہ ہوئے ، اور روح عالم قدس کو پرواز کر گئی ۔</p> | <p>ہاں زمان حق را توصل کردند و پروانہ جانان گشت و عالم قدس را محبوب کے پروانہ ہوئے ، اور روح عالم قدس کو پرواز کر گئی ۔</p> |
|---|---|

تذکرہ صولہائے سرحد

۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۳ع) کو یہ آفتابِ ہدایت اسی سال تک اس عالم کو اپنی ضیا باریوں سے منور کر کے غروب ہو گیا۔ ”مقامات قطبیہ“ میں ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر اسی (۸۰) سال کی تھی، اس حساب سے آپ ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ع) میں اکبر بادشاہ کے جلوس کے بیسویں سال پیدا ہوئے اور شاہجہاں کے جلوس کے چھبیسویں سال وفات پائی۔ شاہجہاں کی حکومت ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۲ع) میں ختم ہوئی۔ اس طرح شاہجہاں نے آپ کی وفات کے بعد چھ سال تک حکومت کی اور اورنگزیب آپ کی وفات کے چھ سال بعد تخت پر بیٹھا۔ آپ کی تاریخ وفات کلمہ ”کا کا قطب“ (۱۰۶۳ھ) سے نکلتی ہے۔

تجہیز و تکفین:

اس آفتابِ ولایت کی تجہیز و تکفین کی جن بزرگوں نے سعادت حاصل کی ان میں آپ کے خلیفہ شیخ عبداللطیف، خواجہ گل نور، فقیر محمد سعید، خواجہ مسکین، خواجہ جلال الدین، شیخ اخون دین اور پشتو کا مشہور شاعر خوشحال خان خٹک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تدفین:

خوشحال خان خٹک کا بیان ہے کہ نماز جمعہ کے بعد جب جنازہ تیار ہو گیا تو ہر علاقے کے معتقدین اور مریدین اور خلفاء حاضر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ حضرت شیخ رحمکار کو اس کے علاقے میں دفن کیا جائے۔ آخر کار صلاح و مشورے کے بعد طے ہوا کہ آپ کو علاقہ یوسف زئی اور علاقہ خٹک کی سرحد پر دفن کیا جائے۔ چنانچہ آپ کو نماز جنازہ کے بعد اس جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ کا مزار پر انوار مرجع خاص و عام ہے۔

پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خان خٹک نے فارسی میں آپ کا حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا:

چون رفت از جہاں شیخ دین رحمکار

رجب بود جمعہ بسہ و سہ ہفت

چو تاریخ فوتش بحسب ز عقل
چنین گفت با ما کہ با فقر رفت

۱۰۶۳

گنبد:

آپ کے مزار کے گنبد کی تعمیر آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالحلیم نے ۱۰۸۱ھ (۱۶۰۰-۱) میں کرائی۔ اس کی تعمیر میں اس علاقے کے بڑے بڑے خوانین نے دل کھول کر حصہ لیا۔ یہ مغلیہ فن تعمیر کا ایک بہترین شاہکار ہے۔ جسے ہندوستان کے معماروں نے تعمیر کیا تھا

اولاد:

شیخ رحمکار کے پانچ صاحبزادے تھے۔

- ۱۔ شیخ ضیاء الدین معروف بہ شہید بابا۔
 - ۲۔ حضرت شیخ محمد گل صاحب معروف بہ حاجی محمد بابا۔
 - ۳۔ شیخ خلیل گل معروف بہ مزرے بابا صاحب۔
 - ۴۔ حضرت شیخ عبدالحلیم صاحب معروف بہ حلیم گل بابا وسپین بابا۔
 - ۵۔ نجم الدین صاحب، جنہوں نے بچپن میں وفات پائی۔
- شیخ اسمعیل نے اپنی کتاب ”مناقب“ میں آپ کے صاحبزادوں کے اسماء اس طرح نظم کیے ہیں:

خلف الصدق او ”ضیاء الدین“

نافع المسلمین و زین عباد

ہر دو در گوش کردہ ”عبدالحلیم“

از ازل آمدہ ست نیک نہاد

سرو باغ کرم ”محمد گل“

نیست چوں او دریں زماں جواد

دستہ گل بود زناں ”خلیل“

حق بلطف خودش نگہ داراد

محضہ او کہ ہست ”نجم الدین“

مشعل رہ روانہ بادا باد

شیخ ضیاء الدین شہید بابا :

شیخ رحمکار کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے شیخ ضیاء الدین شہید بابا نے ان کی جگہ مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی ۔ وہ بالکل اپنے والد کے نقش قدم پر تھے ، خود ان کے متعلق حضرت شیخ رحمکار نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ :

| | |
|---|--|
| بعد من ضیاء الدین را مراتب علیا است کہ کفار و عباد صنام از برکت لمعات ضیاء او و بشرف او مشرف خواهند شوند ۔ | میرے بعد ضیاء الدین مراتب عالی پر فائز ہوں گے ، اور کفار اور بت پوجنے والے ان کی روشنی کی چمک کی برکت اور ان کی بزرگی سے مشرف ہوں گے ۔ |
|---|--|

انہوں نے اپنے فیوض و برکات سے پشاور اور اس کے نواح کو مالا مال کر دیا ، ان کے یمن و برکت کی وجہ سے بہت سے کافر شرک و بت پرستی سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ۔ حضرت شیخ ضیاء الدین اپنے والد کی وفات کے بعد تیس سال یا اس سے کچھ زائد رشد و ہدایت اور اعلیٰ کلمۃ الحق میں مصروف رہے ، یہاں تک خوشحال خان کے بیٹے اشرف خان کے اشارے سے انہیں جامِ شہادت پینا پڑا ۔ ان کے واقعہ شہادت کی تفصیل یہ ہے کہ اشرف خان کی بہن حضرت شیخ ضیاء الدین سے بیاہی تھی ۔ وفات کے وقت خوشحال خان نے حضرت شیخ ضیاء الدین کو بلا کر وصیت کی تھی کہ اگر میری اولاد میں کبھی کوئی اختلاف ہو تو آپ اس کا تصفیہ فرمائیں ، اور اپنے دوسرے بیٹے بہرام خان کے حقوق کی رعایت کرنے کے لیے خاص طور پر تاکید کی تھی ۔ چنانچہ جب خوشحال خان خٹک کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اشرف خان اور بہرام خان میں جھگڑا پڑا تو اپنے باپ کی وصیت کے مطابق یہ دونوں حضرت شیخ ضیاء الدین کے پاس رجوع ہوئے ۔ آپ نے پہلے تو دونوں کی صلح و صفائی کرادی ، اور پھر تصفیہ کیا کہ بالائی علاقہ بہرام خان کو اور زہریں علاقہ اشرف خان کو دے دیا جائے ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ضیاء الدین کے اس فیصلے کو اشرف خان نے دل سے تسلیم نہیں

کیا تھا۔ کچھ دن بعد وہ اس فیصلے سے روگرداں ہو گیا، اور اس نے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ جن کی وجہ سے بہرام خان کو اپنے علاقے سے نکل جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ اپنے علاقے سے نکل کر چھچھ کے علاقے میں چلا گیا۔ اشرف خان نے پہلے تو اس کو ایک ہزار روپے ماہانہ وظیفہ دینا منظور کیا، مگر کچھ دن کے بعد وہ بھی بند کر دیا، اور بہرام خان کے تمام علاقے پر قبضہ کر لیا۔ چھچھ کے خوانین نے بہرام خان کے ساتھ سرد مہری کا سلوک کیا، آخر وہ پریشان ہو کر حضرت شیخ ضیاء الدین کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی مظلومیت کی ساری داستان ان کو سنائی۔ آپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا جو ہوا اس پر صبر کرو، اور اللہ کی رضا پر راضی رہو۔ اس کے بعد بہرام خان شیخ ضیاء الدین ہی کے پاس رہنے لگا، لیکن شیخ کے پاس اس کے قیام کی وجہ سے اشرف خان اپنے دل میں طرح طرح کے خطرات محسوس کرنے لگا۔ اس نے کئی دفعہ حضرت شیخ سے کہلایا کہ وہ بہرام خان کو اپنے پاس سے نکال دیں، مگر آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ اگر کا نکالنا میری مروت اور شرافت سے بعید ہے۔ اس جواب سے اشرف خان اور بھی مشتعل ہو گیا، اور اس نے حضرت شیخ کو مختلف طریقوں پر تنگ کرنا شروع کیا۔ آخر آپ نے مجبور ہو کر ترک وطن کا ارادہ کیا، اور آپ نے چاہا کہ آپ ضلع کوھاٹ کے علاقہ چونتہ، قوم بارک میں منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ آپ اس ارادے سے علاقہ چونتہ، قوم بارک میں گئے۔ اس قوم کے سرداروں نے آپ کی بڑی پزیرائی کی۔ آپ نے واپس ہو کر اس علاقے میں منتقل ہونے کی تیاری شروع کی۔ اشرف خان کو جب معلوم ہوا کہ آپ قوم بارک میں منتقل ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو اس نے آپ کو کہلا بھیجا کہ اول تو آپ یہاں سے نہ جائیں، اور اگر جانا ہی چاہتے ہیں تو قوم خرم یا ساگری میں منتقل ہو جائیے۔ پھر اس نے خرم قوم میں بھی آپ کے منتقل ہونے سے انکار کر دیا۔ آپ اس کی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے اور چونتہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب علاقہ خوڑہ سے گزر کر آپ علاقہ زیڑا میں پہنچے، جو پشاور اور کوھاٹ کی سرحد پر واقع ہے تو اشرف خان

تذکرہ صوفیائے سرحد

کے سوار تعاقب کرتے ہوئے اس مقام پر آپ کو ملے ، اور انہوں نے کہا کہ اشرف خاں نے حکم دیا ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں ۔ آپ کے رفقاء سفر اور بارک قوم کے سرداروں نے ہر چند آپ سے عرض کیا کہ آپ سفر جاری رکھیں ، لیکن آپ ان کی رائے ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اپنے وطن واپس ہونے لگے ۔ بارک سرداروں نے چاہا کہ وہ آپ کو وطن تک واپس چھوڑ آئیں ، مگر آپ نے انہیں شکرے کے ساتھ اپنے وطن واپس کر دیا ، اور آپ خود اپنے وطن اکوڑہ واپس تشریف لے آئے ۔ صاحبِ مجمع البرکات کا بیان ہے کہ واپسی پر اشرف خاں نے

| | |
|-------------------------------|--------------------------------|
| در شان ایشاں بے ادبی و بے | آپ کی شان میں بہت بے ادبی و |
| حرمتی بسیار نمود ، چہ گویم کہ | بے حرمتی کی ، میں اس کو کیا |
| استماع آن بمخلصان روا و لائق | بیان کر سکتا ہوں کہ اس کا سننا |
| نیست ۔ | مخلصین کے لیے مناسب نہیں ۔ |

اپنے وطن اکوڑہ تشریف لانے کے بعد گیارہویں دن حضرت شیخ ضیاء الدین کو شہید کر دیا گیا ۔ کہتے ہیں کہ اشرف خاں نے ان کو زہر دلو کر شہید کروایا اور وہ اپنے والد کے مزار مبارک کے متصل دفن کیے گئے ۔ شیخ ضیاء الدین سجادہ نشین ہونے کے بعد ۲۳ سال حیات رہے ۔

اشرف خاں کو اس خونِ ناحق کے بعد ایک دن بھی چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا ۔ چند ہی دن کے بعد وہ عتاب شاہی کی زد میں آیا ، التہائی ذلت کے ساتھ قید کر کے دہلی لے جایا گیا ، وہاں سے دکن کے کسی جیل خانے میں ڈال دیا گیا ۔ آخر میں وہ اپنی ان تمام نکبتوں کا سبب حضرت شیخ ضیاء الدین کے خونِ ناحق کو سمجھتا تھا ۔ وہ شاعر تھا ، ہجری تخلص کرتا تھا ۔ اس نے اپنے اشعار میں اس کا اظہار بھی کیا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اسی ذلت و نکبت میں ہندوستان میں مر گیا ۔ ایک جگہ اپنے مصائب کے حقیقی سبب کو محسوس کرتے ہوئے کہتا ہے :

میں اورنگ زیب کے قید و بند میں نہیں ہوں کہ رھائی پاؤں
بلکہ میں شیخ رحمکار زبیری با کے قید و بند میں ہوں ۔ دکن
میں دم کرنے والا کوئی نہیں کہ مجھ پر دم کرے ۔ مجھے سیاہ

اڑھے نے ڈس لیا ہے ۔

حضرت شیخ ضیاء الدین نے اپنی شہادت کے وقت سات صاحبزادے چھوڑے جن کے نام یہ ہیں ۔

- (۱) نجم الدین بابا (۲) شکور گل بابا (۳) برہان الدین یا برہان گل بابا
- (۴) زین العابدین باز گل بابا (۵) قیاس الدین بابا (۶) عباس الدین بابا
- (۷) دلدار الدین یا دلدار گل بابا ۔

شیخ ضیاء الدین کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت زین العابدین گل بابا اپنے والد کی جگہ مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے ۔ حضرت زین العابدین ۱۰۷۶ھ (۶۶۵ع) میں پیدا ہوئے ، ان کے سن وفات کے متعلق تمام تذکرہ نویس خاموش ہیں ۔ حضرت زین العابدین کا مزار حضرت شیخ رحمکار کے روضے سے جانبِ شمال مشرق واقع ہے ۔

شیخ ہد گل :

حضرت شیخ رحمکار کے دوسرے صاحبزادے شیخ ہد گل تھے ، جن کا مختصر تذکرہ گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ حضرت شیخ رحمکار نے ان کو حضرت آدم بنوری کے ساتھ حج کے لیے بھیجا تھا ۔ ”جمع البرکات“ میں ہے کہ جب یہ حج ادا کرنے کے بعد واپس ہو رہے تھے تو ایران کے علاقے میں کافروں کے ہاتھوں شہید ہوئے وفات سے کچھ پہلے وصیت فرمائی :
مرا اگر توانید بدیار خود برید | اگر تم سے ممکن ہو تو میرے وطن
و بنزدیک حضرت ایشان دفن کنید | لے جاؤ ، اور میرے والد کے قریب
دفن کرو ۔

چنانچہ وہ اپنی وصیت کے مطابق لائے گئے ، اور ان کو ان کی وصیت کے مطابق حضرت شیخ رحمکار کے مزار کے متصل دفن کیا گیا ۔ ان کی اولاد کے متعلق ضمیمہ ”مقاماتِ قطبیہ“ میں ہے کہ :

ایں صاحب بسمار کم اولاد دارد از یک | یہ صاحب (حضرت شیخ ہد گل) بہت
نفر مردانہ در اولاد او زیادہ نباشد ، | کم اولاد رکھتے تھے ، ان کی اولاد
و در موضع کوٹ علاقہ رانی زئی می | میں ایک نفر مرد سے زیادہ کوئی نہیں

شد۔ مزار او ہم در زیارت است (۱) ہوتا اور وہ موضع کوٹ علاقہ رانی زئی میں رہتا ہے، ان کا مزار بھی زیارت میں ہے۔

شیخ محمد گل کے ایک صاحبزادے تھے، جن کا نام احمد گل تھا۔

شیخ خلیل گل :

شیخ خلیل گل مشہور بہ مزرے بابا حضرت شیخ رحمکار کے تیسرے صاحبزادے تھے، جو اپنے والد کی زندگی ہی میں ٹوٹنی علاقہ انوی میں تشریف لے گئے۔ مزی سے مشہور ہوئے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ حضرت شیخ گل کی اولاد آج بھی اس علاقے میں آباد ہے۔ ان کی اولاد کے چند گھرانے امازی گڑھی علاقہ ہشت نگر اور ٹوٹنی اور آگرہ علاقہ آتمان خیل میں موجود ہیں۔

شیخ خلیل کا مزار ٹوٹنی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ شیخ خلیل گل نے دو صاحبزادے میاں یحییٰ صاحب اور کوکو صاحب چھوڑے، ان کی اولاد کا سلسلہ میاں یحییٰ صاحب سے چلا۔

شیخ عبد الحلیم :

یہ حضرت شیخ رحمکار کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ ان کا نام تو عبد الحلیم تھا لیکن یہ مشہور ”حلیم گل بابا“ کے نام سے تھے اور علم و فضل و زہد و ورع سے ممتاز تھے۔ ان کے تبصر علمی اور علم و فضل کو دیکھ کر ان کو ”دانشمند“ کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ”سپین بابا“ اور صاحب ہندوستان کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ انہوں نے ہند و پاک کے مختلف شہروں میں سفر کر کے متعدد اساتذہ سے علوم دینیہ کی تعلیم و تکمیل کی تھی۔ وہ اپنے والد کی وفات کے وقت ہندوستان میں تھے۔ وہیں ان کو اپنے والد کی وفات کی اطلاع ملی۔ وفات کے بعد وہ اپنے والد کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور طریقہ اویسی کے مطابق صاحب مزار سے روحانی استفادہ کیا۔

صاحب تصانیف تھے۔ شیخ عبد الحلیم کا علمی دنیا پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ رحمکار کے حالات و مناقب اور سوانح حیات کو فارسی میں 'مقاماتِ قطبیہ' اور 'مقاماتِ قدسیہ' کے نام سے مرتب کر کے محفوظ کیا۔ یہ کتاب حضرت شیخ رحمکار کے صحیح حالات تک پہنچنے کا بڑا ذریعہ ہے ورنہ حضرت شیخ رحمکار کے حالات تک اس درجہ مفصل دسترس مشکل تھی۔

'مقاماتِ قطبیہ' ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں جنرل پرنسنگ پریس دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے پہلے حصے کو 'مقاماتِ قطبیہ' اور دوسرے حصے کو 'مقاماتِ قدسیہ' کا نام دیا۔ پہلا حصہ ۱۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ۱۴ باب اور تتمہ ہے۔ اس حصے میں تمام تر سوانحی مواد ہے۔

دوسرا حصہ بیس مقالوں اور ایک تتمے پر مشتمل ہے جو صفحہ ۱۸۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۶۷ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کتاب کو ابوالاسد اللہ مہتد اللہ نبیرۃ شیخ عبد الحلیم نے از سر نو ترتیب دیتے ہوئے دیباچے میں لکھا کہ :

میں ایک روز ایک کتاب پڑھ رہا تھا اس میں تقریباً تمام اولیاء اللہ کے حالات تھے، مگر میں نے اس میں اپنے بزرگوں کا سلسلہ یعنی کا کا صاحب وغیرہ کے حالات نہیں پائے۔ میں اس خیال میں تھا کہ کوئی ایسا رسالہ ملے کہ اس سے کا کا صاحب (شیخ رحمکار) کے حالات معلوم ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کا کا صاحب اور ان کے بزرگ کون سا طریقہ رکھتے تھے اور ان کا مرتبہ کیا تھا۔ میں اسی خیال میں پشاور گیا اور وہاں سے موضع زیارت گیا۔ مزار شیخ کی زیارت کی، اور اپنے مدعا کی جستجو میں رہا۔ میں نے سنا کہ عبد الحلیم صاحب فرزند چہارم شیخ جی (شیخ رحمکار) نے جو علوم ظاہری و باطنی میں ایک سمندر تھے، شیخ جی (شیخ رحمکار) کے مناقب پر ایک کتاب لکھی ہے، مگر وہ کتاب ایک ناخواندہ شخص کے پاس ہے، جو

کسی دوسرے کو نہیں دیتا کہ اسے مشتہر کرے۔ مگر شکر ہے کہ جیسے ہی میں اس کے پاس گیا، اس نے یہ کتاب میرے حوالے کر دی۔ میں اس کتاب کو لے آیا، اور تنہائی میں اس جگہ پر جہاں شیخ جی (شیخ رحمہ اللہ) عزلت گزیر رہتے تھے اور اس کو میلہ کہتے ہیں اس کا مطالعہ کیا۔ تین روز میں اس کتاب کے مطالعے کو مکمل کر سکا۔ میں اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر مالکِ کتاب راضی ہو جائے تو وہ جس قدر قیمت مانگے گا میں اسے دے کر اس کتاب کو طبع و مشتہر کروں گا، مگر خدا کا فضل یہ ہوا کہ مالکِ کتاب نے مجھ سے کچھ نہیں لیا، اور کتاب عاریتاً اس شرط پر میرے حوالے کر دی کہ جب میں اس کو نقل کر لوں تو اصل کتاب اس کے حوالے کر دوں، بلکہ اس کے علاوہ شیخ عبد الحلیم کی ایک اور کتاب بھی اس نے میرے حوالے کی، جو علم سلوک پر تھی۔ میں نے اس پر بھی قبضہ کیا، اور گھر آکر اس کے مسودے کو ترتیب دینا شروع کیا۔ میں نے پہلی کتاب کا نام جس کا تعلق حضرت شیخ رحمہ اللہ کے حالات و مناقب سے تھا ”مقاماتِ قطبیہ“ و اور دوسری کتاب کا جس کا تعلق علم تصوف سے تھا اس کا نام ”مقاماتِ قدسیہ“ رکھا، اور ان دونوں کتابوں کا مجموعی نام ”مقاماتِ قطبیہ و مقاماتِ قدسیہ“ رکھا۔ میں نے شیخ عبد الحلیم کی عبارت میں کسی قسم کی کمی و بیشی نہیں کی تاکہ کتاب کی برکتیں نہ جائیں۔ ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۱۸ (۱)۔

یہ کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے :

بعد از حمد و صلوة پر رسول میگوید عبد الحلیم کہ او وسیلہ جویندہ بسوئے خدائے کریم کہ من ذیل عصیان آلودہ دارم

تحقیقی الا آنکہ امید دارم از لطف رحیم کہ او گناہ من بیامرزد (۱)
اس کتاب کے دوسرے حصے میں تصوف کے مسائل و رموز کو بھی
بیان کیا گیا ہے اور شیخ محمد حسن (۲) کی کتاب ”بحرالمعانی“ کے حوالے

۱ - مقامات قطبیہ - صفحہ ۱۷

۲ - سید محمد حسین کا تذکرہ صاحب ”اخبار الاخیار“ حضرت شیخ
عبدالحق محدث دہلوی نے اس طرح کیا ہے کہ: سید محمد بن
جعفر مکی حسینی، شیخ نصیرالدین محمود (چراغ دہلی)
کے عظیم المرتبت خلفاء میں، توحید و تفرید میں بلند
مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے جو اپنے حالات لکھے ہیں
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ سلطان محمد تغلق
سے پہلوی لودھی تک ہے۔ سلطان بہلول لودھی کے زمانے
میں ان کی عمر سو سے متجاوز تھی۔ مکہ معظمہ کے شرفا میں
تھے۔ پہلے دہلی میں پھر سرہند میں سکونت اختیار کی۔ اپنی
کتاب ”بحرالمعانی“ میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں ساٹھ سال
تک علوم ظاہری کو حاصل کرتا رہا اور اس کسب کمال میں
محبوب ازل اور مقصود ابد سے غافل رہا۔ اسی ”بحرالمعانی“
میں ہے کہ بہت سی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد وہ حضرت
چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دستِ حق
پرست پر بیعت ہوئے اور تین ماہ بارہ روز آپ کی خدمت میں
رہے۔ مرید ہونے کے بعد شیخ چراغ دہلی کی چند خدمتیں ان
کے سپرد تھیں، ایک تو وضو کے پانی کا اہتمام ان کے سپرد
تھا اور وہ اپنے شیخ کو وضو کراتے تھے، دوسرے چراغ
کے روشن کرنے کا اہتمام بھی ان کے سپرد تھا۔ خود سید
محمد جعفر کا بیان ہے کہ میں اپنے شیخ کی یہ خدمتیں اس
وقت سے کرتا تھا کہ جب کہ میرے عہد میں محمد تغلق
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۹ پر)

متعدد مقامات دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں شاہ شرف الدین یحییٰ منیری (۱) کے مکتوبات ”رسالہ قشیریہ“، ”عوارف المعارف“ اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۹)

کمہایت کے مقطع دار تھے اور ایک ہزار تین سو سواروں کا ایک رسالہ ان کے پاس تھا۔

ان کی تصانیف میں ”بحر المعانی“، ”رسالہ پنج نکات“ اور ”بحر الانساب“ مشہور ہیں۔ ”بحر المعانی“ میں انہوں نے لکھا ہے کہ وہ دو کتابیں ایک ’دقائق المعانی‘ اور دوسرے ’حقائق المعانی‘ لکھیں گے۔ لیکن اس کا پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے یہ دونوں کتابیں لکھیں یا نہیں (ماخوذ از ”اخبار الاخیار“۔ صفحہ ۱۳۶ تا ۱۴۰)

۱۔ مخدوم الملک شرف الدین احمد بن یحییٰ ۲۶ شعبان ۸۶۶ھ (۶۳-۱۲۶۲ء) کو بمقام منیر ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق سے جاملتا ہے۔ حضرت شرف الدین کے اجداد بیت المقدس سے آکر منیر میں آباد ہوئے۔ حضرت شرف الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں پائی۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو ان کے والد نے ان کو مولانا ابوتوامہ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے سنار گاؤں بھیجا اور انہوں نے مولانا ابوتوامہ سے تعلیم حاصل کی۔ تعلیم ہی کے زمانے میں اپنے استاد کی صاحبزادی سے عقد کیا۔ جب وہ علوم شرعیہ کی تکمیل کر چکے تو ’لطائف اشرفی‘ میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب اللہی کی شرف ملازمت کے لیے دہلی تشریف لے گئے اور ارادت و ارشاد کے لیے درخواست کی۔ حضرت خواجہ محبوب اللہی نے فرمایا میرے بھائی شرف الدین تمہاری مریدی اور سلوک (باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۱ پر)

صوفیائے کرام کے مختلف رسائل کے حوالوں سے بھی متعدد مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

شیخ عبدالحام کا مزار پُرانوار زیارت کا صاحب میں حضرت شیخ رحمکار اور دوسرے بیانیوں بھتیجوں کی قبروں سے علاحدہ جانب جنوب تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہے۔ شیخ عبدالحام کے پانچ صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں :

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۰)

کی تعلیم بوادرِ نجیب الدین سے متعلق ہے تم ان کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ شیخ نجیب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ نجیب الدین نے ان کو فوراً بیعت کر لیا اور کچھ نصیحتیں فرما کر رخصت کیا اور فرمایا اگر راستے میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا۔ جب وہ ضلع آہ میں بھیا کے جنگل میں پہنچے تو مور کی آواز سنی۔ آواز سن کر دل میں ایک ہوک اٹھی اور جذب و سرمستی میں بھیا کے جنگل میں انہوں نے بارہ سال گزارے۔ جب دل نورِ معرفت سے منور ہو گیا تو آبادی کی طرف رخ کیا اور بہار شریف میں سکونت اختیار کی۔ سلطان محمد تغلق نے ان کی بزرگی اور درویشی کی شہرت سن کر مجد الملک مقطع بہار کو حکم دیا کہ وہ حضرت شرف الدین کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائے اور اس کے اخراجات پر گنہہ راجگیراں سے حضرت کے حوالے کیے جائیں۔ مجد الملک نے اس کی تعمیل کی اور اسی خانقاہ میں حضرت شرف الدین یحییٰ سنیری نے رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا۔

۱۰ شوال، شب پنجشنبہ ۵۷۸۲ھ (۱۳۸۰ع) کو حضرت شرف الدین احمد بن یحییٰ نے وصال فرمایا۔ مزار پُرانوار بہار شریف میں ہے (ماخوذ از ”بزمِ صوفیہ“ - صفحہ ۳۷۶ تا ۳۷۷)



تذکرہ صوفیائے سرحد

(۱) افضل با با (۲) گل حسن با با (۳) فخرالدین با با (۴) غنی
دل با با (۵) رحمت شاہ با با -

خلفاء و مریدین :

حضرت شیخ رحمکار کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے - جنہوں نے
مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد میں سلسلہ سہروردیہ کو غیر معمولی
ترقی دے کر اس سلسلے کے فیضان کو عام کر دیا ، ان میں سے بعض
کے نام یہ ہیں :

(۱) خواجہ شمس الدین ہروی (۲) شاہ عبداللطیف (۳) خواجہ
جال الدین (۴) حضرت شیخ اخ الدین (۵) خواجہ گل نور (۶) غازی خان
با با (۷) میان عبدالرحیم صاحب مشہور بہ میان جی گل (۸) شیخ علی گل
و ملی گل (۹) شیخ بابر با با (۱۰) شیخ دریا خان چمکنی (۱۱) شیخ
فتح گل (۱۲) مرزا گل با با (۱۳) شیخ ادین صاحب (۱۴) شیخ عبدالرحیم
صاحب (۱۵) شیخ محمد حیات صاحب -

خواجہ شمس الدین ہروی :

حضرت شیخ رحمکار کے جلیل القدر خلفاء میں ہیں - یہ صاحب
تصنیف و تالیف تھے - ”اسرار السالکین“ حضرت خواجہ شمس الدین ہروی
کی مشہور تالیف ہے - اس کتاب میں انہوں نے حضرت شیخ رحمکار کے
فضائل و مناقب ، ان کے مسائل تصوف و سلوک کو یکجا جمع کر دیا
ہے - افسوس ہے کہ اس کتاب کا تذکرہ اب صرف تذکروں کی زینت و
زینت ہے اور اصل کتاب کا کوئی نسخہ نہیں ملتا ، لیکن صاحب
”مجمع البرکات“ جنہوں نے اس کتاب سے استفادہ کیا تھا وہ اس کتاب کی
معنویت و ضخامت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

| | |
|--|--|
| <p>و ازیں جملہ مناقبات تصنیف خواجہ شیخ شمس الدین ہروی کہ در توران زیارتے دارد عمدہ تراست کہ آن مانند پنج بہرہ بانداۃ تفسیر حسینی امت ، و از آن در مناقبات دیگر</p> | <p>حضرت شیخ رحمکار کے مناقب میں ایک تصنیف شیخ شمس الدین ہروی کی بھی ہے کہ جن کا مزار توران میں ہے - یہ ایک نہایت عمدہ تصنیف ہے ، جو ”تفسیر حسینی“ سے</p> |
|--|--|

عمدہ نیست -

تقریباً پانچ گنا ضخیم ہے ، اور اس سے بہتر مناقب اور اصول مناقب میں کوئی دوسری کتاب نہیں -

پھر اسی کتاب پر شیخ رحمکار کے سلسلے میں تبصرہ کرتے ہوئے ، اور جو کچھ انہوں نے اپنی کتاب میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :

لیکن اے عزیز ! مجھ فقیر کی باریک نظر میں وہ اصول جو ”اسرار السالکین“ میں مذکور ہیں ، اور حضرت کے مناقب شریف جو اس میں ہیں ، وہ تمام مناقب کا ٹیوڑ ہیں کہ ان کے بغیر حضرت کے اصل مناقب تک عقل نہیں پہنچتی ، پس اس سے استعمال اور تتبع بہت مشکل ہے اس لیے کہ جو اس میں ہے بجا ہے اور طوالت بہت رکھتا ہے کہ یہ بڑا مجموعہ ہے اس رسالے میں فقیر نے بقدر وسعت اپنی ضرورت کے مطابق لے کر بطریقہ اختصار اس طویل مجموعے سے لکھا ہے -

لیکن اے عزیز ! در نظر باریک من فقیر آن اصول کہ در اسرار السالکین مذکور اند و مناقبات شریف حضرت بدان مرتب ، و ہمہ حاصل مناقبات ہمہ اند کہ بے آن بمناقبات حضرت اصل دانش نیست ، پس آن از روئے استعمال و تتبع بسیار صعب تر است ، چہ انجا بجا ست و طوالت نیز بسیار دارد کہ مجموعہ کلان تر است درین رسالہ فقیر بقدر وسع خود قدرے از ضروریات بطریقہ اختصار از آن مجموعہ مطرلہ ایراد کردہ مرقوم ساختہ -

خواجہ جال الدین :

شیخ رحمکار کے خلفاء میں خواجہ جال الدین کو بھی خاص شہرت و عظمت حاصل ہے ، انہوں نے بھی اپنے شیخ کی سوانح حیات اور ان کے فضائل و مناقب کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا تھا ، صاحب ”مجمع البرکت“ کا بیان ہے کہ شیخ کے فضائل و مناقب میں خواجہ شمس الدین کی کتاب کے بعد یہ کتاب سب سے عمدہ ہے -

تذکرہ صوفیائے سرحد

صاحب ”مجمع البرکات“ نے خواجہ جلال الدین کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ان کا اصل نام جمیل بیگ یا جمیل خاں تھا ، جو خوشحال خاں خٹک کے بھائی تھے ، اور ریاست و امارت کو چھوڑ کر حضرت شیخ رحمکار کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تھے ، صاحب جذب و سرمستی تھے ۔

خواجہ جلال الدین کا مزار موضع تنگاڑو کے قریب علاقہ خٹک تحصیل نوشہرہ میں اکوڑے سے بجانب جنوب اور زیارت کا کا صاحب سے مشرق جانب واقع ہے ، ان کی اولاد فقیر خیل کے نام سے نوشہرہ کے مختلف دیہات و قصبات میں پھیلی ہوئی ہے ۔

شیخ اخ الدین :

حضرت شیخ رحمکار کے خلفاء میں شیخ اخ الدین کی یہ خصوصیت ہے کہ شیخ رحمکار کے وہ استاد بھی تھے ، اور آپ نے حدیث کی مشہور کتاب ”مشکوٰۃ“ کے چند سبق ان سے پڑھے بھی تھے ۔

شیخ اخ الدین نے حضرت شیخ رحمکار کے گیارہ سال بعد ۱۰۷۴ھ (۱۶۶۳ء) وفات پائی ۔ کسی نے ان کی وفات کی تاریخ ذیل کے قطعے میں نکالی ہے :

چو رفت از دار فانی شیخ اخ الدین
قدم برداشت بر آئیں پیشیں
طلب کردم ز هاتف سال تاریخ
ندا این داد بود این شه اخ الدین

۱۰۷۴ھ

شیخ اخ الدین کا مزار پر انوار اکوڑہ خٹک میں زیارت گاہ خاص و عام

ہے ۔

سرفراز صاحب عقاب نے ان کے متعلق کچھ اور تفصیلات دیتے ہوئے اپنے رسالے ”کا کا صاحب“ میں لکھا کہ شیخ اخ الدین کو شیخ ادین بھی کہتے ہیں ۔ نصر صاحب نے ان کا نام اخو الدین سلجوق لکھا ہے ، اور مؤلف ”مجمع البرکات“ نے ان کا نام اخون ادین تحریر کیا ہے ۔ انہوں نے

دینی تعلیم دہلی میں حاصل کی تھی ، اور ان کی شادی امنزو میں ہوئی تھی۔ اپنے دور کے متبحر عالم تھے۔ ان کی اولاد آج تک زیارت کا کا صاحب میں موجود ہے ، اور کا کا خیل ان کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ شیخ ادین نے ۱۰۷۴ (۶۴-۶۶۳ء) میں وفات پائی، ان کا مزار سرائے اکوڑہ میں ہے (۱)۔
غازی خان بابا :

غازی خان بابا بھی حضرت شیخ رحمکار کے خلفاء اور عزیزوں میں تھے۔ ان کا مزار زیارت کا کا صاحب میں شیخ رحمکار کے روضہ مبارک سے جانب مغرب محلہ قنبرخیل میں واقع ہے۔
میاں عبدالرحیم مشہور بہ میاں جی گل :

میاں عبدالرحیم مشہور بہ میاں جی گل ، سادات بخارا میں سے تھے۔ چونکہ ان کا پیشہ معلمی تھا ، اس لیے میاں جی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ وہ ابتدائے حاجی بہادر کوھاٹی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے ، پھر حضرت رحمکار سے بیعت کر کے سلوک و عرفان کے اعلیٰ منازل طے کیں۔ ان کا مزار موضع شوکی میں واقع ہے ، جو ضلع کوھاٹ میں لاچئی سے شکردرہ جانے والی سڑک پر نو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان کی اولاد آج بھی شکردرہ اور بعض دوسرے دیہات میں موجود ہے۔

شیخ علی گل و ملی گل :

یہ دونوں حقیقی بھائی حضرت شیخ کے خادم خاص اور جلیل القدر خلفاء میں تھے۔ حضرت شیخ رحمکار کی نظر شفقت و التفات ان دونوں پر بیحد تھی۔ اخون اسماعیل نے بارگاہ حضرت شیخ رحمکار میں ان دونوں بھائیوں کے تقرب و خصوصیات کو دیکھتے ہوئے لکھا کہ

”ہر دو سرہنگانِ درگاہ و نہنگانِ محیطِ بارگاہ حضرت بود“

اخون اسماعیل کا بیان ہے کہ شیخ ملی تو حضرت شیخ رحمکار کے ہاں تقرب و اختصاص کی اس منزل پر فائز تھے کہ جہاں نیاز مندیاں تاز بن جاتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

”شیخ ملی کہ در خلا و بلا بہ آنحضرت محرم بود
اکثر اوقات ابواب گستاخی مفتوح داشت“

دونوں بھائیوں کے سپرد لنگر کا اہتمام و انتظام تھا۔ دونوں بھائی خود کھانا پکاتے اور فقراء میں تقسیم کرتے تھے۔ دونوں میں بیحد اتفاق، خلوص اور یگانگت تھی۔ ان دونوں کی محبت و یگانگت کا مظہر آج بھی وہ دو قبریں ہیں جو چار دیواری میں حضرت شیخ رحمکار کے روضہ مبارک سے مغربی جانب واقع ہیں (۱)۔

شیخ محمد حیات :

یہ بھی حضرت شیخ رحمکار کے جلیل القدر خلفاء میں تھے۔ صاحب زہد و ورع اور مستجاب الدعوات تھے۔ کہا جاتا ہے کہ نواب سعد اللہ خان (۲) جو آئندہ چل کر شاہجہاں (۳) کا وزیر ہوا، اپنے

- ۱۔ یہ تمام خلفاء کے حالات ”تذکرہ شیخ رحمکار“ مرتبہ سید سیاح الدین کا کاخیل صفحہ ۱۲۳ تا ۱۳۵ سے ماخوذ ہیں۔
- ۲۔ سعد اللہ خان ضلع جھنگ کے ایک قصے چنیوٹ میں پیدا ہوا، اور لاہور میں ہوش سنبھالا اور حفظ قرآن مجید کے بعد علامہ یوسف اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی اور ایک طویل عرصے تک مدرسہ وزیر خان لاہور میں تعلیم پاتا رہا۔ جب شاہجہاں اپنے جلوس کے چودھویں سال لاہور آیا، اس نے سعد اللہ خان کے علم و فضل کی شہرت سن کر ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) اس کو طلب کیا اور سعد اللہ خان کا لقب دے کر اپنے ملازموں میں شامل کر لیا، یہاں تک کہ رجب ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۴ء) میں اس کو اپنا وزیر بنایا۔ سعد اللہ خان نے مرض قولنج سے ۱۰۶۶ھ (۱۶۵۵ء) میں وفات پائی، (ماخوذ از ”نزهة الخواطر“، جلد ۵ - صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶)۔

- ۳۔ عہد حکومت شاہجہاں ۸ جادی الثانی ۱۰۳۷ھ تا یکم ذی قعدہ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۷ پر)

زمانہ طالب علمی میں جب کہ وہ نہایت غریب تھا شیخ محمد حیات کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوا اور دعا کا طالب ہوا کہ اسے ترقی و خوشحالی نصیب ہو۔ شیخ محمد حیات نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ ان کی دعا کا اثر تھا کہ وہ وزارت عظمیٰ کے جلیل القدر عہدے پر فائز ہوا۔

شیخ محمد حیات کا مزار پُر انوار موضع پلوٹ علاقہ ٹیکسلا، حسن ابدال میں مرجع خاص و عام ہے (۱)۔

جمیل بیگ مشہور بہ فقیر صاحب :

جمیل بیگ مشہور بہ فقیر صاحب پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خان خٹک کے حقیقی بھائی تھے، اور حضرت شیخ رحمکار کے مرید اور جلیل القدر خلفاء میں تھے۔ انھوں نے ایک کتاب ”تذکرۃ الاولیاء“ کے نام سے لکھی تھی، جس کا ایک خطی نسخہ جو خود ان کے قلم کا لکھا ہوا ہے، اور دنیا میں واحد نسخہ ہے پشتو اکیڈمی پشاور میں موجود ہے۔ اس کا سائز ۱۵/۲۲ ہے، کاغذ دیسی حنائی ہے، ہر صفحے پر ۱۳ سطریں ہیں۔ یہ کتاب فارسی میں ہے، اور اس میں قدیم مختلف صوفیہ کے تذکرے ہیں۔ شروع میں جمیل بیگ نے اپنے مرشد شیخ رحمکار کا کچھ حال اور مناقب لکھے ہیں۔ کتاب کی ابتدا میں انھوں نے لکھا :

| | |
|----------------------------------|--------------------------------|
| و نام کاتب این کتاب جمیل ابن | اور اس کتاب کے کاتب کا نام |
| شہباز افغان خٹک مرید شیخ رحمکار | جمیل ابن شہباز افغان خٹک مرید |
| افغان خٹک رحمۃ اللہ علیہ قدس | شیخ رحمکار افغان خٹک رحمۃ اللہ |
| سرہ العزیز، و مرید شدم، مرا فقیر | علیہ، قدس سرہ العزیز ہے، میں |
| خوانند، ہمیں نامہ جاری شد برسن | مرید ہوا، اور مجھ کو لوگ فقیر |

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۶)

۱۰۶۸ھ۔ وفات ۲۶ رجب ۱۰۸۶ھ (فٹنوٹ ”مقالات الشعراء“

صفحہ ۳۹ بضمن ابراہیم)۔

۱۔ ماخوذ از ”تذکرۃ شیخ رحمکار“۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

و بعد چند سال مرا وجد حاصل شد ، عامہ گفتند کہ دیوانہ شد ، مرشدم گفت ... همچو یک دو دیوانہ دیگر بودے (۱) -

کہہ کر بلاتے تھے ، میرا نام یہی مشہور ہو گیا ، اور چند سال کے بعد مجھے وجد کی کیفیت حاصل ہوئی ، لوگ کہتے تھے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ، میرے پیروں نے یہ بات سنی تو کہا کہ (کاش) ایسے ایک دو دیوانے اور ہوتے۔

ان کے علاوہ عقاب صاحب نے اپنے رسالے ”کا کا صاحب“ میں آپ کے حسب ذیل مریدوں کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔

- ۱۔ مظفر صاحبزادہ اخوند اسماعیل ، ۲۔ عبدالرحیم معروف بہ شیخ رحیم ، ۳۔ سرمست ہشت نگری - ۴۔ حاجی تیمر - ۵۔ نیاز بیگ - ۶۔ شیخ عثمان ، ۷۔ ملا لذت ساکن باج گٹھ (بنیر) ، ۸۔ دریا خان چمکنی ، ۹۔ شیخ حسین بیگ ، ۱۰۔ شاہی فقیر - ۱۱۔ نظر یوسف زئی - ۱۲۔ شیخ کمال - ۱۳۔ دادر - ۱۴۔ بہادر خان (۲) -

خوشحال خان خٹک :

پشتو شاعری و ادب کا گلہ سر سبد جس کی خوشبو سے سابق صوبہ سرحد کی وادیاں سہک اٹھیں ، جس کے پاکیزہ نغموں سے اس علاقے کے گاؤں قصبے اور شہر گونج اٹھے ، جس کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دور دور پہنچی ، جو پشتو شاعری و ادب کے آسمان پر مہر درخشاں بن کر چمکا ، جس نے پشتو شاعری کی سطح کو آسمان کا ہمدوش بنایا ، جس نے پشتو کے گلستان شاعری میں نئے نئے گل بوٹے کھلائے وہ خوشحال خان خٹک ہے۔ یہ عظیم المرتبت شاعر بھی حضرت شیخ رحمکار کے مخلص ترین مریدوں میں تھا۔

- ۱۔ ”تذکرۃ الاولیاء“ قلمی مملوکہ پشتو اکیڈمی - پشاور - تالیف جمیل بیگ فقیر - صفحہ ۸۔
- ۲۔ رسالہ ”کا کا صاحب“ - صفحہ ۶۰ تا ۶۲۔

اس کا نام خوشحال خاں ، اس کے والد کا نام شہباز خاں تھا ۔ وہ نسباً خٹک کے قبیلے حسن خیل یا تری سے تعلق رکھتا تھا ۔ اس کا پردادا ملک اکوڑے جو کوھاٹ کے علاقے ٹیری کے ایک گاؤں میں رہتا تھا اور جس کے باپ کا نام درویش محمد عرف ’چنجو‘ تھا ، کسی بات پر اپنے اعزہ سے ناراض ہو کر اپنے چند معتمدین کو لے کر خوڑے کے درۂ سونیاہ میں آکر مقیم ہو گیا ۔ اس نے اس علاقے میں تاخت و تاراج کو اپنا ذریعہ معیشت بنایا ۔

اسی زمانے میں اکبر بادشاہ اپنے بھائی مرزا محمد حکیم کے تعاقب میں اس علاقے میں آیا ۔ اس نے محسوس کیا کہ اٹک سے لے کر پشاور تک کی شاہراہ غیر محفوظ ہے ۔ اسے خیال ہوا کہ اس کی حفاظت کا انتظام کرنا چاہیے ۔ اس نے قبائلی سرداروں سے مشورہ کر کے اس شاہراہ کی حفاظت کا انتظام ملک اکوڑے خاں کے سپرد کیا اور خیر آباد سے نوشہرہ تک کا علاقہ اسے جاگیر میں دے دیا ۔ ملک اکوڑے نے الطاف شاہانہ کو اپنی طرف مبذول دیکھ کر شاہی ملازمت قبول کر لی ۔ اب اس کی حیثیت ایک شاہی ملازم کی تھی ۔ اس نے نوشہرہ سے مشرقی جانب سات آٹھ میل کے فاصلے پر بڑی سڑک سے جانب جنوب اور دریائے لنڈہ کے جنوبی کنارے کے درمیان ایک آبادی کی بنیاد سرائے کے نام سے رکھی ، جو آگے چل کر اکوڑہ خٹک کے نام سے مشہور ہوئی ۔ وہ خود بھی بستی میں رہنے سہنے لگا ۔

ملک اکوڑہ ایک لڑائی میں نازو خاں بولاق کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ ملک خاں کے آٹھ بیٹے تھے ، سب سے بڑا لڑکا محمد یحییٰ خاں تھا جو اپنے باپ کی جگہ جانشین ہوا ۔ یحییٰ خاں بھی بڑا بہادر اور شجاع تھا ۔ یہ بھی ایک لڑائی میں اپنے بیٹے عالم علی خاں کے ساتھ قتل ہوا تو اس کے بیٹے شہباز خاں کو سردار تسلیم کر لیا گیا ۔

اسی شہباز خاں کے ہاں ماہ ربیع الثانی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) میں عہد جہانگیر میں پشتو شاعری کا وہ گل سرسبد خوشحال خاں پیدا ہوا جس کے نغمے آج بھی صدیاں گزر جانے پر اہل نظر کو مست بنائے ہوئے ہیں ۔ وہ اپنی

ولادت کے سنہ کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

دھجرت زردویشٹ سن وو | سنہ ایک ہزار بائیس ہجری تھا کہ
چہ زہ را غلم پہ جہاں | میں اس دنیا میں آیا

وہ اپنے اشعار میں اپنے آباء و اجداد کی شرافت و شجاعت اور اپنے
حسب و نسب پر روشنی ڈالتے ہوئے والدہانہ انداز میں کہتا ہے کہ

مجزہئے دلیغ را کرہ پہ اصل کنیے پنبتوں یم

پلار پہ نیکہ نہ یم ہے دولتہ ہے خشم

(مجھے) تلوار سے حصہ ملا ہے ، میں حسب نسب میں پشتون ہوں ۔

باپ دادا سے بے دولت اور بے خشم نہیں رہا ہوں ۔

پلارم سور کفن و کور تہ لار نیکونہ وارہ

دیر خلق پروم خون ئے لار شو تر عالم

باپ بھی خون میں رنگا ہوا کفن لے کر قبر میں گئے ، اور دادا

پردادا بھی ۔ ان کے انتقام میں بہت لوگ مارے گئے ۔

پلارم شہباز خان پہ سخاوت لکہ حاتم وو

زرہئے دزمری پہ تورہ تیرووتر رستم

میرے باپ شہباز خان تھے ، جو سخاوت میں دوسرے حاتم تھے ،

ان کا دل شیر کا تھا ، اور بہادری میں وہ رستم سے بڑھ کے تھے ۔

تہیک ولار پہ شرعہ تل ئے کارووپہ ربتیا کنیے

خط سودائے نہ وونور دانا وولہ فہم

شرع پر سختی سے قائم رہے ، اور ان کے کام ہمیشہ صداقت کے ساتھ

رہے ۔ لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا ، ویسے فہم و فراست میں دانا تھے ۔

خوبہ نیکہ ستایم یحییٰ خان جنت ئے حائے شہ

روغ لکہ یوسف وو درست تر سر تر قدم

اور دادا کی کہان تک تعریف کروں ! یحییٰ خان خدا انہیں جنت میں

جگہ دے ، حسن میں سر سے پاؤں تک حضرت یوسف کی طرح تھے ۔

بل نیکہ حماملک اکوچہ پہ ختک کنیے

دہ را ورہ دایرخہ دلوئی مقدم

میرے پردادا مالک اکوڑ تھے ، خشکوں میں سب سے پہلے وہی لڑائی کا حصہ لائے تھے ۔

دیرش کالونہ وشول چہمے پلار دے شہید شوے

مر کسر یوسف زوماہم اور کرہ یاندے سم

میرے والد کو شہید ہوئے تیس سال ہو چکے ، انہیں یوسف زئی قبیلے کے لوگوں نے مارا تھا ، میں نے بھی ان پر ہاتھ کے ہاتھ آگ لگا دی تھی ۔

(”منتخبات خوشحال خاں خٹک“ ، صفحہ ۱۴۴ - ۱۴۵)

افسوس ہے کہ خوشحال کے ابتدائی حالات کے متعلق اس کے تمام تذکرہ نگار خاموش نظر آتے ہیں ۔ نہ ہمیں اس کے تذکروں میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اس کے جوہر قابل کو کن اساتذہ اور بزرگوں نے مجلی و مصفیٰ بنایا تھا ، لیکن اس کے کلام سے ہمیں اس کے تبحر علمی اور علم و فضل کا اندازہ ہوتا ہے ۔ وہ اپنے ایک قصیدے میں اپنی تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ :

میری طبیعت وہی اور عطائی ہے ، اکتسابی نہیں ، اس لیے مجھے

اسلاء تک کے لکھنے کا علم نہیں ، میں ایک گھونٹہ درس میں

گزارتا تھا تو بیس گھنٹے شکار میں :

د جہان تحصیل بہ کل وارہ حملاو

کہ اختہ نہ وے دنیکار بہ اشتعال

شکار مجھے کسب کمال کے لیے کب چھوڑتا تھا ، اور یہی نہیں ، میں نے دنیا بھر کے علوم و فنون کی تکمیل کر لی ہوتی اگر شکار کے شغل میں منہمک نہ رہتا ۔

اس کے ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے تعلیم تو معمولی پائی تھی ، لیکن اپنے طبعی ذوق اور مطالعے کی بنا پر علم و فضل کی بلند منزلوں پر فائز ہوا تھا ۔

۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ع) میں خوشحال خاں کا باپ قبیلہ مندثر کے

اکا خیلوں کے ہاتھ سے ایک تیر سے زخمی ہوا ، اور پانچویں روز اس



تذکرہ صوفیائے سرحد

نے وفات پائی ، وہ اپنے اشعار میں ایک جگہ اپنی پیدائش اور اپنے والد کے سنہ وفات پر خود ہی روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ :

د ہجرت زر دودہ ویشست سن وو
چہ زہ راغلم پہ جہان ——— !

ہفتہ کال پورہ پنحوس وو

چہ شہید شو شہباز خان

دھنہ دور بادشاہ وو

قدر دان شاہ جہان

ایک ہزار بائسیواں سال ہجری تھا کہ میں دنیا میں آیا
اور وہ سال پورا ہوا ، ایک ہزار پچاس ہجری تھا کہ شہباز
خان شہید ہوئے ۔ اس وقت شاہجہاں جیسے قدر دان بادشاہ تھے ۔
("منتخبات خوشحال خان خٹک" - صفحہ ۱۶۰)

باپ کی وفات کے بعد لوگوں نے متفقہ طور پر اسے اپنا سردار منتخب
کر لیا ۔ اس نے سردار ہوتے ہی باپ کا انتقام لینے کے لیے یوسف زئیوں
پر لشکر کشی کی ، اور اکا خلیوں کا قتل عام کر کے ان کے کئی
گاؤں کو جلا دیا ۔

جب وہ اس لڑائی سے واپس لوٹا تو شاہجہاں نے اسے اپنے ایک فرمان
کے ذریعہ سے منصب داری عطا کر کے بعض مہموں پر بھیجنا شروع
کیا ۔ سب سے پہلی مہم جس پر وہ گیا کانگڑے کے قلعے تارا گڑھ کی
مہم تھی ، جس میں اسے غیر معمولی کامیابی ہوئی ۔ اس کامیابی پر
خوش ہو کر شاہجہاں نے اسے لاہور میں چار لاکھ روپیہ نقد اور
ڈھائی لاکھ کی جاگیر عطا کی ، اور حکم دیا کہ وہ خدمت شاہی کے
لیے ہانسو سوار اور ایک ہزار پیدل فوج تیار رکھے ۔ پھر اسے کچھ
دن بعد داراشکوہ اور مراد بخش کے ساتھ بلخ و بدخشاں اور قندھار
کی مہموں پر بھیجا گیا ، جس میں اس کی شاندار خدمات کی وجہ سے
اس کے منصب میں اضافہ ہوتا رہا ۔ شاہجہاں اس سے بیحد خوش تھا

اور وہ بھی اشعار میں جا بجا شاہجہاں کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ ایک جگہ عالمگیر سے بیزار ہو کر شاہجہاں کی قدردانیوں کو یاد کرتے ہوئے کہتا ہے :

قدر دان زما د کار شاہ جہان وو ——— !

د اورنگ زیب بادشاہ ہنکارہ دے خود احوال

چہ نیک خواہ بد خواہ ہمہ ورثہ یکسان دی

نہ تمیز نہ ئے د عدل اعتدال

میرے کام کی قدر بس شاہجہاں کے دل میں تھی ، ورنہ اورنگ زیب کا حال تو ظاہر ہی ہے

جس کے خیر خواہ اور بد خواہ دونوں ایک ہی سے ہیں خود
اسے نہ عدل کی تمیز نہ اعتدال کی ۔

(”منتخبات خوشحال خاں“ - صفحہ ۱۲۶)

اس زمانے میں جب کہ شاہجہاں عالمگیر کے حکم سے قید ہوا اور اور دارا شکوہ پر بھائی کے ہاتھوں تباہیاں آئیں ، اور وہ اپنے وطن سے دور پنجاب میں اپنی زندگی کے اداس دن گزار رہا تھا ، اسے اپنی غریب الوطنی اور شاہجہاں اور دارا شکوہ کی مصیبتوں کا غم ستاتا ہے ، اور اس کا یہ غم اس طرح اشعار کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے :

پہ فلک باندے دھچکا حکم نیشہ

چہ ئے ظلم ، سمونہ ، انقلاب کنیم

دا کرے پہ کوٹ کنیے بند شاہجہان دے

د دارا بہ ہفہ کوم فانی جناب کنیم

آسمان پر کسی کا حکم نہیں چلتا ، جو میں اس کے ظلم و ستم اور گردشوں کا حال لکھوں ۔

شاہجہان آگرے کے قلعے میں قید پڑا ہے ، ایسے ہی دارا کا کیا حال لکھوں ۔

یو مکتوب د خپل آشنا رالہ راغے

اوبنکے برغے توئیوم چہ حواب کنیم

ما خوشحال پہ خواب دا حال لیدلے نہ وو
 چہ بہ دادغم بیتونہ پہ پنجاب کنم
 میرے محبوب کا ایک خط آیا ہے ، اب اس کا جواب لکھتے وقت
 میں دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپکا رہا ہوں ۔ مجھ خوشحال نے تو یہ
 صورت کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی کہ غم کا یہ قصیدہ
 میں پنجاب میں بیٹھ کر لکھوں گا ۔

(”منتخبات خوشحال خان“ - صفحہ ۶۱)

۱۰۶۷ھ (۱۶۵۷ع) میں شاہجہان نے وفات پائی ، اور اس کی جگہ
 اورنگ زیب اس کا جانشین ہوا ۔ تقریباً چھ سال تک اس نے خوشحال خان
 سے بالکل تعارض نہیں کیا ، لیکن ۱۰۷۰ھ (۱۶۵۹ع) میں جب اورنگ زیب
 نے مہابت خان کی جگہ سید امیر خان خوافی کو کابل کا صوبیدار بنا کر
 پشاور بھیجا تو اس نے یہاں رہ کر خوشحال خان کی طاقت اور اثر و رسوخ
 کو محسوس کیا ، اور اسے اندازہ ہوا کہ اگر اس کی طاقت نہ توڑ دی گئی
 تو وہ اس کی راہ کا سنگ گراں ثابت ہوگا ۔ پہلے تو اس نے اس کے چچاؤں
 اور قبیلے کے دوسرے افراد کو مختلف لالچ دے کر اس کے خلاف کر دیا ،
 پھر اس نے موقع پا کر اورنگ زیب سے کہا کہ جب تک کہ بعض
 زمینداروں کو قید نہ کیا جائے گا تو اس وقت تک اس علاقے میں شاہی فرامین
 اور احکام نافذ نہیں ہو سکتے ۔ اورنگ زیب نے اسے اجازت دے دی
 اس نے پشاور آتے ہی خوشحال خان خٹک کو اس بہانے سے بلایا کہ
 اسے اس سے کچھ مشورہ کرنا ہے ۔ جیسے ہی وہ پشاور پہنچا ، چوتھے روز
 سرکاری سپاہیوں نے اسے گھیر لیا ، اور گرفتار کرنے کے بعد اس کے پاؤں
 میں پانچ چھ سیر کی بیڑیاں ڈال کر جیل خانے میں ڈال دیا ۔ وہ اپنی
 امیدوں کی بساط کو اورنگ زیب کے ہاتھوں اُلٹتے ہوئے دیکھ کر کہتا
 ہے ۔

ماوے زہ بے د مغل پہ نوکری
 رکیونہ کرم د سرو ، دسپینو نال

پہ ناحق نے زنجیروں پہ را پہ پنہو کرل
واہ ! واہ ہسے نوازش ! ہسے آمل
میرا تو خیال تھا کہ میں مغلوں کی نوکری میں اپنے گھوڑے کی
رکابیں سونے کی اور اس کے نعل چاندی کے بنواؤں گا، مگر یہاں تو
بے گناہ میرے پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں، واہ کیا بات ہے میری
آرزوں کی، اور کیا کہنے اس کی نوازشوں کے۔

(”منتخبات خوشحال خان“ - صفحہ ۱۳۲)
خوشحال خان دو مہینے تک پشاور میں قید رہا، پھر اسے دہلی
لے جایا گیا۔ تقریباً ایک سال تک وہ دہلی میں نظر بند رہا پھر اسے
سوائی مادھو پور جے پور کے ایک پہاڑی قلعے میں رن تھنبور میں قید کر
دیا گیا۔ تقریباً وہ پانچ سال تک قید و نظر بند رہا، اسی قید و نظر بندی
کی وجہ سے خوشحال خان کے قلب میں مغلوں کی مخالفت کا ایک الاؤ
بھڑک اٹھا۔ اسی زمانے میں اس کی مغلوں سے محبت نفرت سے بدلی، جس
کا سب سے بڑا ہدف اورنگ زیب تھا۔ پشتو شاعری کے اس سر تاج شعرا
نے جو بیک وقت صاحب سیف بھی تھا اور صاحبِ قلم بھی مغلوں کے
خلاف اپنی نفرت کو شاعری کے سانچے میں ڈھال کر اپنی آتش نوائیوں سے
آگ لگا دی۔ وہ قلعے کی اسپری کے زمانے میں اپنی بے گناہی کو
نہایت مظلومیت اور حسرتناک لہجے میں اسے شعر کا آب و رنگ دیتے
ہوئے کہتا ہے :

پہ ناحق دا اورنگ زیب پہ بند بندی یم
خدا نے خبر دے پہ تہمت او پہ بہتان
زہ پہ خان کنہے گناہ نہ و نیم خدا نے کو
ولے نور خلق خبرے کہ شان شان
د گناہ لے سر رشتہ معلومہ ندہ ——— !
مکر خپل ہنر دُخان و نیم تاوان
لکہ زہ ووم پہ راستی پہ درستی کنہے
د مغلی پہ خدمت نہ وو بل افغان

تذکرہ صوفیائے سرحد

بالکل بے گناہ اورنگ زیب کی قید میں پڑا ہوا ہوں، خدا جانتا ہے کہ تہمت اور بہتان کا شکار ہوں، خدا کی قسم میں اپنا کوئی گناہ نہیں دیکھتا۔ میرے گناہ کی اصلیت اور تو مجھے کچھ معلوم نہیں، ہاں میری روشنی طبع میرے لیے بلا بن گئی ہے۔ میری طرح راستی اور درستی کے ساتھ دوسرا کوئی افغان مغل کی خدمت نہیں کرتا تھا۔۔۔۔۔

نہ گناہ نہ سے تقصیر وو

د بادشاہ پہ بند زندان شوم

نہ میرا کوئی گناہ نہ قصور یوں ہی بادشاہ کی قید میں آ گیا ہوں۔

لہ بگرامہ پنپے تر لے

ہندوستان لرہ روان شوم

پشاور سے پابجولان میں ہندوستان روانہ ہوا۔

ایک اور جگہ اپنے درد کو شاعرانہ نوا میں ڈھالتے ہوئے کہتا ہے:

اس میں شک نہیں کہ مغلوں کا نمک پروردہ ہوں، مگر

اورنگ زیب کے ہاتھوں کلیجہ منہ کو آ رہا ہے، حالانکہ

خدا جانتا ہے جو مجھے اپنے گناہ کے متعلق کچھ بھی خبر ہو۔

(مقدمہ ”منتخبات“)

قید و بند میں وطن کے احباب کی یاد جب اس کے سینے میں کروٹیں

بدلتی ہے تو وہ بے چین ہو کر یوں نغمہ سرا ہوتا ہے :

دھیواد یاراں لے ہر زمان یاد یزی

چہ ٹے مخ پہ خوب کنبے اوونیم ویارم

چہ قاصد دیار دخولے کتابت راوری

ٹھوٹے لونڈ پہ او نکو نہ کرم نہ ٹے نعارم

زہ خوشحال پہ خپل قسمت پورے حیران یم

چہ پہ چرتہ گر حیدم پہ چرتہ لارم

اپنے وطن کے دوست مجھے ہر گھڑی یاد آتے رہتے ہیں، اگر خواب

میں بھی میں کبھی ان کا چہرہ دیکھ لیتا ہوں تو خوش ہو جاتا

ہوں - جب کبھی قاصد محبوبہ کے پاس سے خط لے کر آتا ہے تو جب تک میں اسے آنسوؤں سے تر نہ کر لوں اسے نہیں لپیٹتا میں خوشحال ! اپنی قسمت کی گردش پر حیران ہوں کہ ابھی کہاں تھا اور ابھی کہاں ہوں -

(”منتخبات“ صفحہ ۶۰)

دہلی میں نظر بندی کے زمانے میں جب عید آتی ہے تو اس کے دل میں وطن اور گھر والوں کی یاد کی چوٹیں ابھرنے لگتی ہیں - وہ غریب الوطنی کی اس عید پر نوحہ کناں ہوتے ہوئے کہتا ہے :

زہ غم جن پہ عید پہ جشن خبر نہ شوم
کہ درست خلق دہلی ابہتاج کہ
اوبہ ستر کولرہ لاریے اور د زہ شو
شو کہ بہ ترنک ژوند ون پہ دا مزاج کہ

مجھ غم زدہ کو تو جشن عید کی بھی خوشی نہ ہوئی ، حالانکہ دہلی بھر میں لوگوں نے خوشیاں منائیں - پانی آنکھوں کے حصے میں آیا ہے ، اور آگ دل بن کر رہ گئی ہے - بھلا ایسے مزاج کے ساتھ کوئی کیا زندگی گزارے گا :

قلعہ رن تھنبور کی قید کی تنہائیوں میں جب وطن کی یاد کی ہوک اُس کے دل میں اٹھتی ہے تو وہ اپنے اشعار کے آئینہ خانے میں ان یادوں کو اس طرح سجاتا ہے کہ قاری ان اشعار کو پڑھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا - ایک جگہ کہتا ہے -

وہ ہوا جو کابل کی طرف سے اٹھ کر آتی ہے
مجھ پر عنبر چھڑکتی ہے -

جو کوئی کابل کا نام لیتا ہے ، میرے سینے میں
جوش اٹھتا ہے -

جو کوئی پشاور کا ذکر کرتا ہے تو میرا دل
روشن ہو جاتا ہے -

جو کوئی لاہور کا نام لیتا ہے تو اس سے

بھی میرے دل کو دلاسا ہوتا ہے ۔
 کابل و پنجاب کے خواہ آدمی ہوں یا کتے
 جوں ہی مجھے دکھائی دیتے ہیں میرا
 دل بے اختیار ان پر ٹوٹ پڑتا ہے ۔

(”رودِ کوثر“ صفحہ ۴۳۳)

وہ ایک جگہ اپنے قید کے سنہ کی نحوستوں کو نظم کرتے ہوئے
 کہتا ہے کہ:

زہ چہ دغعدم پہ کال بندی د اورنگ زیب شوم
 کور او خیل خانہ مے پکینے دیرہ وہ لہ دم
 میں سنہ ۱۰۷۲ھ میں اورنگ زیب کے ہاتھوں قید ہوا تھا ۔ اس میں
 میرا تمام خاندان اور اہل و عیال پریشان رہے ۔

(”منتخبات“ صفحہ ۱۴۵)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے وفاداری کے وعدے پر اس قید و بند
 سے رہائی ملی تھی ، لیکن جب وہ اپنے وطن واپس لوٹا تو کئی سال کی
 قید و بند کی مصیبتوں نے اس کے قلب میں مغلوں کے خلاف نفرت و
 عداوت کی بنیادوں کو اس قدر مستحکم کر دیا تھا کہ وہ اپنے وعدے پر
 قائم نہ رہا ۔ اس کے وطن کے حالات بگڑ چکے تھے ۔ پورے علاقے میں
 بد امنی پھیل چکی تھی ۔ یوسف زئی جن سے اس کی عداوت تھی ، اسی قبیلے
 کے لوگوں نے اس کے قید و بند کے زمانے میں اس کے خاندان کے لوگوں
 کو اپنی حفاظت میں نہایت احترام سے رکھا تھا ، اور اسی قبیلے کے لوگوں
 نے جا بجا مغلوں کے خلاف شورش برپا کر رکھی تھی ، لیکن اس عظیم
 احسان کے بعد جو یوسف زئیوں نے خوشحال خان کے خاندان پر کیا تھا ،
 اب ان کے مقابلے میں اس کی تلوار کند ہو چکی تھی ۔ ادھر غم و غصے کا
 ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا مغلوں کے خلاف اس کے سینے میں موجزن تھا ۔ اس
 نے قید خانے ہی میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ مغلوں سے اپنا انتقام لے گا ۔
 وہ کبھی مغلوں کی وفاداری اور حمایت کا دم بھرتے ہوئے قبائل کو
 تلقین کرتا تھا کہ

د مغلو دولت خواہ اوسہ شو ژوے
و نفرو تہ ئے ہم کرہ سل سلام
دھفہ بہ فیروزی پہ جہان نہ وی
چہ ئے و خوری د چا مالگہ کہ حرام

جب تک زندہ رہو ، مغلوں کی حایت کا دم بھرتے رہو ، ان کے
نو کروں کو بھی سو سو سلام کرتے رہو ۔

جو شخص کسی کا نمک کھا کر اسے حرام کر دے ، وہ دنیا میں
کبھی کامیاب و کامران نہ ہوگا ۔

(”منتخبات“ صفحہ ۱۳۹)

اب وہی خوشحال خان مغلوں اور خصوصاً اورنگ زیب کے مقابلے
میں شمشیر برہنہ بن چکا تھا ۔ مغلوں کے وہی انعام و اکرام جو ایک دن
اسے مغلوں کی تعریف میں رطب اللسان بنائے ہوئے تھے ، اب اس کی نظر
میں حقیر تھے ، مغلوں کی نفرت و عداوت نے اس کی شاعری کو ایک نیا
رنگ دیا تھا ، اب وہ علی الاعلان پکار پکار کہہ رہا تھا :

دا منصوبہ دا انعامونہ
وارہ زندی دی وارہ دامونہ
پنبتوں مغل بہ سرہ دوستان نشی
خوشحال ئے مہ وینہ دا اکرامونہ

یہ منصب اور انعام سب پھندے ہیں ، اور سب دام ۔ پشتون اور
مغل کبھی آپس میں دوست نہ ہوں گے ، کم از کم خوشحال خان
کو تو یہ انعام و اکرام کبھی نصیب نہ ہو ۔

(”منتخبات“ صفحہ ۲۱۲)

وہ اورنگ زیب کے خلاف اپنے غم و غصے کو شعر کا روپ دیتے

ہوئے بعض بڑی تلخ حقیقتوں کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

میں اورنگ زیب کے عدل و انصاف کو خوب جانتا ہوں
اور اس کے دین و مذہب اور نفس کشی و روزہ داری سے بھی
واقف ہوں کیا اس کے سب بھائی اکیہ ایک کر کے اسی کی

تذکرہ صولیانے سرحد

تلوار کے شکار نہیں ہوئے؟ اور اس کے باپ کو شکست کھا کر قید خانے کی مصیبتیں جھیلنی نہیں پڑیں۔ خواہ کوئی شخص دن میں ہزار بار سجدے کرے، اور زمین پر سر مارے اور روزوں کی کثرت سے اس کی ناف ریڑھ کی ہڈی سے مل جائے جب تک اس کے دل میں نیکی نہ ہو اس کی سب عبادتیں اور طہارتیں مکر و ریا ہیں (“رودِ کوثر“)

”اورنگ زیب کی زبان کچھ اور کمتی ہے، اور اس کا دل کچھ اور سوچتا ہے۔ خدا کرے اس کے دل اور گردے مجروح ہو جائیں، اور وہ تیغ و تفتنگ کا شکار ہو“ (“رودِ کوثر“ صفحہ ۴۳۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے قلم کو اورنگ زیب کی ہجو کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ایک شعر میں وہ اورنگ زیب کی ہجو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے :

فردوسی لری شویتہ لہ محمودہ

زہ لرم د اورنگ زیب د ذم جوال

”فردوسی نے محمود کی ہجو میں زیادہ سے زیادہ دو چار اشعار کہے ہوں گے اور میرا دیوان تو اورنگ زیب کی مذمت کے اشعار سے بھرا پڑا ہے“

(منتخبات۔ صفحہ ۱۲۵)

اورنگ زیب نے اگرچہ اس کے منصب و جاگیر کو بحال کر دیا تھا، لیکن اس کو انتقام اور عزت و ناموس کے سامنے اب یہ سب چیزیں ہیچ نظر آتی تھیں، وہ اس معاملے میں اپنی دلی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

”وہ زندگی جو عزت و آبرو کے ساتھ نہ ہو، ایسی زندگی بسر کرنے والوں کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔ آگ لگے ان کے دیے ہوئے منصب اور نوکری کو جس سے میں

خود مغلوں کی نظر میں حقیر ہوں۔ مجھے جب اپنے نام و ننگ کا احساس ہوتا ہے فرطِ غیرت سے دیوانہ ہو جاتا ہوں، پھر مجھے لاکھوں کے سود و زیاں کی کب خبر ہوتی ہے“

جب مغل گورنر مہابت خاں نے یوسف زئی قبائل پر دباؤ ڈالنے کے لیے قلعہ تعمیر کرنا چاہا تو خوشحال خاں نے اس کی سخت مخالفت کی، لیکن مہابت خاں نے باوجود اس کی مخالفت کے لنگرکوٹ کا قلعہ تعمیر کرا لیا، اس کے اس عمل نے آفریدیوں میں بغاوت کی آگ کو بھڑکا دیا، اور اس آتش نوا شاعر نے اپنی آتش بیانی اور پر اثر اشعار سے بغاوت کی اس آگ کو اور تیز تر کر دیا۔ اہل خانہ مہمند، دریا خان آفریدی اور خوشحال خاں خٹک نے مختلف مقامات پر اور کبھی مل کر مغل فوجوں کا مقابلہ کیا اور شکستیں دیں۔ آخر پیہم ناکامیوں کو دیکھ کر اورنگ زیب کو دو سال تک اٹک کے قریب قیام کرنا پڑا، وہ اپنے اشعار میں عالمگیر کی اس زمانے کی پریشانیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے :

اورنگ زیب راتہ یو کال او شوچہ پروت دے
پہ صورت حیران پریشان پہ زڑہ افکار
کال پہ کال امرا یاں دی چہ پریو حئی
چہ طوفان شولے لبکر کوم شے شمار
اورنگ زیب بھی ایک سال سے میرے مقابلے کے لیے ڈیرے ڈالے
پڑا ہے، بظاہر حیران و پریشان اور بیاطن دل افکار۔ ہر سال اس کے
امرا یہاں آ آ کر ناکام و تباہ ہوتے ہیں، اور جو فوجیں تباہ
ہوئیں ان کا شمار ہی نہیں

(”مستحبات“ صفحہ ۱۱۵)

مغلوں نے اس کے بیٹے بہرام کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا، اور یہ اس قدر ناخلف ثابت ہوا کہ اس نے ساری عمر اپنے باپ کو پریشان رکھا، لیکن خوشحال خاں نے اس کی بھی مطلقاً پروا نہیں کی۔ اس کے لیے جہاں تک ممکن تھا، وہ مغلوں کے لیے طرح طرح کی دقتیں اور مشکلات پیدا کرتا رہا۔ اپنے اس ناہنجار بیٹے سے

اسے جو تاختیاں پہنچیں اس نے انہیں نہایت دردناک طریقے پر کٹی جگہ نظم کیا ہے۔ ایک جگہ ۱۰۹۰ھ (۱۶۷۹ع) میں بہرام کی نالائقی کی شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے :

د مغلوںے بلا شوہ
غریہ غریہ کوہستان شوم
خپل اولس مے مغلی شو
نا امید لہ خاندان شوم
شوم بہرام مے دُحان غم شو
زہ ہم غم دہ دُحان شوم
نا خلف مے مخالف شو
زہ دہ دہ یہ کار حیران شوم
یہ شامت دہ تر آسہ
در تہ تہہ وایم تہ شان شوم

مغلوں کی بلا جب سے مجھ پر مسلط ہوئی ، تو پہاڑوں پہاڑوں پھرتا پھرا۔ میرے اپنے آدمی سب مغلوں کے ہو گئے ، میں تو اپنے خاندان کی طرف سے بھی نا امید ہو گیا ہوں۔ بہرام منحوس میری جان کے لیے عذاب ہو گیا ، اگرچہ میں بھی اس کے لیے وبال بن گیا ہوں۔ ناخلف بیٹا میرا مخالف ہو گیا۔ مجھے تو اس کی باتوں پر افسوس ہوتا ہے۔ اس بہرام کی شامت سے اب تک تمہیں کیا بتاؤں کہ میں کس قدر پریشان ہوا ہوں۔

(”منتخبات“۔ صفحہ ۲۳۱)

بہرام خان نے ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ع) میں اپنے بڑے بھائی اشرف خان کو قلعہ گوالیار میں قید کرا دیا۔ اس واقعہ سے اگرچہ خوشحال خان کو سخت صدمہ پہنچا ، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری ، وہ برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ پشتونوں میں اتحاد پیدا کر کے مغلوں کو اپنے ہاں سے نکال دے ، لیکن اس کے گھر میں نا اتفاق پیدا ہو چکی تھی ، قوم کے افراد مناصب و جاگہروں کی طرف دوڑ رہے تھے ، وہ عجیب کشمکش سے

گزر رہا تھا کہ ۱۰۹۷ھ (۱۶۸۵ع) میں اس کے علاقے میں قحط پڑا ،
پھر ایک وبا پھیلی - اس وبا کی وجہ سے جو تباہیاں اس کے خاندان
پر آئیں وہ اپنے خاندان کے مرحومین پر ماتم کرتے ہوئے کہتا ہے :

د غواص و کال وبا
خدائے نے مہ روالہ بیا
اکوڑ خیل مے پہ کنبے و سٹل
لوٹے ہلک مرد او نسا

۱۰۹۷ھ (۱۶۸۵ع) کی وبا ، خدا یا پھر ایسی وبا نہ لانا
میری ددھیال کے کتنے چھوٹے بڑے مرد ، عورت اس میں مر گئے

بخت ناک خان مے پہ کنبے و سٹل
مور نے ہم بوتلہ قضا
یو ہلک نے وو راپاتے
ور پسے شہ زر فنا
چا تہ زازم لہ دے غمہ
سود م کوم دے د ژڑا
لور پہ لور پہ دا لمبو کنبے
عالم پروت پیمہ واویلا
تر دکنہ تر کابلہ
راخوہ شوہ دا بلا
پہ لکونو عالم و سٹل
چہ شہرونہ شول صحرا
اول قحط بیا وبا وہ
پہ ہر لوری وہ غوغا

میرا بختناک بھی اسی میں مرا ، اس کی ماں کو بھی موت لے گئی
اس کا ایک لڑکا رہ گیا تھا ، وہ بھی اس کے پیچھے جلد گزر گیا
اس آگ کے شعلوں میں ہر طرف لوگ چیخ رہے ہیں
دکن سے لے کر کابل تک آفت پھی ہوئی ہے

لاکھوں آدمی مر گئے ، شہر کے شہر ویران ہو گئے
پہلے قحط پڑا ، پھر وبا آئی ، ہر طرف ایک شور مچ گیا

(”منتخبات“ - صفحہ ۹۴)

زمانے نے ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۶ع) میں اس کے لیے ایک اور نئی مصیبت پیدا کی - بہرام تو باپ کی جان کا لاگو تھا ہی ، اس نے اپنے دوسرے بھائی عابد خاں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا - ان دونوں کی ساز باز سے خوشحال خاں کا ایک اور بیٹا طاہر خاں عالم نوجوانی میں مارا گیا - اس کی ناگہانی موت نے باپ کی کمر بالکل توڑ دی - وہ مصائب کے ہجوم سے مجبور ہو کر نکل بھاگا اور حسن خیل آفریدیوں کے علاقے موسیٰ دری کے ایک گاؤں ڈمبرہ کی پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہو گیا - کچھ عرصے کے بعد اٹھتر سال کی عمر میں ۲۸ ربیع الثانی ۱۱۰۰ھ (۱۶۸۸ع) کو پشتو کا یہ عظیم المرتبت شاعر اس دنیا سے رخصت ہوا -

مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میری قبر ایسی جگہ بنائی جائے ، جہاں میری خاک پر مغلوں کا سایہ نہ پڑ سکے اور نہ مغل سواروں کی گھوڑوں کی گرد میری قبر پر جاسکے کیونکہ میں نے مغلوں کے بہترین فوجیوں کو خاک و خون میں تڑپایا ہے - چنانچہ اس کی وصیت کے مطابق اسے قصبہ اکوڑہ خٹک کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر ایسوڑی بالا گاؤں کے قریب پہاڑیوں کے دامن میں دفن کیا گیا - خوشحال خاں کی اسی وصیت کی طرف علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے :

کہوں تجھ سے اے ہمنشین دل کی بات
وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
مغل شہسواروں کی گردِ سمند

یہ تھی اس شاعرِ آتش نوا کی مختصر داستانِ حیات ، لیکن ہمیں اس کی زندگی ، سیرت و کردار کے اور متعدد پہلو اس کے کلام میں ملتے ہیں - اب ہم اس کی اپنی بنائی ہوئی تصویر کو اسی کے آئینے میں سجا کر یہاں پیش کرتے ہیں - اس کے حسب و نسب اور تعلیم کے متعلق ہم گذشتہ اوراق میں تذکرہ کر چکے ہیں ، اس کے مذہب و مسلک کے متعلق

ہمیں اس کے کلام سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ اہل السنّت و الجماعت میں تھا اور مسلکاً حنفی تھا۔ ایک جگہ وہ کہتا ہے :

پشت بہ پشت راغلے مسلمان مہدی یم

چار د چار یا رانو سرہ واڑہ منم سم

درست پہ داپوہ پیزم چہ حلوٰر مذہبہ حق دی

زہ دحنفی مذہب دعوالرم محکم

میں پشت بہ پشت مہدی مسلمان چلا آیا ہوں ، اور چاروں یاروں کو ایک جیسا مانتا ہوں

اچھی طرح جانتا ہوں کہ چاروں مذہب حق ہیں ، مگر میں حنفی مذہب کا پکا دعویٰ رکھتا ہوں

(”منتخبات“ - صفحہ ۱۴۳)

ایک اور جگہ خلفائے اربعہ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے :

کہ پہ منیہ د صلیق ولاڑ صادق یم

جیسے ساگٹڑہ پہ سہر د عمر حیدر

پہ عثمان باند بہ شہ وایم چہ شویم

پہ ہزار رنگہ مین یم پہ حیدر

محبت د خاندان لرم پہ زڑہ کنسے

دولس وارہ امامان م دی بصیر

جیسے میں حضرت صدیق رض اکبر کی محبت میں صادق ہوں ، ایسے ہی مجھے حضرت عمر رض کی محبت میں بھی جانو۔

حضرت عثمان رض کے لیے میں کیا کہوں کہ میں انہیں کتنا چاہتا ہوں ، اور میں حضرت حیدر رض کرا پر ہزار دل سے عاشق ہوں۔ میں دل سے ساری آل کی محبت رکھتا ہوں ، بارہ امام سب ہی میری آنکھوں کا نور ہیں۔

(”منتخبات“ - صفحہ ۲۵۵)

ایک اور جگہ اپنی سنیت پر فخر کرتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہے :

وہ خوشحال چار یاریم خوش لہ خدا یہ
 چہ سنی راغلام پہ دین د پیغمبر
 میں خوشحال چار یاری ہوں ، اور اپنے خدا سے خوش ہوں کہ
 میں اپنے پیغمبر کے دین پر سنی بن کے آیا
 ("منتخبات" - صفحہ ۲۵۶)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاشی حیثیت سے خاصا بے نیاز تھا - ایک
 جگہ وہ اپنی معاشی بے نیازی پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی زندگی کی
 کیفیات کو بیان کرتا ہے :

نہ د سوال پہ ہنر پوہ یم
 نہ طالع لرم د پور
 نہ زاہد د شکرانویم
 نہ ملایم زکوۃ خور
 نہ دھقان نہ سودا گریم
 نہ حرفت لرم حر نور
 مائے گہی لرم پہ سر کنبی
 پہ میراث د تورو شور
 وہفتاد وٹہ نیزدے شوم
 ہر نعمت راحی پہ کور
 کہ پہ کور راشی زر گوہ
 ہسے در وسی لور پہ لور

نہ مجھے مانگنے کا لہنگ آتا ہے نہ قرض لینے کی شامت لایا ہوں -
 نہ میں دکھاوے کا شکرانے کھانے والا بزرگ ہوں، نہ زکوۃ خور
 ملاہوں، نہ دھقان ہوں ، نہ سوداگر - نہ مجھے کوئی پیشہ آتا ہے
 نہ اور کچھ کام -

پیدائشی طور پر میراث میں تلوار کی جھنکار کا شور اپنے سر میں
 لے کر آیا ہوں -

ستر برس کا ہونے کو آیا ہوں ، مجھے اُس کی ہر نعمت گھر بیٹھے

ملتی رہی ہے۔ گھر میں ہزاروں جیسے آتے ہیں ویسے ہی ادھر
ادھر چلے بھی جاتے ہیں۔

خیل روش بہ اوس نور نہ گرم
کہ مے نور کمرہ مسخ مے نور
کمرہ حبا ترلا سہ راشی
خزانے د درست لاهور
تار پہ تار بہ ئے خورے گرم
حان بہ نہ گرم دہیغور
زر د نسوم دپارہ نہ دی
هیچ پہ کار نہ دی پہ کور

اب اس کے بعد میں اپنی روش نہ بدلوں گا، اگر میں نے بدلی
تو میرا منہ کالا ہو

اگر میرے ہاتھ لاهور کے خزانے آگئے
تو میں انہیں سب میں بکھیر کر بانٹ دوں گا اور کبھی اپنے اوپر
طعن تشنیع نہیں ہونے دوں گا
مال و زرنام و نمود کے لیے اچھا ہوتا ہے، اُسے گھر میں رکھنا
اور جمع کرنا نہیں چاہیے

(”منتخبات“ - صفحہ ۲۴۹)

وہ کثیر الاولاد تھا۔ اس نے اپنے اشعار میں اپنے بیٹوں اور پوتوں کی
تعداد لکھی ہے اور ان میں سے بعض کے نام بھی لیے ہیں :

خوئے مے اشرف دے چہ خور شوئے کور پرے تمول دے
زہ چہ پہہ بند لازم خیل خانہ مے شوہ ہر ہمہ
شحرینت حوئے نور لرم یودے پہ کنیے چہ لوئے دے
واڑہ برخور دار شہ خدائے و سالتہ لہ غمہ
اوس پنیچہ تمسی لرم افضل د اشرف خان دے
خدائے دے برخور دار کہ پہہ دہ ڈیسر لرمہ تم
یسو مے سکسہ ورور دے چہ لار د حق نیولسے



دوہ روئٹہ سے نور دی یسویہ تم دویم بے تم
 حائے سے ملک پور دے چہ سرائے بولی وگڑی
 تمام اولس سے پروت دے ترلکی پہ غرہ پہ سمسہ
 شیل زہ حوائماں لبرسمہ ہمبہ لہ یسویہ ذاتہ
 واڑہ یگانہ شہ پسہ خدمت کمنبے راتہ خدم

اشرف خاں میرا بیٹا ہے جس کی وجہ سے بھرا گھر سمٹا سنبھلا
 ہوا ہے

کیونکہ جب سے میں قید ہو گیا تھا تو میرا سب کاروبار بکھر
 گیا تھا۔ میرے چوبیس بیٹے اور بھی ہیں اور یہ اُن سب سے بڑا
 ہے (خدا کرے) سب پر خوردار ہوں، خدا ان کو غم سے
 محفوظ رکھے

اب پانچ پوتے بھی ہیں، افضل، اشرف خاں کا بیٹا ہے،
 خدا اسے پر خوردار کرے

ایک میرا سگا بھائی ہے جس نے حق کا راستہ اختیار کر
 رکھا ہے۔ میرے دو بھائی اور بھی ہیں۔ ایک آسودہ حال ہے
 اور دوسرا مفلس۔ مرکز میرا ملک پور ہے جسے لوگ سرائے
 کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور قوم قبیلہ میرا کیا پہاڑوں میں
 اور کیا میدانوں میں لکی تک پھیلا ہوا ہے۔

بیس ہزار جوانوں کی فوج رکھتا ہوں۔ سب ایک ہی ذات کے ہیں،
 اور سب کے سب میری خدمت میں سر جھکائے رہتے ہیں۔

(”منتخبات“ صفحہ ۱۴۶)

۱۰۹۱ھ (۱۶۸۲ع) میں جب کے اُس کی عمر ستر سال کی تھی اُس

نے اپنے لڑکوں کی تعداد تیس بتائی ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے :

اس رمضان کے مہینے میں میں پورے ستر سال کا ہو گیا ہوں

اس وقت ۱۰۹۱ھ (۱۶۸۲ع) اور میزان کی تحویل ہے۔

سب ملا کے میرے تیس بیٹے ہیں جو اس وقت زندہ ہیں۔

اس کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اٹھارہ سال کی عمر

میں شادی کی تھی لیکن وہ اس شادی سے خوش نظر نہیں آتا، بلکہ وہ

اپنی بیوی سے اس قدر بد دل ہے کہ اپنے بیٹوں کی لالائیوں کو بھی اپنی بیوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :

چہ پہ عمر شوم اتلس
د شباب پہ عنفوان
راکرہ راغلہ جینی
پلار نیکیہ مے بد ذاتان
بل هنر کسب مے نہ وو
سفیمان وو پادہ بان
بدسرشت پہ شو کرسی
احقان پہ خو مے ددان
سکہ پلار پہ تیغ وژلے
ہم د ورنژو قاتلان
خپل قسمت کژہ را تر غارہ
د دے ہسے خاندان
مشران زویہ مے واژہ
خدائے لہ دے نہ کڑل عیاں
شہ بلا دہ چہ را تلہ
دا حیا پہ شہستان
زژہ خوژ د پہ یوہ نہ شو
خوگ د زیرہ دی خوژ د جان
واژہ یوتر بل اختہ دی
پہ خپل کنیہ خبگ جو یاں
یو و پلار نیک تہ نہ شو
ہمگی د سور پہ شان

جب میں اٹھارہ سال کا ہوا ، اور جوانی کا عین شباب تھا کہ میرے ہاں ایک لڑکی آئی ، جس کے باپ دادا بد ذات تھے ۔ انہیں کوئی هنر یا کام نہیں آتا تھا ۔ سب کمینے ، گذریے اور

گنوار تھے

کئی پشتوں سے بد فطرت چلے آ رہے تھے ، سب احق ، خوبو میں وحشی درندے تھے

قسمت نے ایسے گھرانے کی لڑکی کو میرے گلے ڈال دیا
خدا نے اسی سے میرے سارے بڑے لڑکے پیدا کیے ، کیا بلا تھی
جو میرے خلوت خانے میں آئی

(میری اولاد میں) کسی ایک کو دیکھ کر تسلی نہیں ہوتی
دل کا درد اپنی جان کا عذاب ہے
سب آپس میں ایک دوسرے کے درپے ہیں ، اپنے ہی گھر
کے اندر لڑتے بھڑتے ہیں

ان میں سے ایک بھی اپنے باپ دادا پہ نہیں گیا ، یہ سب اپنی
ماں کی طرح ہیں (”منتخبات - صفحہ ۱۶۱“ - ۱۶۲)

سنہ ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ء) میں وہ اپنے بڑے بیٹوں کی سیرت و کردار
پر نام بنام تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

میرے بڑے بیٹوں کا جب امتحان لیا گیا تو معلوم ہوا کہ
اشرف خاں کام لینے والا ہے ، ساتھ ہی کام کرنے والا
سدو ، کام کو سمجھتا ہے ، چاہے خود کام نہ کر سکتا ہو
مجھے کام کے لیے دوڑتا ہے ، اور ذرا سی دیر میں کام کو
نمٹا دیتا ہے

عابد خاں ، خود بھی تجربے میں کامل ہے ، اور دوسروں
سے بھی اچھی طرح کام لے سکتا ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوشحال خاں خٹک آخر عمر میں اپنے بیٹوں
کی نالائقیوں اور ہزدلیوں ، اور ان کی آپس کی نا اتفاقیوں کی وجہ سے ان
سے بہت پر دل ہو گیا تھا ۔ اُس نے جا بجا اپنے اشعار میں ان کی نا اہلی اور
نالائقی کا ماتم کیا ہے ۔ ایک جگہ کہتا ہے :

شہز اووہ پیڑی ، جا وہ گور تہ لارے
ہمگی پہ ونیورنگ پہ تیغ وژی

اشرف خان بہ یو پرہار پہ خان وانخلی
 نہ دا نور ددہ د مورہ چہ زوولی
 خود پلا رہ نوم مے خوری چہ مشراں دی
 نورد تورے دکار نہ دی داغولی
 خو حسد بخل تفاق مے دے پہ بخرہ
 کلہ لویو لویو چارو وتہ زغلی

میری چھ سات پشتیں گور میں گئیں ، سب کے سب خون
 میں رنگے ہوئے اور تلوار کے گھائل۔

اشرف خاں ایک زخم بھی اپنے جسم پر برداشت نہیں
 کرے گا ، اور نہ ہی اُس کے اور ماں جائے بھائی ۔
 بڑے بیٹے تو ابھی تک باپ کا نام لے لے کے کھا رہے ہیں
 (ورنہ) یہ بزدل اس کے علاوہ بہادری میں کسی کام کے نہیں ۔
 بس یہی حسد ، بخل اور نفاق اُن کے حصے میں آیا ہے ، بڑے
 اور اہم کاموں کی طرف وہ کب جاتے ہیں ۔

(”منتخبات - صفحہ ۲۴۵“)

وہ جب دیکھتا ہے کہ خود اس کے بیٹے مغلوں کے جاہ و مناسبت
 حاصل کرنے کے لیے اُس کی کھلم کھلا مخالفت پر اُتر آئے ہیں تو
 وہ خوں کے آنسو بہاتے ہوئے کہتا ہے :

تہ لے "حایہ ترتیب وو
 چہ بہ ماکوؤ ارمان
 چہ پہ بد بوئی محنت کہ
 غرامت رے پہ باغوان
 بہ مے ننگ شتہ نہ مے شرم
 "حہ نابود دی دا سگان
 غلیم د اورنگ زیب یم
 سر پہ غریہ بیایان

زہ پہ ننگ د پنبتا نہ یم
 دوئی نیولی مغلان
 لکھ سہی ہسے جا روزی
 د مغل پہ آش و نان
 د منصب پہ اضافو دی
 تل پہ مایسے روان
 حلاس ور باندے رسی
 را واہد نہ شی پہ خان
 چہ مے پلا رسرہ غلیم وی
 ہم ہغہ مے رزہ اوخان
 چہ پہ واژوکنیے ارشد دے
 نن یادیدی اشرف حان
 د مور پلا رینکہ تہ نہ دے
 دانا کس دے لابل شان

کیسی اکارت گئی وہ تربیت جس کا مجھے ارمان تھا
 ایک ناکارہ پودے پر جو محنت کریگا ، اُس کو آخر میں نقصان
 اٹھانا پڑے گا

نہ ان میں شرم ہے ، نہ غیرت ، کیسے ناکارہ ہیں یہ کتے
 میں تو اورنگ زیب کا دشمن ہوں ، دن رات جنگلوں اور
 بیابانوں میں گھومتا پھرتا ہوں

میں پشتونوں کی عزت و وقار کی حفاظت میں کوشاں ہوں ،
 اور انہوں نے مغلوں سے دوستی گانٹھی ہے

اور مغلوں کے شوربے روئی پرکتوں کی طرح جا کے گرتے ہیں
 اپنے عہدوں میں ترقی کے خواہاں ہیں ، اور ہمیشہ میرے
 درپے رہتے ہیں

مجھ میں انہیں مارنے کی طاقت ہے ، مگر اپنے آپ کو کوئی
 نہیں مار سکتا

جو ان کے باپ کا دشمن ہے ، وہی ان کا دل و جان ہے
جو ان میں سب سے بڑا ہے ، وہ آج اشرف خان کہلاتا ہے
وہ اپنی ماں کے باپ دادا جیسا نہیں ، وہ کچھ اور ہی
طرح کا ہے

(”منتخبات - صفحہ ۱۶۲ ،“ - ۱۶۳)

یہ تھے اس کے وہ مختصر حالات کے ٹکڑے جو ہمیں اس کی شاعری میں
ملتے ہیں لیکن جہاں تک اس کی شاعری کا تعلق ہے ، وہ پشتو شاعری
میں اقلیم سخن کا وہ تاجدار ہے ، جس کا کوئی حریف اس زبان میں ہمیں
دوسرا نظر نہیں آتا ، وہ ایک آفاقی شاعر ہے ، اس شاعری میں جامعیت
اور تنوع ہے ۔ اس کی ہمہ گیر شاعری ، ہمیں اردو کے مشہور شاعر
نظیر اکبر آبادی کی یا دلاتی ہے ۔ اس کی شاعری کے حسین و جمیل گل دستے
میں ہمیں سیاست و اخلاق ، حسن و عشق ، تصوف اور حب وطن کے وہ
خوش رنگ اور سدا بہار پھول ملتے ہیں کہ جن کی بہاریں کبھی خزاں نہیں
دیکھ سکیں گی ۔

وہ اپنی شاعری کی ابتدا کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :

پہ شل کالہ کنے دیگ ہما د شعر پہ اور بار شو

پہ دا دور مے پوخ کڑہ ، چہ شپتہ کالہ مے تلی

ییس برس کی عمر میں شاعری کی دیگ چولھے پر چڑھائی گئی

تھی ، اب جب کہ میری عمر کے ساٹھ سال گزر چکے ہیں ،

تب کہیں جا کے وہ پکی ہے ۔

(”منتخبات صفحہ ۱۹۸“)

وہ اپنی شاعری کی ہمہ گیری اور اپنی شاعری کی الہامی کیفیات
کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

د الہام غوندے خبر وی چہ را د روسی

چہ ہما پہ زڑہ نزول کہ لایزال

درست دیوان مے لکہ باغ د علم گنج دے

پکینے ہر رنگہ گلونہ ہر نہال

د دیوان کہ مے یت یت سرہ حساب کڑے
 تر ثلویثت زہ بہ تیر شی پہ حبتکال
 پہ غزل پہ رباعی مے زڑہ مئیں دے
 چہ مداح یم د دلبرو د جال
 ایک بات ہوتی ہے کہ بالکل الہام کی طرح آتی ہے ، جسے
 خدائے پاک میرے دل میں اُتار دیتا ہے
 میرا سالم دیوان باغ کی طرح علم کا خزانہ ہے ، جس میں
 ہر قسم کے پیڑ ، پودے ، اور ہر رنگ کے پھول ملتے ہیں
 اگر میرے دیوان کا ایک ایک شعر شمار کیا جائے تو
 اسی سال ، میں چالیس ہزار سے بڑھ جائیں گے
 غزل اور رباعی مجھے زیادہ مرغوب ہیں ، کیونکہ میں تو
 خوہرویوں کے حسن کا مداح ہوں

(”منتخبات صفحہ ۱۲۳“)

وہ اپنی شاعری پر فخر اور اپنے کلام کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے
 کہتا ہے :

پہ پنشو شعر چہ ما علم بلند کیرو
 د خبر و ملک مے فتح پہ سمند کیرو
 پشتو شاعری میں جب میں نے علم بلند کیا تو کلام کے ملک کو
 قلم کے ذریعہ سے فتح کر لیا ۔

قتلمے مے ورتہ سازے کڑے د قندو
 د اور بشو پہ ڈو ڈو چہ چا شیخوند کڑ
 لعل او در مے ورتہ او پیٹیل د نظم
 د مشکیر و بنجارہ مے مستمند کڑہ
 ہر کلام مے واردات دی یا الہام دے
 چہ موزون مے پد تقطیع د بحر بند کڑ
 پہ تبشہ او پہ تمشیل پہ نزاکت کنیے
 عذوبت مے د خبرے چند در چند کڑ

پہ تازہ تازہ مضمون د پنتو شعر
 پہ معنی مے د شیراز او د خجند کڑ
 د بوستان ومنے مے واڑہ پیوندی دی
 حقیقت مے د مجاز سرہ پیوند کڑ
 نہ اندوہ د مدح ذم نہ هغد کس یم
 چہ د ژؤہ پہ زور مے شعر چا پسند کڑ
 پہ پارسی ژبہ مے ہم ژبہ گویا ده
 پہ پنتو ژبہ مے خلق بہرہ مند کڑ

ان کے لیے جو جو کی روٹیاں مزے لے لے کے کھایا کرتے
 تھے، میں نے میٹھے قتلے تیار کیے۔

میں نے ان کے لیے نظم کے لعل اور موتی پروئے، اور پوت
 بیچنے والے بنجاروں کا کاروبار ختم کردیا

ہر بات گویا میرے دل میں خود آتی ہے یا الہام ہوتی ہے
 جنہیں میں نے بحر کی تقطیع میں لاکر موزوں کردیا

تشبیہ، تمثیل اور نزاکت میں کلام کی شیرینی اور حلاوت کو
 کہیں زیادہ بڑھا دیا

نئے اور اچھوتے مضامین سے میں نے پشتو کے اشعار کو
 حقیقی معنی میں شیراز اور خجند کی فارسی کے ہم پلہ بنا دیا

باغ کے تمام پیڑوں کو پیوندی کردیا، گویا مجاز کو حقیقت سے
 ملا دیا

نہ مجھے آفریں کی پروا، نہ نفریں کی، اور نہ میں وہ ہوں جو
 چاہوں کہ خواہ مخواہ کوئی میرے شعر کو پسند کرے

فارسی میں بھی میری زبان چلتی ہے، مگر پشتو میں تو
 میں نے لوگوں کو بہت بہرہ مند کیا ہے

(”منتخبات صفحہ ۱۱۷“)

پشتو زبان کی شاعری کو جو آب و رنگ اُس نے بخشا ہے، اور
 اس سے قبل پشتو شاعری کی تہی مالیکی کی جو کیفیت تھی اس کو بیان

کرتے ہوئے کہتا ہے :

بندوبست دہنتو شعر ما پیدا کرؤ
گنڑہ شعر دہنتو وہ غیر سال
نہ ئے وزن ، نہ عروض نہ ئے تقطیع وو
دوہ مصرع ئے خصیف بحر دوہ طال
دہنزل نہ ئے مطلع نہ ئے مقطع وہ
نہ صفت نہ ئے تشبیہ نہ ئے مثال
مگرزہ ئے چہ گویا پہ شاعری کرؤم
ہنبتانہ مئے پو ہیئول ایزد تعال

ہشتو زبان میں شاعری کا انتظام میں نے کیا ، ورنہ ہشتو کا
شعر کسی گنتی میں نہ تھا۔

نہ اس میں وزن تھا ، نہ تقطیع نہ عروض کا التزام ، دو مصرعے
بحر خفیف میں ہوتے تو دو بحر طویل میں ۔
غزل میں نہ مطلع تھا نہ مقطع ، نہ اس میں توصیف ہوتی تھی ،
نہ تشبیہ و تمثیل ۔

مگر خدا نے جب مجھے شاعری میں لگایا تو خدائے تعالیٰ
ہشتونوں کو سکھانا ، سمجھانا چاہتا تھا ۔

پہ دا بندوبست بہ نور تر ماتیر شی
پس لہ ما چہ کہ د شعر قیل و قال
کہ د شعر وئیل غیب یا ہنر دے
دہنہ قم لہ محبتہ ئے دے حال

اس ترقی شعری کے بعد دوسرے جو میرے بعد شاعری کریں
گے مجھ سے بہتر ہو جائیں گے

شعر کہنا عیب ہے یا کمال ، درحقیقت وہ کسی حسین کی
محبت سے پیدا ہوتا ہے

(منتخبات صفحہ - ۱۲۲)

ہشتو زبان پر اپنے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

کہ د نظم کہ دثر کہ د خط د سے
 پہ پنتو ژ بہ سے حق دے سے حسابہ
 نہ پخوا پکینے کتاب وو نہ مٹے خط وو
 دادی ما پکینے تصنیف کڑل ٹو کتابہ
 نظم ہو ، خواہ نثر ہو ، خواہ خط ، ہر لحاظ سے پشتو زبان پر
 میرا بہت بڑا احسان ہے
 کیونکہ پہلے اس میں نہ خط تھا اور نہ کوئی کتاب ، یہ
 تو میں نے اس میں کئی کتابیں تصنیف کر ڈالیں

(منتخبات صفحہ - ۲۷۱)

خوشحال خال کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عین اُس زمانے میں
 جب فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل تھی ، اور ہندوستان کے
 بڑے بڑے شعرا فارسی میں شعر کہنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے
 تھے ، اس نے فارسی سے صرف نظر کر کے اپنی مادری زبان کو اظہار
 خیال کا ذریعہ بنایا ۔ ایک جگہ وہ اس پر ناز کرتے ہوئے کہتا
 ہے کہ

پارسی شعر سے ہم زدہ سلیقہ لرم د واژو
 پنتو شعر سے خوبش شوہر حوک خپل گنڑی نباغلی
 پہ وزن پہ مضمون پہ نزاکت ہم پہ تشبیہ کبے
 پنتو وئیل سے عین تر پارسی دی رسولی
 پنتو ژہ مشکله د دے بحر موندہ نشی
 ہم مالرہ یوحو بحرہ پہ ژیر مہو د رانملی
 مجھے فارسی میں شعر کہنا آتا ہے ، اس کا سلیقہ بھی رکھتا
 ہوں ، مگر مجھے پشتو شعر پسند ہے ، کیونکہ ہر شخص اچھی
 چیز کو اپنا لینا چاہتا ہے

بحر ، مضمون ، نازک خیالی اور تشبیہ غرض ہر لحاظ سے میں
 نے پشتو شاعری کو فارسی شاعری کے ہم پلہ کر دیا
 پشتو زبان ایک تو مشکل ہے ، دوسرے اس میں بحر نہیں

سلی ، مجھے بھی یہ چند بحرین بڑی مشکل سے ہاتھ آئیں

(منتخبات صفحہ - ۱۹۷)

شاعری کی ان عظیم المرتبت بلندیوں پر فائز ہونے کے بعد بھی شاعری سے بیزارى اُس کے کلام میں نمایاں نظر آتی ہے۔ اُس نے اپنے مجموعہ کلام میں اس بیزارى کا متعدد جگہ اظہار کیا ہے :

زہ د شعر پہ کار ہم نہ یم خوشحال
ولے خدائے مے کڑہ پہ نمازہ دامقال
پہ جہان تر شاعری بد شدہ نیستہ
خدائے اختہ مہ کڑہ سڑے پہ دا جنجال

میں شعر و شاعری کے کام سے ہرگز خوش نہیں ہوں ، مگر
کیا کیا جائے خدا نے یہ شاعری میرے گلے منڈھ دی
دنیا میں شاعری سے بری کوئی چیز نہیں ، خدا کسی کو اس
مخمصے میں نہ ڈالے ، شاعری میں ایک سوچتے ہی رہنے سے کلیجا
منہ کو آتا ہے

(منتخبات صفحہ - ۱۱۸)

خوشحال خاں کی شاعری میں تنوع ، ہمہ گیری ، اُس کی وسعت نظر
کی آئینہ دار ہے جو بہت کم دوسروں کے حصے میں آئی ہے۔ اُس کے انداز
بیان میں بڑی کشش ہے۔ اُس کے اسلوب تشبیہ میں ایک ایسا کیف ہے
جو شعر کو کمپن سے کمپن پہنچا دیتا ہے۔ وہ ایک جگہ اپنے محبوب کی
یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

شوگ چہ قمر یاد کہ روئے دے را یاد شی
شوگ چہ عنبر یاد کہ موئے دے را یاد شی
شوگ چہ مگر یاد کہ کوئے دے را یاد شی
شوگ چہ سقر یاد کہ خوئے دے را یاد شی

کوئی چاند کا نام لیتا ہے تو تیرا چہرہ یاد آ جاتا ہے ، کوئی عنبر
کا ذکر کرتا ہے تو تیری زلفیں یاد آ جاتی ہیں ، کوئی ٹھیرنے کی
جگہ کا نام لیتا ہے تو تیرا کوچہ یاد آ جاتا ہے ، اگر کوئی

دو رخ کے عذاب کا ذکر کرتا ہے ٹوٹیری عادتیں یاد آجاتی ہیں
(منتخبات صفحہ ۲۱۸)

تخیل کی لطافت ، فکر کی بلندی ، کلام کی رنگینی ، حسن و عشق کی
واردات و کیفیات کی بہترین مثالیں ہمیں اس کے اشعار میں ملتی ہیں ۔
نمونہ چند مثالیں پیش ہیں :

یہ زڑہ سے جسے نال سے اے لہ دووستر گو غائبہ
کہ بلہ نامہ و ایمہ نامہ ستا راشی پہ ژبہ
اے میری آنکھوں سے غائب محبوب ! میرے دل میں تو اس
طرح بسا ہے کہ کسی اور کا نام بھی لو تو تیرا ہی نام زبان
سے نکلتا ہے

(منتخبات - صفحہ ۱۴)

دسا زڑہ سئے پہ حلقہ د زلفو یورڈ
لکہ لوٹے ماہی پہ شست د ماہی گیر
میرا دل وہ اپنی زلفوں کے حلقے میں پھنسا کر اس طرح لے گئی ،
جیسے ماہی گیر کے پھندے میں بڑی مچھلی آجائے ۔
(منتخبات - صفحہ ۴۰)

چہ ما کڑی پہ جہان کبنے رنڑا ستر گے
بے اہ نامے خوگے نہ شوے پہ چا ستر گے
کہ زہ ستالہ مخہ او گورم بل مخ تہ
نور پہ قطع دے ژندے شی خا ستر گے
جب سے میں نے دنیا میں آنکھیں کھولی ہیں ، تمہارے سوا
میری آنکھوں میں کوئی نہ چچا ۔

اگر تمہیں چھوڑ کے کسی اور کو دیکھوں تو میری آنکھیں
اندھی ہو جائیں ۔ (منتخبات - صفحہ ۵۵)

نظیر اکبر آبادی (۱) نے اپنی ایک طویل نظم میں یہ کہ کر

۱۔ نظیر اکبر آبادی کا نام سیدولی محمد تھامس نظیر تھا ۔ اُن کے
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۵۰ پر)

عاشق کے لیے بڑھاپے کا ماتم کیا ہے :
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

(صفحہ ۳۴۹ کا بقیہ حاشیہ)

والد کا نام سید محمد فاروق تھا ، جو شرفائے اکبر آباد (آگرے) سے تھے اور نوری دروازے آگرے میں رہا کرتے تھے ۔ میاں نظیر ۱۱۴۸ھ (۱۷۳۵ع) میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے ، تعلیم مولوی محمد کاظم ابن مولوی دوست محمد نبیرہ میر رفیع الدین محدث سے حاصل کی ۔ نظیر کی ابتدائی عمر کا حصہ بہت ہی خوشی اور مسرت کے جھمیلوں میں گزرا ۔ ان کا پیشہ معلمی تھا ۔ خود انھوں نے اپنی ایک نظم میں اپنی سیرت و کردار اور اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ :

کہتے ہیں ٹک جس کو نظیر ، سنیے ٹک اس کا بیاں
تھا وہ معلم غریب ، بسزدل و ترسندہ جاں
فضل نے اللہ کے اُس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ آب و ناں
فہم نہ تھا علم سے عربی کے اُسے
فارسی میں ہاں ، مگر جانے تھا کچھ این و آن
سست روش ، پست قد ، سانولا ، ہندی نژاد
اتن بھی کچھ ایسا ہی تھا ، قد کے موافق عیاں
مانھے پر ایک خال تھا ، چھوٹا سا مسے کے طور
تھا وہ پڑا آنکھ اور ابروؤں کے درمیان
وضع سبک اس کی تھی ، تس پہ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں اور کاندھوں پر پٹے بھی تھے پنہ سان

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۵۱ پر)

ہندی کا ایک اور شاعر جو نظیر سے بھی پہلے ہو گزرا ہے کیشو داس (۱) ہے۔ جب اُس کے سر پر پیری کی کمان کڑی تو بے تاب ہو کر ہکار اُٹھا :

(صفحہ ۳۵۰ کا بقیہ حاشیہ)

فرد غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اُسے
اپنے اسی شوق میں رہتا تھا خوش ہرزہ جاں
پیری میں تھی جس طرح اس کو دل افسردگی
ویسے ہی تھی اُن دنوں جن دنوں تھا جوان
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب
چنگی و خامی کے اُس کے تھا خط درمیاں
میاں نظیر نے شاعری میں کس کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا
اس کے متعلق اُن کے تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ اُن کا یہ ذوق وہی تھا اور وہ فطری شاعر تھے۔
نظیر ۱۲۴۳ھ میں فالج میں مبتلا ہوئے اور ۹۸ سال کی عمر
میں ۲۶ صفر ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۰ع) کو انھوں نے وفات پائی اور
اپنے ہی مکان میں زیر نیم دفن کیے گئے [مقدمہ کلیات نظیر
(نسخہ آسی) ص ۳۲-۳۳-۴۲-۴۷-۴۸]

۱- ہندی کا مشہور شاعر کیشو داس ۱۶۱۲ سمیت مطابق ۱۵۵۵ع
(۹۶۳ھ) میں پیدا ہوا۔ اس کے گھر کا ماحول ادبی تھا۔ اُس کے
والد کاشی ناتھ سنسکرت کے جید عالم اور کیشو کے بڑے
بھائی بلبدھر مصر، ہندی کے اچھے ماہر تھے۔ کیشو کا کلام
دوسرے شعرائے ہندی کے مقابلے میں دقیق ہے۔ اس نے عالم
ہونے کے بعد شاعری کی طرف توجہ کی تھی۔ اس کی تصانیف
کی تعداد لالہ بھگوان داس نے ۱۱ لکھی ہے جن میں سے
چند کے نام یہ ہیں : ۱۔ دگیان گیتا ۲۔ جہانگیر چندرکا
۳۔ ویر سنگھ دیو چیت ۴۔ رتن باونی ۵۔ رسیک پریا ۶۔
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۵۲ پر)

کیسو کیسن اسکری جیسی ار نہ کرائے
چندر بدن مرگ لوچنی سو بابا کہہ کر آئے
اے کیسو داس سفید بالوں نے ہم سے وہ برتاؤ کیا کہ
دشمن بھی نہ کرے گا۔ ماہ بدن اور آھو چشم حسنائیں مجھے
بابا کہہ کر پکارتی ہیں۔

خوشحال خاں خٹک کی شاعری میں ہمیں بہت سے حکیمانہ نکتے
 ملتے ہیں، وہ حکمت کے خزانوں کو جب شعر کے سانچے میں ڈھال کر
پیش کرتا ہے، تو اُس کی دلکشی کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ ایک جگہ
کہتا ہے کہ :

عزت اسی میں ہے کہ ذرا جھوٹ نہ بولو، کسی کے مرغن
دسترخوان پر کھا کے ڈکار نہ لو، دوست کی دلداری چاہتے
ہو تو اُس کی رائے پر چلو، اپنے دل کو اگر تکلیف نہ دو گے
تو دوسرے کے دل کو خوش نہ کر سکو گے (۱)۔
ایک اور جگہ کہتا ہے کہ :

دل سے ہر ایک کے خیر خواہ رہو، ہر گمراہ کو ہدایت
کرنے والے بنو، ہر ایک پر سخاوت کرو، بس بھر بے تاج
و تخت بادشاہ جیسے ہو گے (۲)۔

ایک جگہ وہ ہوشمند اور دانا اشخاص کی صفات کو بیان کرتے
ہوئے کہتا ہے کہ :

(صفحہ ۳۵۱ کا بقیہ حاشیہ)

کوی پریا اور ے۔ رام رام چندر کا

(ماخوذ از رسالہ معارف۔ ماہ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۰)

”ہندی شاعری کا ایک تاریخی جائزہ“۔ مضمون،

زیدی جعفری صاحب)

۱۔ منتخبات خوش حال خاں خٹک (اردو ترجمہ) ۲۰۹۔

۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۰۹

ہوشمند (شخص) کبھی بے جا کام نہیں کرتا ، اور نہ کبھی
نہ سے بے موقع بات نکالتا ہے ، نہ اپنی زبان یا ہاتھ سے
کسی کو آزار پہنچاتا ہے ، اور نہ کسی بدکردار کو اپنا
دوست بناتا ہے (۱)۔

وہ خدمت خلق کے جذبے کو ایک عجیب انداز میں پیش کرتے
ہوئے کہتا ہے کہ :

سب ہی لوگ اپنا کام کرتے ہیں ، مردود ہیں جو دوسروں
کا کام کرتے ہیں ، جو لوگ آرام چاہتے ہیں وہ ہمیشہ
دکھے دلوں کا علاج کرتے ہیں۔

وہ ان لوگوں کو جو دوسروں کے مشورے سے فائدہ نہیں اٹھاتے
یا دوسروں کی نصیحت کو تلخ سمجھتے ہیں ، ان کو اس حقیقت کی طرف
توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے :

جو اپنے آپ کو نصیحت سے مستثنیٰ سمجھتا ہے وہ کبھی
قباحت سے خالی نہ ہوگا ، یا وہ احمق ہوگا یا بد ذات ، یا وہ
خوبیوں کی دولت سے محروم ہوگا (۲)۔

خوشحال خان خٹک نے جو نظیر اکبر آبادی سے پہلے گزرا ہے
بڑھاپے میں اپنی جوانی کا ماتم کرتے ہوئے متعدد جگہ اس خیال کو نہایت
دل آویز طریقوں میں نظم کیا ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے :

گیرہ غائبو نہ مے جدا جدا وائی
”حوانی دے لاڑہ راتہ ہمدا وائی
چہ چاتہ و گورم یا چاتہ و خاندہ
راتہ دادا وائی کا کا ، بابا وائی

میری سفید داڑھی اور گرتے ہوئے دانت الگ الگ مجھ سے یہ کہ

تذکرہ صوفیائے سرحد

رہے تھے کہ بس اب تمہاری جوانی چلی گئی۔ جس کی طرف بھی
میں دیکھتا ہوں یا جس کے سامنے بھی ہنستا ہوں وہ مجھے یا
تو ابا کہتا ہے یا بابا کہہ کر پکارتا ہے

(منتخبات صفحہ ۲۲۰)

ایک اور جگہ کہتا ہے :

د سڑی د عمر کا راتہ نکا رہ شو
کلہ بدر کلہ سلخ کلہ ہلال
د زارہ زڑہ د حوائے بشعے خوڑین دے
کہ ساقی نے پہ نعمت او پہ نوال
د حوائی وختہ کہ بیاراتلے پہ بُیرتہ
ماہ کار کڑ تر چنل حان واڑہ اموال
ما وئے گورہ لایہ کلہ زریرم
پیری مخے تہ راتلہ پہ استقبال
داہم نہ چہمے پرے سودد خاطر کگی
چہ تازہ دلبرہ ونیم پہ داکال
پہ بوسہ د شکرلبو زڑہ حوا نگ
داخبرہ تجربہ دہ د خوشحال

انسان کی عمر کا حال مجھے معلوم ہو گیا ، وہ چاند کی مانند ہے
کبھی ہلال کبھی بدر اور کبھی آخری رات کا چاند
چاہے بوڑھا اسے ہزار ناز و نعمت میں رکھے مگر ایک جوان
عورت کا دل بوڑھے سے نفرت ہی کرتا ہے
کاش جوانی کے دن بھر لوٹ کر آسکتے تو میں اپنا جان و مال
اور سارا مال و متاع اُس پر نثار کر ڈالتا
میں نے کہا تھا جانے کب میں بوڑھا ہوں (لو)
وہ بڑھاپا خود ہی میرے استقبال کے لیے آ گیا
یہ بھی اچھا ہے کہ میں کچھ نہ کچھ مطمئن ہوں
اس لیے کہ اس سال ایک جوان محبوبہ آ رہی ہے

ان شکر لبوں کے بوسے سے بوڑھے جوان ہو جاتے ہیں
 بہ خوشحال کے ذاق تجربے کی بات ہے

(منتخبات صفحہ ۱۲۴)

وہ نظیر اکبر آبادی اور حضرت جوش ملیح آبادی سے ایک اور قدم
 آگے بڑھ کر پیری کے غم کو انگیز کرنے کی ایک نئی راہ نکالتا ہے اور اس
 طرح اپنے آپ کو غم پیری پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا ہے :

عاشقان پہ سپن و یخما کله زڑ لگی

لاپہ گور کنتے بہ ئے ہم نہ شی احوال

دایمان سلامتی دھفہ کس دہ

چہ نہ بخ وینی پٹ وخت دارتحال

چہ ونبعکو رجال برکت ڈمیردے

مخ ئے حکمہ مبارک نیسی پہ خان

عاشق سفید بالوں کے سبب کب بوڑھے ہوتے ہیں

بلکہ اُن کی حالت تو مرنے کے بعد بھی نہیں بدلتی

ایمان کی سلامتی اُسے نصیب ہوتی ہے جو مرتے وقت حسین

چہرے کو دیکھتا رہے

اس لیے کہ حسینوں کے جمال کی برکت بہت زیادہ ہے

جب ہی تو فال میں اُن کا چہرا مبارک سمجھا جاتا ہے

(منتخبات - صفحہ ۱۲۴)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تینوں شعرا کے قلب میں ایک ہی درد ہے
 اور اس موضوع پر تینوں کی ایک نوا ہے جو مختلف طرز پر شعر کے سانچے
 میں ڈھل گئی ہے -

عشق حقیقی کے جذبات کی جب وہ اپنے شعار میں ترجائی کرتا ہے
 تو اس کے کلام میں بڑی لطافت و پاکیزگی محسوس ہوتی ہے - وہ میخانہ ازل
 کی ابدی سرمستیوں کی کیفیتوں کو نظم کرتے ہوئے کہتا ہے :

دشراوہ مستی ز رشی نیست و ہست

لا یزالہ مستی نہ درومی لہ مست

شراب کی مستی تو جلد چڑھتی اور اُتر جاتی ہے
مگر خدا کے مست سے اُس کی مستی کبھی نہیں جاتی

(منتخبات - صفحہ ۲۱)

وہ انسانی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے اُس کی زندگی کے راز کو نہایت
دل آویز طریقے پر واشگاف کرتے ہوئے کہتا ہے :

دایہ سانیشتہ ویسا

ہر دم تہ وایہ اللہ

اس سانس کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے ہر دم اللہ کو یاد کر

ہر نفس یو غنیمت دے

پہرہ دار اوسہ دساہ

دسالک پہ وئیل کار کڑہ

کہ دُحان نہ ئے بد خواہ

دسالک وئیل ہم دا دی

تہ ئے وایہ ہے اکراہ

چہ لہ خلقہ نہ زڑہ پرے کڑہ

زڑہ پیوند کرہ لہ اللہ

ہر ایک سانس غنیمت ہے اس لیے اس سانس کی حفاظت کر

اگر تو اپنی جان کا بدخواہ نہیں تو سالک کے کہے پہ چل

سالک کا یہی کہنا ہے ، تو بھی بلا اکراہ یہی کہ کہ مخلوق

سے رشتہ توڑ کے خالق سے رشتہ جوڑے (منتخبات صفحہ ۶۶)

وہ ایک جگہ عبدیتِ محض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے :

شوگ چہ قح کہ پہ مذہب دخیل مولا

دھغو پہ خدست ودری دنیا -

جو اپنے مولیٰ کے راستے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں

اُن کے سامنے ایک دُٹیا ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو جاتی ہے

(منتخبات صفحہ ۵)

اس نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے اخلاقی قدروں کو بلند کرنے کی بھی بہت کوشش کی ہے اسے اس بھری * پری دنیا اور انسانوں کے اس لا محدود جنگل میں انسانیت کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنے زمانے میں اخلاقی قدروں کی گرفت کو ڈھیلی ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو اُس کا دل جلتا ہے اور وہ پکار اُٹھتا ہے :

آدمیت لہ آدمیانو نہ خدا ئے واخست
تردوہ پایو نہ بہتر ویم چارپا
کہ ہندو کہ مسلمان کہ بل فریق دے
پہ ہیچا کنے بہ بیا نہ مومے ربتیا
نہ د دین دچارے شناخت مہر او وفا شتہ
نہ پہ شرم ننگ شوک آڑدی و دنیا ۔

خدا نے آدمیوں میں سے انسانیت سلب کر لی اب تو میں
دوپاؤں والوں سے چوپایوں کو بہتر پاتا ہوں ۔ ہندو ہوں
خواہ مسلمان یا اور کوئی ، کسی میں بھی اب تم صداقت نہ
پاؤ گے

اب نہ تو دین کے معاملے میں مہر اور وفا معیار ہے
نہ دنیوی معاملات میں کسی کو شرم و عار ہے

(منتخبات - صفحہ ۷)

سیرت و کردار کی بلندی پر زور دیتے ہوئے ایک جگہ کہتا ہے :

مرد بہ نہ شی پہ گفتار
شو پیدا نہ کرے کردار

جب تک تم کردار نہ بناؤ ، خالی گفتار سے مرد نہیں بن سکتے ۔

(منتخبات - صفحہ ۸۱)

تصوف اس کی شاعری کا موضوع خاص ہے اس کی شاعری میں ہمیں
عشق مجازی کا سوز و گداز ملتا ہے وہیں طور کی تجلی اور وادی ایمن کے
شرارے بھی ملتے ہیں ۔ جب ہم اُس کے اس صنف کے اشعار کو پڑھتے
ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سینہ عشق حقیقی کی آگ سے

سوزاں اور اس کا دل بادۂ معرفت سے لبریز ہے ۔ ایک جگہ یہ مست سے المست کہتا ہے :

پہ ہر مخے کنجے نندارہ دفعہ مخ کٹم

چہ د ڈیرے پیدائی نہ ناپدید شہ

میں ہر چیز میں اسی ایک رخ زیبا کا نظارہ کرتا ہوں ۔

جو کثرت مشہود کی وجہ سے نا مشہود ہو گیا ہے ۔

ہر تشنہ چہ دوحلت پہ سند سراب شی

نورہمہ جہان ودۂ وئہ سراب شی

جو پیاسا بھی ایک دفعہ دریائے وحدت سے سیراب ہوا

پھر ساری دنیا اُس کی نظر میں سراب ہو جاتی ہے

خاص بندہ دخدائے حقہ لیزہ خوشحالہ

چہ دُجان پہ معرفت ئے سر فراز کہ

خوشحال ! تو اسے خدا کا خاص بندہ سمجھ

جسے وہ اپنی ذات کے معرفت سے سر باند بنائے ۔ (منتخبات صفحہ ۱)

وہ وحدت الوجود کے فلسفے سے بے حد متاثر نظر آتا ہے ۔ جال

وحدت کی نیرنگیوں میں ڈوب کر کہتا ہے :

پہ معنی کنجے ہم شراب ہم ہم ساقی ہم

طالبان دمیوشہ چہ ئے مدہوش کٹم

اصلی معنی میں تو میں خود ہی شراب ہوں اور خود ہی ساقی ،

ہیں کوئی شراب کے طلبگار ؟ جنہیں میں مدہوش بنا دوں

(منتخبات - صفحہ ۲۲)

وہ ایک جگہ مستی ازل کی دعوت دیتے ہوئے کہتا ہے :

دشرابو مستی زرشى نیت و ہست

لا یزالہ مستی نہ درومہ لہ مست

شراب کی مستی تو جلدی چڑھتی ہے اور جلدی اُتر جاتی ہے

مگر خدا کے مست سے اُس کی مستی کبھی نہیں جاتی

(منتخبات - صفحہ ۲۱)

راہِ تصوف کے راہیوں پر وہ تصوف کے بعض حقائق کو واضح کرتے ہوئے کہتا ہے :

چہ بے علمہ تصوف وائی باورکہ

دام واہ بوس دانے سرہ انمگی

جوشخص بغیر علم کے تصوف بکھائے تو یقیناً وہ ایسا ہے جیسے

بھوسا اور دانے دونوں ایک ساتھ گوندہ دیے گئے ہوں

(منتخبات - صفحہ ۱۱)

وہ شریعت و طریقت کے باہمی ربط کو ایک جگہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

شریعت دونے بیخ دے

طریقت لکہ نباخونہ

حقیقت دونے پائیرے

معرفت میوہ گلو نہ

شریعت درخت کی جڑ ہے اور طریقت اُس کی شاخیں ،

حقیقت اس درخت کے پتے ہیں اور معرفت اس کے پھول

(منتخبات - صفحہ ۲۶۷)

وہ طریقت کے ساتھ شریعت کی پابندی پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے :

شرع حکم دودہ دی

یوجواز دے بل افضل

کہ مردئے لہ جوازہ

وافضل تہ وہہ زغل

شریعت کے احکام دوقسم کے ہیں ، ایک جائز اور دوسرے افضل

اگر مرد ہو تو جائز سے قطع نظر کرکے ، افضل کی پیروی کی

کوشش کرو (منتخبات - صفحہ ۲۶۲)

وطن اور قوم کی محبت کا تصور اس کے ہاں محدود جغرافیائی

اور نسلی حدود میں ہے ، عالمگیر کی ذاتی عداوت نے اس تصور کو اس

کی شاعری میں اور بھی پختہ رنگ دے دیا تھا ، اور ہم عالمگیر سے

اُس کی مخالفت کو اُس دور میں جب کہ مغلوں کی بدولت ایک عظیم معاشرہ جنم لے رہا تھا محض اپنی ذاتی مخالفت کی وجہ سے قومی رنگ دے دینے کو مستحسن نہیں سمجھتے اور نہ آج بھی فکر کا یہ طریقہ ہماری نظر میں مستحسن ہے۔ لیکن جہاں تک اس موضوع پر اس کی شاعری کا تعلق ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے اس موضوع شاعری میں بڑا شکوہ اور بڑی گہن گرج ہے۔

مختصر یہ ہے کہ خوشحال کی شاعری 'گہائے رنگا رنگ کا ایک مجموعہ ہے جس میں حسن و عشق کے افسانے بھی ہیں، حکمت و موعظت کے خزانے بھی، تصوف کے رموز و نکات بھی ہیں، اور عوامی رجحانات کی ترجمانی بھی وہ ہمارے ملک کے ان عظیم شاعروں میں ہے جن پر پاکستان کی ادبی تاریخ کو ناز ہے اور جس کا کلام ہمیشہ اہل نظر کے مشام جاں کو معطر بنائے رکھے گا۔

فضائل و مناقب

شیخ عبدالحلیم حضرت شیخ رحمہما کے فضائل و مناقب میں، رقم

طراز ہیں

حضرت شیخ المشائخ شیخنا حضرت شیخ المشائخ ہمارے
غواص بحر پردہ کبریا بود، در این شیخ پردہ کبریائی کے سمندر کے
زمانہ قطب وحدت الہی بود، و ثانی غواص اور اس زمانے میں وحدت
بایزید بسطامی (۱) بود (۲) الہی کے قطب اور دوسرے بایزید
بسطامی تھے - (۲)

- ۱۔ حضرت بایزید بسطامی صوفیہ کے طبقہ اولیٰ کے بزرگ ہیں اُن کا اصل نام طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان تھا۔ اُن کے دادا آتش پرست تھے جو مسلمان ہوئے۔ حضرت بایزید بسطامی نے احمد خضروہ، ابوحنس یحییٰ معاذ، اور شقیق بلخی کو دیکھا تھا۔ انہوں نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی (نفحات الانس - صفحہ ۵۹)

۲۔ مقامات قطبیہ - صفحہ ۱۰۴

ایک جگہ آپ کی عظمت و بزرگی کو سراہتے ہوئے لکھا کہ :

حضرت واصلان حق میں سے
تھے۔ حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے
کی طرف توجہ نہیں کی ، اور اُس کے
سوا کوئی مقصود نہیں رکھا ، اور
اُن کے قلب مبارک میں اللہ کے سوا
کسی دوسرے مطلب کا کبھی گزر
بھی نہ ہوا ، اور خدائے تعالیٰ کے
وجود کے سوا کوئی موجود ان کی
نظروں میں نہیں تھا ، نہ کسی
موجود کا وجود سمجھتے تھے ، اور
دوست حقیقی کا وصال ہی اُن کے
ہاں سب کچھ تھا۔ غیر اللہ کی دوستی
کو بالکل چھوڑ دیا تھا اور دوست
حقیقی کے وصال سے نوزا گیا تھا ، اور
اسی سے مکرم و معظم تھے ، اور
حقیقت یہ ہے کہ وہ پیر ارادت اور
پیر تربیت تھے ، قدس سرہ العزیز ۔

حضرت ایشاں از واصلان حق
بود ، و بدیگرے نپرداخت ، و هیچ
مقصود غیر او نداشت ، و هیچ
مطالب را غیر او در ضمیر و سر او
گزر و راہ نبود ، و هیچ موجود غیر از
وجود او در نظرش نبود ، و نہ وجود
داشت و تمامی هست و نیست او وصلت
دوست حقیقی بود ، و دوستی غیر او
گذاشته ، و بوصل دوست نوازش یافتہ ،
بر آن مکرم و معظم بود ، و علی الحقیقت
پیر تربیت و پیر ارادت ہم او بود
قدس سرہ العزیز (۱)

شیخ عبدالحلیم نے آپ کے محامد و مناقب کو ضیاء الدین نخشبی (۲)

۱۔ مقامات قطبیہ - صفحہ ۱۰۴

۲۔ اسم گرامی ضیاء الدین تھا ، نخشبی ۔ مختص تھا اخبار الاخیار
میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اُن کے تذکرے کے
ضمن میں لکھا ہے کہ وہ صحبت خلق سے کنارہ کش رہتے تھے
اور کسی کے انکار و اعتقاد سے سروکار نہ رکھتے تھے ۔
کہتے ہیں کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے زمانے میں
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۶۲ پر)

کے اس قطعے پر ختم کیا ہے :

”نخشی“ خوے خوش کجا یابند
طیب صندل بہر خسے ندهند
خلق نیکو سعادت ابدی ست
ای سعادت بہر کسے ندهند

(صفحہ ۳۶۱ کا بقیہ حاشیہ)

تین ضیا تھے ، ایک ضیا سنائی جو شیخ نظام الدین کے منکر تھے ، دوسرے ضیا برنی ، جو حضرت شیخ نظام الدین کا معتقد و مرید تھا ، تیسرے ضیا نخشی کہ جو حضرت شیخ نظام الدین کے نہ معتقد تھے اور نہ منکر ، سنا گیا ہے کہ وہ شیخ فرید کے مرید تھے جو حضرت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے نواسے ہیں ۔ (اخبارالاخیار - صفحہ ۱۰۵)

خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ شیخ ضیا الدین نخشی ، عظیم المرتبت مشائخ اور شیخ فرید الدین نیرۃ سلطان التارکین شیخ حمید ناگوری کے جلیل القدر خلفا میں تھے ۔ شہر بدایوں میں گوشۂ تنہائی میں اپنے کام میں مشغول رہتے تھے ۔ ہندوستان کے مشاہیر اولیا میں سے تھے ۔ صحبت خلق سے متنفر تھے اور کسی کے اعتقاد و انکار سے سروکار نہ رکھتے تھے (خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۵۱)

اخبارالاخیار میں ہے کہ شیخ ضیاء الدین نخشی نے ۵۵۱ھ (۱۳۵۰ع) میں وفات پائی ۔ صاحب تصانیف تھے ۔ اُن کی تصانیف میں (۱) سلک السلوک (۲) عشرۃ مبشرہ (۳) کلیات و جزئیات (۴) شرح دعائے سریانی اور (۵) طوطی نامہ ہیں (خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۵۱) انڈیا آفس کے کتب خانے کے فارسی شعبۂ مخطوطات میں ان کی ایک اور تصنیف گل ریز کا بھی پتہ چلتا ہے ۔ اُن کی تصانیف میں (باقی حاشیہ صفحہ ۳۶۳ پر)

پشتو کا عظیم المرتبت شاعر خوشحال خان خٹک جو علمائے سوء اور صوفیائے خام کی بے راہ روی پر سخت نکتہ چینی کرتا ہے اور علمائے سوء اور صوفیائے خام پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے :

چہ کنز د قدوری شی خان مولا کہ
 ہر جلال حرام پہ خان یاندے روا کہ
 نہ دکنز پہ دقیقو حہ خبر شوی
 نہ پہ مخ د قدوری مبصر شوی
 کتابو نہ پہ سر کین دی خان مولا کہ
 پہ ہر کلی محلت کر قی خان مولا کہ
 گئے شرح پریکوی پہ رشو تو نو
 خان قاضی کہ پہ غلط روایا تو نو
 پہ مسجد راءہ پننجدہ وختہ اذان کہ
 چہ از کوۃ سر سایہ ندوی مسجد وراں کہ
 نہ ئے کبئل زدہ نہ لوستل زدہ تل لگا کہ
 تعویذونہ ورکوی پہ دروغ کبئل

جو کوئی کنز و قدوری پڑھ لیتا ہے وہ ملائین بیٹھتا ہے
 پھر ہر حلال و حرام کو اپنے لیے جائز قرار دے لیتا ہے
 حالانکہ نہ تو وہ کنز کے دقائق سے واقف ہوتے ہیں نہ

(صفحہ ۳۶۲ کا بقیہ حاشیہ)

”سلک السلوک“ اور ”طوطی نامے“ کو غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔

صاحب اخبار الاخبار نے اُن کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ وہ بہت تصانیف رکھتے ہیں۔ مثلاً سلک السلوک، عشرۃ مبشرۃ، کلیات و جزئیات، طوطی نامہ، مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے ان کی کتاب سلک السلوک کو نہایت شیریں و رنگین بتایا ہے (اخبار الاخبار - صفحہ ۱۰۵)



قدوری میں کچھ بصیرت رکھتے ہیں
 اس کتابیں سر پہ لاد کر ملائیں جاتے ہیں اور گاؤں گاؤں محلے
 محلے چوری ٹھگی کرتے پھرتے ہیں
 رشوتیں لے لے کر بیٹھے ہوئے شریعت کی جڑیں کاٹتے رہتے ہیں
 جھوٹی روایتوں کے بل پر اپنے آپ کو قاضی جتاتے ہیں
 مسجد میں آکے پانچ وقت اذان دیتے ہیں لیکن اگر زکوٰۃ و
 فطرہ نہ ملے تو مسجد کو ڈھا بھی دیتے ہیں
 لکھنا پڑھنا کچھ آتا نہیں ، البتہ ٹھگی خوب جانتے ہیں ، تعویذ
 دیتے ہیں اور جھوٹ موٹ کچھ لکھ دیتے ہیں
 (منتخبات - صفحہ ۳۱۷)

ایک جگہ وہ صوفیائے خام کے حال زار پر آنسو بہاتے ہوئے
 کہتا ہے :

مریدی نے پہ کلاہ پہ شجرہ دہ
 کہ پیری مریدی دادہ مسخرہ دہ
 صرف کلاہ ، پگڑی اور شجرہ دیکھ کے پیری مریدی کی
 جاتی ہے ۔ اگر پیری مریدی یہی ہے تو یہ تو اس کی بھد اڑانا
 ہے ۔ (منتخبات - صفحہ ۳۱۹)

حوک پہ پیرا وہ مریدحہ لرہ ویاڑی
 چیل مراد دے ہمگی لہ علمہ غواری
 کوئی شخص پیرو مرشد پہ کیوں اترائے ، کیوں نہ اپنی ساری
 مراد علم ہی سے حاصل کرے ۔

(منتخبات صفحہ ۳۲۰)

لیکن اس کے زمانے میں جب کہ صوفیائے خام اور علمائے سوء کی
 بہتات ہے ، وہ علمائے حق اور صوفیائے پاک باطن کے کار ناموں اور ان کی
 عظمت کو فراموش نہیں کرتا ۔ ایک جگہ کہتا ہے :
 شکر داچہ پہ دادخت عالمان ڈیردی
 مدعی شیخان کہ ہم ترشارہ تیردی

شکر ہے کہ اس وقت سچے عالم بہت ہیں اگرچہ جھوٹے
مشائخ کا شمار نہیں

(منتخبات - صفحہ ۳۲)

وہ حضرت شیخ رحمکار کا بیحد معتقد نظر آتا ہے کہ جو اُس کے
مرشد تھے اور جنہوں نے اُس کے زمانے میں رشد و ہدایت کی شمع روشن
کی تھی اور جن کی ذات اُس دور میں رموز و حکمت اور احسان و سلوک کا
سرچشمہ تھی - وہ ایک جگہ ان کے لیے سرتاپا عقیدت بن کر کہتا ہے :
خوشحال تکیہ پہ خدائے دہ

پہ تا دہ شیخ رحمکار

خوشحال کا بھروسا خدا پر ہے اور اے شیخ رحمکار ! یا پھر تم پر -

(منتخبات - صفحہ ۳۳)

مولانا عبد الکریم پشوری

حالات

مولانا عبد الکریم پشوری ، حضرت اخوند درویش کے صاحبزادے ، اور حضرت سید علی غواص کے مرید و خلیفہ تھے ۔ انہوں نے ظاہری و باطنی تربیت اپنے والد سے حاصل کی تھی ۔ وہ اخوند کریم داد کے نام سے مشہور ہیں اور اپنی شاعری میں وہ اسی نام کو تخلص بنائے ہوئے تھے ۔ ”صاحب خزینۃ الاصفیاء“ ان کے مناقب و محامد کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ :

از محققانِ این طائفہ و عارفانِ این جماعت است صاحبِ شریعت
و طریقت و حقیقت بود ، و از کلام او اظہر من الشمس
است ۔

ان کے علم و فضل کی بنا پر صاحب خلاصتہ البحر نے ان کو محقق ۔ افغانستان کا خطاب دیا تھا ۔

کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں جب کہ وہ اپنے والد کی کتاب ”مخزن الاسلام“ کی تکمیل کر رہے تھے ، وہ ہر شب کو ایک جزو کاغذ حجرے میں لے جاتے ، اور چراغ کی روشنی کے بغیر لکھتے تھے ، اور صبح کو اپنے دوستوں کو دیتے تھے ، یہاں تک کہ انہوں نے اسی طرح مخزن الاسلام کی تکمیل کی ۔

وفات :

مولانا عبد الکریم پشوری نے ۱۰۷۲ھ (۱۶۶۱ع) میں وفات پائی ۔

”صاحبِ خزینۃ الاصفیاء“ مفتی غلام سرور لاہوری نے اس قطعے میں ان کی تاریخ وفات نکالی :

چوں کریم و اکرم اہل کرم
با کرامت گشت درجنت مقیم
اہل خلوت سال وصلش ہست نیز

۱۰۷۲

والی عرفان کریم ابن الکریم (۱)

۱۰۷۲

۱۔ یہ تمام تفصیل ”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول، صفحہ ۳۷۹ و ترجمہ

”تذکرہ علمائے ہند“، صفحہ ۳۲۱ سے ماخوذ ہے۔

حضرت حاجی بہادر (کوہاٹ)

نام و نسب

سابق صوبہ سرحد کے مشہور شہر کوہاٹ کو جس نے اپنا وطن بنا کر اس سارے علاقے کو اپنی تبلیغ اعلیٰ کلمۃ الحق اور پند و موعظت سے منور و تاباں بنایا وہ حضرت حاجی بہادر ہیں ، جن کا اس علاقے کی روحانی اور ثقافتی تاریخ میں ایک اہم کردار ہے ۔

آپ کا اسم گرامی عبد اللہ اور آپ کے والد کا نام نامی سید سلطان محمد شاہ تھا لیکن مشہور حاجی بہادر کے لقب سے ہوئے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے :

سید عبد اللہ شاہ بن سلطان میر سرور ، بن سید سلطان میر اکبر
بن سید سلطان میر انشاء بن سید سلطان سبحان شاہ ، بن سید
سلطان محمد زبیر بن سلطان میر کمال بن سید سلطان میر جمال
بن سید سلطان ابی فضل بن سید سلطان سراج الدین بن سید
سلطان بہاء الدین بن سید سلطان عبدالرحمن بن سید سلطان محمد
عمران بن سید سلطان شعبان بن سید سلطان محمد زاہد بن سید
سلطان امیر احمد بن عبدالعزیز بن سید محمد ابراہیم ، بن سید
امام حسن عسکری بن سید امام علی نقی بن سید امام علی
موسوی رضا بن سید امام موسوی کاظم بن سید امام جعفر
صادق بن امام باقر بن سید محمد زین العابدین بن سید امام حسین
علیہ السلام (۱) -

۱ - یہ شجرۂ نسب ہفتہ وار ”ہم دم“ کوہاٹ حاجی بہادر نمبر ،

۱۵ دسمبر ۱۹۶۱ سے ماخوذ ہے ۔

افسوس ہے کہ اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت بزرگ کا کوئی مفصل تذکرہ ہمیں نہیں ملتا، صرف اُن کے حالات و مناقب پر ”مناقب حاجی بہادر صاحب کوھاٹ“ کے نام سے ایک کتاب محمد درویش ابن عبداللہ ابن عبدالرحمان لاہوری نے لکھی تھی لیکن اس کا بیشتر حصہ آپ کے مناقب و کرامات پر ہے، اور آپ کے سوانحی پہلو اس میں بہت کم ہیں۔ صرف یہی ایک ماخذ ہے، جس پر آپ کے تمام تذکرہ نگاروں نے آپ کے حالات کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) میں مطبع آفتاب کوھاٹ سے پہلی مرتبہ چھپا۔ پھر شاید اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ ہم اسی کتاب سے ان کے حالتِ قلم بند کرنے میں استفادہ کر رہے ہیں۔

ولادت :

حضرت حاجی بہادر کی ولادت با سعادت ۱۶ ماہ رجب دوشنبہ ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ع) میں ہندوستان کے مشہور شہر آگرے میں ہوئی۔

حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں حاضری :

”مناقب حاجی بہادر کوھاٹ“ میں ہے کہ علومِ رسمہ کی تکمیل کے بعد جب کہ حضرت حاجی بہادر کی عمر سترہ سال کی تھی، آپ کے قلب میں حضرت سید آدم بنوری (۱) کی عقیدت کا چراغ روشن ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا

۱۔ حضرت آدم بنوری کے والد کا اسم گرامی اسماعیل تھا۔ وہ بنور کے رہنے والے تھے، جو مضافات سرہند کا ایک قصبہ ہے۔

سید آدم کا سلسلہ نسب یہ ہے :

آدم بن اسماعیل بن بہوہ یوسف بن یعقوب بن حسین حسینی

کاظمی بنوری۔

سید آدم بنوری پہلے شاہی لشکر میں ملازم تھے۔ ترک ملازمت کر کے ملتان میں حاجی خضر روغانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نعمت باطنی حاصل کی، پھر حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی، اور مختلف ریاضتوں اور (باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۰ پر)

کہ حضرت میر محمد کلان ملکری جو حضرت سید آدم بنوری کے عظیم المرتبت خلفا میں ہیں ، اپنے پیر کی خدمت میں حاضری کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ اس خبر کو سن کر آپ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور والدہ

(صفحہ ۳۶۹ کا بقیہ حاشیہ)

مجاہدوں کے بعد خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ خلاصۃ المعارف میں ہے کہ انہوں نے شیخ محمد طاہر لاہوری سے بھی فیوض باطنی حاصل کیے تھے ، جو ان کو شیخ سکندر سے حضرت کمال الدین کیتھلی کے ذریعے سے پہنچے تھے ۔

سید آدم ابتداً اسی تھے ، پھر انہوں نے ایک جذبے کے تحت قرآن مجید حفظ کیا ، اور علوم ظاہری کی تعلیم بھی حاصل کی ۔ مشہور ہے کہ سید آدم بنوری کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ تھی ، جن میں تقریباً ایک سو آپ کے خلفا تھے جنہوں نے ظاہری علوم اور سلوک کی تکمیل کر کے آپ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا ۔ جہاں آپ جاتے ہزارہا پٹھان آپ کے ساتھ ہوتے تھے ۔

”تذکرہ آدمیہ“ میں ہے کہ سید آدم بنوری ۱۰۵۲ھ (۱۶۶۳ء) میں لاہور تشریف لائے ۔ آپ کے ساتھ دس ہزار مشائخ سادات اور پٹھان تھے ۔ اُس وقت شاہ جہاں لاہور میں تھا ۔ آپ کے معاندین نے شاہ جہاں کو یہ خبر پہنچائی کہ سید آدم بنوری کے ساتھ اتنی جمعیت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو آپ کی حکومت کا تختہ الٹ دیں ۔ شاہ جہاں نے اپنے وزیر سعد اللہ خاں کو تحقیق حال کے لیے بھیجا ۔ آپ اُس کے ساتھ نہایت بے توجہی سے پیش آئے ، اور بہت دیر تک اُس سے بات نہ کی ، پھر اس کو انہماک دنیوی ترک کرنے کی نصیحت فرمائی ۔ نواب سعد اللہ خاں نے واپس جا کر ساری کفایت شاہ جہاں سے بیان کی ، اور (باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۱ پر)

سے عرض کیا کہ حضرت میر محمد کلان حضرت آدم بنوری کی خدمت میں جا رہے ہیں ، میری بھی تمنا ہے کہ میں ان کے ساتھ حضرت سید آدم کی خدمت میں حاضر ہوں ، آپ میرے لیے دعا فرمائیں ۔ چنانچہ آپ کی والدہ نے آپ کو اجازت دی اور رخصت کیا ۔ جب یہ حضرت محمد میر محمد کلان کے ساتھ حضرت آدم بنوری کی خدمت میں پہنچے ، تو حضرت آدم بنوری نے آپ کو دیکھ کر حضرت میر محمد کلان سے پوچھا کہ یہ لڑکا تو صاحب سعادت معلوم ہوتا ہے ، کون ہے ؟ میر محمد کلان نے عرض کیا حضور ! اس کا نام عبداللہ ہے ، اور یہ حضور کی زیارت کی بے حد تمنا رکھتا تھا ۔ حضرت سید آدم بنوری نے خوش ہو کر فرمایا کہ :

بہادر است و تو بجات و رفاقت | یہ بہادر ہے ، اور تو اس بہادر

(صفحہ ۷۳ کا بقیہ حاشیہ)

معاندین کے اندیشوں کی تصدیق کردی ۔ پھر اُس نے شاہ جہاں کو مشورہ دیا کہ مناسب یہ ہے کہ سید آدم کو کسی جہان سے یہاں سے دوسری جگہ بھیج دیا جائے ۔ شاہ جہاں نے سید آدم سے کہا بھيجا کہ وہ حج کے لیے چلے جائیں ، چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں اور گھر والوں کے ساتھ حج کے لیے چلے گئے ، اور حج کے بعد مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے ، لیکن ہندوستان سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ کے باطنی فیوض اور برکات کے سلسلے ہندوستان میں آپ کے خلفاء سے جاری رہے ۔

سید آدم بنوری نے ۷ شوال ۱۰۵۳ھ (۶۸۳ ع) کو مدینہ منورہ میں وفات پائی ، اور جنت البقیع میں حضرت عثمان رض بن عفان رض کے روضہ مبارک کے قریب مدفون ہوئے ۔ سید آدم بنوری کے رسائل میں ”خلاصۃ المعارف“ اور رسالہ ”نکات الاسرار“ مشہور ہیں ۔ (”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول ، صفحہ ۲۲۰ - ۲۳۵

”ونزہ الخواطر“ جلد ۵ صفحہ ۱ - ۲)

این بہادر در آمد و این شیر است ،
و آئینہ در سینہ من از علوم لسانی
و جنائی است بقوت پنجدہ استعداد
خداداد خواہد کشید ، و خواہد برد ،
و این از خلفاء ماست (۱) -

کی رفاقت و حاجت میں آیا ہے ، اور
یہ شیر ہے ، اور جو کچھ میرے سینے
میں علوم ظاہر و باطنی ہیں اپنی
خداداد استعداد کے پنجے سے کھینچ
کر لے جائے گا اور یہ ہمارے خلفاء
میں سے ہے -

اس کے بعد حضرت سید آدم بنوری اٹھے ، اور آپ کو سینے سے لگا
کر یہ دعا فرمائی :

الہا این فرزند ارجمند مارا بسر
منزل مقصود برسان ، و از دولت
حصول درجات و مقامات معانی و
اسرار این بہادر را غنی گردان (۲) -

اللہی ! اس ہمارے فرزند ارجمند
کو منزل مقصود تک پہنچا اور اس
بہادر کو درجات و مقامات اور
معانی و اسرار کی دولت کے حصول
سے غنی کر -

بیعت :

پھر آپ نے حضرت سید آدم بنوری کے دست حق پرست پر بیعت کی ،
اور گیارہ سال تک آپ حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں رہے - حضرت
آدم بنوری آپ کی باطنی صلاحیتوں کو دیکھ کر آپ کی تربیت باطنی پر خصوصی
توجہ دیتے تھے ، اور اپنی مجلس میں جو کچھ حقائق و معارف بیان فرماتے
اُس کا مخاطب خصوصی اور روئے سخن آپ ہی کی طرف ہوتا تھا ، یہاں تک
کہ آپ منزل کمال پر پہنچ کر مظہر تجلیات ذوالجلال ہوئے اور خلافت سے
سوفراز ہوئے -

کوھاٹ میں تشریف آوری :

آسی زمانے میں آپ نے اپنے پیروں کے ساتھ فریضہ حج و زیارت روضہ
نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سعادت حاصل کی - پھر آپ نے کوھاٹ

میں تشریف لا کر رشد و ہدایت کی شمع روشن کی ، اور افغان قبائل میں اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا ۔ آپ کے فیوض و برکات سے یہ سارا علاقہ منور ہو گیا ، خصوصاً اس شہر کے اطراف و اکناف کے لوگ اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے ۔

خدا بینی کا دعویٰ :

اُسی زمانے میں اُن احوال و مکاشفات کی بنا پر جن سے آپ گزر رہے تھے ۔ آپ نے مقامات سلوک کی ایک منزل سے گزرتے ہوئے فرمایا :

من خدا را بچشم سر می بینم | میں خدا کو ان سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہوں ۔

اس بنا پر لوگ حضرت حاجی بہادر کو ”خدا بین“ کہنے لگے ۔ ”مناقب حاجی بہادر“ میں ہے کہ اس دعویٰ کا چرچا عام ہوا ، یہاں تک کہ اس دعویٰ کی شہرت ہندوستان سے نکل کر خراسان تک پہنچی ۔

اورنگ زیب کی جانب سے طلبی :

اورنگ زیب (۱) اُس زمانے میں خوش حال خاں خٹک کی بغاوت فرو کرنے کے لیے حسن ابدال میں مقیم تھا ۔ اُسے جب آپ کے اس دعوے کا علم ہوا تو اُس نے آپ کی خدمت میں ایک قاصد بھیج کر آپ کو ایک

۱ ۔ اورنگ زیب ، شاہ جہاں کا تیسرا لڑکا تھا ، جو ۱۶۱۸ء

(۱۰۲۸ع) میں مالوے کے ایک قریے دودھ میں پیدا ہوا ۔

دہلی کے قریب لشکر گاہ میں یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ع)

میں اس کی رسم تاج پوشی ادا ہوئی ، احمد نگر میں جب کہ

وہ مرہٹوں کے قلع قمع میں مصروف تھا ۔ ذی قعدہ ۱۱۸۱ھ

(۱۰۰۷ع) کو ایک خفیف علالت کے بعد عالم آخرت کی راہ

لی ۔ وفات سے چند گھنٹے قبل جب کہ وہ دسے کے دورے

میں مبتلا تھا ، ایک عرض داشت پر وصیت لکھی کہ میری

تہہیز و تکفین میں خلاف سنت کوئی رسم نہ کی جائے ۔ خواجہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۴ پر)

فرمان کے ذریعہ سے حسن ابدال طلب کیا اور لکھا کہ پنجاب ، دہلی ، اور لاہور کے علما آپ کی زیارت اور اس مسئلے کی تحقیق کے منتظر ہیں ۔ اس مسئلے کی وضاحت فرما کر آپ تشریف لے جاسکتے ہیں ۔ اگر آپ کو یہاں تشریف لانے میں کچھ ٹکدّر ہو تو آپ کے لیے تشریف لانا ضروری نہیں ، آپ کو آنے اور نہ آنے کا پورا اختیار حاصل ہے ۔

شاہی پیغام ملنے کے بعد آپ فوراً حسن ابدال تشریف لے جانے کے لیے تیار ہوئے اور پشاور آکر وہاں کے مشہور مقتدا شیخ حبیب پشاوری کے دولت کدے میں مقیم اور مہمان ہوئے ۔ دوسرے دن میر محمد حسن جو صاحب باطن بزرگ اور جید عالم تھے ، اور پشاور کے دوسرے مشائخ اور علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور تصوف و سلوک کے مختلف مشکل رموز پر آپ سے اکستاب کرتے رہے ، یہاں تک کہ شیخ حبیب پشاوری نے آپ سے عرض کیا کہ اگرچہ بادشاہ اورنگ زیب نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے بلایا ہے ، اور آپ کو اس کا اختیار دیا ہے کہ آپ تشریف لے جائیں یا نہ لے جائیں ، فقیر کی رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ آپ بادشاہ کی خدمت میں کوئی عذر لکھ کر بھجوا دیں اور وہاں تشریف نہ لے جائیں ، کیوں کہ وہاں جو علماء جمع ہیں وہ آپ کے اسرار و معارف کی حقیقت کو نہ سمجھ کہ تضيع اوقات کا باعث بنیں گے ،

(صفحہ ۳۷۳ کا بقیہ حاشیہ)

برہان الدین غریب کے پائیں مجھے دفن کیا جائے ۔ میری قبر پختہ نہ بنائی جائے ، اور نہ قبر پر سقف و گنبد بنایا جائے ۔ اُس کی وصیت کے مطابق جنازہ احمد نگر سے خلد آباد (دکن) لایا گیا ، تقریباً تمام راستے پر دو رویہ عوام کھڑے آنسوؤں کے موتی نچھاور کر رہے تھے ، اور ہزار ہا اہل لشکر ماتم کناں جنازے کے ساتھ ہم رکاب تھے ۔

(ماخوذ از تاریخ مسلمانان یا کستان و بھارت جلد دوم ، صفحہ ۵۲۴ ،

جیسا کہ آپ نے منصور حلاج (۱) کا واقعہ سنا ہوگا۔

۱۔ ابوالمغیث حسن حلاج بن محمد البیضاوی ۵۲۲ھ (۸۳۷ء) کے قریب بیضا (فارس) کے نواح طور میں پیدا ہوئے۔ اُن کی کنیت ابوالمغیث تھی، اور اُن پر سکر کی کیفیت غالب تھی۔ حلاج اُن کو اس لیے کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے ایک دوست حلاج (دہنیے) کی دوکان پر تشویف لے گئے۔ اُس کو کسی کام سے بھیجا، اور روٹی کی طرف اُنکلی سے اشارہ کرتے رہے، روٹی ایک طرف اور بنولے ایک طرف ہوئے رہے۔ اُس وقت سے وہ حلاج کہلائے۔ اُنھوں نے مقتدر باللہ عباسی کی خلافت کے زمانے میں اناالحق کا نعرہ لگایا، اور منگل کے روز ۲۴ ذیقعدہ ۵۳۰ھ (۹۲۱ء) میں بغداد کے محلے باب الطاق میں سولی پر چڑھائے گئے۔ سولی کے بعد اُن کے جسم کو آگ میں جلایا گیا۔ ”سفینۃ الاولیاء“ میں ان کی شہادت کی تاریخ ۲۵ ذی الحجہ اور ”نفحات الانس“ میں ۲۴ ذیقعدہ مندرج ہے۔ ”مخبر الواصلین“ میں اُن کی تاریخ وفات پر ایک قطعہ مذکور ہے، جس میں اس شعر سے اُن کی تاریخ وفات نکالی گئی ہے :

سال تاریخ قتل آن مغفور
گشت مقبول پاک حق مشہور

۵۳۰ھ

منصور کے متعلق سائنس میں اختلاف ہے۔ شیخ عمرو بن عثمان مکی، ابویعقوب اور علی بن سہیل اصفہانی، جیسے متقدمین صوفیہ نے اُن کا انکار کیا ہے، اور اُن کو سمجھوڑ قرار دیا ہے۔ شیخ ابوبکر شبلی، ابوالعباس بن عطا، شیخ عبداللہ خفیف، شیخ ابوالقاسم نصیر آبادی، شیخ ابوسعید ابوالخیر شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری، شیخ ابوالقاسم گرگانی، اور پیر علی (باقی جاشیہ صفحہ ۳۷۶ پر)

آپ نے شیخ حبیب کا یہ مشورہ سن کر اُن کے زانو پر ہاتھ مارے ہوئے فرمایا ، میرے بھائی تم مطمئن رہو ، اور مجھ سے تعاون کرو ، اگر زندگی باقی ہے ، میں وہاں پہنچوں گا ، اور تم اس جوان کی بہادری اور جرات کی خبر سنو گے ۔ اگرچہ اس وقت اورنگ زیب کے دربار میں ہندوستان کے علماء کا اجتماع ہے ، اگر علماء ایران بھی اُن کے مددگار ہوتے تب بھی میں انشاء اللہ اس دعوے کو اُن کے سامنے ثابت کر دوں گا ۔ مجھے اس زمانے میں خدائے تعالیٰ نے وہ قوت دی ہے ، جو سوائے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید آدم بنوری کے کسی دوسرے کو نہیں ملی ۔ انہیں دو دریائے موآجِ علم لدنی سے یہ چند قطرے اس فقیر کو ملے ۔ ہیں چنانچہ آپ حسن ابدال روانہ ہوئے ۔ حسن ابدال کے سفر میں آپ کے ساتھ پشاور سے تقریباً تین سو یا چار سو علماء اور طلباء ہم رکاب ہوئے ۔ جب آپ حسن ابدال سے دو کوس کے فاصلے پر رہ گئے تو آپ نے تبسم فرمایا ۔ لوگوں نے تبسم کی وجہ پوچھی ، تو فرمایا بات یہ ہے کہ اورنگ زیب کے دربار میں جو علماء موجود ہیں ،

(صفحہ ۳۷۵ کا بقیہ حاشیہ)

ہجویری ، صاحب ”کشف المحجوب“ اور متاخرین مشائخ اُن کے معتقد ہیں ، اور اُن کو بزرگ مانتے ہیں ۔ اُن بزرگوں کا کہنا ہے کہ معاملے کا مہجور ، مہجور نہیں ہوتا ۔ منصور کو جو کچھ جھیلنا پڑا ، وہ غلبہ شوق ، جذبہ عشق اور مراتب مدارج کو ضبط نہ کرنے کی وجہ سے تھا ۔ وہ عالم بے خودی اور فرط عشق میں انا الحق کہ بیٹھے ۔ صاحب ”کشف المحجوب“ کا بیان ہے کہ میں نے منصور کی پچاس تصانیف بغداد اور اُس کے نواح فوزستان ، فارس اور خراسان میں دیکھیں (ماخوذ از ”سفینۃ الاولیاء“ ، مصنفہ دارا شکوہ قادری ۔ تذکرہ منصور حلاج و فٹ نوٹ مقالات الشعرا ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی ۔ صفحہ ۳۳۲ و ۳۳۳ و کشف المحجوب ، صفحہ ۱۲۷)

اُن میں مولانا نور محمد مدقق لاہوری اور اخوند الہ داد (۱) دہلوی وغیرہ نے علمائے دربار کو مشورہ دیا ہے کہ میں جب دربار پہنچوں تو کوئی عالم میرے استقبال کے لیے کھڑا نہ ہو، لیکن میرے پیروں نے مجھ کو بہادر کے لقب سے ملقب کیا ہے، تم دیکھو گے کہ یہ علماء میری تعظیم کے لیے کس طرح اُٹھتے ہیں۔ دوسرے دن جب آپ اورنگ زیب کے دربار میں پہنچے تو کوئی تدبیر کارگر نہ ہرئی اور غیر ارادی طور پر تمام علماء آپ کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور سب کے سب خاموش رہے۔ آپ نے خود اس خاموشی کو توڑا اور فرمایا:

من قطب و غوث این زمانہ
ام، حق سبحانہ و تعالیٰ را کہ
بیچون و بے حجت است بچشم
سرمہ بینم نہ بہ چشمِ سر - بیت:

میں اس زمانے کا قطب و غوث
ہوں، حق سبحانہ و تعالیٰ جو
کہ بیچوں و بے حجت ہے، اس
ظاہری آنکھ سے دیکھتا ہوں، نہ
باطنی آنکھ سے:

از عطش چوں در قدح آبے خورم
در درون آب، حق را ناظرم (۲)

پیماس سے جب میں پیالے میں پانی پیتا ہوں
تو میں پانی میں حق کو دیکھتا ہوں

۱ - اخوند شیخ الہ داد حنفی نقشبندی دہلوی، سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت مشائخ اور اس دور کے بڑے عالموں میں تھے۔ اُنہوں نے شیخ عبدالباقی نقشبندی دہلوی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر طویل ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا تھا، بعد میں شیخ عبدالباقی کے دونوں صاحب زادے عبید اللہ اور عبد اللہ انہیں سے بیعت ہوئے۔ شیخ الہ داد نے شعبان ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱ع) میں دہلی میں وفات پائی، اور اپنے شیخ کے مقبرے میں مدفون ہوئے۔ ("نزہۃ الخواطر"، جلد - ۵ - صفحہ ۸۴)

۲ - یہ تمام تفصیل "مناقب حاجی بہادر صاحب کوہاٹ"،

صفحہ ۸ و ۹ سے ماخوذ ہے۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

اس موضوع پر پانچ چھ روز مناظرہ ہوتا رہا۔ علما کی طرف سے اس مناظرے میں جنہوں نے حصہ لیا اُن میں اخوند شاہ مراد دہلوی، اور مولانا نور محمد مدقق لاہوری تھے، لیکن آپ نے اپنے دعوے کی حقیقت کو علماء پر واضح کر دیا (۱)۔

عطیہ شاہی :

جب حضرت حاجی بہادر حسن ابدال سے رخصت ہونے لگے تو اورنگ زیب نے خواہش ظاہر کی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کوھاٹ کو چھوڑ کر دارالسلطنت لاہور میں سکونت اختیار فرمائیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میرے آبا و اجداد کا وطن کوھاٹ ہے، اور میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، اور یوں بھی دوسری جگہ کی سکونت مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ پھر اورنگ زیب نے کہا ”اچھا تو پھر آپ اپنے کسی صاحبزادے کو لاہور میں اصلاح و رشد کے لیے مقرر فرمائیں“۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے منجھلے لڑکے حاجی محمد عمر کو وہاں مقرر کروں گا۔ پھر اورنگ زیب نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے رخصت کیا اور چلتے وقت شہر جھنڈر جو جندالہ شیرخاں افغان کے نام سے بھی مشہور ہے اور ایک سو چھبیس جریب اور چھ کنال پختہ اراضی جس کو عرف میں دو قبلہ شاہی بھی کہتے تھے اور کچھ زمین کوھاٹ میں اور نصف پٹہ کوھاٹ بطریق ائمہ مرفوع القلم کے بخشی (۲)۔

رشد و ہدایت :

اپنے وطن کوھاٹ تشریف لانے کے بعد، دور دور سے طالبان حق اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے، اور کوھاٹ میں آپ نے اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا، یہاں تک کہ آپ کے فیوض و برکات سے یہ سارا علاقہ منور ہو گیا۔

۱۔ یہ تمام تفصیل ”مناقب حاجی بہادر صاحب کوھاٹ“ صفحہ

۸ و ۹ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ ”مناقب حاجی بہادر صاحب کوھاٹ“۔ صفحہ ۱۴ - ۱۵

حضرت شیخ رحمکار سے اخلاص و محبت :

جس زمانے میں حضرت حاجی بہادر کوھاٹ میں اصلاح و تربیت کا عظیم الشان کام انجام دے رہے تھے ، اسی زمانے میں اکوڑا خٹک میں حضرت شیخ رحمکار کی خانقاہ رشد و ہدایت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی ۔ ”مناقب حاجی بہادر کوھاٹ“ میں ہے کہ بعض لوگوں نے دونوں بزرگوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنی چاہی ۔ لیکن حضرت شیخ رحمکار نے اُس کو دور کرنے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ نہ صرف وہ غلط فہمی دور ہو گئی ، بلکہ حضرت شیخ رحمکار کے طرز عمل نے دونوں کے درمیان خلوص و محبت کے رشتے کو اور بھی اُستوار اور مستحکم کر دیا ۔ اس خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حاجی بہادر کوھاٹ سے لاہور براہِ اٹک اپنے وطن تشریف لارہے تھے راستے میں اکوڑہ خٹک بھی پڑتا تھا ۔ جب شیخ رحمکار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو آپ حضرت حاجی بہادر کے استقبال کے لیے تشریف لے گئے ، ان سے ملاقات فرمائی ، اور معانقے کے بعد فرمایا کہ میری دلی تمنا ہے کہ ایک رات آپ اس فقیر کے گھر پر قیام فرمائیں تاکہ میں بھی آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوں ۔ حضرت حاجی بہادر نے ان کی مہمانی منظور فرمائی اور ایک رات اکوڑہ خٹک میں حضرت شیخ رحمکار کے مکان پر قیام فرمایا (۱) ۔

حقیقت تصوف :

حضرت عبدالنبی شامی نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب کے دربار سے مناظرے کے بعد واپسی میں پانچ ماہ آپ لاہور ٹھہرے ، اور رشد و ہدایت میں مشغول رہے ۔ جب آپ لاہور سے وطن روانہ ہونے لگے تو لاہور کے عالموں اور عارفوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ چند سطروں میں تصوف کے حقائق کو بیان فرمائیں کہ جو مختصر بھی ہوں اور تمام عام سلوک کا خلاصہ بھی اس میں آجائے ۔ آپ تھوڑی دیر سر بگریباں رہے ،

۱ - ”مناقب حاجی بہادر“ صفحہ ۱۸ تا ۳۰ پر اس غلط فہمی کو

جو لوگ آپ دونوں حضرات کے درمیان پیدا کرنا چاہتے تھے ، کو تفصیل سے لکھا گیا ہے ۔



تذکرہ صوفیائے سرحد

پھر سر اٹھا کر تصوف کی حقیقت پر چند کلمات ارشاد فرمائے ، جن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ تصوف کے منازل طے کرنے سے پہلے علم میں استغراق بھی از بس ضروری ہے ۔ آپ کے کلمات کا مفہوم یہ تھا کہ عرفان کا ظہور ہوتے ہی علم لدنی کے پردے چاک ہونے لگتے ہیں ، اور یہ دو طرح کا ہوتا ہے ، ایک کا تعلق باری تعالیٰ کی ”ذات“ سے ہے ، اور دوسرے کا اس کی صفات سے ، ذات کے متعلق انکشاف تجلی محض تک محدود رہتا ہے ، اور صفات سے متعلق انکشاف سلوک کے کمال تک پہنچتا ہے ، وغیرہ وغیرہ ۔

وفات :

حضرت حاجی بہادر حالت سفر میں ماہ رجب ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۷ع) میں بدایا خیل میں واصل الی اللہ ہوئے ۔ دوسرے روز جنازہ کوھاٹ لایا گیا ، اور کوھاٹ شہر کے جنوبی جانب آپ کو دفن کیا گیا ۔ آپ کا مزار کوھاٹ میں مرجع خاص و عام ہے (۲) ۔

خلفاء :

صاحب مناقب حاجی بہادر نے مولانا نور محمد مدققی لاہوری کی کتاب ”کشف الاسرار“ کے حوالے سے آپ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار نو سو تئیس بتائی ہے ، اور مولوی شاہ مراد دہلوی نے آپ کے مریدوں کی تعداد اپنے رسالے ”مناقب حضرت کوھاٹی“ میں دو لاکھ ساٹھ ہزار نو سو تئیس لکھی ہے ، یعقوب بلخی نے اپنے رسالے میں آپ کے مریدوں کی تعداد ساٹھ ہزار نو سو تئیس بتائی ہے ، صاحب ”مناقب حاجی بہادر“ نے محمد یعقوب بلخی کے قول کو زیادہ معتبر و مستند بتایا ہے ۔ (۳)

۱ ۔ یہ مفہوم ”مناقب حاجی بہادر“ صفحہ ۶۵ کی عربی عبارت سے ماخوذ ہے ۔

۲ ۔ اخبار ”ہمد“ ہفتہ واری کوھاٹ حضرت حاجی بہادر نمبر ۱۹۶۱ مضمون حضرت حافظ سید عبداللہ شاہ معروف بہ حاجی بہادر ،

مرتبہ (سید دلبر شاہ) و مناقب حاجی بہادر صفحہ ۷۱

۳ ۔ ”مناقب حاجی بہادر کوھاٹ“ ۔ صفحہ ۱۶۳

اس اعتبار سے کہ آپ کے اس کثیر تعداد میں مریدین تھے ، ظاہر ہے کہ آپ کے خلفاء کی فہرست بھی طویل ہوگی ۔ آپ کے بعض مشہور خلفاء و مرید یہ ہیں :

(۱) مولانا نور محمد مدقق :

مولانا نور محمد مدقق بن محمد فیروز بن فتح اللہ لاہوری جو اپنے دور کے مشہور اور جید علماء میں تھے ابتدا میں وہ حضرت حاجی بہادر کوہاٹی کے سخت مخالفین میں تھے۔ چنانچہ اورنگ زیب کے دربار میں حضرت حاجی بہادر اور دوسرے علماء میں خدا بینی پر جو مناظرہ ہوا تھا نہ صرف یہ کہ مولانا نور محمد اس مناظرے میں پیش پیش تھے بلکہ ایک مناظر کی حیثیت سے انہوں نے علماء کی جانب سے اس مناظرے میں حصہ لیا تھا لیکن وہ بعد میں تائب ہوئے اور حضرت حاجی بہادر کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ اُن کی تصانیف میں سید شریف کی کھاب ”تصریف“ کی شرح مشہور ہے ، اور ”مناقب حاجی بہادر کوہاٹ“ سے اُن کی ایک اور کتاب ”کشف الاسرار“ کا بھی پتہ چلتا ہے ، جو غالباً حضرت حاجی بہادر کے حالات پر ہے (۱)۔

(۲) اخوند نعیم کانہ ننگر ہاری :

اخوند نعیم پابینی ساکن کامہ ، یہ بھی حضرت حاجی بہادر کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے۔ علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد یہ ایک عرصے تک معرفت حق کے حصول کی تلاش و جستجو میں سرگرداں رہے ، یہاں تک ایک دن نماز جمعہ کے بعد مسجد مہابت خاں میں ان کی ملاقات حضرت حاجی بہادر سے ہوئی ، انہوں نے آپ سے بیعت کی التجا کی ، حضرت حاجی نے فرمایا کہ یہ وقت بیعت کے لیے مناسب نہیں ، مناسب یہ ہے کہ اشراق کے وقت خلوت میں اس فقیر کے پاس آؤ ، چنانچہ وہ اشراق کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور آپ نے انہیں بیعت کر لیا ، اور تین سال کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ نے ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا (۲)۔

۱ - ”نزہۃ الخواطر“ جلد ۶ - صفحہ ۳۹۶ و ”مناقب حاجی بہادر کوہاٹ“ - صفحہ ۱۶۳

۲ - ”مناقب حاجی بہادر کوہاٹ“ - صفحہ ۵۲ - ۵۳

(۳) شاہ ولی اللہ ننگر ہاری :

شاہ ولی اللہ ننگر ہاری خواجہ زادوں میں تھے ۔ وہ ابتداً حضرت مجدد الف ثانی سے بیعت ہوئے ۔ جب حضرت مجدد الف ثانی واصل الی اللہ ہوئے تو یہ مرشد کامل کی طلب میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے ۔ چون کہ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی سے اکتساب فیض کیا تھا ، اس لیے جس بزرگ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے مطمئن نہیں ہوتے تھے ، یہاں تک کہ اسی تلاش و جستجو میں پشاور پہنچے ، اور پشاور کے اولیا اور علما سے حضرت حاجی بہادر کے اوصاف کا شہرہ سن کر آپ کی خدمت میں کوھاٹ حاضر ہوئے ۔ جب وہ آپ کی مجلس میں پہنچے تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا ، اے نوجوان ! چشمہ آبِ حیوان کے طالب ، اب تم صحیح اُس تشنہ لبوں کے چشمے پر پہنچے ہو جو تمہارا مدعا ہے ، میں کل تمہیں اس مقصد میں فائز المرام کر کے رخصت کر دوں گا ۔ دوسرے دن آپ نے اُن کو خلوتِ خاص میں طلب فرما کر تصوف کی اعلیٰ منزلوں پر فائز کر دیا ۔ (۱)

(۴) نیک بختک :

یہ بھی آپ کے مریدین اور خلفا میں تھے ۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں جب حضرت حاجی بہادر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھا اور خوش ہو کر فرمایا ”خوب آئے ہو اے خوش نصیب ! تم کہاں سے آئے ہو؟“ میں نے عرض کیا کہ میں خٹک سے آیا ہوں ۔ آپ نے پوچھا ۔ ”کون سے گاؤں سے؟“ میں نے عرض کیا کہ درویش خیل سے ۔ پھر آپ نے پوچھا ”تمہارا نام کیا ہے؟“ میں نے عرض کیا ”نیک“ ۔ فرمایا ۔ ”نیک اسم تصغیر ہے ، تم تو نیک بخت ہو آؤ اور میرے پہلو میں بیٹھ جاؤ۔“ چنانچہ میں دوزانو ہو کر آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا ۔ پھر آپ نے میرے سر پر دست شفق پھیرتے ہوئے فرمایا کہ اے نیک بخت ! ہمیں معلوم ہے کہ تم اپنا حصہ لینے کے لیے آئے ہو ، بیشک تمہارا حصہ ہمارے پاس ہے ، تم خوش نصیب ہو کہ خدائے تعالیٰ نے



علمِ ازی میں تم کو صاحبِ ولایت مقرر کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے تمہارے آنے سے تین سال قبل اس کی اطلاع بخشی تھی کہ ایک شخص اس شکل و ہیئت کا میرے پاس آئے گا، اور ولایت کا حصہ میرے دامن سے اُس کا مقدر ہوگا۔ میں جو اپنی زندگی پر بھروسہ نہیں رکھتا، رات دن اسی فکر میں تھا کہ تمہاری امانت جو حق تعالیٰ کی جانب سے میرے پاس مقرر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے، اور وہ امانت، صاحبِ امانت کو نہ پہنچ سکے۔ خدا کا شکر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اس فقیر تک پہنچا دیا، جاؤ اس وقت تو آرام کرو، علی الصباح اگر حیات باقی ہے تو تم سے ملاقات ہوگی۔ دوسرے دن صبح کو حضرت حاجی بہادر نے مجھے اپنے زمرہ مریدین میں شامل فرمایا۔ میں آپ کی خدمت ڈھائی سال تک رہا، آپ مجھ پر حد سے زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ (۱)

ان کے علاوہ آپ کے بعض مریدوں کے نام یہ ہیں، ۱۔ حافظ نعمت اللہ یہ آپ کے مرید بھی تھے، اور آپ کی نماز میں امامت بھی فرماتے تھے، سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے ۲۔ حاجی سلیمان درمڑی ۳۔ ملک محمد صالح خوشابی (۲)۔

۱۔ ”مناقب حاجی بہادر کوہاٹ“۔ صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۵

۲۔ مریدین کے یہ اس ”مناقب حاجی بہادر“ میں مختلف جگہ پر مذکور ہیں۔

حاجی محمد اسماعیل غوری نقشبندی

حالات :

حاجی محمد اسماعیل غوری ، شیخ سعدی لاہوری کے عظیم المرتبت اور خدام خاص میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے مولانا یار محمد گل مہاری مجددی سے بھی روحانی استفادہ کیا تھا ، جو حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ تھے ۔

ذریعہ معیشت :

حضرت حاجی اسماعیل غوری پہلے پشاور میں ایک دکان میں خوردہ فروشی کرتے تھے اور حصول معیشت کے لیے تجارت میں مشغول رہتے تھے ۔

سیاحت :

پھر ایک طویل عرصے تک مختلف ممالک کی سیاحت کرتے رہے ، اور حرمین شریفین حاضر ہو کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے ۔

اكتسابِ روحانی :

دورانِ سیاحت میں انہوں نے سلسلہ قادریہ ، چشتیہ ، نقشبندیہ کے مختلف شیوخ سے اکتسابِ روحانی کیا ، پھر لاہور حاضر ہو کر حضرت شیخ سعدی لاہوری کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ، اور خلافت سے سرفراز ہوئے ۔

کشف و کرامات :

صاحب روضۃ السلام کا بیان ہے کہ حاجی اسماعیل غوری صاحب کشف و کرامات تھے ، اور اُن سے بے اختیار کرامتیں صادر ہوتی تھیں ۔

چنانچہ اُس نے اُن کی متعدد کرامات کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے ۔
وفات :

حاجی اسماعیل غوری نے ایک سو پندرہ سال کی عمر میں ۱۱۱۱ھ
(۱۶۹۹ع) میں وفات پائی ۔

اُن کا مزار مبارک پشاور میں مرجع خاص و عام ہے ۔
تاریخ وفات :

مفتی غلام سرور لاہوری صاحب خزینۃ الاصفیا نے اس شعر میں ان
کی وفات کا مادہ تاریخ نکالا ہے :

رحلتش هست عارف سر مست

۱۱۱۱

نیز مخدوم دھر اسماعیل

۱۱۱۱

خلفا :

اُن کے خلفا میں حافظ عبدالغفور پشاوری نے غیر معمولی شہرت اور
مقبولیت حاصل کی ۔

سید حسن پشاوری

نام و نسب :

آپ کا اسم گرامی سید حسن ، آپ کے والد کا نام سید عبداللہ گیلانی تھا ۔ آپ کا سلسلہ نسب حسب ذیل واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی و حسینی سے جا ملتا ہے ۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

۱ - آپ کا اسم گرامی عبدالقادر ، لقب محی الدین ، کنیت ابو محمد ، عرف غوث اعظم تھا ۔ آپ کی ولادت باسعادت یکم رمضان ۵۴۱ھ (۱۰۷۸ع) میں قصبہ جیل میں ہوئی (جس کو جیلان یا گیلان بھی کہتے ہیں) ۔ آپ کے والد کا اسم گرامی سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست اور والدہ کا نام ام الخیر امہ العبار فاطمہ تھا ۔ آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت امام حسن سے اور والدہ کی طرف سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ہے ، اس طرح آپ نسباً حسنی و حسینی سید ہے ۔ ۵۴۸ھ (۱۰۹۵ع) میں آپ بغداد پہنچے ، اور وہاں کے اکابر علما و شیوخ سے علوم دینیہ کی تکمیل کی ، اور علوم ظاہری میں بھی وہ شہرت اور ناموری حاصل کی کہ علمائے زمانہ سے سبقت لے گئے ۔ پھر آپ علم طریقت کی طرف متوجہ ہوئے ، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ نے شیخ ابو سعید مبارک مخرمی کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اور شیخ ابو سعید مبارک مخرمی نے آپ کو خرقہ خلافت مرحمت فرمایا ، پھر (باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۷ پر)

حضرت سید حسن بن سید عبداللہ بن سید محمود ، بن سید عبدالقادر
بن سید عبدالباسط بن سید حسین بن سید قطب العالم بن سید احمد
بن سید شرف الدین قاسم بن سید شرف بن سید بدر الدین حسن
بن سید علاء الدین علی ، بن سید شمس الدین محمد بن سید شرف الدین
یحییٰ بن سید شہاب الدین احمد بن سید قطب العالم بن سید
صالح النصر بن قطب الدائرہ سید عبدالرزاق بن قطب
ربانی غوث صمدانی سید عبدالقادر جیلانی الحسنی و الحسینی

پاکستان میں آمد :

حضرت سید حسن کے دادا سید محمود بغداد سے ٹھٹھہ تشریف لائے ،
اور انہوں نے یہاں تشریف لانے کے بعد ٹھٹھہ کے سادات میں شادی کر لی ،
اور ٹھٹھہ ہی میں حضرت سید حسن کی ولادت باسعادت ہوئی ۔ بچپن ہی سے
آپ کا قلب زہد و اتقا و عشق الہی کی طرف مائل تھا ۔ آپ اپنے والد اور
دوسرے بزرگوں سے روحانی فیوض حاصل کرتے ، اور اپنے وقت کا بڑا حصہ
ریاضتوں ، مجاہدوں ، صفائی قلب اور عزلت و تنہائی میں بسر فرماتے تھے ۔

(صفحہ ۳۸۶ کا بقیہ حاشیہ)

آپ بغداد میں درس و تدریس ، افتاء و وعظ ، اعلاء کلمۃ الحق اور
اشاعت اسلام میں مصروف ہو گئے ۔ آپ کی تبلیغ سے پانچ ہزار
سے زیادہ عیسائیوں اور یہودیوں نے اسلام قبول کیا ، اور ایک
لاکھ فساق و فجار ، چور و رھزن اور بد اعتقاد لوگوں نے
آپ کے مواعظ و نصائح سے متاثر ہو کر توبہ کی ۔

۱۱۔ ربیع الثانی ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ع) کو جب کہ آپ کی عمر ۹۱
سال تھی ، آپ و اصل الی اللہ ہوئے ۔ بغداد میں آپ کا مزار پر
انوار زیارت گاہ خلق اللہ ہے ۔

آپ کی تصانیف میں غنیۃ الطالبین ، فتوح الغیب ، فتح ربانی ،
قصیدہ غوثیہ ، مکتوبات اور آپ کا دیوان مشہور ہیں (ماخوذ از
اخبار الاخیار ص ۱۰ و سیرت غوث اعظم مؤلفہ ابوالیان)

پشاور میں تشریف آوری :

حضرت سید حسن اپنے والد کی وفات کے بعد پاک و ہند اور حجاز کا سفر کرتے ، اور مختلف بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے پشاور تشریف لائے۔

پشاور میں قیام :

صاحب اسرار الطریقت کا بیان ہے کہ آپ نے حضرت غوث اعظم کے ارشاد کی بناء پر سیاحت ترک کر کے پشاور میں سکونت اختیار کر لی۔

بیعت :

آپ کے شجرۂ طریقت سے جو آپ کے صاحبزادے شاہ مجدد غوث نے اپنے رسالے اسرار الطریقت میں درج کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلسلہ قادریہ میں اپنے والد سید عبداللہ سے بیعت تھے ، اور انہیں سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ آپ کا شجرۂ طریقت یہ ہے :

سید حسن ، سید عبداللہ ، سید محمود ، سید عبدالقادر ، سید عبدالواسط سید حسین ، سید احمد ، سید شرف الدین قاسم ، سید بدرالدین حسن ، سید شمس الدین مجدد ، سید شرف الدین یحییٰ ، سید شہاب الدین احمد ، سید ابی صالح نصر ، سید عبدالرزاق ، سید عبدالقادر حسنی الحسینی جیلانی ، ابو سعد مبارک ، شیخ عبدالحسن علی ، شیخ ابوالنصر طرطوسی ، شیخ عبدالواحد عبدالعزیز ، شیخ ابوبکر شبلی ، شیخ جنید بغدادی ، شیخ سری سقطی ، شیخ معروف کرخی ، شیخ داؤد طائی ، شیخ حبیب عجمی ، شیخ حسن بصری ، حضرت علی بن ابی طالب ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

زہد و ریاضت :

زہد و ریاضت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ مجدد غوث تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب (شیخ حسن) اکثر ذکر و شغل کی عبادت میں مشغول رہتے ، رات کو سونا نصیب نہ ہوتا ، عبادت اور زیادہ تر مراقبے میں مشغول رہتے ، اور ورد و شوق کا آپ پر

غلبہ تھا۔ خشیت الہی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے صاحبزادے تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کچھ پڑھتا، یا خدا کا نام زبان پر لاتا تو آپ کے آنسو جاری ہو جاتے، اور اکثر روتے رہتے تھے، اور جس کو توجہ دیتے اُس پر بھی شوق و ورد اور شغل کی حالت طاری ہو جاتی، اور اسائے الہی کی دعوت کے علم میں بھی کامل تھے۔ آخر عمر تک ذکر، مراقبے اور شغلِ لسانی اور قبا میں مشغول رہے۔ جن عزیزوں کو اسماء اللہ اور وظائف ظاہری کی طلب ہوتی تو ان کو بھی اُسی قسم کی تلقین فرماتے، اور بعضوں کو سلوک باطنی کے طور پر ارشاد فرماتے اور بعضوں کو جذبہ اور توجہ سے ارشاد فرماتے۔ (۱)

ازدواج :

پھر آپ نے سید عباس کی بہن سے جو حضرت سید علی ترمذی اور سید علی ہمدانی (۲) کی اولاد میں تھے شادی کی (۳)۔ صاحب ”خزینۃ الاصفیاء“

۱۔ یہ شجرہ اور تمام تفصیل رسالہ ”اسرار الطریقت“ مصنفہ شاہ مجدد غوث بن شیخ حسن پشاوری، صفحہ ۴۱، ۴۲، ۴۳ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ امیر کبیر سید علی ہمدانی بن شاہ شہاب الدین کی ولادت باسعادت ۱۲۔ رجب بروز دوشنبہ ۵۷۱۴ (۱۳۱۴ع) کو ہوئی۔ علوم ظاہری کے گنجینہ اور تجلیاتِ ربانی کے مظہر تھے، اور حضرت علاء الدولہ سمنانی کے مرید تھے۔ انہوں نے دنیا کے اکثر ممالک کی سیر و سیاحت کی تھی۔ ۵۷۸۱ (۱۳۷۹ع) میں اپنے سات سو سادات و رفقا کے ساتھ کشمیر تشریف لائے، اور علاء الدین پورہ میں مقیم ہوئے، اور خطہ کشمیر میں تبلیغ دین و اشاعت اسلام میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے ۷۳ سال کی عمر میں ۶ ذالحجہ ۵۷۸۶ (۱۳۸۴ع) کو مقام کبیر میں وفات پائی۔ نزع کے وقت زبان پر بسم اللہ الرحمن الرحیم تھا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۰ پر)

کا بیان ہے کہ آپ کی بیوی بھی طاعت و بندگی اور عبادت میں اپنے عہد کی رابعہ بصریہ تھیں :

(صفحہ ۳۸۹ کا بقیہ حاشیہ)

حضرت علی ہمدانی کی تصانیف میں شرح مجمع اسماء الحسنیٰ ، مجمع الاحادیث ، ذخیرۃ الملوک ، شرح خصوص الحکم ، مراۃ التائبین ، شرح قصیدہ حمزہ فارسیہ ، آداب المریدین اور اوراد فتحیہ مشہور ہیں ۔



(ماخوذ از ”تذکرہ علمائے ہند“ - صفحہ ۳۵۱ - ۳۵۲)

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی نے خطۂ کشمیر میں اشاعت اسلام اور ترویج شریعت کی جو کوششیں کیں ، صاحب خزینۃ لاصفیاء نے ان کو سراہتے ہوئے لکھا کہ :

غرض کہ احکام شریعت غرہ بطفیل آن محبوب کبریا
در کشمیر رواج یافتند ، و ہزارہا گمراہان لایعقل
رو براہ آوردند و سلطان کہ پیش از این لباس قوم
کفرہ می پوشید ، آن را با امر و نہی حضرت سید ترک
دادہ خلعت طریق اسلام پوشیدہ

آپ کے خلفا میں میر سید حسین سمٹانی ، میر جہاں الدین ، میر سید کمال اول ، میر سید کمال ثانی ، سید جہاں الدین ، سید فیروز معروف بہ سید جلال الدین ، محمد کاظم مشہور بہ سید قاضی میر سید رکن الدین و فخر الدین ، شیخ محمد قریشی ، شیخ احمد قریشی ، شیخ سیلمان اول وغیرہ مشہور ہیں ۔ (ماخوذ از خزینۃ لاصفیاء جلد دوم - صفحہ ۲۹۵ تا ۲۹۸)

۳ - یہ تمام تفصیل ”رسالہ اسرار الطریقت“ تصنیف شاہ محمد غوث صاحب بن سید حسن پشاوری فصل ۷ - صفحہ ۳۹ مطبوعہ تعلیمی پرنٹنگ پریس ، لاہور سے ماخوذ ہے ۔

اخلاق :

حضرت شیخ حسن پشاور کی سیرت و اخلاق میں خدمتِ خلق اور استفنا عن الخلق کا جوہر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ کے صاحبزادے شاہ محمد غوث کا بیان ہے کہ میرے والد ماجد کا طریقہ تھا کہ فقرا اور مساکین کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئے، اور ان کی بڑی خدمت کرتے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا سب لوگ آپ کے عیال ہیں۔ ہر روز کئی آدمیوں کو کھانا کھلاتے۔ ہمارے گھر میں ہر وقت چولہا گرم رہتا، اور گھر کے نوکر دن بھر کھانا تقسیم کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ نصف شب کو کھانے کی تقسیم سے فرصت ہرق۔ خود کبھی کسی چیز کے لیے کسی سے التجا نہیں کرتے تھے۔ حکام اور شاہانِ وقت سے وجہ معیشت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ (۱)

وفات :

حضرت سید حسن نے بقول صاحب رسالہ ”اسرار الطریقت“ ۲۱ ذیقعدہ بروز جمعہ ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ع) میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پر انوار پشاور میں مرجع خاص و عام ہے۔

اولاد :

شاہ محمد غوث لاہوری :

آپ کے صاحبزادوں میں شاہ محمد غوث لاہوری نے عرفان و تصوف میں غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں بچپن میں نہایت کند ذہن و غبی تھا۔ میں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، لیکن حفظ نہ کر سکا۔ میرے والد نے باطن میں اپنے پیر سید عبداللہ سے عرض کیا جو ان کے والد بھی تھے کہ اس لڑکے پر نظرِ توجہ فرمائے۔ آپ کی توجہ اور فیوضِ باطنی سے علومِ ظاہری و باطنی کے دروازے مجھ پر کھل گئے، اور میں نے ایس سال کی عمر میں علومِ ظاہری کی تحصیل سے فراغت حاصل کی۔ میرے حافظے کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ میں نے چھ ماہ

میں مطول ختم کر لی۔ دوران تعلیم ہی میں مجھ پر عشق الہی کا غلبہ اور معرفت الہی کا ذوق غالب ہوا۔ میں نے اپنے والد سے اپنے ذوق کی کیفیت بیان کی۔ انہوں نے فرمایا کہ اس مسئلے میں تمہاری تعلیم کے بعد غور کیا جائے گا لیکن میں اس جذبے کو اپنے قلب میں بے پناہ پاتا تھا، جس درویش اور سالک کا مجھے پتہ چلتا، میں اس کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ (۱)

چنانچہ میں حافظ عبدالغفور نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہوا، جو اپنے وقت کے عظیم المرتبت اور جلیل القدر درویش تھے، اور ان کے فیوض باطنی سے مستفید ہوا۔ کچھ دن شیخ یحییٰ قدس سرہ کی خدمت میں بھی حاضر رہا جو الٹک میں مقیم تھے، اور بہت بڑے بزرگ اور مرتاض تھے۔ وہ تارک الدنیا تھے اور ہر وقت مراقبے اور حبس میں گزارتے تھے، جس نفس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ کبھی ایک نفس کبھی دو نفس، کبھی تین نفس اور کبھی چار نفس میں پوری رات گزار دیتے تھے اور فقیر پر نہایت مہربان تھے اور دنیا داروں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ (۲)

شاہ محمد غوث نے اپنے والد شیخ حسن کے دستِ حق پرست پر قادریہ سلسلے میں بیعت ہو کر حرقۂ خلافت حاصل کیا، اور انہوں نے قبول کیا، اور طریقت اور طریقۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کر کے شغل اور ذکر کے لیے فرمایا، (۳) پھر انہوں نے جو ریاضتیں اور مجاہدے اپنے والد کی خدمت میں رہ کر کیے ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

چنانچہ میں چار چلوں تک حضرت والد مرحوم کی خدمت میں بیٹھا رہا، اور بعض اعمال اور اشغال کو عمل میں لایا، اور ایک علیحدہ خالی مکان میں چھ سال تک گوشہ نشین رہ کر مشغول تھا، اور ذکر لسانی جہر اور خفیہ طور پر اور ذکر قلبی اور مراقبات کرتا، اور استعداد اور

۱ - ”رسالہ اسرار الطریقت“ - صفحہ ۴۰ - ۴۱

۲ - ایضاً - صفحہ ۴۰

۳ - ایضاً - صفحہ ۴۱

قسمت کے مطابق حالات وارد ہوئے ، اور اپنے حال کی حقیقت ہمیشہ آپ کے حضور میں عرض کرتا رہتا ، جو درست ہوتا ۔ اُس کی تحسین فرماتے ، اور جس میں غلطی ہوتی اُس کا تدارک کرتے ۔ چھ سال کے بعد سہربانی کر کے اجازت نامہ لکھ کر مرحمت فرمایا ۔ (۱) چھ سال کے بعد والد ماجد کا انتقال ہو گیا ۔ انہوں نے ۲۱۔ ذیقعدہ ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ع) کو جمعہ کے دن رحلت فرمائی ، اور اس عاجز کو خرقہ اور اجازت بخشی اور وصیت کی کہ محتاجوں ، فقیروں اور ہر نو وارد مسافر کی خدمت کیا کرو ، اور لوگوں سے کسی قسم کی امید نہ رکھو ، اور امیروں کی طرف التجا اور رجوع نہ کرو ، اور جو کچھ بتلایا گیا ہے ، اس میں لگے رہو ، اور جو کچھ خدا دے اُس پر قانع رہو ، (۲)

شیخ حسن کی وفات کے بعد شاہ مجدد غوث نے طلبِ حق میں پاک و ہند کے مختلف شہروں کی سیاحت کی۔ اثنائے سیاحت میں جن بزرگوں سے انہوں نے روحانی استفادہ کیا ان میں میاں نور مجدد ، (۳) شاہ مجدد فاضل (۴) درویش ، شاہ زندہ (۵) فقیر ، اخوند مجدد نعیم (۶) ، شاہ حسین ، شاہ چراغ (۷)

۱۔ رسالہ ”اسرار الطریقت“ - صفحہ ۴۱ - ۴۲

۲۔ ایضاً - صفحہ ۴۳ - ۴۴

۳۔ میاں نور مجدد اٹک کے گرد و نواح میں رہتے تھے ، اور شاہ ربانا مجذوب کی صحبت سے ان کو کامل جذبہ عطا ہوا تھا ۔

(”اسرار الطریقت“ - صفحہ ۴۵)

۴۔ شاہ مجدد فاضل بھی صاحبِ تاثیر بزرگ تھے اور اٹک میں رہتے تھے ۔

(”اسرار الطریقت“ صفحہ ۴۶)

۵۔ شاہ زندہ فقیر بھی صاحبِ باطن بزرگ تھے ، جو ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے تھے اور بہت کم کھاتے تھے ۔

(”اسرار الطریقت“ - صفحہ ۴۶)

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۴ پر)



شاہ لطیف (۱) ، شیخ پیر محمد (۲) سچیار خلیفہ حاجی محمد نوشاہ حاجی

(صفحہ ۳۹۳ کا بقیہ حاشیہ)

۶ - اخوند محمد نعیم افغانستان کے پرگنہ جلال آباد کے ایک موضع محمودکامہ میں رہتے تھے ، ظاہری اور باطنی علوم میں دست گاہ کامل رکھتے تھے ، سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے ، شاہ محمد غوث نے ان کی خدمت میں رہ کر توضیح تلوچ پڑھی تھی -
 ("اسرار الطریقت" - صفحہ ۴۶)

۷ - "اسرار الطریقت" میں ہے کہ شاہ چراغ پوٹھو ہار میں رہتے تھے ، اور قادریہ سلسلے میں بیعت تھے ، اور دعوت اس کی دعاؤں اور شغل قلب میں مشغول رہتے تھے -
 ("اسرار الطریقت" - صفحہ ۴۶)

۱ - شاہ لطیف پنڈی کے رہنے والے ، مجذوب ، صاحب کمال اور صاحب کشف بزرگ تھے ، شاہ محمد غوث ان کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوئے تھے - ("اسرار الطریقت" - صفحہ ۴۶)

۲ - پیر محمد جو سچیار سے مشہور ہیں ، حاجی محمد نوشاہ عظیم المرتبت خلفا میں تھے - وہ بچپن ہی میں حاجی محمد نوشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی تربیت اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے - چونکہ ان کا میلان ابتدا ہی سے صدق و ورع اور تقویٰ کی طرف تھا ، ان کی راست گوئی اور صدق کو دیکھ کر ان کے پیر نے ان کو سچیار کا خطاب دیا ، جس کے معنی ہیں سچ بولنے والا - وہ اس قدر صاحب تصرف بزرگ تھے کہ جو کوئی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ، ان کی نگاہ فیض اثر سے فوراً ہی صاحب وجد و حال ہو جاتا - وہ اپنے پیر کی وفات کے بعد موضع نوشہرہ مغلاں میں جو دریائے چناب کے کنارے واقع ہے ، اور گجرات سے مشرق (باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۵ پر)

گلگو (۱) محمد جعفر، میاں جان محمد، میاں جان محمد دوم (۲)، شیخ سرور (۳)،

(صفحہ ۳۹۴ کا بقیہ حاشیہ)

جانب چھ کوس کے فاصلے پر ہے، مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ شیخ پیر محمد نے ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ع) میں وفات پائی۔ (ماخوذ از ”خزینۃ الاصفیاء“، جلد اول صفحہ ۱۰۱ - ۱۰۲)۔

۱۔ حاجی گلگو، شیخ پیر محمد سچیار کے خلفا میں تھے۔ صاحب حال بزرگ تھے، اس قدر جذبہ تھا کہ توجہ کی ایک ہی نظر سے حرارت، ذکر قلب، گریہ اور حال کی کیفیت اُن پر طاری ہو جاتی تھی۔ (”اسرار الطریقت“ صفحہ ۷۷)۔

۲۔ شیخ جان محمد دوم سہروردی لاہوری صاحب علم و فضل اور جامع کمال ظاہری و باطنی بزرگ تھے۔ شہر لاہور کی بیرونی آبادی قصاب پورے میں رہتے تھے، اور مسجد قصاب پورہ میں درس دیتے تھے۔ باوجودیکہ سینکڑوں انسانوں نے اُن سے تعلیم حاصل کی، لیکن اُنہوں نے درس و تدریس کا معاوضہ کبھی کسی سے نہیں لیا۔ وہ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں شیخ اسماعیل مشہور بہ میاں وڈے صاحب کے مرید تھے۔ ان کی معیشت کا دار و مدار چکی چلانے پر تھا۔ چکی چلا کر اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔

شیخ جان محمد نے ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱ع) میں وفات پائی، اُن کا مزار بر انوار لاہور کے باہر مسجد قصاب پورہ کے متصل شرق جانب واقع ہے۔

(”خزینۃ الاصفیاء“، جلد دوم - صفحہ ۱۰۴ - ۱۰۵)

۳۔ ”اسرار الطریقت“ میں ہے کہ شیخ سرور نامی ایک درویش ہندوستان سے پشاور تشریف لائے تھے، اور شاہ محمد غوث نے اُن سے متعدد ملاقاتیں کی تھیں۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

میاں عصمت اللہ (۱) ، میاں شیخ محمد چشتی (۲) ، شاہ کلم اللہ جہاں آبادی (۳) ، سید بیویک چشتی (۴) - حضرت مجدد الف ثانی کے

۱ - ”اسرار الطریقت“ میں ہے کہ میاں عصمت اللہ حاجی گلگو کے خاندان سے تھے ، اور بڑے با اثر اور صاحبِ جذب بزرگ تھے - شاہ محمد غوث اُن کی زیارت کے لیے پشاور سے گجرات گئے تھے - وہ گجرات سے پندرہ کوس کے فاصلے پر رہتے تھے -
(”اسرار الطریقت“ - صفحہ ۳۸ - ۳۹)

۲ - ”اسرار الطریقت“ میں شاہ محمد غوث نے تحریر فرمایا کہ اس کے بعد شاہ جہاں آباد جانے کا اتفاق ہوا ، وہاں بھی میاں شیخ محمد چشتی صاحبِ حال و وجد و سہاچ ایک بزرگ تھے ، اُن کی خدمت سے بعض مفید باتیں حاصل ہوئیں -
(”اسرار الطریقت“ - صفحہ ۴۹)

۳ - شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے والد کا نام حاجی نور اللہ بن شیخ احمد بن شیخ حامد صدیقی تھا - اُن کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے - اُن کے اجداد خجند کے رہنے والے تھے - شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے والد شاہ جہاں کے عہد شاہ جہاں آباد آئے - وہ علم نجوم اور ہئیت میں کمال رکھتے تھے ، اس لیے شاہ جہاں نے اُن کو لال قلعہ کی تعمیر کے وقت خجند سے بلایا تھا - اُن کے دادا احمد معار شاہ جہانی عہد کے ممتاز ماہر فن تھے ، اُن کو نادر العصر کا خطاب ملا تھا - احمد معار کے سب سے چھوٹے بیٹے نور اللہ تھے ، جو شاہ کلیم اللہ کے والد تھے - دہلی کی جامع مسجد کی پیشانی پر جو کتبے ہیں ، وہ نور اللہ ہی کے دست مبارک کے لکھے ہوئے ہیں -

شاہ کلیم اللہ کی ولادت با سعادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ (۱۶۵۰ع)
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۷ پر)

ہوتے حضرت صوفیہ اللہ ، میاں عبدالاحد مشہور بہ میاں گل ، میاں شیخ

(صفحہ ۳۹۶ کا بقیہ حاشیہ)

میں ہوئی۔ ان کی تاریخ تولد ”غنی“ سے نکلتی ہے۔ انہوں نے شیخ برہان الدین معروف بہ شیخ بہلول اور شیخ ابوالرضا ہندی سے تعلیم حاصل کی ، شیخ ابوالرضا ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تایا تھے۔ تحصیل علم کے بعد شاہ کلیم اللہ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے ، اور مدینہ منورہ میں اپنا زیادہ وقت شیخ یحییٰ مدنی چشتی کی خدمت میں گزارا ، جو احمد آباد کے رہنے والے تھے ، اور مشاہیر صوفیہ میں تھے ، اور ایک روحانی اشارے کی بناء پر مدینہ منورہ میں شاہ کلیم اللہ نے شیخ یحییٰ مدنی کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہو کر اور خرقہ خلافت حاصل کر کے دہلی واپس ہوئے۔ دہلی میں تشریف لانے کے بعد انہوں نے بازار خانم میں قیام فرمایا ، اور وہیں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا۔ تھوڑے ہی دن میں اُن کی شہرت دور دور پھیل گئی اور ہر طرف سے طالب علم ان کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہونے لگے۔

شاہ کلیم اللہ نے بیاسی سال کی عمر میں تقریباً اور وجع المفاصل میں مبتلا ہو کر ۲۴۔ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ (۱۷۲۹ع) کو وفات پائی۔ وفات کے وقت یہ شعر زبان پر تھا :

غبار خاطر عشاق مدعا طلبی ست

مخلوئے کہ منم یاد دوست بے ادبی ست

اور اپنی سکونت حویلی میں جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی مدفون ہوئے۔

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں ، اُن میں (باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۸ پر)

عبدالنبی نقشبندی ، شاہ مرتضیٰ ساکن سکندرہ ، میر سیدید اللہ وغیرہ کا تذکرہ انھوں نے اپنے ”رسالے اسرار الطریقت“ میں کیا ہے ۔

(صفحہ ۳۹۷ کا بقیہ حاشیہ)

سے جن کتابوں کے نام تذکروں میں ملتے ہیں ، وہ یہ ہیں :

(۱) ”قرآن القرآن“ عربی زبان میں قرآن مجید کی نہایت عمدہ تفسیر ہے جسے ۱۹۲۰ء میں لٹ کے مطبع احباب سے منشی عرفان الحق نے قرآن مجید کے حاشیے پر شائع کیا تھا ۔

۲ - ”عشرۃ کاملہ“ ۳ - ”سواء السبیل“ (۴) ”کشکول“ ۵ - ”مرقع“ ۶ - ”تسنیم“ ۷ - ”الہاماتِ کلیمی“ - یہ چھ کتابیں تصوف سے متعلق ہیں ، ان میں ”عشرۃ کاملہ“ - ”کشکول“ اور ”مرقع“ طبع ہو چکی ہیں ، اور ”کشکول کلیمی“ کا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے ۔ (۸) رسالہ ”تشریح الافلاک“ عاملی محشی بہ فارسی — یہ کتاب علم ہئیت سے متعلق ہے ، اس کا ایک نسخہ نذیریہ پبلک لائبریری دہلی میں موجود ہے ۔ (۹) ”مکتوباتِ کلیمی“ یہ اُن کے ۱۳۲ خطوط کا مجموعہ ہے ، جو ”مطبع یوسفی“ دہلی سے ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳ء) میں شائع ہوا تھا ۔

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے چار صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں تھیں ، صاحب زادوں کے نام یہ ہیں - ۱ - خواجہ محمد ۲ - حامد سعید (۳) محمد فضل اللہ ۴ - محمد احسان اللہ - محمد احسان اللہ نے شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی زندگی ہی میں وفات پائی ۔

صاحب زادیوں کے نام یہ ہیں : ۱ - بی بی ربیعہ ۲ - بی بی فخر النساء ۳ - بی بی زینب ۴ - بی بی مصری ۔

شاہ کلیم اللہ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے ، ان میں سے چند نام یہ ہیں : ۱ - شاہ نظام الدین اورنگ آبادی ، ۲ - شاہ محمد ہاشم (باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۹ پر)

وہ اپنی اس سیاحت کے دوران میں بعض بزرگوں کے مزارات پر بھی

(صفحہ ۳۹۸ کا بقیہ حاشیہ)

- ۳ - مولانا شاہ ضیاء الدین ، ۴ - مولانا شاہ جلال الدین ،
- ۵ - مولانا شاہ جلال الدین ، ۶ - مخدوم شیخ تھارو ، ۷ - خواجہ مصطفیٰ مراد آبادی - (ماخوذ از " مناقب المحبوبین " صفحہ ۴۵ ، "مکتوبات کلیمی" - صفحہ ۹۳ "مکتوب" ۱۲۵ ، "تاریخ مشائخ چشت" صفحہ ۴۲۵) -

۴ - سید میراں بھیک چشتی صابری سادات ترمذ میں تھے۔ اصل نام محمد سعید ، اُن کے والد کا نام محمد یوسف اور اُن کی والدہ کا نام بی بی ملکہ تھا - سید میراں بھیک پیر کے روز ۹ - رجب ۱۰۴۶ھ (۱۶۳۶ع) میں پیدا ہوئے ، ان کا سلسلہ نسب یہ ہے :

محمد سعید میراں بھیک محمد یوسف سرانیہ بن سید قطب شاہ بن سید عبدالواحد بن سید احمد بن سید امیر سعید بن سید نظام الدین بن سید عزیز الدین بن سید شاہ تاج الدین بن عز الدین نوہار ، بن سید عثمان ، بن سید شاہ سلیمان کفار شکن بن شاہ زید سالار لشکر ، بن سید امیر احمد زاہد بن سید امیر حمزہ بن سید ابابکر علی بن سید محمد تختہ بن سید علی شاہ رہبر کاکی بن سید حسین ثانی الملقب بہ حمیص بن سید محمد مدنی لقب حمیص بن سید حسین علی اصغر بن زین العابدین بن امام حسین رضہ -

اُن کے اجداد میں سے شاہ زید سالار لشکر ایک کثیر لشکر کے ساتھ جہاد کے ارادے سے ہندوستان تشریف لائے ، اور سیوانہ میں مقیم ہو گئے ، راجا سوانہ نے جس کا نام سیانہ تھا آپ کو حالت نماز میں شہید کر دیا - ان کی شہادت کے بعد (باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۰ پر)

حاضر ہوئے۔ ان مزارات پر حاضری کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے وہ اپنے رسالے ”اسرار الطریقت“ میں لکھتے ہیں کہ :

(صفحہ ۳۹۹ کا بقیہ حاشیہ)

شاہ زید کے صاحب زادوں نے راجا سوانہ سے جنگ کر کے اُس پر فتح پائی ، اور سوانہ کو اپنا وطن بنا لیا ۔
 ”ثمرۃ الفواد“ میں ہے کہ ابھی سید میراں بھیک کی عمر صرف نو سال کی تھی کہ اُن کے والد کا سایہ شفقت اُن کے سر سے اُٹھ گیا ۔ اُن کی والد نے اُن کی تعلیم و تربیت کی ۔
 اثنائے تعلیم میں ہی حضرت سید میراں بھیک پر جذبہ شوق الہی غالب ہوا ، اور وہ حضرت شاہ ابوالمعالی انبھٹوی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے دست حق پرست پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہوئے ۔ ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد شرفِ خلافت سے سرفراز ہوئے ، اور ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے ۔ اُن کے روحانی فیوض سے جن بزرگوں نے استفادہ کیا ، اور اُن کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر اُن کی خلافت سے سرفراز ہوئے ، ان کی طویل فہرست ہمیں ”خزینۃ الاصفیاء“ میں ملتی ہے ۔ راقم العروف کی والدہ مرحومہ کا سلسلہ نسب بھی حضرت شاہ ابوالمعالی سے ملتا ہے ۔
 سید میراں بھیک نے ۵ ۔ رمضان ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۸ع) کو جس البول کے مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی ۔ اُن کا مزار مبارک کڑام (مشرقی پنجاب) میں واقع ہے ۔ نواب روشن الدولہ نے جو اُن کا مرید بھی تھا ، ان کے روضہ مبارک کی تعمیر کرائی ۔ ”شاہ بھیکہ“ سے اُن کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔ صاحب ”خزینۃ الاصفیاء“ نے اُن کے مناقب و محامد کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۱ پر)

”اس کے بعد لاہور میں جو ایک پرانا شہر اور بزرگوں کا مسکن ہے ، میں آیا ، اولیا کے بعض مقبروں پر راتیں کاٹیں ۔ میں حضرت میاں میر لاہوری (۱) کے مقبرے پر گیا ، اُن کو دیکھا ۔ انہوں نے ایک

(صفحہ ۴۰۰ کا بقیہ حاشیہ)

سید میراں بھیکہ چشتی صابری قدس سرہ خلیفہ اعظم و جانشین راستین شاہ ابوالمعالی چشتی است ، صاحب مقامات بلند و مدارج ارجمند بود ، در ذوق و شوق و وجد و سماع و استغراق و عشق و محبت ثانی نہ داشت ، در مشائخ متاخرین احدے را کشائش ظاہری و باطنی و قبولیت صوری و معنوی مثل وے حاصل نگشتہ و مریدانش اکثر بمراتب اقطاب و ابدل و اوتاد رسیدند (”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول صفحہ ۴۸۹) ۔

سید میراں ”بھیک ہندی“ کے بلند پایہ اور عظیم المرتبت شاعر تھے ، اُن کے دوھے آج بھی محافل سماع کی جان ہیں ۔ (ماخوذ از ”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول صفحہ ۴۸۹ تا ۴۹۴)

۱۔ میاں میر کا اصل نام شیخ میر محمد اور کنیت میاں میر ہے ۔ آپ کا وطن سابق سندھ کا مشہور شہر سمونہ ہے ، آپ کے والد کا نام قاضی ساینندہ بن قاضی قلندر اور والدہ محترمہ کا نام بی بی فاطمہ بنت قاضی قازن تھا ۔ میاں میر خاندانی اعتبار سے فاروقی ہیں ۔ آخر میں آپ کا نسب حضرت عمر فاروق رض سے جا ملتا ہے ۔

دارا شکوہ نے اپنی مشہور کتاب ”سکینۃ الاولیاء میں آپ کی ولادت ۹۳۸ھ (۱۵۳۱ع) میں لکھی ہے ۔ ”تحفۃ الکرام“ میں میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے آپ کا سنہ ولادت ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ع) تحریر کیا ہے ۔

ابھی آپ کی عمر بارہ ہی سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد (باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۲ پر)

شغل فرمایا اور فرمایا کہ اس شغل میں مشغول رہو ، اور کسی کو بھی مت بتلاؤ ۔

(صفحہ ۴۰۱ کا بقیہ حاشیہ)

کا سایہ شفقت سر سے اُٹھ گیا ۔ بارہ سال کی عمر میں آپ نے دینی علوم کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی ، پھر آپ کی والدہ نے آپ کو سلسلہ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی ۔ اس کے بعد آپ سلسلہ قادریہ میں شیخ خضر سیوستانی کے مرید ہوئے ، جو ایک پہاڑ پر مقیم تھے ۔ کچھ مدت کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ کے شیخ نے آپ سے فرمایا ”تمہارا کام مکمل ہوچکا ہے ، اب تمہیں اختیار ہے ، جہاں چاہے سکونت اختیار کرو۔“

اپنے شیخ کی اجازت کے بعد پچیس سال کی عمر میں آپ لاہور تشریف لائے ، یہ اکبر کا دورِ حکومت تھا ۔ لاہور پہنچ کر آپ مولانا سعد اللہ کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے ، جو اُس زمانے کے متبحر عالم تھے ۔ پھر کچھ عرصہ مولانا نعمت اللہ اور مفتی عبدالسلام لاہوری سے بھی تعلیم حاصل کی ۔ لاہور میں جب آپ کی ولایت کی شہرت ہوئی ، اور لوگ آپ سے کچھ کچھ واقف ہونے لگے تو آپ سرہند تشریف لے گئے ۔ ایک سال سرہند میں قیام فرمانے کے بعد پھر لاہور تشریف لائے ، اور آخر عمر تک باغبانوں کے محلے میں جسے اب خان پورہ کہتے ہیں مقیم رہ کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے ، اور سارے پنجاب کو اپنی روحانی نعمتوں سے سالہا سال کر دیا ، اور آپ نے مریدوں کی اصلاح فکر اور تہذیب نفس کر کے ایک ایسی جماعت پیدا کی ، جس سے رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹے ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۳ پر)

اس کے بعد میں نے ایک دوست شیخ حامد نام ایک درویش کی زیارت کی جو پیر علی ہجویری (۱) کے مزار کے پاس دفن ہیں،

(صفحہ ۴۰۲ کا بقیہ حاشیہ)

شاہان وقت میں جہانگیر اور شاہ جہاں آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے، دارا شکوہ بھی میاں میر کا عاشق تھا۔

میاں میر اٹھاسی سال کی عمر میں ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ع) کو واصل الی اللہ ہوئے۔ ”سکینۃ الاولیاء“ میں ہے کہ آپ اسپتال میں مبتلا ہوئے، پانچ روز تک بیمار رہے، اور خان پورے میں اپنے حجرے میں وفات پائی۔ آپ کا مزار ہاشم پورے میں جو اب میاں میر کے نام سے موسوم ہے زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ مزار مبارک کی عمارت کو عالم گیر نے تعمیر کرایا۔

علامہ اقبال نے آپ کی عظمت و جلالت کو سراہتے ہوئے لکھا کہ

حضرت شیخ میاں میر ولی
بر خنی از نور جان او جلی
بر طریق مصطفیٰ محکم پئے
نغمۂ عشق و محبت را مے
تربیش ایمان خاک شہر ما
مشعل نور ہدایت بہر ما

(ماخوذ از تذکرہ ”صوفیائے پنجاب“ - صفحہ ۵۶۳ تا ۵۸۷)

۱۔ حضرت پیر علی ہجویری کا اسم گرامی علی، ابوالحسن کنیت اور لقب داتا گنج بخش ہے۔ آپ کے والد کا نام نامی سید عثمان ہے، آپ کا سلسلہ نسب آخر میں امام حسن رضی بن علی مرتضیٰ رضی سے جا ملتا ہے۔

آپ کو ہجویری اور جلابی اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کا (باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۴ پر)

(صفحہ ۴۰۳ کا بقیہ حاشیہ)

شروع میں قیام ہجویر اور جلاب میں رہا۔ یہ غزنین کے دو مشہور گاؤں ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۵۴۰۰ میں ہوئی۔

”کشف المحجوب“ میں حضرت شیخ ابوالحسن ہجویری نے اپنے جن اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں، (۱) حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی (۲) ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی (۳) شیخ ابوالقاسم بن عبدالکریم بن ہوازن قشیری (۴) شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی، (۵) ابوالعباس احمد بن محمد قصاب (۶) ابو عبد اللہ محمد بن علی معروف بہ الداغستانی، (۷) ابو سعید فضل اللہ بن محمد (۸) ابو احمد المظفر بن حمدان۔

حضرت داتا گنج بخش نے جن بزرگ سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان کا اسم گرامی شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی ہے، جو سلسلہ جنیدیہ میں منسلک تھے۔

سلوک و معرفت کی منازل طے کرنے میں جو ریاضتیں اور مجاہدے آپ نے کیے، ان کو ”کشف المحجوب“ میں آپ نے جا بجا تحریر فرمایا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش سلطان مسعود بن محمود غزنوی (۵۴۲ھ - ۵۴۳ھ) کے آخر دور حکومت میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ مختلف ممالک اسلامیہ کی سیاحت کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے۔ لاہور تشریف لانے کے بعد یہاں آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ کچھ دن تک درس دیتے رہے، پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

مشہور ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام (باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۵ پر)

(صفحہ ۴۰۴ کا بقیہ حاشیہ)

قبول کیا ، جن میں سے ایک رائے راجو تھا جو سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا ، اسلام لانے کے بعد آپ نے اس کا عرف شیخ ہندی رکھا ۔ اُسی کی اولاد آپ کی درگاہ کی خدام و مجاور ہے ۔

حضرت داتا گنج بخش متعدد کتابوں کے مصنف تھے ۔ ”کشف المحجوب“ آپ کی مشہور تصنیف ہے ۔ ”کشف المحجوب“ میں آپ نے جن دوسری تصانیف کا تذکرہ کیا ہے ، ان میں (۱) منہاج الدین (۲) کتاب انضا و البقا (۳) اسرار الخرق والمثونات (۴) کتاب البیان لاهل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الدعایۃ لحقوق اللہ (۷) رسالہ شرح کلام حلاج اور (۸) رسالہ ”ایمان“ ہیں ۔ ”کشف المحجوب“ میں آپ نے اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے ، جواب نہیں ملتا ۔

تاریخ اور تذکروں میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کا سنہ وفات ۷۶۵ھ درج ہے ، اور یہی تاریخ وفات لاہور میں آپ کے مقبرے پر بھی درج ہے ۔ دارا شکوہ نے ”سفینۃ الاولیاء“ میں آپ کا سنہ وفات ۷۵۶ھ اور دوسرے قول کے مطابق ۷۶۴ھ لکھا ہے ۔ حاجی خلیفہ نے ”کشف الظنون“ میں اور سامی بیگ نے ”قاموس الاعلام“ میں آپ کا سنہ وفات ۷۵۶ھ تحریر کیا ہے ۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے کتاب ”خزینۃ الاصفیاء“ میں بہ حوالہ ”نفحات الانس و اخبار الاصفیاء“ آپ کا سنہ وفات ۷۶۵ھ معتبر بتایا ہے ۔ ”ثمرات القدس“ میں مرزا لعل بیگ لعلی نے آپ کا سنہ وفات ۷۵۶ھ تحریر کیا ہے ، صرف ڈاکٹر غنی نے ”تصوف اسلام“ کے صفحہ ۵ پر آپ کا سنہ وفات ۷۷۷ھ کے قریب تحریر کیا ہے ، اور نکلسن نے (باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۶ پر)

پھر انھوں نے اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری (۱) کے

(صفحہ ۴۰۵ کا بقیہ حاشیہ)

”کشف المحجوب“ کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں قیاساً ۵۴۶۵ و ۵۴۶۹ لکھا ہے۔ ہماری رائے میں آپ کا سنہ وفات ۵۴۸۱ اور ۵۵۰۰ کے درمیان کسی سال میں ہے۔ ہم نے آپ کے سنہ وفات پر اپنی کتاب ”تذکرہ صوفیائے پنجاب“ میں تفصیل سے بحث کی ہے، سنہ وفات کی تفصیلی بحث کے لیے ”تذکرہ صوفیائے پنجاب“ مطالعہ کرنا چاہیے۔ (ماخوذ از ”تذکرہ صوفیائے پنجاب“ صفحہ ۴۲ تا ۶۴)۔

۱۔ خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری سجستان میں پیدا ہوئے، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد قصبہ ہرون میں حضرت شیخ عثمان ہرونی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، اور اپنے پیر و مرشد کے ساتھ دس سال سیاحت کی۔ اپنے مرشد ہی کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ مدینہ منورہ ہی آپ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ آپ لاہور اور ملتان ہوتے ہوئے ۱۰ محرم ۵۵۶۱ (۱۱۶۵ ع) کو اجمیر پہنچے۔ اُس وقت اجمیر اور دہلی کا حکمران رائے پتھورا تھا، اُس نے آپ کے قیام اجمیر میں بڑی بڑی مزاحمتیں کیں، لیکن آپ اجمیر میں مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ آخر آپ کی تعلیم سے رائے پتھورا کے ملازمین مشرف بہ اسلام ہونے لگے، یہاں تک کہ پاک و ہند آپ کے فیوض و برکات سے منور ہو گئے۔ ۶ رجب ۵۶۳۲ ۱۲۳۴ ع کو خواجہ بزرگ نے رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک اجمیر میں مرجع عالم ہے۔

(ماخوذ از بزم صوفیہ، تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری)

مزار پر حاضری اور دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (۱) کے مزار پر حاضری کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ترکستان کے ایک قصبے اوش ماوراء النہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی سید کمال الدین تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب ۱۶ واسطوں سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ہے۔ آپ ڈیڑھ ہی سال کے تھے کہ آپ کے والد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا ابوالحسن سے حاصل کی، اور ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہنے لگے۔ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اوش تشریف لائے تو آپ نے اُن سے بیعت کی۔ ”دلیل العارفین“ میں ہے کہ آپ اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے ساتھ خراسان سے ہندوستان تشریف لائے، پھر آپ کو حضرت خواجہ اجمیری نے دہلی جانے کا حکم دیا۔ آپ سلطان ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ دہلی میں اُس وقت سلطان شمس ایلتمش کا زمانہ تھا، اُس نے آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ آپ نے شہر سے باہر کیلوکھری میں سکونت اختیار فرمائی، ایلتمش ہفتے میں دو بار بڑی پابندی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، شیخ الاسلام جلال الدین محمد بسطامی کی وفات کے بعد ایلتمش نے شیخ الاسلام کے عہدے پر آپ کا تقرر کرنا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کے انکار پر شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ ”سیر العارفین“ - صفحہ ۲۱ -

جب دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی تو دہلی کے عوام و خواص پروانہ وار آپ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے لگے۔ آپ پر (باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۸ پر)

شاہ مجد غوث نے یہ روایت صاحب تشریف الشرفا ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ع)

(صفحہ ۴۰۷ کا بقیہ حاشیہ)

عموماً استغراق اور محویت کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ”اخبار الاخبار“ میں ہے کہ

و نہایت استغراق داشت ، در یاد مولیٰ ، چوں کسی بہ زیارت آمدے زمانے بایستے تا بخود یاز آمدے ، آن گاہ با آیندہ مشغول شدے ، اگر از حال خود یا حال آیندہ چیزے بگفتندے ، بعدہ ، گفتے مرا معذور دارید ، باز بحق مشغول شدے ۔

(”اخبار الاخبار“ صفحہ ۲۵)۔

”سیر الاولیاء“ میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ایک چھوٹا لڑکا وفات پا گیا ۔ جب لوگ اُسے دفن کر واپس ہوئے تو آپ کی بیوی نے رونا شروع کیا ۔ رونے کی آواز سن کر آپ دیر تک افسوس فرماتے رہے ۔ شیخ بدر الدین غزنوی نے پوچھا یہ تاسف کیسا ہے ؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ میں نے اس بچے کی حیات کے لیے دعا کیوں نہ کی ، اگر میں اس کی زندگی کے لیے دعا کرتا تو وہ بچ جاتا ۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب اللہی نے اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ، سبحان اللہ ! دیکھو حضرت قطب عالم کا یادِ دوست میں استغراق کس قدر تھا کہ مجھے کی حیات و موت کے متعلق بھی خیال نہ آیا ۔ (”سیر الاولیاء“ صفحہ ۴۹)۔

اوپر گزر چکا ہے کہ شیخ اسلام کے عہدے پر آپ کے انکار کر دینے کے بعد شیخ نجم الدین صغریٰ کا تقرر ہوا ۔ شیخ نجم الدین صغریٰ ، حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید ، اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے دوست تھے ۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۰۹ پر)

میں ہندوستان پر نادر شاہ کے حملے سے ایک سال بعد وصال فرمایا۔ آپ کا مزار پر انوار بیرون دہلی دروازہ، لاہور میں واقع ہے۔

(صفحہ ۴۰۸ کا بقیہ حاشیہ)

لیکن حضرت خواجہ قطب الدین کو جو شہرت اور حسن قبول عوام و خواص میں حاصل تھا، اُسے دیکھ کر شیخ نجم الدین صغریٰ ایک قسم کا رشک و حسد رکھتے تھے۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین نے دہلی سے اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں خط لکھا، اور اشتیاق ملاقات ظاہر کر کے اجمیر میں حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت خواجہ بزرگ اجمیری خود اُن کی ملاقات کے لیے دہلی تشریف لائے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر دہلی کے علماء و مشائخ اور عوام و خواص آپ کی زیارت کے لیے پروانہ وار ٹوٹ پڑے، مگر شیخ نجم الدین صغریٰ اُس وقت بھی ملنے کے لیے نہ آئے۔ دوسرے یا تیسرے روز خود حضرت خواجہ اجمیری اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ اُس وقت وہ اپنے گھر کے صحن میں چبوترو بنوا رہے تھے۔ خواجہ بزرگ جب اُن کے گھر پہنچے تو وہ اُس تپاک سے پیش نہ آئے، جیسا کہ پیش آنا چاہیے تھا۔ حضرت خواجہ اجمیری نے اُن کی سرد مہری کو دیکھ کر اُن سے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام کے عہدے نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ شیخ نجم الدین صغریٰ نے کہا کہ میں تو آپ کا ویسا ہی مخلص و معتقد ہوں، لیکن آپ نے شہر میں ایک ایسا مرید چھوڑا ہے، جو میری شیخ الاسلامی کو ذرہ برابر بھی نہیں سمجھتا۔ آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا اچھا پریشان نہ ہو، میں قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر لیے جاتا ہوں۔ جب (باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۰ پر)

تذکرہ صوفیائے سرحد

شاہ مجدد کی تصانیف میں رسالہ ”غوث نامہ“ مشہور ہے۔ اسی کا ترجمہ ”اسرار الطریقت“ نام سے شائع ہوا ہے، جو حسب ذیل سات فصلوں پر مشتمل ہے :

(صفحہ ۹۰ م کا بقیہ حاشیہ)

آپ اپنی جائے قیام پر لوٹے، تو آپ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے فرمایا بابا بختیار! تم ایک بار خلق میں اس طرح مشہور ہو گئے ہو کہ لوگوں نے تمہاری شکایت کرنی شروع کر دی ہے، تم یہاں سے چلو اور اجمیر میں بیٹھ جاؤ، میں تمہارے سامنے کھڑا رہوں گا۔ خواجہ قطب الدین نے جواب دیا کہ حضور! میں خود ایک مدت سے اس موقع کی تلاش میں ہوں کہ آپ کے سامنے دست بستہ کھڑا رہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ میں بیٹھوں اور آپ کھڑے رہیں، پھر آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا۔ جیسے ہی یہ خبر دہلی میں مشہور ہوئی، لوگ آپ کی جدائی کے تصور سے بے تاب ہو گئے۔ میر خوردد نے ”سیر الاولیاء“ میں اس وقت کی بے چینی و بے قراری کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

”اس مرتبہ شیخ قطب الدین حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے ساتھ اجمیر روانہ ہوئے۔ اس خبر سے تمام شہر میں تہلکہ مچ گیا۔ تمام اہل شہر سلطان شمس الدین کے ساتھ اُن کے پیچھے روانہ ہوئے۔ جہاں شیخ قطب الدین قدم رکھتے تھے، لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اُٹھا لیتے تھے، اور نہایت بے قراری و زاری کرتے تھے۔ حضرت معین الدین اجمیری نے جب لوگوں کا یہ حال دیکھا تو فرمایا بختیار! تم یہیں رہو، کیوں کہ لوگ تمہارے جانے سے (باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۱ پر)

فصل ۱ - اعمال شریعت کے بیان میں -

(صفحہ ۵۱ کا بقیہ حاشیہ)

سخت مضطرب اور بے قرار ہیں۔ میں ہرگز اسے پسند نہیں کرتا کہ اتنے دل خراب و کباب ہوں، جاؤ میں نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا ہے۔ پھر سلطان شمس الدین ایلتمش نے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، اور شیخ قطب الدین کے ہم راہ نہایت خوش خوش شہر کی طرف روانہ ہوا، اور خواجہ معین الدین اجمیری کی طرف روانہ ہوئے۔ (“سیر الاولیاء” - صفحہ ۵۴ و ۵۵)۔

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی عبادت اللہ کی مشغولیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ سونا بالکل ترک کر دیا تھا، یہاں تک کہ کبھی بستر نہ بچھاتے تھے۔ ابتدائی زمانے میں جب نیند کا بہت غلبہ ہوتا، تو کچھ دیر سو بھی رہتے تھے، مگر آخر عمر میں بالکل نہ سوتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے۔ (“سیر الاولیاء” - صفحہ ۷۶)۔

”فوائد السالکین“ میں ہے کہ یاد اللہ میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کے لیے آتا تو بہت دیر کے بعد ہوشیار ہوتے، برابر مراقبے میں رہتے، نماز کے وقت آنکھ کھولتے، اور غسل فرما کر تجدید وضو کرتے، اور نماز ادا فرماتے۔ آخر عمر میں کلام مجید حفظ کیا تھا، ہر روز دو مرتبہ کلام مجید ختم کرتے۔

(”فوائد السالکین“ مجلس پنجم)

حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری کی وفات (باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۲ پر)

فصل ۲ - ان مراقبات کے بیان میں جو دس کے بعد کیے جاتے ہیں ۔
فصل ۳ - در بیان حقیقت ۔

(صفحہ ۴۱۱ کا بقیہ حاشیہ)

سے کچھ دن پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی آپ کی زیات کے لیے اجمیر تشریف لے گئے ۔ اس موقع پر حضرت خواجہ بزرگ نے ان کو خلافت اور سجادۂ خواجگان عطا کیا ۔ صاحب ”اخبار الاخیار“ نے بحوالہ ”دلیل العارفین“ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زبانی اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے :

جمعرات کے دن میں نے جامع مسجد اجمیر میں آپ کی پا بوسی کی دولت حاصل کی ۔ اس موقع پر بہت سے درویش ، عزیز اور آپ کے مرید حاضر تھے ۔ اتفاق سے اس مجلس میں ملک الموت کا ذکر چلا ، فرمایا دنیا موت کے مقابلے میں ایک دانے کے برابر قیمت نہیں رکھتی ۔ لوگوں نے پوچھا کیوں ؟ فرمایا موت تو ایک پل ہے ، جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے ، پھر فرمایا کہ عارفین آفتاب کی طرح ہیں ، جو تمام عالم کو روشن بنائے ہوئے ہیں ، اور اُن کے نور سے تمام عالم روشن ہے ۔ پھر فرمایا اے درویشو ! ہمیں اُس جگہ لایا گیا ہے کہ یہ جگہ ہمارا مدفن ہوگی ، اور ہم چند روز میں اس دنیا سے سفر کریں گے ۔ پھر آپ نے اپنے کاتب شیخ علی سجری سے فرمایا کہ شیخ قطب الدین کے نام تحریر کرو کہ وہ دہلی جائیں ، ہم نے اُن کو خلافت و سجادہ عطا کیا ہے ، دہلی اُن کا مقام ہوگا ، جب یہ تحریر مکمل ہوگئی ، تو وہ آپ نے مجھے عطا فرمائی ، اور فرمایا قریب آؤ ، میں آپ کے قریب گیا ، آپ نے دستار اور ٹوپی میرے سر پر

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۳ پر)

(صفحہ ۱۲۴ کا بقیہ حاشیہ)

رکھی ، اور حضرت خواجہ عثمان غارونی کا عصا میرے ہاتھ میں دیا ، اور مجھے خرقة پہنایا ، مصحف و مصلیٰ اور دوسری نعمتیں مجھے بخشیں ، اور فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وہ امانت تھی ، جو خواجگانِ چشت سے ہم کو ملی تھی ، ہم نے تم کو سونپی ، تم اس کا ویسا ہی حق ادا کرو ، جیسا ہمارے خواجگان ادا کرتے رہے ، تاکہ کل قیامت کے دن ہم اپنے خواجگان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں ۔ میں قدم بوس ہوا ، اور دو رکعت نماز ادا کی ۔ اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ، اور آسمان کی طرف روئے مبارک اٹھا کر فرمایا ، جاؤ ہم نے تمہیں خدا کے سپرد کیا ، اور تم کو منزل پر پہنچا دیا ۔ رخصت کرتے ہوئے فرمایا ، چار چیزیں نفس کا گوہر ہیں ، اول یہ کہ فقیری میں بھی تونگر دکھائی دو ، دوسرے یہ کہ بھوک میں بھی اپنے آپ کو سیر ظاہر کرو ، تیسرے یہ کہ غم و اندوہ میں بھی شادمان رہو ، چوتھے یہ کہ دشمنوں سے بھی دوستی کا برتاؤ کرو ۔ پھر فرمایا جہاں کہیں بھی جاؤ ، کسی کو آزار نہ پہنچاؤ ، جہاں کہیں بھی رہو ، بے نفس ہو کر رہو ۔

میں ملاقات کے بعد دہلی آیا ، اور وہیں رہنے لگا ۔ ابھی چالیس روز نہ گزرنے پائے تھے کہ ایک آنے والے نے خبر دی کہ تمہارے روانہ ہونے کے بعد خواجہ بزرگ صرف بیس روز حیات رہے ، اور پھر رحمت حق میں پیوست ہو گئے ۔

(”اخبار الاخبار“ صفحہ ۲۶ - ۲۷)

حضرت خواجہ قطب الدین یخیار کاکي کو سماع سے بہت رغبت تھی ، آپ نے سماع ہی میں وصال فرمایا ۔ ”اخبار الاخبار“ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۴)

فصل ۵ - در بیان مراتب وجود ظہور حق -

فصل ۶ - ارادت اور بیعت کے مراتب کے بیان میں -

(صفحہ ۴۱۳ کا بقیہ حاشیہ)

میں ہے کہ شیخ علی سجزی کے مکان پر محفل ساع برپا تھی ،
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اُس محفل میں موجود
تھے ۔ قوالوں نے شیخ احمد جام کی ایک غزل شروع کی ، جب
یہ شعر گایا :

کشتگانِ خنجر تسلیم را

ہر زمان از غیب جانے دیگر است

تو آپ ہر وجد کی کیفیت طاری ہوئی ، اور تڑپنے لگے ۔ مدہوشی
اور تحیر کے عالم میں آپ کو آپ کے ساتھی گھر لائے ۔ یہ
حالت چار شبانہ روز طاری رہی ، نماز کے وقت ہوشیار
ہو جاتے ، لیکن نماز ادا فرما کر پھر وہی کیفیت طاری
ہو جاتی ، آخر اسی حالت میں پانچویں رات ۱۴ ربیع الاول
۵۶۳۳ (۱۲۳۵ع) کو واصل الی اللہ ہوئے ۔ میر حسن نے
اسی بحر و ردیف و قافیے میں ایک غزل کہی ہے ، جس میں
حضرت خواجہ قطب الدین کی شہادت کی طرف اشارہ کیا
ہے ، فرماتے ہیں :

جان بریں یک بیت داد است آن بزرگ

آرے ایس گوہر ز کانے دیگر ست

کشتگانِ خنجر تسلیم را

ہر زمان از غیب جانے دیگر ست

”سیر العارفين“ میں ہے کہ وفات کے وقت سر مبارک
حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا ، اور
دونوں پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کے آغوش میں ۔

(’ا‘ حاشیہ صفحہ ۴۱۵ پر)

فصل ۷ - اس فصل میں انہوں نے اپنے والد مرحوم اور اپنے بیروں کا شجرہ درج کرتے ہوئے، ان بزرگوں کے حالات لکھے ہیں کہ جن کی

(صفحہ ۴۱۴ کا بقیہ حاشیہ)

”سیرالقطاب“ میں ہے کہ وصال سے کچھ دن پہلے عید کے دن عید کی نماز پڑھ کر سواری میں واپس آ رہے تھے کہ ایک جگہ ٹھہر گئے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کس فکر میں ہیں، فرمایا مجھے اس زمین سے عشق کی بو آتی ہے، اُسی وقت اُس زمین کے مالک کو بلوایا، اور اس کی قیمت ادا کر کے اُس زمین کو خریدا۔ اُسی زمین پر آپ کا روضہ مبارک واقع ہے۔

صاحب سیرالقطاب نے آپ کے خلفاء کی تعداد ۲۶ بتائی ہے، جن کے نام یہ ہیں - (۱) شیخ فرید الدین گنج شکر (۲) شیخ بدر الدین غزنوی (۳) شیخ برہان الدین بلخی (۴) شیخ ضیاء الدین رومی (۵) سلطان شمس الدین ایلتمش (۶) شیخ بابا بجر دریا (۷) مولانا فخر الدین حلوائی (۸) شیخ محمد (۹) خواجہ پیر (۱۰) شیخ سعد الدین خلیفہ (۱۱) شیخ محمود بہاری (۱۲) مولانا محمد جاجرچی (۱۳) سلطان نصیر الدین غازی (۱۴) قاضی حمید الدین ناگوری (۱۵) مولانا برہان الدین حلوائی (۱۶) شیخ محمد سماچی (۱۷) شیخ حسین (۱۸) شیخ بدر الدین موسیٰ تاب (۲۰) شاہ خضر قلندر (۲۱) شیخ نجم الدین قلندر (۲۲) شیخ احمد بینی -

(”سیرالقطاب“ - صفحہ ۱۵۹)

حضرت خواجہ قطب الدین کی تصانیف میں اُن کا دیوان ہے، جو مطبع نول کشور سے طبع ہو چکا ہے۔ دوسرے آپ کے ملفوظات ہیں، جو بابا فرید گنج شکر نے ”فوائد السالکین“ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۶ پر)

خدمت میں رہ کر انہوں نے فیض حاصل کیا تھا ۔
 یہ مطبوعہ ترجمہ ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے ۔

(صفحہ ۱۵۴ کا بقیہ حاشیہ)

نام سے جمع کیے تھے ۔ یہ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع
 ہوئے تھے ۔ ("بزم صوفیہ" صفحہ ۵۹)

مخدوم حافظ عبدالغفور پشاوری

حالات :

حافظ عبدالغفور پشاوری پشاور کے مشہور صوفیائے کرام میں تھے ۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی شیخ محمد صالح کشمیری تھا ، آپ نے روحانی تعلیم و تربیت سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ حاجی اسماعیل غوری نقشبندی سے حاصل کی ، جو حضرت شیخ سعدی (۱) لاہوری کے جلیل القدر خلفاء میں تھے ۔

۱ - شیخ سعدی بلخاری مجددی حضرت سید آدم بنوری کے مرید اور جلیل القدر خلفاء میں تھے ۔ وہ بچپن ہی سے حضرت شیخ آدم بنوری کی خدمت میں رہے ، اور انہیں سے تعلیم و تربیت حاصل کی ۔ ”روضۃ السلام“ میں شرف الدین مجددی کشمیری نے خود شیخ سعدی کے حوالے سے اُن کے حالات کی تفصیل اس طرح قلم بند کی ہے کہ شیخ سعدی فرماتے تھے کہ میری عمر تقریباً آٹھ سال کی ہو گی کہ ایک روز میں اپنے گاؤں کے باہر ایک کنوئیں پر وضو کر رہا تھا کہ اتفاقاً سید آدم بنوری کے خلیفہ حاجی سعد اللہ وزیر آبادی بنور جاتے ہوئے ادھر سے گزرے ۔ مجھے احتیاط سے وضو کرتے دیکھ کر انہوں نے خوش ہو کر فرمایا کہ اس عمر میں یہ لڑکا کس احتیاط سے وضو کر رہا ہے ۔ پھر کچھ دیر میری طرف متوجہ رہے ، اور روانہ ہو گئے میں نے ان کے ساتھ ہوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں ؟ اور (باقی حاشیہ صفحہ ۱۸ پر)

بچپن :

بچپن ہی سے آپ کو ریاضتوں اور مجاہدوں کا شوق تھا ، اور لڑکپن ہی میں آپ کی پیشانی سے انوار ولایت تاباں و درخشاں نظر آتے تھے ۔

(صفحہ ۴۱۷ کا بقیہ حاشیہ)

ان کا کیا نام ہے ؟ اُن کے ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ ان کا نام سعد اللہ ہے ، اور وہ اپنے پیر کی خدمت میں جارہے ہیں ۔ یہ سن کر دفعۃً مجھ میں بھی حضرت آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ہونے کا جذبہ پیدا ہوا ، اور میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا ، لیکن میں نے یہ احتیاط برقی کہ ان کے ساتھیوں کی نظر میں نہ آؤں ۔ میں نے بے خور و خواب ان سے علیحدہ رہ کر یہ راستہ طے کیا ۔ جب وہ بنور پہنچے اور حضرت سید آدم بنوری کی زیارت سے مشرف ہوئے ، تو میں بھی اُن کے ساتھیوں کے ساتھ حضرت آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ حضرت سید آدم بنوری نے حاجی سعد اللہ سے ان کے ہر ساتھی کے متعلق دریافت کیا ۔ جب میری باری آئی ، تو حاجی سعد اللہ نے فرمایا یہ لڑکا بھی ہمارے ساتھ آیا ہے ، اور اس کے حالات عجیب و غریب ہیں ۔ حضرت سید آدم بنوری نے فرمایا یہ نہ کہو کہ یہ لڑکا تمہارے ساتھ آیا ہے بلکہ یہ کہو کہ ہم اس لڑکے کے ساتھ آئے ہیں ۔ یہ لڑکا تو ازل ہی سے سعادت مند ہے ۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا ، میان صاحبزادے ! تمہارا کیا نام ہے ؟ میں نے عرض کیا سعدی ، فرمایا جہاں کہیں بھی رہو ، اور جہاں کہیں بھی جاؤ تم سعدی ہو ، دنیا میں بھی سعدی اور آخرت میں بھی سعدی ہو ۔ پھر مجھ پر بے حد شفقت فرمائی ، اور مجھے اپنی بیوی کے پاس لے کر گئے ، اور اُن سے فرمایا کہ دیکھو آج

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۹ پر)

خود فرماتے ہیں کہ میں بچپن ہی سے اپنے والد محترم کے ساتھ کشمیر جاتا تھا اور حضرت شیخ بابا عبدالکریم کے مزار پر جو محلہ فتح کدل میں واقع ہے ، اپنا وقت نوافل پڑھنے میں گزارتا تھا ۔
حفظ قرآن سے ذوق :

حافظ قرآن کریم تھے ۔ حفظ قرآن کا اس قدر ذوق تھا کہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں مجھے آشوب چشم کا مرض تھا ، مگر باوجود اس مرض کے میں قرآن مجید حفظ کرتا رہتا تھا ۔

(صفحہ ۴۱۸ کا بقیہ حاشیہ)

یہ چھوٹا سا بچہ جو بہت سی خوبیوں کا مالک ہے ، ہمارے پاس آیا ہے ۔

بہر حضرت شیخ سعدی نے سید آدم بنوری سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا ۔ حضرت آدم بنوی کی وفات کے بعد شیخ سعدی لاہور تشریف لائے ، اور مسند ارشاد کو زینت بخشی ۔ جن طالبان حق نے اُن سے سلوک و معرفت کے منازل طے کیے اُن کی تعداد بے شمار ہے ۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ

”مريدان مانند ستاره های آسمان از حیطه شام خارج اند“ ۔

شیخ سعدی لاہوری نے ۳ ربیع الثانی ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ع) کو وفات پائی ، اور لاہور کے محلہ عزیز مزنگ میں مدفون ہوئے ۔ شیخ سعدی لاہوری کے چار صاحبزادے خواجہ محمد سلیم ، خواجہ محمد غنی ، خواجہ محمد یوسف اور خواجہ محمد عارف تھے ۔ شیخ سعدی لاہوری کے خلفاء میں خواجہ محمد سلیم ، خواجہ محمد غنی اور حاجی محمد اسماعیل غوری نقشبندی مشہور ہیں ۔ (”ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول صفحہ ۶۴۷ تا

میر سید علی ہمدانی کی خانقاہ میں حاضری :

اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے سلسلے میں آپ نے یہاں فرمایا کہ میں کبھی کبھی میر سید علی ہمدانی کی خانقاہ میں حاضر ہوتا اور فاتحہ پڑھتا ۔ ایک خواب :

میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ حضرت سید علی ہمدانی کی خدمت میں حاضر ہوں ، آپ نے ہم سب سے فرمایا کہ تم ہمارے شاگرد ہو ، جلد قرآن مجید کو حفظ کرو ، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ میں نے چند دن میں قرآن مجید حفظ کر لیا ۔

خلافت :

شیخ محمد عمر پشوری صاحب ”جواہر السرائر“ کا بیان ہے کہ حافظ عبدالغفور نے ابتداً پشاور میں حافظ محمد اسماعیل غوری پشوری کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر استفادۂ روحانی کیا ، پھر لاہور میں حاضر ہو کر حضرت سعدی لاہوری کی بیعت سے مشرف اور سلسلہ نقشبندیہ ، قادریہ ، چشتیہ اور سہروردیہ میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے ۔

ریاضتیں اور مجاہدے :

سید محمد غوث گیلانی لاہوری کا بیان ہے کہ حافظ عبدالغفور پشوری تمام تمام رات جس نفس اور مراقبے میں مشغول رہتے تھے ۔

عشق الہی :

عشق الہی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کوئی قرآن مجید کی کوئی آیت ان کے سامنے تلاوت کرتا یا کوئی لفظ اللہ زبان پر لاتا ہے اختیار ان پر گریہ طاری ہو جاتا ۔

استغنا :

حافظ صاحب کے آئینہ اخلاق میں جو جوہر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے وہ ان کا استغنا و بے نیازی ہے ۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ وہ دنیا اور اہل دنیا سے مطلقاً بے نیاز تھے ، اور ہمیشہ مساکین و مسافرین کی خدمت میں مشغول رہتے تھے ۔

خدمت خلق :

خدمت خاقی آپ کا شعار تھا ، خصوصاً مساکین و مسافروں کی خدمت میں مشغول رہتے تھے ۔ مہمان نوازی اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ تقریباً بائیس سو آدمی آپ کے مطبخ سے کھانا کھاتے تھے ، اور کبھی آپ کے مطبخ کا چولہا ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا ۔ آپ کے خدام صبح سے شام تک کھانا پکانے میں مشغول رہتے تھے ، حافظ صاحب علاوہ کھانے کے حاجت مندوں کی نقد اور لباس سے بھی مدد فرماتے تھے ۔ (۱)

وفات :

حافظ عبدالغفور ۱۴ ماہ شعبان ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۴ع) میں واصل الی اللہ ہوئے ۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات میں ان کا سنہ وفات ”حافظ واصل“ اور ”حافظ کلام اللہ“ سے نکالا ہے :

شیخ عبدالغفور حافظ دین
چوں فدا کرد جان بنام الہ
حافظ واصل است تاریخش

۱۱۱۶

ہم بخوان حافظ کلام اللہ

۱۱۱۶

حافظ صاحب کا مزار پشاور کے مشہور ترین مزارات میں ہے ۔ (۲)

خلفاء :

آپ کے خلفاء میں اخوند عبد السلام عرف وکیل بادشاہ نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی ، جنہوں نے آپ کے بعد سلسلہ نقشبندیہ

۱ - تحفۃ السلام - تالیف مولوی ابوالحسن سید محمد صاحب -

صفحہ ۱۱

۲ - یہ تمام تفصیل ”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول - صفحہ ۶۵۴

سے ماخوذ ہے ۔

کے فروغ و اشاعت کے کام کو آگے بڑھایا ، اور اس سلسلے کی کشمیر میں ترویج کی (۱)۔

مولوی ابوالحسن سید محمد نے اخوند عبدالسلام کے حالات پر ایک کتاب ”تحفۃ السلام“ کے نام سے لکھی تھی۔ یہ کتاب مطبع نولکشور لکھنؤ سے بار دوم ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ آپ کا نام خواجہ عبدالسلام آپ کے والد کا نام خواجہ شاہ مسعود حسنی ہے۔ شاہ مسعود حسنی نے بھی حضرت شاہ عبدالغفور کے دست حق پر بیعت ہو کر نعمت باطنی حاصل کی تھی۔ حافظ عبدالغفور اُن پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ شاہ مسعود نے پشاور ہی میں وفات پائی ، اور اپنے مرشد کے مقبرے میں مدفون ہوئے۔

شاہ مسعود کے چار صاحبزادے تھے ، اُن میں حضرت اخون عبدالسلام اُن کے دوسرے صاحبزادے تھے ، اخون عبدالسلام کی ولادت ۱۰۸۶ھ (۱۶۷۵ع) میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے انوار ولایت تاباں تھے ، اور آپ اخلاق حمیدہ سے متصف تھے۔ آپ نے سن شعور کے پہنچنے تک علوم رسمہ کی تکمیل کی۔ قلب چوں کہ ابتدا ہی سے زہد و ورع کی طرف مائل تھا ، آپ اس دور کے ایک بزرگ حافظ حسن بصیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ، جو اخوند ملا نازک کے خلفاء میں تھے ، انھوں نے آپ کو اسم ذات کی تعلیم دی۔

عہد عالمگیر میں جب کہ کشمیر کا صوبہ دار نواب ابراہیم خان تھا ، اُس کی امداد کے لیے دہلی سے ایک امیر ارسلان خان کو بھیجا گیا۔ جب یہ امیر دہلی لوٹنے لگا تو اُس نے اخون عبدالسلام کے بھائی ملا خواجہ مراد الدین خان کو اپنے ساتھ دہلی چلنے کے لیے اصرار کیا ، چنانچہ وہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ارسلان خان کے ساتھ کابل سے پشاور آئے۔ چوں کہ حافظ عبدالغفور اہل کشمیر سے بے حد محبت کرتے تھے۔

۱۔ ”حالات بزرگان کبار“ تالیف شمس الہند ایزدی صوفی۔ مطبوعہ

اتحاد پریس۔ بل روڑ۔ لاہور۔ صفحہ ۳۴

دونوں باپ بیٹے کی ملاقات حافظ صاحب سے ہوئی ، اور دونوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ چند دنوں کے بعد ان حضرات نے حضرت اخون عبدالسلام کو بھی پشاور بلا لیا ۔ اخون عبدالسلام اپنے چھوٹے بھائی ملا عبدالکریم اور اپنی والدہ کے ساتھ پشاور پہنچے ، اور یہ سب کے سب حضرت حافظ عبدالغفور صاحب کی بیعت سے مشرف ہوئے ۔ اپنے بڑے بھائی اور والد کے جانے کے بعد حضرت اخون عبدالسلام اپنی والدہ اور اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ پشاور میں ٹھہر گئے ، اور تقریباً ڈھائی سال ان کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کر کے خلافت سے سرفراز ہوئے ، اور دہلی تشریف لائے ۔ اُس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی ۔ دہلی سے پھر آپ منصب اور خدمت مفتی سے سرفراز ہو کر اپنے وطن کشمیر تشریف لائے ، اور ترقی کرتے کرتے قاضی القضاۃ شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز ہوئے ۔ کشمیر میں چار موضع آپ کو جاگیر میں دیے گئے ۔ آپ اپنے وطن میں ساری عمر رشد و ہدایت میں مشغول رہے ۔ اخون عبدالسلام نے ماہ شوال ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۷ع) میں وفات پائی ، اور اپنی خانقاہ میں محلہ گوجرواڑہ میں مدفون ہوئے ۔ (۱)

۱ - اخون عبدالسلام کے متعلق یہ تمام تفصیل ”تحفۃ السلام“ ،

صفحہ ۵ - ۱۳ - ۱۵ - ۱۶ - ۳۸ - ۳۹ سے ملاحظہ ہو ۔

عبد الرحمان بابا

مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد میں جو عظمت و شہرت و مقبولیت پشتو کے مشہور شاعر و صوفی عبدالرحمان بابا کو حاصل ہے ، وہ بہت کم دوسروں کو میسر آسکی ۔ اگر ایک طرف ان کی ذات بچپیت ایک صوفی کے فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی ، تو دوسری طرف وہ حرم قدس کے محرم تھے ۔ ان کے اشعار میں ہمیں آتش عشق کے شرارے اور شراب محبت کی وہ مستی ملتی ہے ، جس سے دوسرے شعرا کے میکسے عموماً خالی نظر آتے ہیں ۔ اُن کے سینے میں عشق حقیقی کی وہ آگ ہے کہ جب وہ شعر کے سانچے میں ڈھلتی ہے تو اُن کا قاری اپنے دامن کو اس کی سوزش سے نہیں بچا سکتا ۔ اُن کے اشعار میں بادۂ معرفت کی سرمستی ہے ، جس کی آمیزش نے اُن کے شعر کی شراب کو اور بھی تیز کر دیا ہے ان کے الہام شعری کی کیفیتیں اتنی گونا گوں ، نازک اور لطیف ہیں کہ شرح و بیان اُس کے متحمل نہیں ہو سکتے ۔ اُن کا اصل رنگ تو تصوف اور عشق حقیقی کی ترجمانی ہے ، لیکن وہ فنی حیثیت سے بھی کامل الفن شاعر تھے ۔ ہمیں جہاں اُن کے کلام میں سنائی اور عطار کی حکمت ۔ شمس تبریز کا گداز ، مولانا روم کا فلسفہ ملتا ہے ، وہیں ہمیں ان کے کلام میں حسن کی واردات و کیفیات اور وہ سرمستیاں بھی ملتی ہیں جو مجاز سے حقیقت کی طرف لے جاتی ہیں ۔ وہ اپنی شاعرانہ خصوصیات پر ایک جگہ تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

جیسے میرے محبوب کی شہرت جہاں میں ہے

ویسے ہی اس دور میں میں بھی سر بلند ہوں

میں نے محبوبوں کی (اپنے شعر میں) جو تعریف شروع کی ہے ۔

اس کی وجہ سے میرا کلام سب کو پسند ہے
 میرے کلام میں جو لذت ہے
 اس کے مقابلے میں کوئی شکر کو کیا پسند کرے گا
 مری زبان جو قند برسا رہی ہے
 حلوائیوں کی دکان میں وہ قند کہاں -
 جس طرح کا میں سخنداں ہوں
 اگر اس طرح کا کوئی دوسرا سخنداں ہو تو مجھے بتاؤ
 میں بیشہ سخن کا اگر چہ شیر ہوں
 لیکن میں (اپنی شاعری سے) کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا
 ہجو اور مدح پر اگر چہ مجھے بڑی قدرت حاصل ہے
 لیکن میں دونوں سے خوش نہیں ہوں (۱)

یہی وجہ ہے کہ رحمان بابا کے نغموں سے آج بھی سابق صوبہ سرحد
 کی وادیاں گونجتی ہیں ، اُن کی درویشی اور شاعری کی شہرت اپنے وطن سے
 نکل کر دور دور پھیلی -

اُن کے کلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اُس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی
 لطف اندوز ہوتا ہے ، اور ناخواندہ طبقہ بھی ایک کیف محسوس کرتا ہے -
 آج بھی اس علاقے میں عورتیں گھروں میں ، کسان کھیتوں میں ، صوفیہ
 خانقاہوں میں رحمان بابا کے کلام کو سنتے اور سر دھنتے ہیں -
 نام ، خاندان ، وطن :

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جس قدر پشتو کے اس عظیم المرتبت
 شاعر کے کلام کو شہرت و مقبولیت حاصل ہے ، اسی قدر اس شاعر کے
 حالات زندگی پردہ خفا میں ہیں - ”مختارہ شعرا“ کے مؤلف نے ان کے حالات
 کی گم شدگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ رحمان بابا ایک غریب گھرانے
 میں پیدا ہوئے تھے ، اس لیے اس شاعر کے ابتدائی حالات کسی نے نہیں

۱ - ماخوذ از ”دیوان عبدالرحمان بابا“ منظوم ترجمہ عبدالرحمان شنواری

مطبوعہ پشتو اکیڈمی ، پشاور - صفحہ ۲

لکھے (۱) بہر حال اُن کے جو حالات زندگی ہمیں مل سکے وہ یہ ہیں کہ ان کا اصل نام عبدالرحمان تھا لیکن بابا کے نام سے مشہور ہوئے وہ نسل غوری خیل مہمند میں سے تھے۔ اُن کے والد کا اسم گرامی عبدالستار تھا، جو بہادر کلی میں رہتے تھے۔ یہ گاؤں پشاور سے جانب جنوب پانچ میل کے فاصلے پر اُس سڑک پر واقع ہے، جو کوھاٹ کو جاتی ہے۔ رحمان بابا کی ولادت ۱۰۴۲ھ (۱۶۳۲ع) میں ہوئی۔ انہوں نے ملا محمد یوسف زئی سے تصوف و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر کوھاٹ تشریف لے گئے اور وہاں کے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی۔ وہ جوانی ہی سے زہد و ریاضت کی طرف مائل تھے، اور دنیا اور اہل دنیا سے ابتدا ہی سے بے نیاز تھے۔

”پٹہ خزانہ“ اور راورٹی کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ”پٹہ خزانہ“ میں ہے کہ رحمان بابا نے ملا محمد یوسف زئی سے فقہ اور تصوف کی تعلیم حاصل کی تھی، اور وہ ایک جلیل القدر عالم تھے۔ جوانی ہی میں ترک دنیا کر کے کوہ نوردی اور دشت پیماں میں مصروف ہو گئے تھے۔ راورٹی نے لکھا کہ رحمان بابا بہت بڑے عالم تھے، مگر درویشوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے اور ہمیشہ ذکر اور فکر حق میں مشغول رہتے تھے، دنیا کے ساتھ اُن کا تعلق بہت کم تھا۔ (۲)

موسیقی سے لگاؤ :

رحمان بابا کے اکثر تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ رحمان بابا کو موسیقی سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ رباب کے تاروں پر مطرب کی انگلیاں اُن میں ایک نئی کیفیت پیدا کر دیتی تھیں۔ عموماً اُن پر استغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔ (۳)

- ۱۔ ”دیوان عبدالرحمان بابا“۔ مقدمہ مولانا عبدالقادر صفحہ ۷۰ (ث)
- ۲۔ یہ دونوں روایتیں مقدمہ ”دیوان عبدالرحمان بابا“ صفحہ ۷۰ و ۷۱ سے ماخوذ ہیں۔
- ۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۷۱۔

عجب خاں کی ایک عجیب روایت :

عجب خاں نے اُن کے متعلق ایک عجیب روایت لکھی ہے کہ بابا کا ایک دوست مجنوں نامی تھا ، جو ہندوستان گیا ، اور وہاں کے مختلف بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ جب وہاں سے فیوض باطنی و برکات حاصل کر کے واپس ہونے لگا تو اُس نے اپنے پیر شاہ شرف قلندر سے اپنے دوست رحمان بابا کے لیے بھی کچھ تحفہ مانگا ۔ شاہ شرف قلندر نے رباب میں بابا کا حصہ مقرر کر کے مجنوں کو رخصت کیا ، مگر اس میں یہ شرط لگائی کہ مجنوں اُس وقت تک رباب کا ہاتھ نہ لگائے ، جب تک کہ وہ رحمان بابا سے نہ مل لے اور رحمان بابا کے سامنے وہ لے جائے جو شاہ شرف قلندر نے مقرر کی تھی ۔ اُس وقت مجنوں مر جائے گا اور رحمان بابا زندہ رہے گا ۔ چنانچہ مجنوں نے اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل کی ، جب وہ رحمان بابا سے ملا اُس نے رحمان بابا کو وہ نغمہ سنایا جس کا چلتے وقت اُس کے پیر نے اس کو حکم دیا تھا ۔ نغمہ سناتے ہی مجنوں اسی وقت گر کر مر گیا ، اور رحمان بابا بے ہوش کر گر پڑے ، جب تیسرے روز ہوش میں آئے تو اُن کا آئینہ قلب نور باطنی سے مجلی ہو چکا تھا ، اور کائنات اُن کے سامنے آئینے کی طرح تھی ۔ عبدالحمید افغانی نے بھی عجب خاں کی اس روایت کی تائید کی ہے ، اور رباب لانے اور ان کے چشتیہ طریقے کا ذکر کیا ہے ۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ عجب خاں کی یہ روایت کہاں تک صحیح ہے ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ رحمان بابا پر اکثر اوقات استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی ، خشیت الہی سے آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے ، اور کثرتِ گریہ کے باعث ان کے چہرے پر آنسوؤں کے بہنے کی وجہ سے دو لکیریں پڑ گئی تھیں ، خود اُنہوں نے اپنے ایک شعر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے :

تیرے غم کی وجہ سے میرے چہرے پر نہریں ہیں

ذرا حال تو پوچھ کہ یہ کیوں ہیں ؟ (۱)

۱ ۔ یہ تمام تفصیل مقدمہ ”دیوان عبدالرحمان“ بابا ۔ مرتبہ مولانا عبدالقادر ۔ صفحہ (ج) بحوالہ عجب خاں ماخوذ ہے ۔

علماء کا فتویٰ :

راورٹی اور افغانی دونوں کا بیان ہے کہ عشق الہی میں یہ استغراق اُن کو فنا اور حیرت کے اُس مقام پر لے آیا تھا کہ نماز باجماعت اُن سے ترک ہونے لگی تھی اور تن تنہا ایک حجرے میں پڑے رہتے تھے۔ علماء نے اُن کے اس حال کو دیکھ کر اُن پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ رحمان بابا نے شریعت کے احکام کے سامنے اپنی گردن جھکا دی ، اور علماء سے وعدہ کیا میں آئندہ تمام امور میں احکام شرعیہ کی پابندی کروں گا ، اس طرح یہ قضیہ ختم ہوا۔

رحمان بابا کا دیوان :

رحمان بابا کا دیوان کس نے مرتب کیا اور کس طرح مرتب ہوا ، یہ مسئلہ آج تک ان کے تذکرہ نگاروں میں مابہ النزاع بنا ہوا ہے۔ پروفیسر عبدالحمید افغانی کا بیان ہے کہ عالم استغراق سے عالم ہوش میں آنے کے بعد بھی رحمان بابا اس قابل نہ تھے کہ وہ اپنا دیوان مرتب کرتے۔ اُن کے دوستوں نے ان کے اشعار کو جمع کر کے دیوان کی صورت دی ، اور ان کی وفات کے بعد یہ دیوان جمع ہوا۔ بہت سے اشعار ضائع ہو گئے ، اسی وجہ سے آج بھی اُن کے دیوان میں اختلاف پایا جاتا ہے ، اور اس طرح بھی بہت سی غزلیں جو موجودہ دیوان میں موجود نہیں سابق صوبہ سرحد کے علاقوں میں گئی جاتی ہیں۔

راورٹی نے ان کے دیوان کے متعلق اپنے ایک اور ہی خیال کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ رحمان بابا کی عادت تھی کہ جب وہ اشعار کہتے تو کبھی کبھی اُن کی نقل اپنے دوستوں کو بھیج دیتے۔ ان کے دوست اُن کے بھیجے ہوئے کلام کو محفوظ کر لیتے۔ خود اُن کے دوستوں کو آپس میں یہ علم نہ تھا کہ کس کے پاس کتنا کلام ہے ، اور ہر ایک کا یہ خیال تھا کہ وہ رحمان بابا کی وفات کے بعد ان کے اشعار کا مجموعہ خود مرتب کرے گا۔ چنانچہ اُن کے دوستوں نے ایسا ہی کیا ، اور بعض نادان دوستوں نے تو رحمان بابا کے ساتھ یہ ظلم کیا کہ ان کے دیوان میں اپنے اشعار کا الحاق کر کے مقطع میں رحمان بابا کا تخلص

ڈال دیا تاکہ اس طرح اُن کا مجموعہ ضخامت اور کثرت کلام میں دوسروں سے بڑھ جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے دیوان کے دو دفتر ہو گئے لیکن اُس وقت لوگ ایسے بھی تھے، جنہیں رحمان بابا کے کلام کا بڑا حصہ یاد تھا، انہوں نے اپنی یادداشت کی بنا پر تمام الحاقی اشعار کو نکال دیا۔

”پختانہ شعرا“ میں بعض مؤرخین کی سند سے یہ بات کہی گئی ہے کہ رحمان بابا نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان مرتب کر لیا تھا۔

عبداللہ حبیبی بھی اس خیال سے متفق ہیں کہ رحمان بابا نے اپنا کلام اپنی زندگی میں جمع و مرتب کر لیا تھا، لیکن اُن کی رائے میں اُن کا یہ موجودہ دیوان نامکمل ہے، کیوں کہ بعض گویے ان کا جو کلام گاتے ہیں، وہ ان کے دیوان میں موجود نہیں رہا۔ یہ امر کہ رحمان نے اپنے اس کلام کے حصے کو کیوں چھوڑ دیا اس کی کوئی وجہ نہیں ملتی۔

مولانا عبدالقادر ڈاکٹر کٹر پشتو اکیڈمی پشاور نے مقدمہ ”دیوان عبدالرحمان بابا“ میں ان تمام آراء پر محاکمہ کرتے ہوئے لکھا کہ میرا قیاس یہ ہے کہ عالم استغراق و سرسستی کا کلام اُن کے دوستوں نے جمع کیا تھا، لیکن جب وہ کیفیت باقی نہ رہی اور عالم ہوش کی طرف آئے تو ممکن ہے انہیں اپنا کلام جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو، اور انہوں نے اپنے حافظے کی مدد سے اپنا کلام جمع کیا ہو، اور جمع کرتے وقت بعض غزلیں حافظے سے نکل گئی ہوں، اور یہی وہ غزلیں ہوں جو دیوان میں موجود نہیں اور لوگوں کی زبان پر ہیں۔ (۱)

رحمان اور خوشحال خان خٹک :

رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک دونوں پشتو شاعری کے آسمان کے آفتاب و ماہتاب ہیں، دونوں نے اپنی دل آویز شاعری سے اس کے دامن کو مرصع و زریں بنایا۔ دونوں کی شاعری ان کی قومی و ملکی خصوصیات،

۱۔ یہ تمام تفصیل مقدمہ دیوان عبدالرحمان بابا۔ صفحہ ۱۸ تا ۱۹

سے ماخوذ ہے۔

ان کے جذبات و میلانات اور مقامی حالات کی مظہر ہے۔ دونوں کے کلام میں بادۂ معرفت کے پیمانے بھی ملتے ہیں، اور تصوف و عرفان کے میخانے بھی۔ دونوں کے اشعار میں حسن و عشق کی واردات کی مصوری بھی ہے اور سوز و گداز کی چنگاریاں بھی۔ دونوں کی نظموں میں عوام کے قلوب کی ترجمانی بھی ہے، اور حسن اخلاق اور پاکیزگی کردار کی دعوت بھی۔ دونوں کے اشعار مجموعی حیثیت سے سحر آفرینی کا ایک شاہکار ہیں کہ جن سے ایک قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دونوں عظیم المرتبت شاعر ایک ہی وقت میں تھے اور ان دونوں کے آپس میں مقابلے بھی ہوئے تھے۔

”پشتانہ شعرا“ میں عبدالحی حبیبی نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ بعض محققین یہ کہتے ہیں کہ رحمان بابا نے عنفوان شباب میں ایک بار خوشحال خاں سے اکوڑے میں ملاقات بھی کی تھی، اور ان دونوں شاعروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

ان دونوں کی باہمی ملاقات کے متعلق تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ یہ ایک حقیقت کہ دونوں ہم عصر تھے۔

راورٹی نے ان دونوں کی ہم عصری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمان جنگجو اور نامور شاعر خوش حال خان خشک کے ہم عصر تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دو تین بار ان کے درمیان مشاعرے اور مناظرے بھی ہوئے تھے۔ بے شک خوش حال خان خشک کی زندگی کے آخری دنوں میں رحمان جوان تھا، لیکن اُس زمانے میں وہ نو خیز تھا، ہاں یہ صحیح معنی میں خوش حال خان خشک کے پوتے افضل خان کا ہم عصر تھا۔ افضل خان مشہور اور تاریخی کتاب ”تاریخ مرصع“ کا مؤلف تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اور بھی کئی کتابیں لکھی تھیں۔ پھر آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان مشاعرے اور مناظرے نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رحمان ایک درویش اور گوشہ نشین انسان تھا۔ اس کی حیثیت معمولی تھی اور خوش حال خان ایک قبیلے کا سردار تھا، اس لیے ان دونوں کے درمیان

کسی مشاعرے اور بیت بازی اور مناظرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔
 پروفیسر عبدالحمید افغانی نے ان دونوں کی ہم عصری اور ہم عمری
 پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبدالرحمان اور
 خوش حال خاں خٹک کا زمانہ ایک تھا، اور ان کے آپس میں مقابلے بھی ہوئے
 تھے، مگر یہ غلط ہے ۔ عبدالرحمان کی شاعری اور اس کے استغراق کا
 شباب ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ع) میں تھا، جب کہ علماء نے اُس پر تکفیر کا فتویٰ
 لگایا تھا، خوش حال خاں اُس سے بہت پہلے ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۱ع) میں قبر
 میں جا چکا تھا، لیکن یہ ممکن ہے کہ عبدالرحمان نے خوش حال خاں
 کو دیکھا ہو، کیوں کہ خوش حال خاں کوئی معمولی آدمی نہ تھا (۱)
رحمان بابا کی شاعرانہ عظمت :

رحمان کی شاعرانہ عظمت اُن کی ساری قوم میں مسلم ہے ۔ ان کی
 شاعری یوں تو رنگ برنگ کے سدا بہار پھولوں کا حسین اور خوش رنگ
 گل دستہ ہے، لیکن ان کی شاعری کا موضوع خاص تصوف ہے ۔ ان کے
 فکر رسا نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو بے حد حسن اور دلکشی کے
 ساتھ پیش کیا ہے، انہوں نے اپنے جمال شعری کو تصوف سے نکھارا اور
 سنوارا ہے، وہ حسن حقیقی کے متلاشی ہیں، اور ان کے پردہ مجاز میں بھی
 حسن حقیقی صاف جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ گداز عشق اور سوز و غم
 نے ان کے تغزل کی مٹے کو مے دو آئشہ بنا دیا ہے ۔ رحمان بابا کا کلام اگرچہ
 پشتو میں ہے مگر ہم ان کے چند اشعار کا ترجمہ یہاں پیش کرتے ہیں :

جس نے اپنا مقصود خدا کو ٹھہرا لیا
 حقیقت میں اس کا ہر کام عبادت ہے (۲)

۱ ۔ ماخوذ از مقدمہ ”دیوان عبدالرحمان بابا“ ۔ صفحہ ۱

۲ ۔ ”دیوان عبدالرحمان بابا“ ترجمہ امیر حمزہ شنواری ۔ صفحہ ۲۷

یہ ترجمہ میں نے امیر حمزہ شنواری کے ترجمے سے اخذ کر کے
 نثر میں لکھا ہے، ورنہ ان کا ترجمہ نظم میں ہے ۔

اے خدا اُسے ہر گز مایوس نہ کیجیے
جس کو جہان میں تیرے کرم کا آسرا ہو (۱)

ملک رضا میں غم کا وجود ہی نہیں ہے
اس لیے کہ عشق کا غم تو عاشقوں کی خوشی ہے (۲)
اُسے اور کچھ نہیں چاہیے دلبر ! رحان تو صرف تمہارا طالب ہے
یہ میری مرضی ہے ، باقی جو تمہاری مرضی ہو (۳)

جو کوئی عاشقی کرے خواہ وہ واقعاً افلاطون ہی کیوں نہ ہو
میں تو اسے مجنوں ہی سمجھتا ہوں (یہ اور بات ہے) کہ وہ
آج مجنوں ہو جائے یا کل (۴)

جیسے میرا یار سربلند ہے اُسی کی نسبت سے میں بھی سربلند ہوں
اس کے عشق کی نسبت سے میں بھی سربلند ہوں
جس طرح عالم میں اس کی شہرت ہے
ویسے ہی اس دور میں میں بھی سربلند ہوں
میں نے خوباں کی مدح کا آغاز کیا ہے
(اسی لیے) میرا کلام سب کو پسند ہے
میرے کلام میں جو شیرینی ہے
اس کے مقابلے میں کون شکر کو پسند کرے گا
جس قسم کا میں سخن داں ہوں

۱ - دیوان عبدالرحمان بابا - صفحہ ۲۷۲ -

۲ - ایضاً - صفحہ ۳۷۶ -

۳ - مقدمہ ”دیوان“ عبدالرحمان بابا - صفحہ (غ)

۴ - ایضاً - صفحہ ع

اگر دوسرے ہوں تو مجھے بھی بتا دو (۱)

جسے دنیا میں محبت کا کاروبار پسند ہو
اُسی کے قتل کے لیے ہجر کے خنجر بنائے جاتے ہیں (۲)

تیرے جال کی مدح سے یہ فیض حاصل ہوا ہے
کہ رحان کے اشعار کی تعریف سے عالم گویا اٹھا ہے (۳)

اردو شاعری :

اردو زبان کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ پاک و ہند کے صوفیائے کرام نے اور دوسری زبان کے شعرائے کرام نے اس زبان میں اظہار خیال کر کے اردو کو حسن قبول کی سند عطا فرمائی۔ رحان بابا اردو کے ان محسنین میں ہیں، جن پر تاریخ ادب اردو کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ ہم ان کے بعض اشعار جو انہوں نے اردو میں کہے ہیں ذیل میں نقل کرتے ہیں :

بوصل تو مارا کجا ہات ہے
کہ وصل تو خیلے بڑی بات ہے
بکوٹے تو گفتم کہ مسکن کم
ولے کے مرا ایں دراجات ہے
خم زلف تو گوشۂ ابرواں
دلہ را عجائب مقامات ہے
ہمیں دادی دشنام و گالی مرا
بسویم ہمیں از تو سوغات ہے
نگا ہم نہ امروز خوٹم برینت
کہ دائم ترا ہمچو عادات ہے

۱ - دیوان عبدالرحمان بابا - صفحہ ۲۷

۲ - ایضاً - صفحہ ۳۳۲

۳ - ایضاً، صفحہ ۲۲۷

ز آغوش رحسان مرو با رقیب
کہ این سفلہ بد خوئی و بد ذات ہے (۱)

دیوان :

رحان کا مجموعہ کلام منظوم اردو ترجمے کے ساتھ دیوان عبدالرحمان کے نام سے پشتو اکیڈمی یونیورسٹی آف پشاور نے دونوں زبانوں پشتو اور اردو میں شائع کر کے پشتو اور اردو زبان پر احسان عظیم کیا ہے۔ اردو منظوم ترجمہ پشتو کے مشہور شاعر امیر حمزہ شنواری نے کیا ہے۔ اس دیوان کی ضخامت ۲۸۵ صفحات ہے، دیوان کے ابتدا میں پشتو کے مشہور عالم مولانا عبدالقادر ڈاکٹر پشتو اکیڈمی، پشاور کا ایک ہر مغز، بسیط اور ہر از معلومات مقدمہ بھی شامل ہے۔

وفات :

رحان بابا نے ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ع) وفات پائی۔ پشاور میں آج بھی اس عظیم المرتبت صوفی اور شاعر کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

اولاد :

ان کی اولاد کے سلسلے میں راورٹی نے لکھا کہ :
رحان بابا کی بیٹی کے رشتے سے نواسے اور نواسیاں
ایک چھوٹے سے گاؤں میں آج بھی موجود ہیں، جسے
”بہادر کلی“ کہتے۔ ہیں یہ گاؤں سہمندوں کے علاقے میں ہے
لیکن ان کے اکلوتے بیٹے کی اولاد بالکل معدوم ہے۔

مولانا عبدالقادر نے اپنے مقدمے میں رحان کے سوانحی مواد کی کمی پر اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھا کہ مشہور ہے کہ بہادر کلی میں رحان بابا کے خاندان کے بعض افراد کے پاس کافی معلومات ہیں، کیا اچھا ہوتا اگر وہ ان معلومات سے باقی دنیا کو بھی آگاہ کر دیتے۔

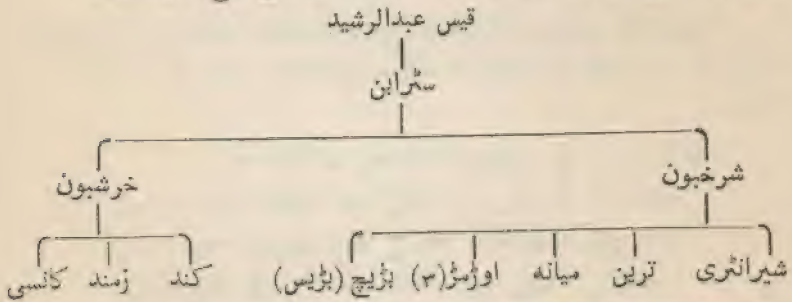
مولانا نے جب یہ مقدمہ لکھا وہ اُس وقت لاہور میں تھے، یہ ۱۹۴۸ع کی بات ہے۔

آج اپریل ۱۹۶۴ء میں بھی جب کہ میں ان سطور کو لکھ رہا ہوں مجھے بھی شدت سے اس کی کمی محسوس ہو رہی ہے مجھے افسوس ہے کہ میں مواد کی کمی کی وجہ سے اس جلیل القدر شاعر کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اس قدر اُجاگر نہ کر سکا، جس قدر چاہیے تھا۔ اب جب کہ مولانا پشاور میں تشریف فرما ہیں اور پشتو اکیڈمی جیسے علمی ادارے کے ڈائریکٹر بھی تو میری اُن سے یہ گزارش ہے جا نہ ہو گی اگر وہ پشتو اکیڈمی کی طرف سے اس عظیم اور بلند مرتبت شاعر اور اہل دل کی ایک تحقیقی اور جامع سوانح مرتب کرنے کی سعی فرمائیں تو علمی دنیا پر ان کا یہ احسان عظیم ہو گا۔

شیخ المشائخ حضرت بڑیسی بابا

نام و نسب :

نام تو الہ داد تھا ، مگر لوگوں میں آپ مشہور بڑیسی بابا کے نام سے ہوئے ، بڑیس (بڑیچ) پٹھانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے جس کا سلسلہ نصب پٹھانوں کے جد اعلیٰ قیس عبدالرشید (۱) سے جا ملتا ہے ۔ صاحب ”تاریخ افغانی“ نے ان کا یہ شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے ۔



۱ - ”تاریخ افغانان“ حصہ دوم میں ہے کہ حضرت عبدالرشید ملقب بہ لقب پٹھان کو جو افغان بن ارمیہ سے چونتیسویں واسطے پر اور ملک طالوت سے سینتیسویں واسطے پر ، اور حضرت یعقوب علی نبینا و علیہ السلام سے بیالیسویں واسطے پر اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے پینتالیسویں واسطے پر اور حضرت آدم صلی اللہ سے تریسٹھویں واسطے پر تھے ، تین فرزند عطا فرمائے ، جن کے نام سرینی ، بتینی اور گہرگہت (باقی حاشیہ صفحہ ۳۳ پر)

اسی قبیلے کی نسبت کی وجہ سے آپ عوام میں بڑیسی بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ خرشبون کی اولاد آکے چل کر دو بڑے قبیلوں میں منقسم ہو گئی، ان میں سے ایک شاخ مندثر۔ دوسری شاخ یوسف زئی کہلانے لگی۔ حضرت بڑیسی بابا کے جد اعلیٰ کا نسباً تعلق تو بڑیسی قبیلے سے تھا، مگر وہ مندثر قبیلے میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔
بڑیسی بابا کے والد کا اسم گرامی میر حسن خان (۱) (میاں حسن) تھا، لیکن وہ مشہور ”اوگد بابا“ کے نام سے تھے۔

(صفحہ ۴۳۶ کا بقیہ حاشیہ)

- تھے۔ ہر ایک کے اولاد ہوئی، اور بڑھتی بڑھتی یہ موجب تحریر مورخین تین سو پچانوے قومیں بنیں۔
(”تاریخ افغانہ“ حصہ دوم۔ مرتبہ کارخانہ اخبار وطن، مطبوعہ حمیدیہ پریس، لاہور۔ صفحہ ۵۷-۵۸)۔
۲۔ ”تاریخ افغانہ“ کے ایک فٹ نوٹ میں ہے کہ خرشبون شرف دین کا بگڑا ہوا ہے، اور خرشبون خیرالدین کا بگڑا ہوا ہے۔ (فٹ نوٹ ”تاریخ افغانہ“ حصہ دوم۔ صفحہ ۵۸ نمبر ۱)۔
۳۔ اوڑمٹر: وہ قبیلہ ہے جس سے سابق صوبہ سرحد کی مشہور شخصیت پرروشان کا تعلق ہے۔

۱۔ میر حسن خان (میاں حسن خان) کا مزار تحصیل صوابی ضلع مردان کے موضع شاہ منصور کے عام قبرستان سے ذرا ہٹ کر شمالی جانب ایک چشمے کے کنارے واقع ہے۔ مزار خاصا لمبا ہے، اس لیے مقامی زبان میں اوگد بابا کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے میر حسن خان (میاں حسن) اور اسی قبرستان کے مدفون ایک اور بزرگ حسین کو مغالطے سے ایک ہی شخص تصور کیا ہے، حالانکہ حسین (باقی حاشیہ صفحہ ۴۳۸ پر)

حضرت بڑیسی بابا کا سلسلہ نسب تحصیل صوابی کے قبیلہ مندثر کے بزرگ سید جنگی بڑیس (بڑیچ) سے پانچویں پشت بہ طریق ذیل جا ملتا ہے
الہ داد معروف بہ بڑیسی بابا بن میر حسن خاں (میاں حسن)
بن عبدالرحمان بن سید بن سید جنگی بڑیچ ۔

حضرت سید جنگی بڑیچ کے تین صاحب زادے تھے ، احمد ، مدد ،
اور سیدو ۔ یہ تینوں صاحب زادے زہد و ورع ، تقویٰ و تقدس میں اپنے
والد کے نقش قدم پر تھے ، سید جنگی کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے
صاحب زادے سیدو نے ان کی مسند سجادگی کو زینت بخشی ، اور
تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں مصروف ہو گئے ۔ رشد و ہدایت کا یہ
سلسلہ پشت بہ پشت منتقل ہوتا ہوا حضرت بڑیسی بابا تک پہنچا ۔
ولادت :

تحصیل صوابی کا موضع شاہ منصور (۱) وہ مبارک موضع ہے جو ہر
دور میں اہل اللہ اور صاحب حال بزرگوں کا مرکز رہا ہے ۔ اسی موضع

(صفحہ ۴۳۷ کا بقیہ حاشیہ)

دوسرے شخص ہیں ، جن کا تعلق قبیلہ خدوخیل سے ہے ،
اور زمانے کے لحاظ سے بھی ان دونوں میں بڑا فرق ہے ، اور
ان کا مزار شاہ منصور کی پہاڑی کے عقب میں صوابی
جہانگیرہ روڈ پر سڑک کے جانب جنوب میں ”شینتا پور“ نامی
مقام میں واقع ہے ، جو مقامی مناسبت سے ”شینتا پور بابا“ کے
نام سے مشہور ہے ، اور بڑیسی بابا کے والد میر حسن خاں
(میاں حسن) کا مزار چشمے کے کنارے واقع ہے ۔ شاہ منصور
میں عیدین کا میلہ آپ ہی کے مزار کے متصل لگتا ہے ۔

۱ ۔ شاہ منصور کا موضع پٹھانوں کے مشہور ملک شاہ منصور کے
نام سے موسوم ہے ۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کی صاحب زادی
مبارکہ بی بی کی شادی ہندوستان کے بادشاہ ظہیرالدین بابر سے
ہوئی تھی ۔ ”تاریخ پشتون“ قاضی عطا اللہ جان

میں حضرت بڑیسی بابا کی ولادت با سعادت ہوئی۔ تصوف و عرفان کے اسی گہوارے میں حضرت بڑیسی بابا کا بچپن گزرا، اور اسی سرزمین عرفان بزرگی و ولایت کا یہ ہلال مہتاب بن کر درخشاں ہوا۔
تعلیم :

”بڑیسی نامہ“ میں ہے کہ حضرت بڑیسی بابا نے بالکل نو عمری ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل کر لی تھی۔ اس گوہر ولایت کی آب و تاب کو جن بزرگوں نے جلا بخشی، ان میں آپ کے والد مہاں حسن کا نام سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

بیعت :

تخصیل علم کے بعد آپ نے اپنے والد کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر سلوک و عرفان کے منازل طے کئے، آخر میں آپ کو آپ کے والد نے اپنی زندگی ہی میں اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

سیری کی پیش کش :

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ دولت خیل اور خد و خیل کا ایک جرگہ آپ کے والد حضرت میاں حسن (میر حسن بابا) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور انہوں نے کہا کہ انبار اور باغ بانڈ کی زمینات کی مستقل تقسیم اراضی ان کے درمیان کر دی جائے، اور جس طرح آپ تقسیم فرما دیں گے وہ فیصلہ دونوں فریقین کے لیے قابل قبول ہوگا۔ آپ نے یہ تنازعہ اپنے صاحب زادے حضرت بڑیسی بابا کے سپرد فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم اس کا فیصلہ کرو۔ حضرت بڑیسی بابا نے نہایت عدل و انصاف اور حسن اخلاق کے ساتھ اس تنازعہ کا ایسا فیصلہ فرمایا کہ دونوں فریقین خوش ہو گئے، اور خوش ہو کر ان دونوں قبائل نے اس صلے میں انبار میں آپ کو سیری (۱) کی پیش کش کی۔

۱۔ ”سیری“ خاص پشتو کی اصطلاح ہے، جو اس قطعہ اراضی کو کہتے ہیں، جو کسی بزرگ شخص کو تحفہ کسی قبیلے کی (باقی حاشیہ صفحہ ۴۴۰ پر)

انبار میں سکونت :

حضرت بڑیسی بابا اپنے والد کی وفات کے بعد شاہ منصور سے منتقل ہو کر انبار میں ایک چھاڑ کے دامن میں سکونت پذیر ہو گئے ۔ وہ مکان جس میں آپ رہتے تھے اب تک موجود ہے ۔
رشد و ہدایت :

انبار میں تشریف لانے کے بعد آپ کی خانقاہ رشد و ہدایت کا وہ مرکز بنی کہ دور دور سے لوگ آپ کے پاس ارشاد و تلقین کے لیے حاضر ہوتے ، طالبان حق کا ایک جم غفیر آپ کی خدمت میں حاضر رہتا ، اور آپ کا سارا وقت ارشاد و تلقین ، اعلاء کلمۃ الحق میں صرف ہوتا ۔ اس سرچشمہ علم و ہدایت سے سینکڑوں طالبان علم و معرفت فیض یاب ہوئے (۱) ۔

وفات :

حضرت بڑیسی بابا نے ۷۸ سال کی عمر میں عہد شاہ عالم ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) تا ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) میں موضع انبار میں وفات پائی ۔

مزار :

آپ کا مزار موضع انبار کے وسط میں زیارت گاہ خلائق ہے ۔

اولاد :

آپ کے پانچ صاحب زادے تھے ، جن میں سے تین کی اولاد کا سلسلہ چلا ۔ آپ کے بڑے صاحب زادے خان زادہ بابا کا مزار ، حضرت بڑیسی بابا کے مزار کے پہلو میں بہ جانب مغرب واقع ہے ، آپ کے مزار مبارک سے

(صفحہ ۴۳۹ کا بقیہ حاشیہ)

جانب سے پیش کی جاتی تھی ۔ انگریزی حکومت سے قبل تک پٹھانوں میں سیری کا طریقہ رائج تھا ، کیوں کہ اُس وقت تک زمینات بجائے فرد کے قبیلے کی ملکیت تصور ہوتی تھیں ۔

(مؤلف)

۲ = یہ تمام تفصیلات ”بڑیسی نامہ“ سے ماخوذ ہیں ۔

ملحقہ زمین پر آج کل ایک دینی درس گاہ کی تعمیر کے لیے کوشش کی جا رہی ہے ۔

خلفا :

آپ کے خلفا میں جن بزرگوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ، ان میں فقیر صاڈو ڈیر اور خان خانان موضع ہنڈ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔



حضرت یحییٰ صاحب معروف بہ حضرت جی

نام و نسب :

سابق صوبہ سرحد کے اہل نظر کے مشام جاں کو جن بزرگوں کی روحانی خوشبو نے سہکایا ، ان میں حضرت شیخ یحییٰ معروف بہ ”حضرت جی“ بھی ہیں ۔ ان کا نام شیخ یحییٰ ، کنیت شیخ ابواسماعیل یحییٰ اور لقب سرالاعظم تھا ۔ ان کے والد کا اسم گرامی پیر داد تھا ، وہ نسباً چغتائی (مغل) تھے ، آپ کے اجداد میں کوئی بزرگ ماوراء النہر سے یہاں تشریف لائے تھے ۔

حالات :

گلشن ولایت کے اس گل سر سبد نے علوم ظاہری کی تکمیل کہاں تک کی ، ان کے جوہر قابل کو کن بزرگوں نے نکھارا اور سنوارا ، افسوس ہے کہ آپ کی ابتدائی زندگی کی تفصیلات ہمیں کہیں نہیں مل سکیں ، صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ ۱۰۴۱ھ (۱۶۳۱ء) میں پیدا ہوئے ۔ انھوں نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ (۱) کے مشہور بزرگ حضرت سعدی لاہوری کے دست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا ۔ شیخ سعدی لاہوری کی نظر میں جو اس سعادت مند مرید کی عظمت تھی ، اس کا اندازہ اس سے

-
- ۱ - سلسلہ نقشبندیہ کو اکبر کے عہد حکومت میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے ہندوستان میں قائم کیا ۔ ان کے مرید و خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی نے اس سلسلے کو مقبول عام بنایا اور ان کے خلفاء نے اس سلسلے کے اثرات کو دور دور تک پھیلایا ۔ بعد میں یہ سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہو گیا ۔
 (”ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت“ - صفحہ ۱۳۴)

ہوتا ہے کہ جب ۱۱۰۵ھ (۱۶۹۳ع) میں حضرت سعدی لاہوری پشاور تشریف لائے تو اس گوہر ولایت کی عظمت و جلالت کو اپنے مریدین پر واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اب شیخ یحییٰ سے اکتساب فیض کریں۔ شیخ عمر چمکنی اپنی کتاب ”توضیح المعانی“ کے دیباچے میں ان کے مناقب و حماد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

قطب ہفت اقلیم شیخ رہنا
شیخ یحییٰ بندۂ خاص خدا
مخزن لطف و عنایات خدا
غوث اعظم خواجہ ہر دوسرا

سید شاہ مجدد غوث قادری پشاور شیخ لاہوری جو عظیم المرتبت صوفیہ میں تھے، وہ نہایت حسن عقیدت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ انہوں نے سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ سے روحانی استفادہ کیا۔ وہ اپنے ایک رسالے میں آپ کی عظمت و جلالت شان کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

حضرت یحییٰ جیو صاحب کہ از | حضرت شیخ یحییٰ جی افراد زمانہ
افراد زمانہ بودند | میں سے ایک فرد تھے۔

اخلاق :

آپ کے آئینۂ اخلاق میں تواضع ، انکسار ، فیاضی ، انقا و تقدس ، توکل و استغنا کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں۔

عبادت و ریاضت :

حضرت شاہ مجدد غوث لاہوری کا بیان ہے کہ آپ کا تمام وقت یاد اللہی میں گزرتا تھا۔ شغل حق کے سوا آپ کو اتنی فرصت نہ تھی کہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ کی محفل اس قدر پر وقار ہوتی تھی کہ کسی کو آپ کی مجلس میں بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جو بھی شریک مجلس ہوتا وہ جب تک مجلس میں بیٹھتا خدا کی طرف متوجہ رہتا۔ ہمیشہ زمین پر سوتے تھے ، تکیہ سرہانے نہ رکھتے تھے۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

مرشد کی عقیدت :

اپنے مرشد شیخ سعدی لاہوری سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ قرط ادب سے اٹک سے لاہور تک پیدل جاتے اور یہ سفر پیدل ۱۴ دن میں طے کرتے تھے ۔

رشد و ہدایت :

حضرت جی کی ذات گرامی زہد و ورع ، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ ہندوستان، سرحد، پنجاب اور سندھ سے لوگ آپ کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے ، اخلاق اور تزکیہ نفس کی تعلیم حاصل کرنے اور عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے تھے ۔ نہ صرف عوام بلکہ اکابر علماء آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے ۔

وفات :

حضرت جی ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۸ع) میں واصل الی اللہ ہوئے ۔ آپ کا مزار بر انوار موضع اٹک ضلع کیمبل پور میں دریائے اٹک کے کنارے زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

اولاد :

تذکروں میں آپ کے دو صاحبزادوں کے نام ملتے ہیں ، جن میں سے ایک صاحبزادے کا نام شیخ اسماعیل اور دوسرے صاحبزادے کا نام خواجہ محمد عیسیٰ تھا ۔

خلفاء :

آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے ، لیکن جن خلفاء نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی ان میں حضرت سید شاہ محمد غوث لاہوری اور حضرت میاں محمد عمر چمکنی مشہور ہیں ۔ (۱)

۱ - حضرت یحییٰ معروف بہ حضرت جی کے یہ تمام حالات تذکرہ علماء و مشائخ سرحد - صفحہ ۶۴ تا ۶۷ سے ماخوذ ہیں ۔

حضرت میر محمد تقی نوشاہی پشاور

حالات :

حضرت میر محمد تقی نوشاہی شاہی منصبداروں میں تھے ۔ جب شیخ برخودار ہل متوفی از ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۸ع) خلیفہ حضرت شیخ عبدالرحمن پاک صاحب نوشاہی (۱) بھڑیوالہ ، متوفی ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ع) بطور سیر و سیاحت پشاور تشریف لے گئے تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ پہلی ہی ملاقات نے ان کے دل کی دنیا بدل دی ۔ اس مرد حق آگاہ کو دیکھ کر خاندان نوشاہیہ کی عقیدت و محبت کا نقش اس طرح ابھرا کہ آپ پا پیادہ ساہن پال ضلع گجرات پہنچے ، اور وہاں کے مشہور سلسلہ نوشاہیہ کے

۱ - شیخ عبدالرحمن مشہور بہ پاک رحمان نوشاہی ، حضرت حاجی محمد شاہ کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے ۔ ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے ۔ حضرت حاجی محمد شاہ کی جو سہربائیاں ان کے حال پر تھیں ، وہ کسی دوسرے خلیفہ پر نہ تھیں ، یہاں تک کہ حاجی محمد شاہ اپنے مریدوں کو تربیت کے لیے ان کے سپرد فرماتے تھے ۔ حضرت حاجی محمد شاہ کی وفات کے بعد بہت سے مریدوں نے حضرت شیخ عبدالرحمن سے سلوک کی تکمیل کی ، بلکہ حافظ برخودار کے صاحبزادوں نے جو حضرت حاجی محمد شاہ کے نواسے تھے انہوں نے بھی سلوک کی تعلیم و تربیت کی تکمیل حضرت شیخ عبدالرحمن سے کی تھی ۔

حضرت شیخ عبدالرحمن نے ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ع) میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار پر انوار موضع بھڑیوالہ میں مرجع خاص و عام ہے ۔ (ماخوذ از ”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول - صفحہ ۲۰۳)

ممتاز شیخ طریقت حضرت سید شاہ عصمت اللہ (۱) حمزہ پہلوان نوشاہی متوفی ۱۱۳۷ھ (۱۷۲۴ع) کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر تصوف و سلوک

۱۔ شیخ عصمت اللہ نوشاہی ، حافظ برخوردار کے پانچویں صاحبزادے تھے۔ نہایت بزرگ ، عالم باعمل صاحب تقویٰ و تقدس بزرگ تھے۔ انہوں نے علوم کی تحصیل حافظ محمد تقی سے کی تھی۔ تکمیل علم کے بعد وہ موضع بہلول میں شیخ رحیم داد فرزند شاہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور ان سے فیوض باطنی حاصل کیں۔ پھر شیخ پیر محمد سچیار ، شاہ محمد اور حضرت حاجی محمد نوشاہ کے دوسرے خلفاء کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن کہیں بھی سکون خاطر حاصل نہ ہوا۔ آخر حضرت شیخ عبدالرحمن مشہور بہ پاک رحمان نوشاہی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک کی تکمیل کی اور صاحب حال و قال ہوئے۔ جب ان کی شہرت کا آوازہ اقصائے عالم میں پہنچا تو شاہ محمد غوث پسر سید حسن پشوری آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

شیخ عصمت اللہ نے ۱۲ رجب ۱۱۳۷ھ (۱۷۲۴ع) کو نماز کی حالت میں وفات پائی ، آپ نے تین صاحبزادے چھوڑے۔ ۱۔ شیر محمد۔ ۲۔ شیخ گل محمد۔ ۳۔ محمد عظیم۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے شیر محمد نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔ حضرت شیخ عصمت اللہ کے خلفاء میں شاہ محمد غوث ، شیخ محمد عظیم ، شیخ سلطان محمد اور شیخ عبدالجلیل نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔

(ماخوذ از ”خزینۃ الاصفیاء“ جلد اول - صفحہ ۱۹۶ - ۱۹۷) سید شرافت نوشاہی نے اپنی تالیف ”اذکار نوشاہیہ“ میں لکھا ہے کہ اس وقت حضرت سید عصمت اللہ پہلوان کی اولاد میں (باقی حاشیہ صفحہ ۴۴۷ پر)

کے مختلف منازل طے کیے۔ ابتداً آپ پر جذب و سر مستی کی کیفیت طاری ہوئی۔ آپ کے شیخ نے آپ کو رخصت کیا تو آپ گجرات تک جا کر پھر ساہن پال تشریف لے آئے، اور اپنے شیخ سے عرض کیا کہ میں ہر چند اپنے وطن جانا چاہتا ہوں، مگر میرا قدم آگے نہیں بڑھتا۔ پھر میرے محمد تقی چند روز اپنے شیخ کی خدمت میں رہے، اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہو کر اپنے وطن پشاور تشریف لائے اور رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

حضرت میر محمد تقی نوشاہی نے ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶ع) کے لگ بھگ وفات پائی۔ آپ کا شمار خاندان نوشاہیہ کے اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ کا مزار پشاور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(صفحہ ۶۴ کا بقیہ حاشیہ)

سید محمد شریف بمقام ڈھل متصل سرائے عالمگیر ان کے سجادہ

نشین ہیں، جن کا سلسلہ نسب یہ ہے :

سید محمد شریف بن سید پیر محمد عالم بن سید پیر محمد
محبوب سید شمس الدین بن سید اللہ دتہ بن سید فتح
الدین بن سید محمد عظیم بن سید شاہ عصمت اللہ حمزہ
پہلوان۔

(”ماخوذ از اذکار نوشاہیہ“۔ تالیف سید شرافت

نوشاہی صفحہ ۹۴)

۳۔ ماخوذ از ”شریف التواریخ“ جلد سوم تالیف سید شرافت نوشاہی

میاں گلو بابا

حالات :

آپ کا اسم گرامی تو گل محمد تھا ، لیکن آپ لوگوں میں مشہور گلوبابا سے تھے ۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مراد تھا ۔ رائے بہادر منشی گوپال داس BAC پشاور نے تاریخ پشاور کے صفحہ ۳۳۴ پر آپ کا تذکرہ شیخ رحمکار (کا کا صاحب) کے مریدین کے ضمن میں کیا ہے ۔

میاں گلو بابا کی اولاد کا بیان ہے کہ ہمارے جد اعلیٰ حضرت گل محمد علاقہ ننگر ہار کے درہ چپرہال کے موضع شغلانے کے رہنے والے ایک بزرگ حضرت پور دل صاحب سے بیعت تھے ، اور خود بھی اسی موضع کے رہنے والے تھے ۔ ابتداً آپ ننگر ہار سے علاقہ مردان کے موضع طورو میں تشریف لائے ، پھر وہاں سے ترک سکونت کر کے تحصیل صوابی کے ایک موضع توڑ ڈھیر میں تشریف لائے اور اس موضع کے گوجر محلے میں سکونت اختیار فرمائی ۔ اسی محلے کی مسجد میں آپ نماز ادا فرمایا کرتے تھے ۔

کچھ دن کے بعد ایک خان نے آپ کو ایک کنواں اور ۶ کنال زمین بطور سیری کے دے دی ۔ آپ نے اس اراضی میں ایک نئی مسجد تعمیر کرائی اور ساری عمر اسی گاؤں میں عبادت و ریاضت میں بسر کر دی ۔

وفات :

حضرت گل محمد (میاں گلو بابا) نے ۱۰ رمضان ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۷ع) کو اسی موضع میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے آپ کا مزار آج بھی مرجع خاص و عام ہے ۔

ابتداً آپ کا مزار خام تھا ، لیکن ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۷ع) میں آپ کے ایک

معتقد حاجی ابراہیم میمن ساکن بمبئی نے ستر ہزار کے صرفے سے آپ کے مزار کو پختہ اور عالی شان تعمیر کرایا۔

اولاد :

میاں گلو بابا کے چار صاحبزادے تھے ، جن کے نام یہ ہیں - ۱ -
 میاں جان محمد - ۲ - میاں خان محمد - ۳ - میاں فتح محمد اور ۴ - میاں خیر محمد - ان
 چاروں صاحبزادوں کی اولاد اب تک موضع ٹوڑ ڈھیر میں آباد ہے (۱)

حضرت میاں محمد عمر صاحب چمکنی

نام و نسب :

میاں عمر چمکنی سابق صوبہ سرحد کے گلشن ولایت کے وہ سلی سر سید ہیں کہ جن کی خوش بو سے نہ صرف سابق صوبہ سرحد بلکہ پنجاب اور افغانستان تک سہک اٹھے۔ اُن کا اسم گرامی محمد عمر اور اُن کے والد ماجد کا نام ابراہیم خاں تھا، وہ دادھیال کی طرف سے نسلاً پٹھان، اور نانھیال کی طرف سے سید ہیں، وہ باجوڑ کے رہنے والے تھے۔ اُن کے دادا قادر خاں صاحب علم و فضل اور سلسلہ قادریہ و چشتیہ کے ایک مشہور بزرگ تھے، جو کالا خاں کے لقب سے مشہور تھے۔

مغلوں کے دور اقتدار میں سوات، پتیر اور باجوڑ کے علاقے کے پٹھانوں نے اکبر کے خلاف بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں، جس سے ایک گونہ پٹھانوں اور مغلوں میں منافرت پیدا ہو چکی تھی۔ جب شاہ جہاں کا عہد آیا تو اُس نے اپنی پالیسی کو بدلا، اور پٹھانوں سے اپنے تعلقات کو شکستہ، استوار اور محکم بنانے کی کوشش کی۔

قادر خاں کو جاگیر :

اسی پالیسی کے تحت شاہ جہاں (۱) نے پٹھانوں کے سرداروں کو جاگیریں دینا شروع کیں۔ حضرت میاں محمد عمر کے دادا کے علم و فضل اور روحانی عظمت کی شہرت شاہ جہاں کے کان میں پڑ چکی تھی۔ اتفاق

۱۔ عہد حکومت شاہ جہاں (۸) جادی الثانی ۱۰۳۷ء تا یکم

ذی قعدہ ۱۰۶۸ء) وفات ۲۶ رجب ۱۰۸۶ء۔

(ساخوذ ازفٹ نوٹ ”مقالات الشعرا“ صفحہ ۳۹ یہ ضمن ابراہیم)

سے کلا خاں لاہور تشریف لے گئے۔ اس وقت شاہ جہاں وہیں تھا۔ شاہ جہاں کو جب آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو وہ انتہائی عزت و احترام سے پیش آیا اور آپ کو موضع فرید آباد بطور جاگیر کے پیش کیا۔ ولادت :

اسی موضع میں حضرت میاں محمد عمر اور اُن کے دو بھائیوں محمد موسیٰ اور محمد عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔

صاحب تذکرہ علما و مشائخ سرحد جناب محمد امیر شاہ قادری نے اپنی کتاب میں کچھ اور بھی تفصیلات دی ہیں ، اُن کا بیان ہے کہ کلا خاں نے فرید آباد میں آباد ہونے کے بعد ایک قریبی موضع سیدان والہ کے ایک شریف گھرانے میں شادی کر لی ، اور انہیں کے بطن سے حضرت میاں محمد عمر چمکنی کے والد ماجد محمد ابراہیم خاں پیدا ہوئے۔

کچھ زمانے کے بعد کلا خاں اپنے صاحب زادے محمد ابراہیم خاں کو لے کر اپنے آبائی وطن باجوڑ روانہ ہوئے۔ جب وہ دریائے سندھ کو عبور کر کے علاقہ خدوخیل کے موضع کلا خاں میں پہنچے تو اسی موضع میں وہ شہید کر دیے گئے اور آپ کے صاحب زادے محمد ابراہیم خاں نے ان کو وہیں دفن کر دیا۔

کچھ دن محمد ابراہیم اپنے وطن جندول علاقہ باجوڑ میں قیام کر کے اپنی جاگیر فرید آباد میں چلے آئے۔ پشاور کا قحط :

اُس کے کچھ دن بعد پشاور میں سخت قحط پڑا۔ قحط کی شدت نے بڑے بڑے امرا اور زمینداروں کو نان شبینہ کا محتاج کر دیا۔ لوگوں نے مجبور ہو کر اور بھوک سے تنگ آ کر ترک وطن کیا۔ انہیں تارکین وطن میں میاں محمد عمر کے نانا ملک سعید خاں بھی تھے جو اپنے وطن چمکنی کی سکونت ترک کر کے محمد ابراہیم خاں کی جاگیر فرید آباد میں پہنچے ، اور اسی موضع میں متوطن ہو گئے۔

ملک سعید خاں نے اپنی صاحب زادی کی شادی محمد ابراہیم خاں سے کر دی ، جن سے حضرت میاں محمد عمر اور اُن کے دو بھائی پیدا ہوئے۔

لیکن قحط سالی کے ختم ہونے کے بعد ملک سعید خاں اپنے وطن چمکنی واپس آ گئے۔ جب محمد ابراہیم نے وفات پائی تو ملک سعید خاں فرید آباد سے اپنے نواسے نواسیوں اور صاحب زادی کو چمکنی لے آئے۔ اُس وقت حضرت میاں محمد عمر کی عمر سات سال کی تھی۔

تعلیم و تربیت :

حضرت میاں محمد عمر کی تربیت اُن کی والدہ اور اُن کے نانا ملک سعید خاں نے کی، مگر اس گوہر گرانمایہ کے جوہر قابل کو جن اساتذہ نے سنوارا اور نکھارا اُن میں مولانا محمد فاضل پائیٹی (علاقہ ننگرہار) شیخ فرید اکبر پوری، مولانا حاجی محمد امین پشاور، حضرت عبدالغفور نقشبندی، حضرت محمد یونس اور دریا خاں تھے۔ انہیں بزرگوں سے میاں عمر نے علوم دینیہ و رسمہ کی تکمیل کی۔

ارادت :

علوم ظاہری نے میاں محمد عمر کے قلب میں سلوک اور تزکیہ باطن کے چراغ کو روشن کر دیا، اور معرفت الہی کے ذوق نے انہیں ۱۱۰۴ھ (۱۶۹۲ع) میں اُس دور کے سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت سعدی بلخاری مجددی کے آستانے تک پہنچایا۔ وہ ہمیشہ اُن کی خدمت میں بڑی عقیدت سے حاضر ہوتے تھے۔ جب بھی اپنی جاگیر کی وصولی کے سلسلے میں فرید آباد جاتے، اُن کی خدمت میں نہایت عقیدت سے تشریف لے جاتے۔ خود بھی جب کبھی حضرت سعدی لاہوری کسی وجہ سے سابق صوبہ سرحد میں تشریف لائے تو وہ بھی اُن کی خدمت میں ہمیشہ نہایت عقیدت سے حاضر ہوئے، صفر ۱۱۰۶ھ (۱۶۹۴ع) میں آخری مرتبہ حضرت شیخ سعدی لاہوری کوھاٹ تشریف لائے اور وہاں سے واپس ہوتے ہوئے پشاور آئے تو حضرت میاں محمد عمر نے اُن کا نہایت خلوص و عقیدت سے استقبال کیا۔ حضرت میاں عمر نے اپنی تصنیف ”خزینۃ الاسرار یا سرالاسرار“ میں تفصیل سے اپنی اُس بے پایاں عقیدت کا تذکرہ کیا ہے جو ان کو شیخ سعدی لاہوری سے تھی۔

بیعت اور خلافت :

میاں عمر چمکنی اگرچہ شیخ سعدی لاہوری سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے ، لیکن وہ بیعت حضرت شیخ سعدی لاہوری کے مرید و خلیفہ شیخ یحییٰ (اٹک) معروف بہ حضرت جی کے ہوئے چنانچہ اپنی کتاب ”توضیح المعانی“ جو پشتو میں ہے اپنی بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

میرا طریقہ اویسی تھا ، حضور پر نور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی روح پر فتوح نے میری تربیت کی تھی ، لیکن ظاہری طور پر بھی میرے لیے ضروری تھا کہ میں کسی زندہ پیر کی بھی بیعت کروں ، اسی وجہ سے میں نے اٹک کے حضرت یحییٰ صاحب معروف بہ ”حضرت جی“ کے دست حق پرست پر طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی ۔ (۱)

ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد وہ اپنے شیخ کی جانب سے خلافت سے سرفراز کیے گئے ۔

رشد و ہدایت :

پھر انہوں نے علاقہ یوسف زئی اور خلیل میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا ، اور اس سرچشمہ علم و ہدایت سے ہزاروں طالبان علم و معرفت فیض یاب ہوئے ۔

شاہان وقت کی عقیدت :

میاں عمر چمکنی کی ذات گرامی علم و فضل ، زہد و ورع ، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ سابق صوبہ سرحد ، پنجاب اور افغانستان کے لوگ ان کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے ، اخلاق کی تعلیم حاصل کرتے اور عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے تھے ۔ مشہور فرماں روا احمد شاہ ابدالی اُن کے حلقہ مریدین میں شامل ہوا ۔ کہتے

۱ ۔ یہ تمام تفصیل ”تذکرہ علماء و مشائخ سرحد“ ، صفحہ ۹۲ تا

۹۶ سے ماخوذ ہے ۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

ہیں کہ جب وہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو وہ اُن سے دعا کا طالب ہوا - آپ نے فرمایا کہ

ہمراہ خود ہمہ وقت مرا پنداری | تم مجھے ہر وقت اپنے ساتھ پاؤ گے۔
اُس نے لنگر خانے کے لیے بھی کچھ اراضی بہ طور سیری حضرت
میاں عمر چمکنی کو دی تھی -
سیاسی بصیرت :

دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ خدائے تعالیٰ نے میاں عمر چمکنی کو
سیاسی بصیرت سے بھی نوازا تھا - بانی پت کی جنگ کے دوران میں میاں
عمر چمکنی نے احمد شاہ ابدالی کی ہر قسم کی مدد کی - معاہدات ملکی میں
احمد شاہ ان کے مشوروں پر چلتا تھا - قاضی قابل کو احمد شاہ ابدالی
نے انہیں کے مشورے سے کمال زئی کے علاقے میں قاضی مقرر کیا تھا - (۱)
درس و تدریس ، ریاضت و مجاہدے :

شب بیداری اور ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ آپ
نے موضع چمکنی میں ایک مسجد جامع اور ایک چھوٹی مسجد بنوائی تھی -
اس چھوٹی مسجد میں الگ ایک حصہ اپنی راتوں کی عبادت کے لیے
بنوایا تھا - اس حصے میں آپ راتوں کو عبادت میں مصروف رہتے ، جب
تھک جاتے تو اُس کی دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ دیر آرام لیتے -
صبح کو جامع مسجد چمکنی میں طلبہ کو درس دیتے ، اور سارے
دن امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رہتا -

دور دوز سے آکر لوگ اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع
ہوتے - آپ کی خانقاہ میں لنگر کا خاص اہتمام تھا ، زائروں اور مسافروں
کے علاوہ موضع کے غریب اور مساکین کو بھی لنگر سے کھانا دیا جاتا (۲) -

۱ - یہ تمام تفصیل ”اولیائے کرام سرحد“ (پشتو) صفحہ ۱۰۵ و

سلسلہ ”اولیائے سرحد“ نمبر ۱۶ سے ماخوذ ہے -

۲ - یہ تمام تفصیل اولیائے کرام سرحد (پشتو) سلسلہ اولیائے سرحد

سے ماخوذ ہے -

تصانیف :

حضرت میاں عمر چمکنی کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ رشد و ہدایت اور اعلائے کلمۃ الحق سے جو وقت بچتا، اس کو آپ تالیف و تصنیف میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں ”خلاصۂ کیدانی“ کا منظوم پشتو ترجمہ ”توضیح المعانی“ کے نام سے بہانہ مانٹری میں صاحب زادہ فضل احمد کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس میں آپ نے اپنا تخلص ”فقیر“ اختیار فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے مجدد عثمان اوشی کے ۶۳ عربی اشعار کی شرح فارسی میں لکھی۔ یہ ۹۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۸ھ ہے۔ یہ کتاب بھی متذکرہ کتب خانے میں موجود ہے۔ صاحب ”تذکرہ علما و مشائخ سرحد“ نے بہ حوالہ جناب عبدالحلیم اثر افغانی، جو اس علاقے کی ثقافتی اور ادبی تاریخ کے محقق ہیں، آپ کی ایک اور کتاب ”سراالاسرار“ یا ”خزینۃ الاسرار“ تذکرہ کیا ہے، جو انہوں نے کابل میں دیکھی تھی، اور جس کے حوالے مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب ”خزینۃ الاصفیا“ میں، آپ کی ایک اور کا بھی کتاب ”شرح“، قصیدۂ امالی کا بھی پتا چلتا ہے۔ یہ بھی صاحب زادہ فضل احمد کے کتب خانے میں موجود ہے،

وفات :

رجب ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ع) میں علم و زہد کا یہ درخشاں آفتاب غروب ہو گیا، اور موضع چمکنی میں جو شاہی سڑک پر پشاور سے تین میل دور واقع ہے، آپ کا مزار پر انوار مرجع خاص و عام ہے۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال رجب کی پہلی جمعرات کو بڑے اہتمام سے منعقد ہوتا ہے (۱)۔

اولاد :

میاں عمر چمکنی کے تین صاحب زادے تھے، جن کے نام یہ ہیں (۱) میاں گل (۲) مہدی اخوند زادہ (۳) عبید اللہ۔ آپ کے بعد آپ کے صاحب زادے

مجدی اخوند زادہ ، مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے ، جو روحانی کالات کے ساتھ ایک متبحر عالم بھی تھے ، اور اُن کا شمار بارہویں صدی ہجری کے مشاہیر علما میں ہوتا تھا ۔ مجدی اخوند زادہ کی تصانیف میں ”مقاصد الفقہ“ اور ”دروہ شریف منظوم“ مشہور ہے (۱) ۔

خلفاء :

میاں عمر چمکنی کے خلفا و مریدین کی تعداد کثیر ہے ، اُن میں سے چند خلفاء کے نام یہ ہیں جنہوں نے آپ کے بعد اس سلسلے کے فیوض و برکات کو عام کیا :

- ۱ ۔ اخوند ملا عبدالحکیم صاحب ساکن موضع گجر گڑھی ضلع مردان ۔
- ۲ ۔ مجدی اخوند زادہ ، صاحب زادہ حضرت میاں عمر چمکنی ۔
- ۳ ۔ عبید اللہ میاں گل صاحب ، صاحب زادہ حضرت میاں عمر چمکنی ۔
- ۴ ۔ قاضی اخوند عبدالرحمان صاحب ساکن پشاور ۔
- ۵ ۔ ارباب معز اللہ خاں صاحب ساکن موضع سرہند ۔
- ۶ ۔ اخوند حافظ مجد شیر صاحب ساکن شہر بنوں ۔
- ۷ ۔ مجد اخوند زادہ ساکن موضع رستم علاقہ سدوم ۔
- ۸ ۔ نور مجد قریشی ساکن نوے کلی تھانہ ۔ (مالا کنڈ ایجنسی) ۔

۱۔ ”تذکرہ علماء و مشائخ سرحد“۔ صفحہ ۹۷ و ۹۸ و اولیائے کرام

سرحد (پشتو) و سلسلہ* اولیائے سرحد مولفہ نصر اللہ خان نصر

حضرت شاہ عبداللہ بیابانی نوشاہی پشوری

حالات :

حضرت شاہ عبداللہ بیابانی ، حضرت شاہ ہلاق کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے ، جو خلیفہ تھے حضرت شیخ پیر محمد سچیار نوشہروی کے ۔ پیر محمد سچیار نوشہروی نے براہ راست بانی سلسلہ نوشاہیہ حضرت شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری (۱) سے فیض حاصل کیا تھا ، اور ان کا شمار حضرت نوشہ کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہوتا ہے ۔

۱۔ حضرت نوشہ کا اصل نام حاجی محمد ، کنیت ابو ہاشم ، لقب نوشہ ، خطاب گنج بخش قادری تھا ۔ آپ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۹۵۹ھ (۱۵۵۲ع) میں ہوئی ، آپ کا سلسلہ نسب حضرت عباس علم دار شہید کربلا کے توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جا ملتا ہے ۔

علوم ظاہری کی تکمیل آپ نے حافظ قائم الدین حنفی اور حافظ بڈھا سے کی ، سلوک قادریہ اور قطبیہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سید علاء الدین حسین غازی سے حاصل کی ، اور مجاز ہوئے ۔ پھر حضرت سخی شاہ سلیمان پوری نوری قادری بھلوالی کی خدمت اقتداس میں حاضر ہوئے ، اور ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے اور اپنے پیر کے حکم پر دریائے چناب کے کنارے موضع نوشہرہ تار ژال میں جو بعد میں ساہنپال کے نام سے مشہور ہوا ، سکونت اختیار فرمائی اور (باقی حاشیہ صفحہ ۴۵۸ پر)

لذکرہ صوفیائے سرحد

شاہ عبداللہ بیابانی نے ایک عرصے تک اپنے شیخ شاہ بلاق کی خدمت میں رہ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا ، اور اپنے

(صفحہ ۴۵۷ کا بقیہ حاشیہ)

میں سے آپ کی بدولت عرفان و ہدایت کے وہ سر چشمے جاری ہوئے ، جنہوں نے معرفت و سلوک کے تشنگان کو مختلف علاقوں میں سیراب کیا ۔

شاہ جہان بادشاہ متوفی ۱۰۷۵ھ (۱۶۶۴ع) نے جب آپ کی دعا سے قندھار کو فتح کیا تو دو گڑوں موضع ”لٹھہ عثمان“ اور موضع ”بادشاہ پور“ فنا مصارف لنگر کے لیے بطور جاگیر التسقا آپ کی خدمت میں پیش کیے ۔

کہتے ہیں کہ آپ نے ایک پرانے کنویں میں چلہ کھینچا تھا ۔ وہیں آپ کو ”نوشہ“ کا لقب عطا ہوا ، اسی وقت سے آپ عالم میں ”نوشہ“ کے لقب سے مشہور ہو گئے ۔

آپ ۸ ربیع اول ۱۰۶۳ھ بروز سہ شنبہ مطابق ۱۷ جنوری ۱۶۵۳ع کو شاہ جہانی عہد میں واصل الی اللہ ہوئے ۔ آپ کا روضہ مبارک موضع ساہنپال ، ضلع گجرات میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے ، حضرت سید حافظ محمد برخوردار بحرالعشق اور حضرت سید محمد ہاشم دریا دل ۔ دونوں صاحبزادے علم و فضل ، تقویٰ و تقدس میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے ۔ حافظ محمد برخوردار نے آپ کے بعد مسند سجادگی کو زینت بخشی اور ۱۰۹۳ھ (۱۶۸۱ع) میں وفات پائی ۔

دوسرے صاحبزادے سید محمد ہاشم دریا دل نے ۲۲ ذالحجہ ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ع) کو وفات پائی ۔

حضرت نوشہ کی تصانیف میں ایک مختصر رسالہ موسومہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۵۹ پر)

پیر کے ارشاد پر علاقہ راولپنڈی میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی۔ لوگ اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے۔ آج بھی آپ کی نشست گاہ ضلع راولپنڈی میں موضع ”میرو کی بنی“ سے دو میل کے فاصلے پر ”پیر کہنہ“ کے نام سے مشہور ہے۔

وفات :

حضرت شاہ عبداللہ بیابانی نے ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ع) کے لگ بھگ وفات پائی۔ آپ کے خلیفہ خاص شاہ ظہور الدین کابلی (۱) نے آپ کے جنازہ کی

(صفحہ ۴۵۸ کا بقیہ حاشیہ)

”گنج الاسرار“ موجود ہے ، جس میں آپ نے طریقہ قادریہ کے اذکار و اشغال کو ہندی زبان میں تحریر فرمایا ہے۔
شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے۔ ہم آپ کے فارسی کے دو شعر تبرکاً درج ذیل کرتے ہیں :

منادی ست در کوچہ سے فروش
کہ امروز در ہر کہ یابند ہوش
گریبان گیرند و دامن کشند
کشاکش بدیوان مستان برند

یہ تمام تفصیل ”اذکار نوشاہیہ“ اور ”انوار نوشاہیہ“ تالیف سید شرافت نوشاہی کے مختلف اوراق سے ماخوذ ہے۔

۱۔ شاہ ظہور الدین کابلی حضرت شاہ عبداللہ بیابانی کے اکابر خلفاء

میں تھے ان کی ولادت و نشو و نما پنجاب میں ہوئی ، اور اپنے پیر کی جانب سے کابل میں رشد و ہدایت کے لیے مامور ہوئے۔ ان کی وجہ سے کابل میں سلسلۂ نوشاہیہ کو فروغ حاصل ہوا۔ اپنے پیر کی وفات کے بعد بحیثیت مجاور کے اپنے مرشد کے مزار پر رہنے لگے ، اور پشاور ہی میں آپ نے ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۵ع) میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پشاور میں اپنے مرشد کے مزار کے (باقی حاشیہ صفحہ ۴۶۰ پر)

تذکرہ صولیاے سرحد

میت کو کابل لے جانا چاہا ، لیکن راولپنڈی کے لوگ مزاحم ہوئے ، مگر کسی نہ کسی طرح شاہ ظہور الدین کابلی آپ کی میت کو لے گئے ۔ دریائے اٹک تک لوگوں نے شاہ ظہور الدین کا تعاقب کیا ، لیکن ناکام ہو کر واپس ہو گئے ۔ جس وقت آپ پشاور اس جگہ پہنچے جہاں آج کل حضرت بیابانی کا مزار ہے ، تو حضرت شاہ ظہور الدین کابلی نے اشارۂ غیبی کی بنا پر حضرت بیابانی کو اپنا ارادہ فسخ کر کے وہیں دفن کر دیا ۔ چونکہ یہ مقام اُس وقت جنگل و بیابان تھا ، اس لیے آپ ”بیابانی“ کے لقب سے مشہور ہو گئے ، اور اب یہ جگہ پشاور کی آبادی میں آگئی ہے ، جو کچھری دروازے اور ریتی دروازے سے باہر واقع ہے ۔ اس وقت آپ کے مزار کے متصل حضرت ”نوشہ گنج“ کی مسجد ہے ۔

(صفحہ ۳۵۹ کا بقیہ حاشیہ)

قریب مغربی جانب واقع ہے ۔ آپ کے خلفاء میں شیخ مستان پشوری ، شیخ عظمت شاہ پشوری اور میاں اعظم دین پشوری مشہور ہیں ۔

(”ماخوذ از شریف التواریخ قلمی“ ۔ جلد ۳ ۔ تالیف سید شرافت نوشاہی)

حضرت شیخ محمد شعیب

نام و نسب :

سابق صوبہ سرحد کی تاریخ روحانیات میں شیخ محمد شعیب کو جہاں اپنی روحانی عظمت کی وجہ سے شہرت حاصل ہے ، وہیں وہ اس وجہ سے بھی مشہور ہیں کہ وہ حضرت اخوند سوات کے پسر ہیں ، اور ان کی وجہ سے اس علاقے میں سلسلہ نقشبندیہ کو غیر معمولی فروغ ہوا ۔
ان کا اصل نام محمد شعیب اور ان کے والد ماجد کا نام رفیع القدر عرف حافظ گل اور دادا کا نام حضرت اخوند غازی صاحب (۱) تھا ۔ وہ نسل در نسل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ۔ جب رجب ۱۱۶۰ھ (۱۷۷۷ء) میں احمد شاہ ابدالی (۲)

۱ ۔ حضرت اخوند غازی کا سکونت مکان آج بھی موضع کھونڈہ تحصیل صوابی ضلع مردان میں موجود ہے اور ان کی بیویوں کی مزارات موضع انبار کے عام قبرستان میں ”مزارات بی بی صاحبہ“ کے نام سے موجود ہیں ۔ انبار میں ان مزارات کی مرمت حضرت حاجی صاحب عمر زئی نے کرائی ، جو اس سلسلے کے مرید تھے اور ان کا سلسلہ طریقت دو واسطوں سے شیخ محمد شعیب سے جا ملتا ہے ۔

۲ ۔ احمد شاہ ابدالی کا اصل نام احمد خاں بن زماں خاں ابدالی یا درانی تھا ، اور شاخ سڑابن افغان سے تعلق رکھتا تھا ۔ وہ زرغونہ نامی خاتون کے بطن سے جو قوم الکازئی سے تھی ، ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۲ء) میں ملتان میں پیدا ہوا ۔ اس کا بچپن ملتان ہی میں گزرا ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۶۲ پر)

لذکرۃ مولیٰ نے سرحد

نے قندھار میں افغانستان کی فرمانروائی کی تمام حکومت سنبھالی ، اور ملک کے نظام و نسق کو درست کرنے کے بعد وہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے لشکر میں شیخ محمد شعیب کے والد اور دادا بھی شامل تھے۔

(صفحہ ۴۶۱ کا بقیہ حاشیہ)

۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) میں احمد شاہ اپنے بھائی ذوالفقار خاں کے ساتھ شاہ حسین هوتک کے حکم سے قندھار میں قید تھا۔ جب ۱۱۵۱ھ (۱۷۳۸ع) نادر شاہ افشار نے قندھار کو فتح کیا تو اس نے احمد شاہ کو قید سے رہا کر کے اس کو ماژندران ، شالی ایران میں جاگیر سے نوازا۔ ۱۱۵۳ھ (۱۷۳۸ع) میں نادر شاہ نے اس کو اپنے دربار میں طلب کر کے ایک فوج کے حصے کی قیادت اس کے سپرد کی ، اور لڑائیوں میں اپنے ساتھ رکھا۔ تقریباً چھ سال تک وہ داغستان اور ایروان کی لڑائیوں میں اس کے ساتھ رہا ، اور اس نے ان معرکوں میں شجاعت و بہادری کا وہ ثبوت دیا کہ نہ صرف احمد شاہ نادر شاہ کا مقرب بن گیا ، بلکہ نادر شاہ نے اسے خوشخبری دی کہ میرے بعد تم بادشاہ ہو گے۔ جب ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ع) میں نادر شاہ مارا گیا ، تو احمد شاہ ابدالی نے نادر شاہ کی حرم کو اپنی پناہ میں لے کر ، حرم شاہی کی لوٹ مار سے لوگوں کو روکا۔ اس کے صلے میں نادر شاہ کے حرم نے مشہور کوہ نور ہیرا احمد شاہ ابدالی کو دیا۔

احمد شاہ ابدالی ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ع) میں بہادر ابدالیوں کو لے کر قندھار پہنچا اور رجب ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ع) میں روسائے قندھار نے مزار شیر سرخ متصل نادر آباد میں جمع ہو کر احمد شاہ ابدالی کو افغانستان کا فرمانروا بنایا۔ اس وقت اس کی عمر پچیس سال کی تھی۔ صابر شاہ کابلی نے ایک خوشہ گندم کو اس کی دستار میں لگا کر اسے بادشاہ ہونے کی مبارک باد دی۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۶۳ پر)

احمد شاہ ابدالی سرحد شریف تک سکھوں اور ہندوؤں کے تعاقب میں گیا۔ جب وہ وہاں سے واپس لوٹ رہا تھا تو علاقہ سرحد (روہ) میں اس نے بہت سے غازیوں کو اس نیت سے چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ لڑائیوں میں ان سے کام لے گا، انہیں میں شیخ محمد شعیب کے والد اور ان کے دادا

(صفحہ ۴۶۲ کا بقیہ حاشیہ)

احمد شاہ نے اس وقت بجائے ابدلی کے جو اس کے قبیلے کا نام تھا اپنے آپ کو درانی کہا۔ یہ نام اس سے پہلے بھی اس قبیلے کا بولا جاتا تھا اور اپنے سکے کے ایک طرف الحکم للہ یا فتاح، احمد شاہ درانی اور دوسری طرف : حکم شد از قادر بیچوں بہ احمد پادشاہ سکھ زن برسم و زر از پشت ماہی تا بجاہ

کندہ کرایا، اس نے ملک کے نظم و نسق کو درست کر کے ایک لاکھ کی فوج تیار کی، اور مختلف ممالک پر فوج کشی کی۔ ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ع) میں اس نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں اور ہندوؤں کی دو لاکھ فوج کو شکست دی جو تاریخ میں اب تک یادگار ہے۔ ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ع) میں مرض آکلہ میں مبتلا ہو کر کوہ توبہ میں جو قندھار سے جنوب مشرق میں واقع ہے، وفات پائی، اور شہر قندھار میں اس گنبد میں جو اس نے اپنی وفات سے قبل بنوایا تھا، دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت اس کی عمر اکیاون سال اور اس کی سلطنت کی مدت چھبیس سال تھی۔ اس کے مزار پر یہ کتبہ منقوش ہے :

شاہ والا جاہ احمد شاہ درانی کہ بود
در قوانین امور سلطنت کسری منش
از نصیب قہرمان سطوتش در عہد او
شیر آہو راہ شیر خویش دادی پرورش

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۶۲ پر)

بھی تھے۔ ان دو بزرگوں نے علاقہ یوسف زئی میں سکونت اختیار کی۔
 شیخ محمد شعیب کے والد بزرگوار حضرت حافظ گل صاحب نہایت متقی
 اور صاحب تقدس بزرگ تھے۔ جہاد سے غیر معمولی ذوق رکھتے تھے۔
 انہوں نے اپنے صاحبزادے کی تربیت اپنے طریقے پر نہایت عمدہ کی تھی۔
 حافظ گل صاحب نے مستقل سکونت موضع نورڈھیر علاقہ مندڑ
 تحصیل صوابی میں اختیار کر لی تھی۔ چمکنی کے مشہور بزرگ حضرت
 میاں عمر سے حضرت حافظ گل کے نہایت دوستانہ مراسم تھے، کبھی کبھی
 وہ اپنے صاحبزادے حضرت شیخ محمد شعیب کو لے کر میاں عمر کے گھر
 جاتے۔ میاں عمر ان کو دیکھ کر پیار کرتے اور شفقت سے سر پر ہاتھ
 پھیرتے ہوئے فرماتے آئندہ چل کر یہ بچہ بہت بڑا آدمی ہوگا۔

بیعت :

سن شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت شیخ محمد شعیب مرشد کامل کی
 تلاش میں نکلے۔ اس زمانے میں حافظ محمد صاحب کی غیر معمولی شہرت تھی
 جو موضع عمر زئی چار سده کے رہنے والے تھے، اور علم و عمل کا آفتاب
 تھے۔ شیخ محمد شعیب نے ابتداً ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر علوم
 ظاہری کی تکمیل کی، اور چند دن کے بعد ان کے دست حق پرست پر بیعت
 ہو کر سلسلہ قادریہ نقشبندیہ میں عرفان و تصوف کے منازل طے کیں۔ حضرت

(صفحہ ۴۶۴ کا بقیہ حاشیہ)

میرسد از ہر طرف در گوش بدخواہان او
 از زبان خنجرش ہر دم ہزاراں سوزش
 چون روان شد جانب دارالبقا تاریخ بود
 سال ہجری یک ہزار و یک صد و ہشتاد و شش

۵۱۱۸۶

(ماخوذ از ”نوائے معارک“۔ تعلیقات نمبر ۳ ص ۷۷ تا ۷۸)

تذکرہ صولیاۓ سرحد

۴۹۵

حافظ محمد صاحب (۱) نے ان کو ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز فرما کر اپنے وطن میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کرنے کے لیے فرمایا۔

رشد و ہدایت :

چنانچہ وہ اپنے شیخ کی ہدایت پر اپنے وطن تور ڈھیر تشریف لائے ، اور طالبان حق کی ہدایت و ارشاد میں مصروف ہوئے۔

مدرسہ :

شیخ محمد شعیب کو درس و تدریس اور مدارس کے قیام کا بے حد شوق تھا ، انہوں نے تور ڈھیر میں ایک مدرسہ بھی قائم فرمایا تھا۔

اتباع شریعت :

خود بھی بہت بڑے متبع شریعت تھے ، اور اپنی تعلیمات اور مواعظ میں اتباع شریعت پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔

وفات :

۱۲۳۲ھ (۱۸۱۶ع) میں حضرت شیخ محمد شعیب واصل الی اللہ ہوئے۔ ان کا مزار مبارک آج بھی تور ڈھیر میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ مزار کے متصل وہ مسجد واقع ہے ، جس میں وہ ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

اولاد :

شیخ محمد شعیب کے دو صاحبزادے تھے ، سعیدالدین اور صدرالدین۔ ان دونوں صاحبزادوں کی اولاد سوات ، پتیر ، علاقہ یوسفزی اور ہشتنگر میں آج بھی موجود ہے ، جو صاحبزادگان کے نام سے موسوم ہیں۔

خلفاء :

حضرت شیخ محمد شعیب کے خلفاء میں جس بزرگ نے غیر معمولی

۱۔ حافظ محمد صاحب کے مرشد حضرت محمد صدیق تھے ، جو خلیفہ تھے حضرت محمد جنید پشاوری کے۔

شہرت و عظمت حاصل کی وہ اخوند صوات ہیں ، جنہوں نے اس علاقے میں
سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ کو غیر معمولی فروغ بخشا (۱) -

خواجہ فقیر محمد ملقب بہ خواجہ خضریٰ

حالات :

حضرت خواجہ محمد ملقب بہ خواجہ خضریٰ سابق صوبہ سرحد کے مشہور عارف و ذریش حضرت شاہ عبدالرحمان چھوڑی کے والد ماجد ہیں ، جن کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں حضرت قاری حافظ محمد عبداللہ سے جا ملتا ہے ۔ جو اپنے زمانے کے صاحب زہد و تقویٰ بزرگ تھے اور جو اس خاندان میں سب سے پہلے سرائے صالح میں آکر آباد ہوئے ۔ خواجہ خضریٰ کے والد کا اسم گرامی حضرت قاری حافظ سید محمد تھا ، جو حافظ محمد عبداللہ کے صاحبزادے تھے ۔ افسوس ہے کہ ہمیں حضرت خواجہ خضریٰ کے حالات تذکروں میں تفصیل سے نہیں ملتے ۔ صرف اس قدر پتا چلتا ہے کہ آپ کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی تھی ، اس لیے آپ خضریٰ کہلاتے تھے اور یہ کہ وہ حضرت خضر کے اشارے پر گنجھتر ، مظفرآباد (آزاد کشمیر) میں آکر وہاں کے ایک مشہور بزرگ حضرت محمد انور پاشا قادری کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور سلسلہ قادریہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا اور تمام عمر رشد و ہدایت اور زہد و عبادت میں گزاری ۔

وفات :

حضرت خواجہ خضریٰ تقریباً ۹۲ سال کی عمر میں ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) کو چھوڑ میں واصل الی اللہ ہوئے۔

اولاد :

آپ نے اپنی وفات کے وقت دو صاحبزادے چھوڑے ۔ ان میں سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالرحمان چھوڑی ہیں ، جو سابق صوبہ

تذکرہ مولیائے سرحد

سرحد کے افق پر آفتاب ولایت بن کر درخشاں ہوئے اور جن کا تذکرہ ہم آئندہ اوراق میں کریں گے - دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ تھے جو بجائے خود تقویٰ و پرهیزگاری کا ایک پیکر تھے (۱) -



۱ - یہ تمام تفصیل سیرت رحانیہ قلمی مولفہ مولانا قاری محمد عباس خان قادری امام و خطیب پاکستان آر سی ، صفحہ ۷ تا ۱۴ سے ماخوذ ہے ۔

(۲۷)

محمد افضل بابا عرف حضرت حاجی گل بابا

نام و نسب :

صوفیائے سرحد کا یہ گل سرسبد ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) میں بمقام انبار علاقہ منڈلڑ میں حضرت خان زادہ کے ہاں تولد ہوا ۔

والدین نے آپ کا نام محمد افضل رکھا ، لیکن آپ کے والد آپ کو آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کی وجہ سے گل کہا کرتے تھے ۔ یہ لقب آئندہ چل کر اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ آپ کا اصل نام بھول گئے اور عوام میں آپ ”گل بابا“ کے لقب سے مشہور ہوئے ۔ گل پشتو زبان میں گلاب کے پھول کو کہتے ہیں ۔

آپ کے دادا حضرت الہ داد (بڑیسی بابا) تھے ، جو علاقہ منڈلڑ میں غیر معمولی عظمت و شہرت رکھتے تھے ۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی ایک بزرگ خاتون تھیں ۔

تعلیم :

حضرت گل بابا نے علوم ظاہری کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی ۔ تحصیل علم کے بعد اپنے والد ہی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے اور سلوک کے مختلف مدارج طے کئے ۔

ازدواج :

پھر آپ نے موضع کھوئندہ کے ایک معزز خاندان میں شادی کی ۔

سجادگی :

اپنے والد کی وفات کے بعد آپ نے ان کی مسند سجادگی کو زینت بخشی اور رشد و ہدایت ، تعلیم و تعلم میں مصروف ہو گئے ۔ آپ نے علوم دینیہ

تذکرہ صوفیائے سرحد

کو عام کرنے کے لیے ایک مدرسہ بھی قائم فرمایا تھا ، جس میں خود بھی درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے ۔

کسب معاش :

کسب معاش کا مدار آستانہ عالیہ کی ملحقہ زمینوں پر تھا ، جنہیں خود کاشت کرتے تھے ۔

اتباع شریعت :

خود بھی بیحد متبع شریعت تھے اور لوگوں کو بھی اتباع شریعت کی تلقین کرتے تھے ۔ اُسی کا یہ اثر تھا کہ جو ایک مرتبہ آپ کی مبارک مجلس میں شرکت کرتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا ۔

وفات :

حضرت گل بابا حج بیعت اللہ کے ارادے سے منڈنڑ سے روانہ ہوئے ۔ اثنائے سفر میں ملتان میں آپ کی طبیعت خراب ہوئی ، چند دن علیل رہ کر وہیں آپ رحمت حق سے پیوست ہو گئے اور ملتان ہی میں آپ کا مزار پرانوار ہے ۔

اولاد :

بڑیس نامہ میں آپ کے ایک فرزند اور ایک صاحبزادی کا تذکرہ ملتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اُن کے تفصیلی حالات ہمیں نہیں ملے

خلفا :

آپ کے خلفا میں مولوی زکریا کا نام نامی مشہور ہے ۔

حلیہ و لباس :

حضرت حاجی گل بابا کے تذکرہ نگاروں نے اُن کے حلیہ و لباس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ میانہ قد ، مناسب جثہ ، سفید مائل بزرگی رنگ ، نیلگوں چشم اور خندہ پیشانی تھے ۔ گفتگو کے وقت آواز میں ملائمت ، شیرینی اور لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی ۔ لباس اکثر سفید گھریلو کھادی کا زیب تن فرماتے تھے ۔ سر پر سفید ٹوپی اور چھوٹا سا عمامہ ہوتا تھا (۱) ۔

۱ ۔ یہ تمام تفصیل بڑیس نامہ قلمی مملوکہ پر شارق سے صفحہ ۸۴ تا

حضرت اخوند صاحب سوات

حالات :

حضرت اخوند صاحب سوات کا اصل نام عبدالغفور اور آپ کے والد کا اسم گرامی عبدالوحید تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب قبیلہ صافی سے جا ملتا ہے۔ آپ کی ولادت یا سعادت ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۳ء) میں علاقہ شامیزے (سوات) کے موضع جیڑی میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ حصول علم کی طرف مائل اور زہد و تقویٰ کی طوف راغب تھے۔

تعلیم :

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ پھر آپ تحصیل علم کے لیے گجرگڑھی ضلع مردان تشریف لائے اور وہاں اُس دور کے مشہور عالم مولانا عبدالحکیم سے تعلیم حاصل کی۔ پھر کچھ زمانہ آپ نے چمکنی (پشاور) اور کا کا صاحب تحصیل نوشہرہ میں بسر کیا، پھر شہر پشاور میں حضرت جی صاحب کی خدمت میں رہ کر ان سے استفادہ کیا۔ اُس کے بعد موضع تورڈھر ضلع مردان تشریف لائے اور مولانا محمد شعیب کی خدمت میں رہ کر سلسلہ نقشبندیہ میں ان کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور بارہ سال تک ریاضتیں اور مجاہدہ کرتے رہے۔ مولانا محمد شعیب کی وفات کے بعد ۱۲۳۵ھ (۱۸۱۹ء) میں آپ دریائے سندھ کے کنارے موضع بیکہ میں مقیم ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) میں بیکہ سے روانہ ہو کر نمل اور وہاں سے موضع سلیم خان پہنچے اور یہیں پہلی مرتبہ لوگوں نے آپ کو اخوند کے لقب سے خطاب کیا۔

سکھوں اور درانیوں سے جنگ :

سکھوں اور درانیوں کی جنگ میں حضرت اخوند صاحب نے دوست محمد خان

فرمانروائے افغانستان کا ساتھ دیا (۱)۔

سید احمد شہید سے ملاقات :

آپ نے تحریک مجاہدین کے قائد حضرت سید احمد شہید سے بھی ملاقات کی تھی۔ مولانا غلام رسول مہر نے اس ملاقات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ

”سید صاحب کے عزم یورش کا حال اخوند صاحب کو معلوم تھا اور انہوں نے خان ہنڈ کو سید صاحب کا مخلص سمجھتے ہوئے یہ راز بتا دیا۔ خان ہنڈ نے سکھوں کو قبل از وقت خبردار کر دیا۔ اٹک کے جو مسلمان شہر اور قلعے کو مجاہدین کے حوالے کر دینے کی تیاریوں میں شریک تھے، انہیں خوفناک سزائیں جھیلی پڑیں اور پنجاب پر کامیاب اقدام کی سکیم ابتدائی مراحل ہی میں ناکام ہو گئی۔ اخوند صاحب کو اپنی اس نادانستہ حرکت پر اتنی ندامت محسوس ہوئی کہ یہی سے مدت تک روپوش رہے (۲)۔“

وطن کو واپسی :

۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) میں چوبیس (۲۴) سال باہر رہنے کے بعد اخوند صاحب اپنے وطن جیڑی واپس تشریف لائے اور ابتداً آپ نے موضع ملوچ کی ایک مسجد

۱۔ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) میں امیر دوست محمد خاں نے پشاور کو واپس

لینے کے لیے سکھوں سے جنگ کا ارادہ کیا تو اس نے دوسرے

بزرگوں کے علاوہ اخوند صاحب سے امداد کی درخواست کی۔

چنانچہ اخوند صاحب اپنے معتقدین کی ایک بڑی جماعت لے کر

امیر کے پاس پہنچے۔ مگر افسوس ہے کہ اس جنگ میں

امیر دوست محمد خاں کو شکست ہوئی۔ شکست کے بعد

اخوند صاحب سوات چلے گئے۔ (سرگذشت مجاہدین - جلد ۴

صفحہ ۲۷۶)۔

۲۔ ایضاً۔

میں قیام فرمایا۔ وہاں کچھ دن رہنے کے بعد آپ موضع رنگیلا تشریف لائے۔ پھر وہاں سے کچھ دن کے بعد موضع ہوڈی گرام کے قریب غازی بابا کے مزار کے متصل قیام رہا، پھر مرغزار تشریف لائے۔
ازدواج :

پھر آپ نے موضع سپیل پانڈی میں آکر قبیلہ اکوزئی میں شادی کی، جن سے آپ کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔
سیدو میں سکونت :

۱۲۶۲ھ (۱۸۴۵ء) میں آپ نے سیدو میں مستقل سکونت اختیار کر لی، جو آپ ہی کی ذات گرامی کی وجہ سے آجکل سیدو شریف کہلاتا ہے۔
ملی تنظیم :

حضرت اخوند صاحب نہ صرف عظیم المرتبت درویش تھے، بلکہ وہ ایک بلند پایہ سیاست دان، جذبہ حریت سے سرشار اور ملت کے سچے خدمت گزار تھے۔ ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) میں سیدو میں قیام فرمانے کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ انگریز علاقہ سرحد میں پہنچ رہے ہیں۔ اگر اس علاقے کی تنظیم نہ کی گئی تو ملت اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ آپ نے مختلف خوانین اور سرداروں کی ایک مجلس مشاورت طلب کی، اور آپ نے انگریز کے آنے والے خطرے سے ان سب کو واقف کرا کر ان کے سامنے تنظیم ملت کا مسئلہ پیش کرتے ہوئے یہ تجویز رکھی کہ وہ اپنے اختلافات کو دور کر کے متحد و متفق ہو کر اپنے میں سے کسی ایک شخص کو امیر منتخب کر لیں، اور پھر تنظیم ملت کا کام متفقہ طور پر اس امیر کے سپرد کر دیا جائے۔ سب نے آپ کی بات مان لی۔
شریعت اسلامیہ کے نام سے پہلی حکومت :

لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ہی امیر منتخب ہوں گے، لیکن حضرت اخوند صاحب اس بارگراں کے اٹھانے کے لیے بالکل تیار نہ تھے۔ عوام نے جب بیحد اصرار کیا تو آپ نے حضرت سید علی غواص ترمذی (پیر بابا) کی اولاد میں سے سید اکبر کو امارت کے لیے پیش کیا، اور خود ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ کو دیکھ کر سب نے اکبر شاہ کو امیر

تسلیم کر لیا ۔

پہلا دارالسلطنت :

اس طرح اس ریاست کی بنیاد پڑی ۔ اس کا پہلا دارالسلطنت موضع غالبگی قرار پایا ، اور شریعت اسلامیہ کے نام سے اس امارت نے کام شروع کیا ۔

سید اکبر شاہ کی وفات :

لیکن بدقسمتی سے عین اُس دن جب کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں جنگ آزادی شروع ہوئی اور اس جنگ کی اطلاعاتیں سرحد پہنچ رہی تھیں کہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ھ) کو سید اکبر شاہ نے وفات پائی اور انگریزوں کو سرحد کی اس امارت شرعیہ سے جو اندیشہ تھا ، سید اکبر شاہ کی وفات نے ان کو اس نکر سے ہلکا کر دیا : سرہربٹ ایڈورڈ کے الفاظ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگریز اس امارت شرعیہ کو اپنے لیے کتنا بڑا خطرہ سمجھتے تھے ، وہ لکھتا ہے کہ

اگر سوات میں شرعی حکومت اور جنگ جو ، قبائل کا سربراہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا ۔

سید اکبر شاہ کے بعد :

سید اکبر شاہ کی وفات کے بعد اس حکومت کا کوئی نظام باقی نہ رہا ۔ ان کے فرزند مبارک شاہ چھ مہینے تک نظم و نسق کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درست کرتے رہے لیکن مخالف قوتوں کا طوفان حد سے زیادہ بڑھتا جاتا تھا ۔ اب عقیدت و محبت کا مرکز حضرت اخوند صاحب تھے ، لیکن انھوں نے امارت کا بارگراں اٹھانا منظور نہ کیا ، نتیجتاً مبارک شاہ اور حضرت اخوند صاحب کے صاحبزادے میان گل عبدالخالق میں حصول اقتدار کے لیے کشمکش ہوتی رہی ، لیکن اخوند صاحب کی موجودگی میں کسی کے لیے بھی برسر اقتدار آنے کا موقع نہ تھا ، اور نہ ان دونوں میں سے کسی کو اخوند صاحب کی تائید حاصل تھی ، اس لیے کوئی حکومت قائم نہ ہو سکی ۔ ادھر اخوند صاحب تنظیم ملت کی کوشش کرتے رہے ، اور پوری قوم ان کے فیصلوں اور مذہبی فتوؤں کو عزت کی نظر سے

دیکھتی تھی (۱) یہاں تک کہ جنگ امبیلہ شروع ہوئی ۔
جنگ امبیلہ :

ستھانہ حضرت سید احمد شہید اور اُن کے مجاہدین کا اہم مرکز تھا ، اور ساداتِ ستھانہ مجاہدین سے وابستہ تھے ۔ انگریز ، مجاہدین کے مراکز پنجتار ، ستھانہ اور منگل تھالے کو تباہ و برباد کر دینا چاہتے تھے ۔ جب ساداتِ ستھانہ اور اتمان زئیوں میں اختلاف پیدا ہوا ۔ اور سادات کے سر گروہ سید عمر شاہ شہید ہوئے تو سادات نے ملکا کو اپنا مرکز بنا لیا ۔ یہ مقام ستھانہ سے ۳۵ میل کے فاصلے پر ہے ۔ مجاہدین بھی ملکا کو محفوظ مقام سمجھ کر وہیں پہنچ گئے ۔ مولانا عبداللہ امیرالمجاہدین تھے ۔ سید عمر شاہ کے بعد اُن کے بھتیجے سید مبارک شاہ ساداتِ ستھانہ کے قائد قرار پائے ۔ اتمان زئیوں نے انگریزی حکومت کو حالات سے باخبر کر دیا ۔ انگریزوں نے مجاہدین و سادات کے اس مرکز کو تاخت و تاراج کرنے کا منصوبہ بنایا ۔ ادھر سادات اور مجاہدین نے بھی مل کر مدافعت کا پورا پورا انتظام کیا اور جہاد کا اعلان عام کر دیا (۲) ۔
اخوند صاحب کے نام ایک خط

اس سلسلے میں ایک خط اخوند صاحب سوات ، کو بھیجا گیا ، جس میں ان کی بزرگانہ عظمت اور دین داری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں فضیلت اور برتری عطا کی ہے ۔ فرنگی جنگ کے ارادے سے فوج کے ساتھ ہماری طرف آرہے ہیں ۔ ان کا ارادہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا ہے ۔ درہند ، تربیلہ اور امب میں اُن کے لشکر موجود ہیں ۔ موزہ خاں امان زئی فرنگیوں کے ساتھ اپنے اخلاص کا اظہار کر رہا ہے ۔ ٹوپی اور منشی کے رؤسا بھی اُن کے ہمنوا ہو گئے ہیں ۔ جدوئوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے پیغام بھیجے جا رہے ہیں ۔ ایسے

۱ - یہ تفصل کتاب یوسف زے صفحہ ۴۲۵ سے ماخوذ ہے ۔

۲ - تواریخ عجیب (کالا پانی) تالیف مولوی محمد جعفر تھانیسری مرتبہ

محمد ایوب قادری ، فٹ نوٹ نمبر ۲ صفحہ ۶۳-۶۴

وقت میں :

رفاقت نمودن بہ تو هست فرض
بدانی کہ برتست مانند قرض
نہ بر تو کہ کلمہ گویان کل
شدہ قرض بردین جویان کل
بہ آن شاہزادہ حایت کنید
بہ دینِ پیمبر رعایت کنید
کہ این ننگِ دیں مومنان را سزا است
ز درگاہ حق خود بہ نیکی جزا است
نیارند گمر اہل اسلام ننگ
بس از دست دشمن بگردند تنگ
اخوند صاحب کو جب یہ خط ملا تو آپ فرمایا :
دریں وقت بیشک عزا است ایس
چو شد شاہزادہ سر مومنین
اسارت بہ شہزادہ آمد درست
کہ هستند سادات سر از نخست

آخر ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۳ء (۱۲۸۰ھ) کو جنگِ امبیلہ کا آغاز ہوا۔
جنرل چمبرلین انگریزی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ مجاہدین بڑی جانتازی،
شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑے۔ مجاہدین اور انگریزی فوجوں میں دس
بارہ معرکے بڑے زور کے ہوئے۔

جہاد میں اخوند صاحب کی شرکت :

اخوند صاحب کو اس جنگ کی اطلاع خط کے ذریعے سے پہلے ہی
دی جا چکی تھی۔ انہوں نے اپنے علاقے میں جہاد کا اعلان عام کر دیا۔
اور اپنے معتقدین کو حکم دیا کہ ہر شخص ہتھیار اور کھانے پینے کا سامان
لے کر فوراً میدانِ جنگ پہنچ جائے۔ اخوند صاحب نے سیدو شریف سے
روانہ ہو کر منگورہ میں قیام کیا اور وہاں نماز جمعہ کے بعد ایک خطبہ
دیتے ہوئے جہاد کی اہمیت اور فضائل بیان کیے اور اسی خطبے میں

تذکرہ صوفیائے سرحد

۵۵۵

اعلان کیا کہ اگر انگریز اس علاقے پر قابض ہو گئے تو میں اس ملک کو چھوڑ کر ہجرت کر جاؤں گا (۱)۔

امبیلا میں تشریف آوری :

غالباً مجاہدین اور انگریزی فوجوں میں تین معرکے ہو چکے تھے کہ آپ امبیلا پہنچے اور آپ نے امبیلا کی مسجد میں قیام فرمایا۔ مجاہدوں کے امیر اور شہزادہ مبارک شاہ نے آپ سے مسجد میں ملاقات کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اخوند صاحب مولانا عبداللہ امیر مجاہدین کے عقائد کے متعلق کچھ مطمئن نہ تھے۔ مولانا عبداللہ نے اخوند صاحب سے ملاقات کرتے ہی نہایت سوزِ دل سے اخوند صاحب سے کہا کہ آپ پہلے میرے عقائد سن لیجیے تاکہ آپ پر میرے مذہب کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اُن کے عقائد سن لینے کے بعد، اخوند صاحب نے فرمایا کہ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، میں آپ کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں۔ اور ہر وقت آپ کا خیر خواہ ہوں۔ پھر محبت سے گلے لگا کر فرمایا کہ آج میرے اور آپ کے ناموس پر حملہ ہوا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم مل کر انگریزوں سے لڑیں۔

انگریز کمشنر کا مکتوب :

اسی اثنا میں انگریز کمشنر نے ایک خط میں اخوند صاحب کو لکھا کہ آپ کیوں ناحق لوگوں کو قتل کرا رہے ہیں۔ برطانیہ کی طاقت بہت بڑی ہے۔ یہ لوگ اُن کے نئے آلات حرب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آپ درویش ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ گوشہ نشینی اختیار فرمائیں۔ ان مجاہدین سے آپ کا اختلاف رہا ہے ہم تو صرف مجاہدین کو ملکا سے نکالنا چاہتے ہیں۔

۱۔ یہ تمام تفصیل سرگزشت مجاہدین جلد ۴، صفحہ ۳۴۳، ۳۴۴ اور

اخوند صاحب کا جواب :

اخوند صاحب نے کمشز کو جواب میں لکھا کہ بیشک آپ قوی ہیں ، لیکن آپ سے بھی زیادہ ایک قوی اور منصف ہستی موجود ہے ، جس نے اصحاب فیل کو اباہیلوں سے تباہ کرایا ، فرعون کو غرق کیا ، نمرود کو پھر سے ہلاک کرایا ۔ بلاشبہ میں فقیر ہوں ۔ لیکن آپ کیوں بار بار فقیروں پر چڑھائی کرتے ہیں ، یہ طرزِ عمل آپ کی حکومت کی شان کے خلاف ہے ۔

مجاہدین ، اسپیلہ کے معرکوں میں بڑی سرگرمی اور خلوص سے انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے خود حضرت اخوند سوات جب مجاہدین کو پروانہ وار شمع حق پر قربان ہوتا ہوا دیکھتے تو بیتاب ہو کر گھوڑے پر بیٹھ کر ادھر ادھر دوڑتے اور ہر ایک سے کہتے کہ جاؤ اور ان بہادروں کی مدد کرو ۔ کبھی کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے :

اللہی بدہ فتح اسلام را

بکن غرق خصم بد انجام را

انگریزوں نے مجاہدین کے عزم و استقلال کو دیکھ کر محسوس کر لیا کہ مجاہدین سے توپ و تفنگ سے مقابلہ نہیں ہو سکتا ۔ اب اُنہوں نے مکاری ، کیا دی ، فریب ، اور پھوٹ ڈالنے کے حربوں سے کام لینا شروع کیا ۔ اُنہوں نے دیر اور بنیر کے خوانین کو خرید لیا ۔ ان کے قبائلیوں نے ہمت ہار دی ۔ باجوڑ اور دیر کے قبائلی واپس ہونے لگے ۔ بعض خوانین نے انگریزوں سے مل کر اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ وہ انگریز کے ساتھ مل کر ، خود ملکا کو جلا دیں گے ۔ اس پر بھی اخوند صاحب انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے لیکن مجاہدین کے لشکر میں ایک عام افسردگی پھیل چکی تھی ۔ آخر اخوند صاحب نے یہ محسوس کر کے کہ خوانین بنیر ملکا کو نذر آتش کرنے پر آمادگی ظاہر کر چکے ہیں اور جس درجے میں بھی ملکا کو بچایا جا سکے بچایا جائے ، اُنہوں نے یہ شرط لگادی کہ انگریز ملکا جائیں اور دو ایک مکان جلا کر واپس آجائیں تو وہ بھی میدان جنگ سے ہٹ جائیں گے ، ورنہ وہ آخر دم تک مقابلہ کریں گے ۔ انگریزوں نے یہ شرط

مان لی ۔ مشہور یہ ہے کہ ملا کے دو ایک مکان جلانے گئے اور اس طرح یہ جنگ ختم ہو گئی ۔ شہدا کو میدان جنگ کے ایک گوشے میں دفن کیا گیا ۔ جس جگہ حضرت اخوند صاحب سوات ٹھہرے ہوئے تھے وہاں ایک کچی مسجد تعمیر کی گئی ۔ بعد میں اس جگہ حکومت سوات نے ایک پختہ اور شاندار مسجد تعمیر کرا دی (۱) ۔

صاحبِ حیات افغانی کا بیان

صاحبِ حیات افغانی نے آپ کے حالات کی تفصیل دیتے ہوئے لکھا کہ :

”اخوند صاحب کا نام عبدالغفور ہے ۔ ان کی قوم صافی یا صابی ہے ۔ بعض لوگ صافی کو سید سے نسبت دیتے ہیں اور بعض ان کو سڑابی افغانوں کی ایک شاخ سمجھتے ہیں ۔ وہ بچپن میں والدین کے حکم سے مویشی چراتے تھے ۔ مگر خورد سالی ہی میں یہ کیفیت تھی کہ جس گائے یا بکری کا دودھ پیتے اس کو رسی میں باندھ کر چرایا کرتے تاکہ بیگانوں کی زراعت میں چرنے نہ پائے ۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں برن گولہ چلے گئے اور وہاں لکھنا پڑھنا سیکھا اور ایک عرصے تک حصولِ علم میں مشغول رہے ۔ پھر وہ گوجر گڑھی علاقہ یوسف زئی میں تشریف لائے اور عبدالحکیم اخون زادہ کی مسجد میں رہنے لگے ۔ کچھ عرصے کے بعد تورڈھیڑی میں تشریف لے گئے اور صاحبزادہ محمد شعیب کے مرید ہو گئے ۔ صاحبزادہ محمد شعیب حافظ جی صاحب عمر زئی کے اور حافظ جی صاحب بشونی صاحب کے اور بشونی صاحب مشہور صاحب طریقت فقیر بہیر والی کے مرید تھے ۔ ان کے مرید چاروں سلسلوں یعنی نقشبندیہ ، سہروردیہ ، قادریہ اور چشتیہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے ۔ اخوند صاحب نے پہلا طریقہ اختیار کیا اور متصل ہند کی

۱ ۔ یہ تمام تفصیل سرگزشت مجاہدین ۔ صفحہ ۳۳۶ - ۳۶۵ - ۳۶۶ ،

اور کالا پانی صفحہ ۲۲۳ - ۲۲۵ و یوسف زے پٹھان صفحہ

۲۲۸ و ۲۹۹ سے ماخوذ ہے ۔

موضع بیکی میں لب دریائے سندھ قیام کر کے اس طریقے کی اشاعت کی اور وہاں ایک جھونپڑی میں بارہ برس تک عبادت کرتے رہے۔ مگر سید احمد اور خادے خاں کے معاملے میں دخل دینے سے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ تب وہ غلاماں تپہ حذر زئی میں آ رہے اور وہیں ان کو شہرت حاصل ہوئی۔ پھر وہاں سے ترک سکونت کر کے موضع سلیم خاں میں اقامت اختیار کی۔ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ ع) میں جب سکھ اور افغانوں کی لڑائی ہوئی تو امیر دوست محمد خاں نے شمولیت جہاد خیبر میں ان کو طلب کیا۔ وہ بہت سے غازی اور طالب علم لے کر وہاں پہنچے مگر وہاں سلطان محمد خاں کے منصوبے نے کام بگاڑ دیا۔ جب امیر کی فوج لڑنے سے پہلے واپس چلی گئی، تو اخوند صاحب باجوڑ آئے۔ ساتھیوں نے ان کا ساتھ ترک کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد کوہ رانی زئی میں بمقام گل درہ قیام کیا۔ جہاں ان کا نام خوب چمکا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ان کو موضع سیدو، علاقہ سوات میں زمین دی گئی اور موضع سیدو ہی میں انہوں نے شادی کی۔ ان کے دو فرزند ہیں۔ ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ ع) میں درہ اسبیلہ میں انہوں نے انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ وہ دن کو روزہ رکھتے اور مکروہات و منہیات سے پرہیز انتہا درجے پر کرتے تھے۔

وفات

حضرت اخوند صاحب نے ۱۲ جنوری ۱۸۷۷ ع (۱۲۹۵ھ) کو سیدو شریف میں وفات پائی۔ وہیں آپ کا مزار پر انوار مرجع خاص و عام ہے۔

ان کے بعد اخوند صاحب کے پوتے میاں گل عبدالودود نے حکومت کا منصب حاصل کیا اور اب عبدالودود کے صاحبزادے جہاں زیب سوات کے حکمران ہیں۔

حضرت سید اسیر معروف بہ کوٹا ملا صاحب

حالات

سوات کے بالائی علاقے میں جس طرح اخوند صاحب کو غیر معمولی شہرت حاصل تھی اسی طرح میدانی علاقے میں کوٹا ملا صاحب مشہور ہیں۔ وہ جلیل القدر عالم باعمل اور صاحب فہم و فراست بزرگ تھے۔ علوم دینیہ کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ انہیں ملکی سیاست سے بھی پڑی دلچسپی تھی۔ تحریک مجاہدین سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ اس دور کے بہت سے علما نے جو سیاسیات سے دل چسپی نہ رکھتے تھے ان کے عقائد کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ لیکن باوجود ان کی شدید مخالفت کے وہ نہایت ہی عزم و استقلال کے ساتھ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ لوگ انہیں پیر روشن کا معتقد اور تحریک مجاہدین میں شامل ہونے کی وجہ سے وہابی پکارتے تھے۔ لیکن انہیں اس کی بالکل پروا نہ تھی۔ وہ اپنے وطن موضع کوٹہ (تحصیل صوابی) کی وجہ سے کوٹہ ملا کے نام سے مشہور ہیں۔

شاہ شجاع کی عقیدت :

حضرت کوٹا ملا کے خلیفہ فیض اللہ خاں کا بیان ہے کہ شاہ شجاع (۱) فرمانروائے افغانستان کو کوٹا ملا صاحب سے بے حد عقیدت تھی۔ چنانچہ جب وہ لدھیانے میں نظر بند تھا تو اس نے کئی مرتبہ آپ کی خدمت میں آدمی بھیج کر دعا کی درخواست کی۔ جب شاہ شجاع دوبارہ افغانستان میں تخت پر بیٹھا تو کوٹا ملا صاحب نے ایک خاص آدمی کے

ذریعہ سے ایک خط اس کو بھیجا - جس میں لکھا کہ :

”انگریز کی بیخ کنی کا سامان مکمل کر لیا گیا - لیکن اس کی ابتدا تم کرو تاکہ نیک نام ہو جاؤ اور خواص و عوام میں ہر دل عزیز ہو - بصورت دیگر اگر تم نے اس میں کاہلی سے کام لیا تو تم خود بہ خود معزول ہو جاؤ گے - یہ کام یقیناً شدنی ہے اور میرا اس پر محکم عقیدہ ہے -“

لیکن وہ انگریزوں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنا ہوا تھا - اس نے آپ کے مشورے کو مسترد کر دیا - یہ خط غالباً انگریزوں کے حوالے کر دیا اور اس نے آپ کو جواب میں لکھا کہ :

”میں انگریز کے ساتھ بگاڑ نہیں پیدا کر سکتا - وہ اہل کتاب ہیں اس لیے مشرکوں سے بہترین اور نرم دل ہیں - اس لیے یہودیوں کے قریب تر - چہ جائیکہ میں انہیں بذریعہ جہاد کابل سے نکال دوں - یہ نہیں ہو سکتا -

جب شاہ شجاع کے جواب کا علم افغانستان کے دوسرے زعماء کو ہوا تو انہوں نے ناراضی کا اظہار کیا اور دوسرے لوگوں کو بھیج کر آپ سے دعا کیے طالب ہوئے (۱) -

تحریک مجاہدین سے وابستگی

تحریک مجاہدین سے حضرت کوٹاملا صاحب کی بڑی وابستگی تھی - اس بنا پر ان کے خلاف وہابی ہونے کا بڑا پروپیگنڈا کیا گیا اور آپ کو وہابیت کے الزام کی بنا پر بہت سی مصیبتوں میں الجھایا گیا -

مولانا غلام رسول مہر نے سیرت ”سید احمد شہید“ میں یہ حوالہ ”سیرۃ لاوی الالبصار“ لکھا ہے کہ :

”اخوند سید امیر عرف ملا صاحب کوٹا کے جہادجو طریق مجاہدہ کے شیخ تھے - جب حضرت سید احمد شہید نے تسخیر

۱ - یہ تمام تفصیل ”یوسف زے پٹھان“ صفحہ ۵۴۲ تا ۵۴۷ سے ماخوذ ہیں -

اٹک کی مہم شروع کی تو اٹک میں رنگریزوں کا ایک خاندان ملا کوٹا کے خاندان کا مرید تھا۔ اس خاندان نے سید صاحب کی اس مہم کو کامیاب بنانے میں بڑا حصہ لیا تھا۔ سیڑھیاں اور ریسے انہیں کے ہاں رکھے گئے تھے۔ افسوس ہے کہ بعض غداروں کی مخبری کی وجہ سے یہ مہم ناکام ہو گئی۔ اس مہم کی ناکامی کی وجہ ”سیرۃ لاوی الالبصار“ کے مؤلف عبدالجبار شاہ نے یہ لکھی ہے کہ :

اخوند صاحب سوات اس زمانے میں یبکی کے قریب دریائے سندھ کے کنارے ایک غار میں رہتے تھے یہیں انہوں نے بارہ سال عبادت و ریاضت اور چلہ کشی میں گزارے۔ ملا صاحب کوٹا اور اخوند صاحب سے بہت گہرے روابط تھے۔ اخوند صاحب ملا صاحب کوٹا کے پاس بھی آتے جاتے تھے اور انہیں ان کے ذریعہ سے اٹک کی یورش کا علم ہو گیا تھا۔ زہد و ریاضت کی وجہ سے خادے خان بھی بہ حیثیت ایک معتقد کے اخوند صاحب کے پاس آتا جاتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو پہلے سید صاحب کا سرگرم مرید تھا لیکن بعد میں منحرف ہو چکا تھا۔ اخوند صاحب سوات کو اس کے انحراف کا علم نہ تھا۔ انہوں نے باتوں ہی باتوں میں یورش اٹک کا تذکرہ خادے خان سے کر دیا۔ خادے خان وہاں تو خاموشی سے سنتا رہا لیکن اس نے اس کی اطلاع پاتے ہی ایک تیز سوار ہری سنگھ نلوہ حاکم ہزارہ کے پاس بھیجا۔ اسے اس یورش کی قبل از وقت اطلاع دے دی۔ اس نے خزانہ مل کو حکم دیا کہ رنگریزوں کے گھر کی تلاشی لی جائے۔ ان غریبوں کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ مجاہدین کا سامان ان کے گھر سے ملا۔ رنگریز گرفتار کر لیے گئے اور ان غریبوں کو موت کی سزا دی گئی۔

اخوند صاحب سوات کو جب اپنی اس نادانانہ خطرناک غلطی

کا علم ہوا تو وہ اپنی غلطی پر اس قدر نادم ہوئے کہ بیکی کو چھوڑ کر کسی نا معلوم مقام پر چلے گئے۔ کئی برس کے بعد زیارت غلاماں میں ان کا پتا چلا۔ کہتے ہیں کہ اخوند صاحب اور ملا صاحب کوٹا میں اسی وقت سے اختلاف پیدا ہوا (۱)۔

عظمت و جلالت

ملا صاحب کوٹا کو آج بھی مغربی پاکستان کے صوبہ سرحد میں بڑی عزت و عظمت سے دیکھا جاتا ہے۔ ملت اسلامیہ کی جو خدمات انہوں نے انجام دیں ملت اسلامیہ کبھی ان کو فراموش نہ کر سکے گی۔

اخلاق :

حضرت ملا صاحب کوٹا اخلاق حسنہ، اور اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیکر تھے۔

ملا صلی اللہ نے جو حضرت ملا کوٹا کے مرید و خلیفہ تھے اپنی کتاب نظم الدرر فی سلک السیر میں آپ کے اخلاق حسنہ کو سراہتے ہوئے لکھا کہ :

حضرتنا و مولانا رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاء اخلاقے است حسن و خصائلے است احسن کہ بیان آن بر لسان تقریر و شرح آن بقلم تحریر لنگنجد (۲) سے اور اُن کی شرح قام تحریر سے ممکن نہیں۔

۱۔ یہ تمام تفصیل ”سیرت سید احمد شہید“ جلد ۲ صفحہ ۸۶ تا ۸۷ بہ حوالہ ”عبرة لا ولی الابصار“ ماخوذ ہے۔

۲۔ ”نظم الدرر فی سلک السیر“ تالیف ملا صلی اللہ۔ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی۔ صفحہ ۶۵۔

اتباع رسول اکرم :

اتباع رسول کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر ڈھالا تھا ، یہاں تک کہ کھانے ، پینے ، اٹھنے بیٹھنے ، چلنے پھرنے ، سونے جاگنے غرض کہ زندگی کے ہر لمحے میں وہ اتباع رسول اکرم کو ہمیش نظر رکھتے تھے ۔ نظم الدرر فی سلک السیر میں ہے کہ :

دریں زمانہ حضرتنا و مولانا ... اس زمانے میں حضرتنا و مولانا (ملا
از اتباع سنت و پیروی جاعت حصہ کوٹا صاحب) اتباع اور پیروی جاعت
تام و بھرہ عام دارد ، تا غایت کہ میں حصہ تمام اور بھرہ عام رکھتے
بر قول و فعل او از خوردن و نوشیدن ہیں یہاں تک کہ اُن کے قول و فعل
و خواب کردن ، و وضو ساختن ، و رفتن و نشستن و خاستن و جز آں بروفق میں یعنی کھانے پینے ، سونے ، وضو
قول و فعل حضرت سید المرسلین است ان کے علاوہ ہر چیز سید المرسلین
علی اللہ علیہ وآلہ وسلم و در هیچ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے موافق
وقت از اوقات و لمحہ از لمحات تخلف ہے ، اور اپنے اوقات اور لمحات میں
زاو رواندارد ، و نہایت حریص و مبالغ سے کسی وقت اور کسی لمحہ اتباع رسول
است بر اتباع او صلی اللہ علیہ و آلہ کے خلاف روا نہیں رکھتے اور اتباع
وسام (۱) رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں
نہایت حریص اور مبالغہ کرنے والے ہیں ۔

حضرت ملا کوٹا اور اخوند سوات کے اختلافات :

ملت اسلامیہ کو جس سے سب سے بڑا نقصان پہنچا ، وہ ہمارے اکابر کے مذہبی مسائل میں فروعی اختلافات ہیں ، جس نے آہستہ آہستہ بڑھ کر ایک مستقل تنازع کی صورت اختیار کر لی ، اور وہ دینی نفع جو ان بزرگوں کی ذات سے خدا کی مخلوق کو پہنچ رہا تھا ، اُن میں یہ اختلافات سدّ راہ بن گئے ۔ یہی صورت ان دونوں بزرگوں میں پیش آئی ۔ بعض دینی
۱ - ”نظم الدرر فی سلک السیر“ تالیف ملا صافی اللہ ۔ مطبوعہ مطبع فاروقی ،

مسائل میں ایک کو دوسرے سے اختلاف ہوا ، اور یہ اختلافات ان بزرگوں کی اخوت و مودت کی راہ میں سنگ گراں بن گئے ۔ ملا کوٹا کے مرید و خلیفہ خاص ملا صفی اللہ نے اپنی کتاب سلک السیر میں جو انہوں نے اپنے مرشد ملا کوٹا کے حالات و مناقب پر لکھی ہے ، ان اختلافات اور مسائل کی تفصیل دی ہے ، جو ان دونوں بزرگوں کے مابین مابہ النزاع بنے ۔ انہوں نے ان اختلافات کے بیان کرنے میں حضرت اخوند سوات کے متعلق جو انداز بیان اختیار کیا ہے وہ ہماری رائے میں اُن کی کتاب کے قاری پر اچھا اثر نہیں ڈالتا ، لیکن ان دونوں بزرگوں میں اختلاف کیا تھا اور اس اختلاف کی نوعیت کیا تھی ان حقائق تک پہنچنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملتی ہے ۔ ملا صفی اللہ نے اپنی کتاب کے کئی باب حضرت اخوند سوات کے لیے مختص کیے۔ باب نہم حضرت اخوند سوات کی سوانح پر ہے ، دسواں باب حضرت اخوند سوات کے متبعین پر ہے کہ جن کو انہوں نے اپنے خیال کے مطابق منبع شر و فساد بتایا ہے ، گیارھویں باب میں انہوں نے حضرت ملا کوٹا صاحب سے حضرت اخوند سوات کے اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ جب حضرت ملا کوٹا صاحب کی شہرت کا آفتاب بلند ہوا ، اور عقیدت مندوں کا اُن کے گرد ہجوم ہونے لگا تو یہ بات حضرت اخوند سوات کو پسند نہ آئی ، اور انہوں نے اپنے مریدوں سے کہا کہ وہ وہابی ہے ، خدّاع ہے ، اور دنیا کا مال جمع کر رہا ہے ۔ یہ باتیں جب ملا کوٹا صاحب کو پہنچیں تو آپ خاموش رہے اور آپ نے ان پر کوئی اظہار خیال نہیں کیا ، بلکہ اپنے مریدوں کو بھی فرمایا کہ تم اس باب میں کوئی اظہار خیال نہ کرو ، اور اپنی زبان کو بیہودہ باتوں سے محفوظ رکھو کہ انسان کا اصل مقصد حق تعالیٰ کا ذکر ہے ، لیکن جب یہ چرچا گاؤں گاؤں اور شہر بشہر ہونے لگا تو بعض مریدوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ سوات تشریف لے جائیں اور حضرت اخوند سے دریافت کریں کہ آپ یہ نا مناسب باتیں میرے حق میں کس لیے کہتے ہیں ۔ اُس وقت ملا کوٹا صاحب قریہ باجکھ علاقہ بنیر میں تھے ، جو یوسف زئیوں کا علاقہ ہے ۔ آپ سوات جانے کے لیے تیار ہو گئے ۔ ملا صفی اللہ نے

آپ کے اس سفر کے حالات بطور روز نامے کے لکھے ہیں۔ ان کا یہ روزنامہ اس کتاب کے بارہویں باب سے شروع ہوتا ہے۔ ملا کوٹا صاحب نے یہ سفر ۱۲ محرم ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ع) کو شروع کیا تھا۔ (۱) راستے میں مختلف قصبات اور دیہات میں قیام کرتے ہوئے اور ہر مقام پر سواغظ و نصائح فرماتے ہوئے اور مختلف بزرگوں کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے، ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ع) کو قریہ ہینکوره میں پہنچے۔ (۲) ۱۴ ربیع الثانی کو حضرت اخوند سوات بھی آپ کی آمد کی خبر سن کر قریہ ہینکوره تشریف لائے۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات اس قریے کے ایک کوچے میں ہوئی۔ اڑدھام کثیر تھا۔ دونوں بزرگ اس جگہ بیٹھے جہاں نماز جمعہ ہوتی تھی۔ حضرت اخوند سوات نے فرمایا کہ اس وقت اڑدھام اور شور و شغب زیادہ ہے، اور بات چیت کرنا مشکل ہے، اگر اجازت ہو تو میں اب جاتا ہوں اور رات کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ حضرت ملا کوٹا نے اجازت دے دی اور دعا فرمائی۔ حضرت اخوند سوات وہاں سے رخصت ہو کر سیدو شریف تشریف لائے۔ اور حضرت ملا کوٹہ وہاں سے روانہ ہو کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ رات کو حضرت اخوند صاحب نے کہلا کر بھیجا کہ میں درد سر میں مبتلا ہوں، اس لیے حاضر نہیں ہو سکوں گا (۳)۔

۱۷ ربیع الثانی کو صاحبزادہ عبدالقادر ساکن قریہ تور دیری حضرت اخوند سوات کی جانب سے قاصد کی حیثیت سے آئے اور انہوں نے حضرت اخوند سوات کی طرف سے بہت سے لوگوں کے سامنے یہ پیغام پہنچایا کہ :
 اخوند صاحب بمن گفتہ است اخوند صاحب نے مجھ سے کہا ہے کہ کہ برو و پیش آنحضرت در جمع کثیر جاؤ، اور حضرت (ملا کوٹا) کے

۱۔ یہ تمام تفصیل سلک السیر - - صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱ اور ۱۷۲ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ ایضاً - ص ۲۲۸

۳۔ ایضاً - ص ۲۲۹

بگو کہ فیہا بین مایاں ہاں سخن است کہ در قریہ پنجنار و قریہ محب گفتہ بودیم ، از عقد اخوت ومن بعد از آن ہیچ نگفتہ ایم اگر کسی منافق فی مابین مایاں چیزے گفتہ باشد از آن عفو نمایند ، و مارا طاقت معارضہ و مقابلہ آنحضرت نیست ، ومن ہاں شخصم کہ بدست ہائے خود گیاہ و خاشاک برائے جامہ فروختہ ام و نہال دریں ملک سواد کردہ ام الحال چیزے مالک رزق گر دیدہ ام ، احمق نیستم کہ بمعارضہ ایشاں این قدر معاملہ را بیازیم (۱)

سامنے مجمع کثیر میں کہو کہ ہم دونوں کے درمیان بات وہی جو میں نے قریہ پنجنار اور قریہ محب میں کہی تھی ، اس کے بعد رشتہ اخوت کی بنا پر میں نے کچھ نہیں کہا ، اگر کوئی منافق ہمارے درمیان کوئی بات کہتا ہے ، اُس سے معاف فرمائیں ، مجھے آپ سے معارضے اور مقابلے کی طاقت نہیں ، میں وہی شخص ہوں کہ اپنے ہاتھ سے گھاس اور خاشاک کپڑوں کے لیے فروخت کرتا تھا ، اور اس طرح میں نے اپنا درخت اس ملک سوات میں لگایا ہے ، اب جب کہ میں کسی قدر رزق کا مالک ہو گیا ہوں ، میں احمق نہیں ہوں کہ ان چیزوں پر یہ کھیل کھیلوں

اس کے بعد صاحبزادہ عبدالقادر نے کہا کہ حضرت اخوند سوات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آپ کا سوات میں تشریف لانا مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے جیسا کہ کوئی بت کو سجدہ کرے ۔ اگر آپ مجھے بلانا چاہیں تو میں رسی گلے میں ڈال کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا ۔ جب صاحبزادہ عبدالقادر حضرت اخوند سوات کا یہ پیغام پہنچا چکے تو حضرت ملا کوٹا صاحب نے حضرت اخوند سوات ، اُن کے خاندان اور اُن کے مریدوں کے لیے دعا فرمائی ، اور اُن کی خطا سے درگزر فرما کر معاف کر دیا ، اور فرمایا کہ ہم اُن سے رشتہ اخوت کو ہرگز نہ توڑیں گے ، اور ۱۸ ربیع الثانی جمعہ کے دن آپ وہاں سے واپسی کے قصد سے روانہ ہوئے ، اور مختلف

مقامات پر ٹھہرتے ہوئے ۲ جادی الثانی کو اپنے وطن کوٹہ پہنچے (۱)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلح زیادہ دن تک قائم نہیں رہی، اور بعض فتنہ پردازوں نے پھران دونوں بزرگوں کے درمیان اختلاف کی اس دیوار کو کھڑا کر دیا۔

ملا صفی اللہ نے اپنی اس کتاب کے تیرھویں باب میں لکھا کہ حضرت ملا کوٹا صاحب اپنے وطن تشریف لانے کے بعد ذکرِ حق تعالیٰ، عبادت اور اطاعت میں مصروف ہو گئے، اور حضرت اخوند سوات اور آپ کے مریدوں نے پھر آپ کی مخالفت شروع کر دی، اور قریہ بہ قریہ اور شہر بہ شہر پھر پھر کر کہنا شروع کیا کہ ملا کوٹا دین میں رخنہ ڈال رہا ہے۔ وہ اور اُن کے مریدین جو الزامات آپ پر قائم کرتے تھے، وہ یہ تھے:

(۱) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین میں ایک کنوئیں میں تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔

(۲) نبوت ختم نہیں ہوئی، اگر رسول اکرم کے بعد کوئی دعویٰ پیغمبری کا کرے تو جائز ہے۔

(۳) ولی کی ولایت، نبی کی نبوت پر افضل ہے۔

(۴) ملا کوٹا، نبی اور جبریل کی اہانت کرتے ہیں۔

(۵) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ جو انبیا کے لیے معجزہ ہے، وہ اولیا کے لیے کرامت ہے۔

(۶) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ اگر میں پیغمبرِ خدا سے پہلے ہوتا تو اپنی نبوت کے لیے سعی کرتا۔

(۷) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ میں اخوند سوات سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ یا تو وہ زمین سے چشمہ نکالیں یا میں نکالوں، یا مردوں کے قبور کا حال میں بیان کروں یا وہ بیان کرے، اور جو کوئی اس پر قادر ہو وہ ولی ہے۔

(۸) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ روحِ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ

تذکرہ صوفیائے سرحد

وسلم کی میرے ساتھ تھی۔ فلاں مقام سے فلاں مقام تک میرے ساتھ گئی اور میں نے آپ کے لبِ مبارک کو بوسہ دیا تھا۔

(۹) ملا کوٹا کہتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کو هموزن کیا تو میں نے اپنے آپ کو ان دو بزرگوں کے ہم پلہ پایا۔

(۱۰) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ حضرت جبریل میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

(۱۱) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ مجھے مرتبہ قطبیت و غوثیت حاصل ہے۔

(۱۲) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ سورہ فتح کی فلاں آیت مجھ پر نازل ہوئی۔

(۱۳) ملا کوٹا کہتے ہیں کہ صدقات و خیرات اسوات کو فائدہ

نہیں پہنچاتے۔

(۱۴) ملا کوٹا زیارت قبور سے منع کرتے ہیں۔

یہ تھے وہ اعتراضات جو حضرت اخوند سوات کی جانب سے حضرت ملا کوٹا پر کیے جاتے تھے، اور حضرت ملا کوٹا کی جانب سے ان میں سے اکثر کی تردید اور بعض کی تاویل کی جاتی تھی۔

اسی طرح حضرت ملا کوٹا کے مریدین بھی حضرت اخوند سوات پر بعض الزامات لگاتے تھے۔ وہ یہ تھے کہ

(۱) حضرت اخوند سوات کے مریدین کہتے ہیں کہ جو کوئی

ملا کوٹا اور اُن کے مریدین کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اُن کی اور اُن کے امام کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، انہیں نماز کا از سر نو اعادہ کرنا چاہیے۔

(۲) ملا کوٹا اور اُن کے مریدین کی توبہ قبول نہیں ہو گی، جب

تک کہ اُن کی توبہ ہلے صاحب عبدالغفور اخوند سوات قبول نہ کریں۔

(۳) جو کوئی ملا کوٹا پر سب و شتم کرے، اُن کو کافر کہے وہ

مومن ہے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو کافر ہے۔

(۴) وہ غزلیں اور رباعیات اور چہار بیت جو ملا کوٹا صاحب کی برائی

میں لکھے گئے ہیں، وہ اولیٰ و افضل ہیں تلاوت قرآن مجید، ذکر حق

تعالیٰ اور درود پیغمبر علیہ السلام سے اور اُن کا ثواب ان سب کے ثواب

سے زیادہ ہے ، بلکہ اس قسم کی غزلوں کا کہنا فرض عین ہے ، پس ہر ایک پر لازم ہے کہ ان پر مداومت کریں ، بلکہ ہر پانچ نماز کے بعد اس کا ثواب اپنے والدین کی روح ، اور دوسرے حق داروں کو بخشیں ، تاکہ اُن کی برکت سے اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ۔

(۵) حضرت ملا کوٹا اور اُن کے متبعین اور مریدین اگرچہ کلمہ شہادت کا اقرار کرتے ہیں ، اور نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں ، اور تمام ظاہرہ گناہوں سے احتراز کرتے ہیں ، لیکن وہ مسلمان نہیں ہیں ، اس لیے کہ اُن کے سینوں میں کفر چھپا ہوا ہے اور اپنے سینوں میں ایمان نہیں رکھتے اور اُن کے دل سے یہ کفر باہر نہیں ہوتا ، اس لیے اُن کا ظاہر ان کو فائدہ نہیں پہنچاتا (۱) ۔

یہ تھے وہ الزامات جو ملا کوٹا کے مریدین و متبعین حضرت اخوند سوات اور اُن کے متبعین پر لگا کر ان تمام الزامات کے جواب دیتے تھے ۔ دونوں بزرگوں کے مریدین و متبعین کے یہ اعتراضات اور الزامات جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے اختلافات سے دینی مقاصد کو کس قدر نقصان پہنچتا رہا ہے ۔ پھر ان دونوں بزرگوں کے متبعین کے ان مباحث نے تحریری اور تقریری مناظروں کی صورت اختیار کی ۔ حضرت اخوند سوات کے مریدین و متبعین نے حضرت ملا کوٹا کے خلاف ایک فتویٰ مرتب کر کے اُس کو گاؤں گاؤں پھیلایا ۔ ادھر ملا کوٹا کے مرید و خلیفہ خاص ملا صفی اللہ مؤلف ”سلک السیر“ نے اس کے رد میں ایک رسالہ ”قول الحق المبین فی رد اقوال المبتدعین“ کے نام سے لکھا ، اور وہ رسالہ شہر پشاور میں علما کے سامنے اس غرض سے پیش کیا گیا کہ

۱۔ ملا کوٹا پر حضرت اخوند سوات کے مریدین کے اعتراضات اور اُن کے جوابات ، اسی طرح حضرت ملا کوٹا کے مریدین کے الزامات اور اُن کے جوابات ”سلک السیر“ صفحہ ۲۴۲ سے ۲۵۶ تک مذکور ہیں ۔ ہم نے صرف الزامات کو نقل کیا ہے ، ان کے جوابات کی تفصیل ”سلک السیر“ میں ملتی ہے ۔

اس کے مضامین صحیح ہیں یا غلط واضح کریں (۱)۔ یہ ہنگامہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ ملا صفی اللہ مرید حضرت ملا کوٹا کا بیان ہے کہ ان اختلافات کی بنا پر حضرت ملا صاحب کوٹا کو قید فرنگ کا سامنا کرنا پڑا، اور ۲۶ شوال شب دوشنبہ ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰ع) کو انگریزوں نے آپ کو مردان چھاؤنی میں قید کر دیا۔ تقریباً ایک سال تک آپ قید فرنگ میں رہے، آخر چہار شنبہ ۹ محرم ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ع) کو آپ اس قید سے رہا ہوئے (۲) اور اپنے وطن کوٹہ تشریف لائے۔ چند روز کے قیام کے بعد 'بنیر کے علما اور ملکوں کا آپ کو پیغام پہنچا کہ حضرت یہاں تشریف لائیں، بعض مسائل میں آپ سے مشورہ کرنا ہے۔ چنانچہ آپ 'بنیر پہنچ کر موضع باجکٹہ میں مقیم ہوئے۔ وہاں کے ملکوں اور علما نے آپ سے عرض کیا کہ ان اختلافات کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ ایک اور مرتبہ سوات جائیں، اس سفر میں ہم بھی آپ کے ساتھ ہوں گے (۳) اور حضرت اخوند سوات سے ان اختلافی مسائل پر گفتگو کریں تاکہ اختلافات کا دروازہ بند ہو۔ آپ ان لوگوں کے اصرار پر سوات روانہ ہوئے، آپ کے ساتھ علما میں سے ملا صاحب دوڑو، مولوی بحرالدین صاحب، مولوی صاحب کوہستان ساکن موضع جیچال، مولوی ابوالحسن بہاری، مدثر صاحبزادہ صاحب قریہ ٹوپی، ملا صاحب قریہ بھکڑہ اور ان کے علاوہ امان زئی ملکوں میں سے منورہ خاں، حسین خاں اور اسان اللہ خاں وغیرہ تھے۔ سوات کے قریب پہنچ کر آپ نے پہلے ایک وفد روانہ کیا تاکہ وہ دونوں بزرگوں کی ملاقات کا وقت طے کرے لیکن یہ وفد ناکام ہو گیا (۴)۔ مختصر یہ کہ اختلافات بڑھتے گئے، مناظرے ہوتے رہے، آخر بنیر کے ملکوں نے متفقہ طور عاصم خاں والی باجکٹہ پر زور دیا کہ وہ حضرت ملا کوٹا کو اپنے قریہ باجکٹہ سے نکال دے، ورنہ پھر ہم

۱۔ "سلک السیر" - ص ۲۵۷

۲۔ ایضاً - ص ۲۶۵ - ۲۶۶

۳۔ ایضاً - ص ۲۸۸

سب مل کر اُس سے جنگ کریں گے۔ عاصم خاں نے ساری صورتِ حال حضرت ملا کوٹا کے سامنے پیش کی۔ آپ نے مصلحتاً باجکتہ کو چھوڑ دیا، اور قریۂ متواری میں تشریف لے آئے، مختصر یہ کہ یہ اختلافات ان دونوں بزرگوں میں دور نہیں ہو سکے۔

ہڈے سلا صاحب

حالات :

حضرت اخوند عبدالغفور کے خلفا میں جس بزرگ نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی وہ ہڈے سلا صاحب ہیں ۔ وہ صاحب باطن بھی تھے اور صاحب سیف بھی ۔ انہوں نے جہاں اپنے فیوض روحانی سے مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد کو منور و درخشاں بنایا ، وہاں انہوں نے انگریزوں کے استبداد کے خلاف تلوار اٹھائی ، اور اپنی عمر کا بڑا حصہ جہاد بالسیف میں گزارا ۔

ان کا اصل نام تو نجم الدین اخوند زادہ تھا لیکن وہ مشہور سلا ہڈے کے نام سے ہوئے ۔ سلا ہڈے اصل میں تو افغانستان کے علاقے شیلگر کے رہنے والے تھے جو غزنین کے ملحقات میں شامل ہے ۔ اس علاقے میں احمد زئی اور سلمان خیل قبائل کے لوگ آباد ہیں ۔ ہڈے سلا صاحب نسباً آخر الذکر سلمان خیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ، لیکن ان کے نام کے ساتھ اخوند زادہ کا لقب وابستہ ہونے سے قیاس غالب یہ ہے کہ ان کا خاندان صاحب علم و فضل خاندان تھا اور اُسی خاتوادے کے ایک روشن چراغ یہ بھی تھے ۔

تعلیم :

سلا ہڈے نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے شیلگر ، پھر سبدلہوگر اور غزنین میں حاصل کی ۔ پھر حصول علم کے لیے کابل تشریف لے گئے اور وہاں محلہ تندوسازاں میں مقیم رہ کر جو اُس وقت اہل علم و صاحبان کمال کا مرکز تھا وہاں کے مختلف علما سے تعلیم حاصل کی ۔

ہڈہ میں تشریف آوری :

علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد وہ افغانستان کے مشہور شہر جلال آباد میں تشریف لائے اور وہاں سے اس شہر کے قریب ۸ کلومیٹر کے فاصلے پر جنوبی جانب ہڈہ نامی موضع میں سکونت پذیر ہوئے۔ ابتداً یہ قیام عارضی تھا، لیکن آخر عذر میں وہ مستقل طور پر اسی موضع میں آباد ہو گئے تھے۔ اسی توطن کی نسبت سے وہ ہڈے ملا کے نام سے مشہور ہوئے۔

ہماری ثقافتی تاریخ شاہد ہے کہ مغربی پاکستان اور افغانستان کے سمت مشرق جلال آباد کے مختلف علاقوں کے روحانی اور عرفانی رشتے ایک طویل عرصے سے قائم ہیں۔ ہمارے علاقے مغربی پاکستان کے بہت سے صوفیائے کرام نے جلال آباد اور اس کے نواح میں تشریف لے جا کر عرفان و ہدایت کے نور کو عام کیا ہے اور اسلامی روح، اسلامی فکر اور اسلامی کردار اور اسلامی سرمایۂ زندگی کو تباہ ہونے سے بچانے کی کوشش کی ہے اور اسی طرح سمت مشرق جلال آباد سے جسے آج کل ننگرہار کہتے ہیں بہت سے جلیل القدر علما اور صوفیائے کرام مغربی پاکستان میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے لیے تشریف لائے اور انہوں نے ہمارے ملک کے اس حصے میں فیضانِ ہدایت کو عام کیا۔ ان آنے والے بزرگوں میں حضرت مولانا شیخ سید مصطفیٰ محمد ترمذی (۱)، شیخ فقیر اللہ

۱۔ حضرت مولانا شیخ سید مصطفیٰ محمد، علاقہ بنیر کے روحانی پیشوا

حضرت سید علی ترمذی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۳۰ء

(۱۹۲۰ء) میں ننگرہار تشریف لائے، اور مستقل طور پر وہیں

سکونت اختیار کر لی۔ آپ کا سوار مبارک دونائی پشت میں ہے۔

حضرت سید مصطفیٰ کے ہی کی اولاد سے تاریخ اسلام کی وہ مشہور

شخصیت ابھری، جو اتحادِ عالم اسلامی کا اولین داعی تھی،

اور جنہیں دنیا ”جمال الدین افغانی“ کے نام سے جانتی ہے۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

جلال آبادی (۱) ، شیخ میاں محمد نعیم (۲) اور شیخ سید شاہ محمد غوث قادری لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

۱ - آپ کا اسم گرامی شاہ فقیر اللہ علوی ، آپ کے والد کا نام شاہ عبدالرحمن ، اور آپ کے دادا کا نام شمس الدین تھا ۔ شاہ فقیر اللہ کی ولادت باسعادت گیارہویں صدی ہجری کے بالکل اوائل میں روتاس میں ہوئی ، آپ کا وطن حصارک و جلال آباد (افغانستان) ہے ۔

شاہ فقیر اللہ علوی نے علوم ظاہری کی تکمیل افغانستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کی اور اپنے تبحر علمی کی بدولت آپ کا شمار اس دور کے ممتاز ترین علما میں ہوتا ہے ۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصے تک مختلف ممالک کا سفر کرتے رہے اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ۔ اسی زمانے میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت شیخ محمد مسعود دائم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ، جو اپنے زمانے کے اکابر اولیا میں تھے ۔ آپ کا سلسلہ طریقت یہ ہے :

شاہ فقیر اللہ علوی ، شیخ محمد مسعود دائم ، شیخ محمد سعید لاہوری ، شیخ آدم بنوری ، حضرت مجدد سرہندی فاروق نقشبندی ۔

شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصے تک قندھار میں مقیم رہے ، اور قندھار میں آپ نے خود بھی تعلیم پائی اور تعلیم بھی دی ۔ قندھار میں اب تک ایک مسجد آپ کے نام سے موسوم ہے ۔

مختلف ممالک کی سیاحت کے بعد آپ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) میں شکار پور (منڈہ) تشریف لائے ۔ منڈہ کی سرزمین آپ کو (باقی حاشیہ صفحہ ۵۷۷ پر)

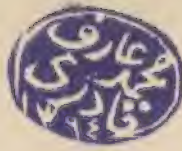
اسی طرح حضرت ہڈے ملا صاحب بھی ہڈے سے روانہ ہو کر پشاور ڈویژن کی مشہور ریاست سوات کے مرکزی شہر سیدو شریف میں تشریف لائے

(صفحہ ۵۷۶ کا بقیہ حاشیہ)

کچھ اس طرح پسند آئی کہ شکارپور ہی کو آپ نے اپنا وطن بنایا اور یہاں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جو آپ کے بعد نقشبندیہ سلسلے کا ایک بڑا مرکز بنی۔

شاہ فقیر اللہ کی ذات گرامی علم و فضل، زہد و ورع، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ سندھ، پشاور، لاہور، ہرات و قندھار سے لوگ آپ کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے، اخلاق کی تعلیم حاصل کرتے اور عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے تھے۔

شاہانِ وقت آپ کے یہاں حاضری کو اپنے لیے سرمایۂ سعادت سمجھتے۔ اُس زمانے میں افغانستان میں احمد شاہ ابدالی برسرِ اقتدار تھا، قلات میں نصیر جان بلوچ کی حکم رانی تھی اور سندھ میں میان سرفراز خاں کھوڑا مسند آرائے سلطنت تھا۔ یہ تینوں فرمانروا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی بارگاہ کی آستانِ بومی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے، اور آپ ان کی ذہنی اور فکری تربیت فرماتے تھے۔ آپ کے مکتوبات دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے کئی خطوط احمد شاہ ابدالی کے نام لکھے ہیں جن میں اسے حسنِ خلق، خدا ترسی، اعلائے کلمۃ الحق اور صبر کی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم شاہ ولی خاں اور ابدالی کے ولی عہد شہزادہ سلیمان کے نام بھی کئی خط ملتے ہیں، جن میں آپ نے ان دونوں کو متعدد نصائح اور اخلاقِ درس دیے ہیں، (باقی حاشیہ صفحہ ۵۷۸ پر)



بیعت :

اور حضرت مولانا شیخ اخوند عبدالغفور قادری نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی سعادت حاصل کی اور ریاضتوں

(صفحہ ۵۷۷ کا بقیہ حاشیہ)

اسی طرح ہمیں آپ کے مکاتیب میں نصیر خاں والئی قلات، محمد سرفراز خاں کلهوڑا والئی سندھ، اور محمد خاں بلوچ والئی مکران کے نام بھی آپ کے خطوط ملتے ہیں جن میں آپ نے ان کو حق شناسی، انسان پروری، عرفان اور نیکوکاری کی تلقین فرمائی ہے اور بعض عرفان و تصوف کے مسائل کو نہایت دلکش انداز میں پیش فرمایا ہے۔

اپنے معاصر علما کی بے حد قدر فرماتے تھے، یہی وجہ تھی کہ پاک و ہند اور افغانستان کے علما شاہ صاحب سے غیر معمولی محبت و عقیدت رکھتے تھے، اور ان بزرگوں میں آپس میں خط کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جن علما اور اکابر سے آپ کی خط کتابت اور تعلقات تھے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :

- (۱) ملا فیض اللہ کا کر قندھاری
- (۲) ملا عبدالحکیم کا کر جو نانا جی کے نام سے مشہور تھے اور قندھار کے مشہور پیروں میں تھے
- (۳) ملا عبداللہ کا کر
- (۴) ملا عبداللہ خرقة پوش قندھاری
- (۵) ملا صاحب داد
- (۶) محمد وارث پشوری
- (۷) ملا صلاح بٹی کوٹ
- (۸) حاجی مولا داد قندھاری

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۷۹ پر)

اور مجاہدوں کے بعد سلوک و تصوف کے عالی مقامات پر فائز ہونے کے بعد اپنے شیخ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

(صفحہ ۵۷۸ کا بقیہ حاشیہ)

(۹) ملا رحیم داد سنجر خلی ژوب

شاہ فقیر اللہ علوی نے ملا رحیم داد کو قبائل کا کری ژوب میں الحاد کی تردید اور اغلائے کلمۃ الحق کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ ان ہی ملا رحیم داد کی خواہش پر محمد بن محمد الجامی الماسی نے ملاحدہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا ایک قلمی نسخہ مولوی محمد شفیع مرحوم کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ملا رحیم داد محمد بن جاسی شاہ فقیر اللہ کے تبلیغی داعیوں میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

سندھ کے علما اور صوفیا میں جن بزرگوں کو شاہ فقیر اللہ علوی سے ربط خاص تھا اور جن سے شاہ صاحب کی مراسلت رہتی تھی ان میں مخدوم محمد معین ٹھٹوی، مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی، سید مرتضائی سیوستانی، شکر اللہ ٹھٹوی، عبدالرؤف ہالہ کنڈی، سید محمد فاروق لکھوی، محمد صلاح ہالہ کنڈی، تاج محمد خوش نویس ٹھٹوی، محمد میر داد قاری عرب، قبول محمد حاجی محمد اسماعیل اور پیر سید محمد راشد ابن سید محمد بقا مشہور ہیں۔

شکار پور کے دوران قیام میں شاہ فقیر اللہ علوی نے ایک عظیم الشان کتب خانے کی بنیاد رکھی جس میں متعدد نادر اور نایاب کتابیں تھیں، لیکن افسوس ہے کہ آپ کے بعد پچاس سال ہی میں اخلاف نے اسلاف کے اس گنج گرانمایہ کو تلف کر دیا جو خدا ہی جانتا ہے کہ کس محنت سے جمع کیا گیا تھا۔ اب بھی اس کتب خانے کے کچھ بعض قلمی نسخے کہیں (باقی حاشیہ صفحہ ۵۸ پر)

حضرت اخوند عبدالغفور کے خلفا میں حضرت فیض محمد اخوند زادہ معروف بہ مسٹھی، صاحبزادہ حضرت مولانا مسعود صاحب ساکن موضع نری اوبہ ملا کنڈ ایجنسی، حضرت مولانا سعید صاحب ساکن موضع کربوگہ

(صفحہ ۵۷۹ کا بقیہ حاشیہ)

کہیں نظر آتے ہیں۔ جامع ترمذی کا ایک قلمی نسخہ جو کعبے میں بیٹھ کر لکھا گیا تھا اور جس پر متعدد علما کے اسناد قرأت و اجازت ثبت ہیں اور شاہ فقیر اللہ علوی نے بھی اپنے قلم سے اس پر چند سطریں تحریر فرما کر اپنی مہر ثبت کی ہے، سید حسام الدین صاحب راشدی کے کتب خانے کراچی میں موجود ہے۔

شاہ فقیر اللہ علوی نے اپنی تصانیف کا بھی ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا، جن کی تعداد سترہ ہے۔ ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) فتح العجیل فی مدارج التکمیل (۲) براہین النجاة من مصائب الدنيا والعرضات (۳) فیوضات اللہیہ (۴) طریق الارشاد فی تکمیل المومنین والاولاد (۵) منتخب الاصول (۶) وثیقة الاکابر (۷) قطب الارشاد (۸) فتوحات الغیبیہ فی شرح عقائد الصوفیہ (۹) جواهر الاوراد، (۱۰) قصیدہ مہرورہ (۱۱) کتاب الازہار فی ثبوت الآثار (۱۲) فوائد فقیر اللہ (۱۳) شرح قصیدہ بانث السعاد (۱۴) ملفوظات (۱۵) مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی (۱۶) ملفوظات و عملیات (۱۷) شرح آیات بشكل مثنوی۔

حضرت شاہ فقیر اللہ علوی کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ عربی، فارسی اور پشتو میں شعر کہتے تھے، فارسی میں آپ کا تخلص ”فقیر“ تھا۔ آپ کی ایک غزل کے دو شعر تبرکاً یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۸۱ پر)

کوھاٹ معروف بہ کربوئے ملا صاحب، حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب مانکی شریف تحصیل نوشہرہ، حضرت حاجی ابراہیم صاحب ساکن موضع بید منٹی علاقہ سہمند (پاکستان) معروف بہ حاجی صاحب بیدمنٹی مشہور ہیں۔ لیکن جو شہرت و عظمت حضرت ملا ہڈہ صاحب کو حاصل ہوئی وہ دوسروں کا حصہ نہ بن سکی۔

جہاد :

اُس شہرت کی خاص وجہ یہ ہے کہ آپ کی عمر کا بڑا حصہ جہاد میں صرف ہوا۔ حضرت ملا ہڈہ صاحب اپنے پیر طریقت کے وصال کے بعد ۱۸۷۷ء سے ۱۹۰۲ء تک تقریباً پچیس سال تک ان تمام لڑائیوں میں شریک رہے جو انگریزوں اور قبائلی مسلمانوں کے درمیان ہوئیں۔

(صفحہ ۵۸۰ کا بقیہ حاشیہ)

مصدرے فیضی کہ عالم را تر و تازہ نمود
فی الحقیقت هست چوں مرآت در جسم شہود
مے پروت ار سے نیاشامد نمی گردد در دست
باد آن جامے بیکسر عقل صوفی در ربود

۳ صفر ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۰ع) کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار شکار پور (سابق سندھ) میں زیارت گاہ خاص و عام ہے (ماخوذ از مضمون ”شاہ فقیر اللہ جلال آبادی“ مرتبہ آقائے حبیبی مندرجہ رسالہ سروش (فارسی) شمارہ ۲۱، جلد دوم ۱۵ مارچ ۱۸۵۸ع)

۲۔ حضرت شیخ میان محمد نعیم جلال آبادی ننگر ہار کے موضع کلمہ نامی سے روانہ ہو کر تحصیل صوابی، ضلع مردان کے موضع شاہ منصور میں تشریف لائے اور حضرت شیخ مانو کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر اکتساب فیض کرتے رہے۔ حضرت شیخ مانو حضرت حاجی بہادر کوھاٹ کے خلیفہ و ہاذون تھے۔

آپ کے جہاد کے محاذ زیادہ تر مہمند اور ملاکنڈ ایجنسی رہے ہیں ۔
آپ کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ اس پاک سر زمین سے انگریزوں
کے اقتدار کو ختم کر کے ایک اسلامی ریاست کے وجود کو عمل میں
لایا جائے ۔

آپ کے پیر حضرت اخوند عبدالغفور نے سرکاولی میں جو جہاد
انگریزوں کے خلاف شروع کیا تھا ، اس میں تمام قبائل نے حصہ لیا تھا ۔
جب سرکاولی کی جنگ ختم ہوئی تو انگریزوں نے ارادہ کیا کہ اُس کی
سزا قبائلیوں کو دی جائے ، نتیجتاً علاقہ مہمند کے قبائلی مسلمان غازیوں
اور انگریزوں میں جنگ چھڑ گئی ۔ ان تمام لڑائیوں میں ہڈے ملا صاحب
مسلمان غازیوں کی قیادت فرماتے رہے ۔

۹۶ - ۱۸۹۵ ع میں جب انگریزوں نے باجوڑ کے مشہور مجاہد
عمرا خاں (۱) کی حکومت کو ایک خون ریز لڑائی کے بعد ختم کیا تو اس

۱ - ۱۲۹۷ھ (۱۸۷۹ ع) عباس خاں ، خانِ جندول کی وفات کے بعد
اس کے دونوں بیٹوں عمرا خاں اور اس کے بڑے بھائی
شیر عالم خاں میں اپنے باپ کی جانشینی کے لیے کشمکش
شروع ہوئی ۔ عمرا خاں نے اپنی پوزیشن کو کمزور دیکھتے
ہوئے اس علاقے سے نکل جانا پسند کیا ، اور وہ حج کے لیے
چلا گیا ۔ حج سے واپسی کے بعد اُس نے پھر حصولِ اقتدار
کی کوشش کی ، یہاں تک کہ جندول پر اس کا اقتدار قائم
ہو گیا ۔ ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ ع) میں اس نے اپنے تدبیر اور
حکمتِ عملی سے جندول کے ارد گرد کے تمام علاقوں پر قبضہ
کر لیا ، یہاں تک کہ خانِ دیر کی نصف ریاست کو اپنے قبضے
میں لے آیا ۔ اُس نے جدید طرز پر اپنی حکومت کو منظم کیا ۔
اپنی حدود میں قلعے تعمیر کرائے ۔ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ ع) میں
اُس نے پشاور سے چترال جانے والی ڈاک اپنے علاقے میں
(باقی حاشیہ صفحہ ۵۸۳ پر)

وقت بھی ملا کنڈ کے محاذ پر ملا ہلہ نے بڑی شجاعت اور بہادری کا ثبوت پیش کیا۔

۱۸۹۷ء میں جب مشہور مجاہد مولانا سعد اللہ خان معروف بہ سرتور فقیر ملا کنڈ میں انگریزوں سے برسر پیکار تھے اس وقت بھی حضرت ملا ہلہ ہمیں غازیوں کی صفِ اول میں نظر آتے ہیں اور ہزاروں

(صفحہ ۵۸۳ کا بقیہ حاشیہ)

محفوظ گزر جانے کی ذمہ داری لے لی، جس کی وجہ سے انگریزوں نے اُسے امداد دینا بھی منظور کر لیا لیکن چند ہی دن میں انگریز اُس کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور اس کی فوجی تنظیم سے خطرہ محسوس کرنے لگے اور رفتہ رفتہ اُس کی انگریزوں سے کشمکش شروع ہوئی۔ یکم اپریل ۱۸۹۵ء (۱۳۱۳ھ) کو انگریزوں نے تین بریگیڈ، گھوڑا سواروں کے دو رسالے، اور چار پہاڑی توپ خانوں کے ساتھ مالا کنڈ کی جانب یلغار کی، جس پر عمرا خان اور قبائلیوں کا قبضہ تھا۔ ۳ اپریل ۱۸۹۲ء کو انگریزوں اور مجاہدین میں محاذ مالا کنڈ پر خون ریز جنگ ہوئی۔ مسلسل پانچ گھنٹے کی جنگ کے بعد قبائلیوں نے انگریزی لشکر کا اندازہ لگانے کے بعد وہاں سے ہٹ کر جنگ کرنا مناسب سمجھا اور چکدرہ کے مشرقی جانب قلعہ راسورا کے قریب بڑی بہادری سے جنگ کی۔ لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ قبائلی مجاہدین اگرچہ بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے مگر انگریزوں کو تازہ کمک پہنچ رہی تھی۔ عمرا خان نے جنگ کا یہ نقشہ دیکھا تو وہ دل برداشتہ ہو گیا اور ۱۷ اپریل ۱۸۹۵ء کو یہ مرد مجاہد اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر افغانستان چلا گیا اور اس نے اپنی زندگی کے بقیہ دن وہیں گزارے۔

(ماخوذ از ”یوسف زبے پٹھان“ صفحہ ۴۶۸ تا ۴۸۵)

قبائلی اُن کے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ اس جنگ میں آپ کے نامور خلیفہ حاجی ترنگ زئی بھی شامل تھے۔ اسی جنگ میں حضرت ملا ہڈہ صاحب کی زیر قیادت انگریزوں کے مشہور کیمپ کو جو چکدرے میں قائم کیا گیا تھا، مجاہدین نے نذرِ آتش کیا تھا۔ جب اس لڑائی نے طویل کھینچا اور انگریز شکست کھا کر باجوڑ سے مہمند بھاگ گئے اور محاذِ جنگ ملا کنڈ سے مہمند منتقل ہوا تو اس محاذ پر بھی حضرت ہڈے ملا صاحب نے انگریزوں کو انتہائی پریشان رکھا۔

وفات :

اس صاحبِ باطن بزرگ اور مردِ مجاہد نے جس نے انگریزوں کے قصرِ اقتدار کو ساری زندگی متزلزل رکھا ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ع) میں وفات پائی۔

خلفا :

آپ کے نامور خلفا میں، جنہوں نے افغانستان اور پاکستان دونوں ملکوں کو اپنے ارشاد و تلقین کا مرکز بنایا مولانا صاحب نگاؤ حضرت صاحب تبخاک، صوفی عالم گل شنواری، میان صاحب موضع سرکانٹری، حاجی صاحب ترنگ زئی، مولانا صاحب موضع کلہنور اور بادشاہ صاحب سلامپور مشہور ہیں (۱)۔

۱۔ ملا ہڈہ صاحب کے یہ تمام حالات اولیائے کرام ("پشتو") مطبوعہ ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی سے ماخوذ ہیں۔

حضرت عبدالوہاب مشہور بہ پیر مانکی شریف

حالات :

حضرت عبدالغفور اخوند سوات کے خلفا میں جنہوں نے سابق صوبہ سرحد میں سلسلہ قادریہ کو غیر معمولی فروغ بخشا ، اُن میں پیر صاحب مانکی شریف خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ انہوں نے رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانے میں روشن کی ، جب کہ سابق صوبہ سرحد کے مسلمان نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے تھے ، معاشرے پر انحطاطی رنگ چھایا ہوا تھا اور اوہام کا تار و پود ہر جگہ پھیلا ہوا تھا ۔ اس تنزل و انحطاط کے دور میں پیر صاحب مانکی شریف نے احیائے ملت اور اعلائے کلمۃ الحق کی جو کوششیں کیں ، وہ سابق صوبہ سرحد کی تصوف کی تاریخ میں ہمیشہ آبِ زر سے لکھی جائیں گی ۔

اگرچہ حضرت عبدالوہاب صاحب کے آبا و اجداد موضع اکوڑہ خٹک ، تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے رہنے والے تھے ، لیکن جب سکھا شاہی حکومت شروع ہوئی اور سابق صوبہ سرحد کے مسلمان اُن کے مظالم کی چکی میں بے طرح پسے لگے اور لوگ اُن کے مظالم سے تنگ آکر وطن سے بے وطن ہوئے ، تو اسی زمانے میں حضرت پیر عبدالوہاب کے والد مولانا ضیاء الدین اپنا وطن چھوڑ کر بداشی تشریف لائے ۔ یہ موضع ، نوشہرہ چھاؤنی سٹیشن کے عقب میں واقع ہے ۔ اس موضع کو اُنہوں نے اپنا وطن بنایا اور اسی موضع کی ایک مسجد میں وہ امام مقرر ہوئے ۔ اکوڑا سے ہجرت کے وقت ان کے ساتھ اُن کے تین صاحبزادے بھی تھے ، جن میں سے ایک حضرت عبدالوہاب صاحب بھی ہیں ، جنہوں نے آئندہ چل کر ”پیر مانکی شریف“ کے نام سے غیر معمولی شہرت حاصل کی ۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

مولانا ضیاء الدین نے سکھا شاہی حکومت کے آخری ایام میں وفات پائی اور ڈیرہ کٹی خیل کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عبدالوہاب اپنے بھائیوں کے ساتھ کٹی خیل (۱) چلے آئے اور اسی موضع میں مقیم ہو گئے۔

بیعت و خلافت :

اس زمانے میں حضرت عبدالغفور اخوند سوات کے عرفان و تصوف کی شہرت سارے سابق صوبہ سرحد میں پھیلی ہوئی تھی۔ طلب حق اور معرفت الہی کا ذوق حضرت عبدالوہاب کو بھی حضرت اخوند سوات کے آستانے تک کھینچ کر لایا اور وہ سلسلہ قادریہ میں ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے۔

جنگ امبیلہ :

۱۸۶۳ء (۱۲۸۰ھ) میں جب انگریزی فوج نے ملاکنڈ اور علاقہ سوات پر قبضہ کرنے کی نیت سے پیش قدمی کی، جن سے ان کا سب سے بڑا مقصد ان علاقوں پر قبضہ کرنا اور مجاہدین کے مرکز ملک کو ختم کرنا تھا جس کو مجاہدین نے حادثہ بالا کوٹ کے بعد اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا۔ جنگ امبیلہ میں اخوند سوات صاحب غازیان سوات اور بنیر کے ساتھ محاذ امبیلہ پر انگریزوں سے مصروف پیکار تھے۔ اس محاذ پر حضرت اخوند سوات کے ساتھ حضرت عبدالوہاب نے بھی دشمنوں کے خلاف بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ حضرت اخوند سوات نے اُن کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے خوش ہو کر انہیں اپنے خاص مریدین کے زمرے میں شامل فرمایا۔

رشد و ہدایت :

خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ اعلیٰ کلمۃ الحق اور امر بالمعروف میں مصروف ہو گئے۔ مریدین کی ایک جماعت آپ کے ساتھ رہتی تھی۔

۱۔ موضع ڈیری کٹی خیل تحصیل نوشہرہ میں ایک موضع ہے جو

بداشی سے تھوڑی دور پہاڑوں کے عقب میں واقع ہے۔

اور آپ اس علاقے کے گاؤں اور قصبوں میں پہنچ کر تبلیغ اسلام کرتے تھے۔ انہوں نے تبلیغ اور احیائے کلمۃ الحق کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا۔ ان کی شہرت اکثاف ملک میں پھیل گئی اور آپ عوام میں ”مولوی صاحب کٹی خیل“ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے ازراہ عقیدت آپ کو بہت سی اراضیات بطور سیری پیش کیں۔

ریاحی چٹان :

حضرت عبدالوہاب صاحب نے عوام کو توحید پر مستقیم کرنے اور توہمات کی بیخ و بن اکھیڑنے کی بہت جد و جہد کی۔ اگرچہ اس راہ میں انہیں بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے بغیر کسی مخالفت کی پروا کیے مسلمانوں کے زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ رحمکار کے مزار سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر ایک سفید چٹان تھی۔ لوگ اس کو ریاچی چٹان کہتے تھے۔ عوام میں مشہور تھا کہ جسے کوئی ریاچی شکایت ہو وہ اگر اپنے بدن کے کسی حصے کو اس چٹان سے ملے گا وہ شفا پائے گا۔ لوگ اس پتھر کے گرد شفا پانے کی غرض سے جمع رہتے۔ یہ بات اس اسلامی بنیادی عقیدے کے خلاف تھی کہ شفا دینے والا اور بیمار ڈالنے والا سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ اس بنا پر آپ نے اس پتھر کو تڑوا دیا۔ کا کا خیل قبیلے کے لوگ اس عمل سے آپ کے سخت خلاف ہو گئے مگر آپ نے اس کی پروا نہیں کی۔ لیکن جب مخالفت حد سے بڑھی تو حضرت اخوند صاحب نے کا کا خیل کے لوگوں کو سمجھا بچھا کر صلح صفائی کرا دی۔

مانکی شریف میں تشریف آوری :

حضرت عبدالوہاب کی زندگی کا سب سے اہم پہلو ان کا نظام اصلاح و تربیت تھا۔ انہوں نے فاسد عناصر کی اصلاح اور انسانیت کی اخلاق سطح بلند کرنے کا جو مؤثر طریقہ اختیار کیا، اس سے ان کی شہرت اس علاقے میں خوب پھیلی۔ دور دور سے طالبان حق اس شمع معرفت کے گرد پراونہ وار جمع ہونے لگے۔ کٹی خیل میں پانی کی قلت تھی۔ حضرت شیخ عبدالوہاب نے اپنے پیروں و مرشد سے مشورے کے بعد مانکی شریف کو

تذکرہ صوفیائے سرحد

اپنی تبلیغ و ارشاد کا مرکز بنایا اور کئی خیل سے منتقل ہو کر مانکی شریف میں مقیم ہو گئے۔ آپ کے دوسرے بھائی خویشی شریف لے گئے جو دریا کے پار تحصیل نوشہرہ کا ایک موضع ہے۔ مانکی شریف لانے کے بعد وہ ”پیر مانکی شریف“ کے لقب سے مشہور ہوئے اور ہزاروں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

مانکی شریف کے شیخ :

مانکی شریف شریف لانے کے بعد آپ کے مریدین مانکی کے شیخ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق یہ شیخ دیہات اور قریوں میں جاتے، لوگوں کو امر بالمعروف کی تاکید کرتے، خلاف شریعت امور سے روکتے، لوگوں کو داڑھی رکھنے پر متوجہ کرتے اور منشیات، یہاں تک کہ نسوار اور حقے سے بھی منع کرتے۔

فروعی مسائل میں اختلاف :

حضرت اخوند سوات کے مریدین میں جو افق ولایت پر آفتاب بن کر چمکے ان میں ایک ہڈے ملا صاحب اور دوسرے پیر مانکی شریف ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے ان دونوں بزرگوں میں بعض فروعی مسائل میں اختلافات رونما ہوئے اور اس اختلاف نے ایک ناگوار صورت اختیار کر لی۔ یہ اختلاف تشہد میں رفع سبابہ پر تھا۔ پیر مانکی شریف کا خیال تھا کہ نماز میں قعدے کی حالت میں تشہد کے وقت انگلی اٹھانا حرام ہے، ہڈے ملا صاحب اپنی تحقیق کی بنا پر اس پر مصر تھے کہ تشہد میں رفع سبابہ سنت ہے۔ آخر یہ فروعی مسئلہ ان دونوں بزرگوں میں ایک نزاعی مسئلہ بن گیا۔ دونوں بزرگوں میں اس مسئلے پر مناظرے ہوئے، یہاں تک کہ یہ اختلاف پیروں سے نکل کر مریدوں تک پہنچا۔ دونوں کے مریدین اس مسئلے پر الجھتے رہے، یہاں تک کہ اس اختلاف نے ایک سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ آخر میں پیر مانکی شریف کے صاحبزادے حضرت عبدالحق ثانی نے ”عقائد المومنین“ کے نام سے پشتو میں ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں دوسرے فقہی مسائل کے ساتھ نماز میں رفع سبابہ کے متعلق لکھا کہ جو کوئی تشہد کے وقت انگلی سے اشارہ کرے، اس کے دانت توڑ دو،

اُس کا منہ خاک سے بھر دو ، اُس کے چہرے پر سیاہی ملو اور اُسے گدھے پر سوار کر کے اس حد تک نادم کرو کہ یا تو وہ اپنے اس فعل بد سے توبہ کر لے اور یا اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کر جائے ۔

مغربی تہذیب سے نفرت :

مغربی تہذیب اور انگریزی تعلیم کے اثرات کو دیکھ کر جو مسلمانوں کو اپنے مذہب سے بیگانہ اور انگریزوں کا غلام بنا رہی تھی ، پیر صاحب مانکی شریف ان دونوں چیزوں کے سخت مخالف تھے ۔ انگریزی تعلیم سے بیزار کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس زمانے میں سکول مشینوں کی نگرانی میں چلتے تھے اور یہی پادری تعلیم کے پردے میں عیسائیت کی تبلیغ کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے ۔ یہ تھی وہ وجہ جس نے پیر صاحب مانکی شریف کو انگریزی تعلیم سے متنفر بنا دیا ۔ وہ انگریزوں اور انگریزوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے اس درجہ متنفر تھے کہ وہ ریل گاڑی کو انگریزوں کا گدھا کہتے تھے ۔ کوئی مرید کہیں دور سے ملنے کے لیے آتا تو اس سے پوچھتے کہ پیدل آئے ہو یا انگریز کے گدھے پر سوار ہو کر آئے ہو ۔ اگر وہ کہتا کہ پیدل آیا ہوں تو بہت خوش ہوتے ۔

سادگی :

لباس میں سادگی آپ کا شعار تھا ۔ گھریلو کھدڑ کا بنا ہوا لباس زیب تن فرماتے تھے ۔ دستار مختصر باندھتے تھے اور شان و شکوہ اور تکلف سے آپ کو نفرت تھی ۔

وفات :

حضرت پیر صاحب مانکی شریف ۱۹ شعبان ۱۳۲۲ھ (اکتوبر ۱۹۰۴ء) میں واصل الی اللہ ہوئے ۔ مانکی شریف میں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

اولاد :

وصال کے وقت پیر صاحب مانکی شریف کے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں ۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں (۱) حضرت عبدالحمق ثانی (۲) حضرت عبدالرزاق عرف حاجی گل (۳) حضرت عبدالرحمان (۴) حضرت

تذکرہ صوفیائے سرحد

عبدالقیوم عرف فقیر سپین حزی (۵) حضرت عبدالواسع - صاحبزادیوں میں ایک صاحبزادی کا عقد موضع کٹی خیل میں اُن کے بھتیجے کے ساتھ ہوا تھا -

سجادگی :

پیر صاحب مانکی شریف کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالحق ثانی سجادہ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے -

خلفا :

پیر صاحب مانکی شریف کے بعد آپ کے خلفاء نے آپ کے سلسلے کے فیض کو عام کیا - آپ کے مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں :

(۱) حضرت عبدالحق ثانی فرزند حضرت پیر مانکی شریف

(۲) حضرت عبدالقیوم فرزند حضرت پیر مانکی شریف

(۳) صاحبزادہ صاحب خویشگی

(۴) کابل ملا صاحب

(۵) میان صاحب کا کڑک (انغانستان)

(۶) گنڈیری ملا صاحب رانی زے

(۷) دکن ملا صاحب

(۸) یار حسین ملا صاحب

(۹) عبدالحنان

(۱۰) حاجی صاحب بنوں

(۱۱) قاشقار ملا صاحب

(۱۲) مولانا تاج الدین صاحب

(۱۳) مسلمان ملا صاحب

(۱۴) اچنبی ملا صاحب

(۱۵) تیرا ملا صاحب

(۱۶) جنت شاہ ملا صاحب باجوڑ

(۱۷) مولانا محمد اعظم صاحب

تصانیف :

پیر صاحب مانکی شریف کی دو تصانیف احکام المذاهب اور ہدایت
الابرار مشہور ہیں - (۱)

۱ - حضرت پیر مانکی شریف کے یہ تمام حالات اولیائے سرحد سلسلہ
نمبر ۳ مولفہ نصرت اللہ خان نصر سے ماخوذ ہیں -

حضرت خواجہ عبدالرحیم باغدري

حالات :

آپ کا اسم گرامی عبدالرحیم ہے ۔ آپ کی ولادت با سعادت باغدرہ میں ہوئی جو گندگر پہاڑ میں واقع ہے ۔ ابتداً جلالیہ میں تعلیم حاصل کی اور درس نظامیہ کی تکمیل ہندوستان کے مختلف مدارس میں کی ۔ زائنہ طالب علمی ہی میں آپ کے قلمب میں معرفت الہی کا ذوق بیدار ہوا اور آپ مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے موہڑہ شریف ضلع راولپنڈی پہنچے

بیعت :

اور سلسلہ نقشبندیہ میں اس دور کے مشہور بزرگ خواجہ محمد قاسم کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر ایک طویل عرصے تک ان کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے ۔ آخر آپ کے شیخ نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا کہ وہ اپنے وطن واپس جا کر رشد و ہدایت میں مصروف ہوں ۔

رشد و ہدایت :

چنانچہ آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق باغدرہ ضلع ہزارہ میں مشوطن ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے ۔ لیکن چون کہ باغدرہ ایک ایسے مقام پر واقع تھا کہ وہاں طالبان حق کو راستے کی سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لیے آپ اپنے مریدوں کے اصرار پر حسن ابدال کے قریب سالک آباد میں مقیم ہو گئے اور یہیں مسجد و خانقاہ تعمیر کرا کر آخر عمر تک اعلیٰ کلمۃ الحق اور تبلیغ میں مصروف رہے ۔

زہد و ریاضت :

آپ کا بڑا وقت زہد و ریاضت اور عبادت الہی میں گزرتا تھا ۔ نماز

باجاعت آپ کا خاص شعار تھا۔ آپ کے آئینہ اخلاق میں اتباع سنت کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اکثر یہ شعر پڑھتے :

خلاف پیمبر کسی رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

ارشادات :

ایک موقع پر ارشاد فرمایا :

”لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو غیر اللہ کو دل سے نکال دو۔ لوگو! اللہ سے صالح کر لو۔ اللہ کو راضی کرو۔ چند روزہ زندگانی کو غنیمت سمجھو، اللہ اللہ کرو، اللہ ہو کا ورد کیا کرو۔“

وفات :

تقریباً پچاس سال تک آپ سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیمات کو عام کرتے رہے۔ برصغیر ہند و پاک کی تقسیم سے پہلے آپ واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار پرانوار سالک آباد میں ہے جو حسن ابدال ریلوے سٹیشن سے دو میل مشرق اور ہزارہ پنڈی روڈ سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے (۱)۔

خلفا :

آپ کے خلفا میں جن بزرگ نے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی وہ حضرت کابل شاہ تھے۔ وہ افغانستان کے خلع ہاری کار کے موضع ”امپان دولانا“ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام محمد یوسف اور ان کے والد کا نام ادیس تھا۔ خود انہوں نے ایک محفل میں فرمایا کہ میری عمر امیر عبدالرحمن والی کابل کی وفات کے وقت ۷۷ سال کی تھی۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت عبدالرزاق کے واسطے سے حضرت غوث اعظم سے جا ملتا ہے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے موضع امپان دولانہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد ان کی دینی

۱۔ یہ تمام تفصیل ماہنامہ عارف، لاہور، بابت مارچ ۱۹۶۱ء صفحہ

۱۳ تا ۱۸ مضمون حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب صابر

مٹھیالوی سے ماخوذ ہے۔

تذکرہ صوفیائے سرحد

تعلیم کا انتظام ان کے والد بزرگوار نے کیا اور بقیہ تعلیم انہوں نے علاقہ سمہ مردان کے ایک عالم سے حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد وہ افغانستان کے مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ جب انقلاب افغانستان کے موقع پر شاہ امان اللہ کے خیر خواہوں کو جلا وطن ہونا پڑا تو یہ بھی افغانستان سے نکل کر قبائلی علاقے میں متوطن ہو گئے۔

کابل شاہ ابتدا ہی سے زہد و ریاضت کی طرف مائل تھے۔ یہ جلا وطنی طبیعت پر اور بھی اثر انداز ہوئی اور دل دنیا سے متنفر ہو کر بالکل زہد و ورع کی طرف مائل ہو گیا۔ قبائلی علاقے میں تشریف لانے کے بعد انہوں نے شب قدر کے مقام سبحان خور میں ایک عرصے تک چلہ کشی اور ریاضتیں و مجاہدے کیے۔

آخر حضرت خواجہ عبدالرحیم باغدروی کی بارگاہ عظیم المرتبت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے مرشد کی اجازت سے ضلع مردان کی تحصیل صوابی کے موضع گاڑ میں مقیم ہو کر ارشاد و تلقین اور ہند و موعظت میں مشغول ہو گئے۔ اعلیٰ کلمۃ الحق اور رشد و ہدایت کے لیے آپ نے اس علاقے میں متعدد مرتبہ دورہ کیا۔ سمہ ضلع مردان کے مشائخ و علما ان کے فیوض و برکات سے استفادہ کرتے تھے۔ یہاں تک حکومت برطانیہ نے ان کے رسوخ و ارتکاز کو دیکھ کر انہیں سابق صوبہ سرحد سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس حکم کے بعد وہ سابق پنجاب کے علاقے میں تشریف لے آئے۔ یہاں بھی ان کی زندگی کا مقصد رشد و ہدایت اور سر بلندی دین تھا۔

آخر عمر میں کراچی تشریف لائے اور پاپوش نگر میں مقیم ہو گئے۔ اپریل ۱۹۶۴ء کو چند دن علیل رہ کر واصل بحق ہوئے۔ ان کا مزار پرانوار ڈالیا سیمنٹ فیکٹری کے عام قبرستان میں اس عالم میں واقع ہے :

ہر مزار ما غریبان نے چراغے ، نے کلمے

نے پر پروانہ سوزد ، نے صدائے ہلبلیے

حضرت کابل شاہ کی تصانیف میں دیوان سستان شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے سید عبدالغفار، سید محمد اور سید عمر ہیں (۱)۔

۱۹۰۰ء

۱۔ حضرت کابل شاہ کے حالات کے لیے میں پیر محمد شارق نائب مدیر رسالہ اباسین کا ممنون ہوں کہ یہ معلومات قلمی صورت میں انہوں نے فراہم کیں۔

ملا صاحب بابڑہ

حالات :

تحریک مجاہدین میں جن بزرگوں نے سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا اُن میں ملا صاحب بابڑہ بھی تھے۔ آپ کا اصل نام عبدالکریم تھا۔ یاغستان کے رہنے والے تھے اور وہاں کے اکابر علما اور اہل طریقت میں شمار ہوتے تھے۔

مولوی محمد علی قصوری نے سفر یاغستان میں اُن سے ملاقات کی تھی۔ وہ اُن کے متعلق اپنے ناثر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

”ملا صاحب سفید ریش بزرگ تھے۔ میرے خیال میں اُس وقت

۱۶-۱۹۱۵ع میں ان کی عمر ستر سے ستجاوز ہوگی مگر

صحت نہایت عمدہ تھی۔ بغیر عینک کے قرآن شریف پڑھتے

تھے اور ایسے تیز رو تھے کہ جوان بھی مشکل سے ساتھ

دے سکیں۔ دبلے پتلے جسم کے دراز قامت اور چہرے

سے نور ایمانی اور فہم و فراست عیاں تھا۔ بات چیت میں

نہایت سنجیدہ تھے (۱)۔“

۱۔ یہ تمام تفصیل ”سرگزشت مجاہدین“ جلد ۴، صفحہ ۵۴۳ سے

بحوالہ ”مشاہدات کابل و یاغستان“ صفحہ ۷۷ سے ماخوذ ہے۔

حضرت خواجہ عبدالرحمن چھوڑوی

نام و نسب :

متاخر دور کے بزرگوں میں جس عظیم المرتبت صوفی درویش نے سابق صوبہ سرحد کی سرزمین کو اپنے تبلیغی کارناموں سے منور و درخشاں بنایا وہ حضرت خواجہ عبدالرحمن چھوڑوی ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت قصبہ صالح سرائے تحصیل ہری پور ضلع ہزارہ میں ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں ہوئی۔ آپ کا اسم گرامی عبدالرحمن، لقب سلطان الفقرا، کنیت ابوالفضلان تھی لیکن عوام میں آپ کی شہرت باجی صاحب سے تھی۔ آپ کے والد کا نام نامی خواجہ فقیر محمد تھا لیکن وہ خواجہ خضری کے لقب سے مشہور تھے۔ سلسلہ نسب کے اعتبار سے آپ علوی قریشی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی رض کے صاحبزادے حضرت محمد حنفیہ سے جاتا ہے (۱)۔

کسی وجہ سے آپ کے والد حضرت فقیر محمد نے صالح سرائے کی سکونت ترک کر کے قصبہ چھوڑ میں اقامت اختیار فرمائی اور اسی قصبے میں حضرت عبدالرحمن پلے، بڑے اور جوان ہوئے اور یہی قصبہ بعد میں اُن کے رشد و ہدایت کا مرکز بنا۔

ابھی آپ بچے ہی تھے کہ اٹھ سال کی عمر میں حضرت عبدالرحمن کے والد ماجد کا سایہ شفقت سر سے اُٹھ گیا اور اُن کے بعد آپ کی والدہ نے آپ کی تربیت فرمائی جو خود بھی بڑی عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔
تعلیم :

حضرت عبدالرحمن کے تذکرہ نگار اُن کی رسمی تعلیم کے متعلق خاموش ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے آپ علوم رسمہ کی تعلیم

حاصل نہ کر سکے لیکن بچپن ہی سے آپ زہد و اتقا کی طرف مائل تھے۔ کسی بزرگ کی شہرت سنتے تو اس کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

اخوند سوات سے ملاقات :

اُسی زمانے میں آپ حضرت عبدالغفور اخوند سوات کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت کے مشاہیر اولیاء اللہ میں تھے۔ وہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ کئی روز تک ملاقات کی نوبت نہ آسکی۔ آپ کے ہمراہیوں نے مایوس ہو کر کہا کہ ملاقات کی کوئی توقع نہیں واپس چلیں۔ فرمایا کہ کل حضرت اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اپنے دیدار سے مستفیض فرمائیں گے۔ یہ بڑی محرومی ہے کہ ہم آپ کی زیارت کیے بغیر ہی جائیں۔ تھوڑی دیر ہی کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت اخوند سوات کے خدام آپ کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں اور آواز دے رہے ہیں کہ کوئی ہزارے کے صاحب یہاں ہیں۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آپ کو حضرت اخوند صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ اخوند صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا دغہ دی، دغہ دی، دغہ دی، یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے۔ پھر حضرت اخوند نے نہایت تعظیم و توقیر سے بٹھا کر فرمایا کہ تم اپنے وطن ہی میں قیام کرو، تمہارے مرشد تمہارے وطن ہی میں آکر تم کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمائیں گے (۱)۔ بیعت و خلافت :

حضرت عبدالرحمان اپنے وطن لوٹے اور اس مرشدِ کامل کے انتظار میں رہے جس کی بشارت حضرت اخوند سوات نے ان کو دی تھی۔ اُسی زمانے میں ایک بزرگ مجدد یعقوب (۲) نامی گنجہتر (مظفر آباد، کشمیر)

۱۔ ”سیرت رحمانیہ“، قلمی تالیف مجدد عباس خان قادری خطیب پشاور

صفحہ ۱۵ - ۱۸

۱۔ شاہ مجدد یعقوب کا سلسلہ طریقت یہ ہے : شاہ مجدد یعقوب، شیخ

مجد انور شاہ، شیخ عبداللہ، شیخ مجدد رفیق، حضرت خواجہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۹۹ پر)

سے موضع ملکیار میں تشریف لائے جو چھور کے بالکل قریب ہے۔ حضرت عبدالرحمن کو پتا چلا تو آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو ملکیار سے چھور لے کر آئے۔ پھر انہیں بزرگ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر سلسلہ قادریہ، چشتیہ و نقشبندیہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے اور زینت بخش مسند ارشاد قادریہ ہوئے (۱)

بزرگوں سے ملاقاتیں :

اس مرتبہ عالی پر فائز ہونے پر بھی آپ اس دور کے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ایک دوسرے سے بڑی محبت سے ملتے۔ جن بزرگوں سے آپ کی ملاقاتیں رہیں، ان میں حضرت اخوند سوات، حضرت سید فضل الدین صاحب گولڑہ شریف، حضرت معظم شاہ صاحب، میاں فضل الدین صاحب چشتی اور حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی (۲) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(صفحہ ۵۹۸ کا بقیہ حاشیہ)

گل محمد صاحب کنگال، خواجہ عبدالصبور، خواجہ حافظ احمد بارہ مولا، شیخ عنایت اللہ شاہ، حضرت سید عبداللہ، ابوالبرکات سید حسین پشوری۔

- ۱۔ ”سیرت رحالید“، قلمی۔ مولفہ* محمد عباس قادری۔ صفحہ ۱۹
- ۲۔ حضرت شاہ شمس الدین سیالوی حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے جلیل القدر خلفا میں تھے۔ وہ ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ع) کو سیال میں پیدا ہوئے جب کہ پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی۔ ان کے والد کا نام محمد یار تھا۔ انہوں نے خواجہ سیالوی کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ سات سال کی عمر میں خواجہ صاحب نے قرآن مجید ختم کر لیا، پھر اپنے ماموں میاں احمد الدین کے ساتھ موضع میکی ڈھولک علاقہ پنڈی گھپ میں جا کر وہاں کے مدرسے میں ”نام حق“ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۰ پر)

ہج :

آپ تین مرتبہ حج اور زیارت روضہ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مشرف ہوئے اور ہر دفعہ عراق کا سفر فرمایا اور وہاں کے بزرگوں

(صفحہ ۵۹۹ کا بقیہ حاشیہ)

اور ”کریم پڑھی“۔ پھر مکھڑ حاضر ہوئے اور مولوی علی محمد صاحب سے جو اس دور کے مشہور عالم تھے تعلیم شروع کی۔ مولوی علی محمد صاحب ان کے علمی انہماک اور خلوص کو دیکھ کر ان پر بیحد شفقت فرماتے تھے۔

اس زمانے میں مولوی علی محمد صاحب خود بھی مرشدِ کامل کی تلاش میں تھے۔ ایک دفعہ کسی نے ان سے حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کی تعریف کی۔ وہ آپ کی تعریف سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ خواجہ شمس الدین سیالوی کو ساتھ لے کر شاہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت خواجہ سیالوی کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

شاہ سلیمان تونسوی نے استاد شاگرد دونوں کو بیعت کر لیا۔ شاہ محمد سلیمان نے خواجہ شمس الدین سیالوی کو چھتیس سال کی عمر میں خلافت سے سرفراز فرمایا اور وہ اپنے وطن میں مقیم ہو کر درس و تدریس و عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

خواجہ سیالوی حسنِ اخلاق کا پیکر تھے۔ اتباعِ شریعت پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔ نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، صلح اور مزامیر سے پرہیز کرتے تھے۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۰ء) کو وفات پائی۔

(ماخوذ از ”تذکرہ صوفیائے پنجاب“ صفحہ ۵۵۷ تا ۳۶۰ بحوالہ ”تاریخ مشائخ چشت“۔)

کے مزارات پر حاضری کا شرف حاصل کیا ، خصوصاً حضرت غوث پاک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات حاصل کیے ۔

رشد و ہدایت :

پھر آپ نے چھوڑ میں مقیم ہو کر سلسلہ عالیہ قادریہ کو نہ صرف اس علاقے میں غیر معمولی فروغ دیا ، بلکہ آپ نے اس سلسلے کے فیوض و برکات کو کشمیر ، افغانستان ، عرب ، ہندوستان ، برما اور بنگال تک پہنچا دیا ۔ آپ کے مریدین کی تعداد ان علاقوں میں بکثرت پائی جاتی ہے ۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دور سے آکر اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہوتے تھے اور کوئی ناکام واپس نہ جاتا تھا ۔ دارالعلوم اسلامیہ رحانیہ کا قیام :

دعوت الی الحق ، تزکیۃ نفس اور اصلاح اخلاق کے ضمن میں آپ نے شدت سے محسوس کیا کہ جب تک کہ عوام میں علوم دینیہ کی تعلیم کو عام نہیں کیا جائے گا اُس وقت تک لوگوں میں کوئی ذہنی اور فکری انقلاب نہیں آسکتا ۔ چنانچہ آپ نے ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ع) میں ہری پور ، ہزارہ میں دارالعلوم اسلامیہ رحانیہ کی بنیاد رکھی ۔ آپ کا مقصد اس درسگاہ کے قیام سے یہ تھا کہ نہ صرف سابق صوبہ سرحد کے بلکہ کابل ، پنجاب ، یاغستان اور کشمیر کے طلباء اس درسگاہ سے مستفید ہو کر نکلیں اور ان علاقوں میں پھیل کر اسلامی تعلیمات کو عام کریں ، صحیح فکر و عقائد کو رواج دیں اور جہالت نے جو گمراہیاں پھیلا رکھی ہیں اُن کو دور کریں ۔ چنانچہ اس درسگاہ کے فارغ التحصیل طلبہ نے نہ صرف اس علاقے میں بلکہ دور دور ملکوں میں پھیل کر علم کی شمع روشن کی اور اپنے ہند و موعظت سے جہالت اور گمراہیوں کو دور کیا اور اس وقت بھی یہ سابق صوبہ سرحد کی درسگاہ بڑی کامیابی سے چل رہی ہے ۔

سفرا اور مبلغین کا تقرر :

اس درسگاہ کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے سفرا اور مبلغین کا

لذکرہ صوفیائے سرحد

تقرر فرمایا ، تاکہ وہ مواضع اور قصبات کا دورہ کر کے اشاعت اسلام اور احیاء سنت کی جد و جہد کریں اور غیر شرعی رسومات اور بدعات کو دور کر کے اسلامی تعلیمات کو رواج دیں ۔
مساجد کی تعمیر :

مساجد کی تعمیر کی طرف بھی آپ نے خصوصی توجہ فرمائی ۔ مٹیشن ہری پور اور اس کے گرد و نواح میں بعض مساجد آپ ہی کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں (۱) ۔

اخلاق :

حضرت شیخ عبدالرحمن چھوڑوی حسن اخلاق کا ایک پیکر اور اتباع رسول کا ایک بہترین نمونہ تھے ، توکل و استغنا آپ کا خصوصی وصف تھا ۔

ایک دفعہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۲) نے آپ کے ہاں مہمانوں

۱ - یہ تمام تفصیل سیرت رحانیہ صفحہ ۲۵ مولفہ عباس علی صاحب

خطیب بریگیڈ ہیڈ کوارٹر پشاور کینٹ سے ماخوذ ہے ۔

۲ - آپ کا اسم گرامی مہر علی شاہ اور آپ کے والد محترم کا نام ناسی

سید نظیر الدین شاہ تھا ۔ آپ کا سلسلہ نسب چوہیسویں پشت

میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے جا ملتا ہے ۔ پیر سید مہر

علی شاہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اُن کے والد نے فرمائی ۔ بہت ہی

کم عمری میں آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل کی ، اور تعلیم

سے فارغ ہونے کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ۔

پیر سید مہر علی شاہ نے خواجہ شمس الدین سیالوی کے خدمت

حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا ، اس کے

بعد حجاز تشریف لے گئے ۔ مکہ معظمہ میں ایک دن حاجی

امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر تھے ، انہوں

نے آپ کو ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا ، چنانچہ آپ

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۰۳ پر)

کی کثرت دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے ہاں سہان بہت آتے ہیں اور آپ کی آمدنی قلیل ہے۔ میں آپ کو فلاں عمل کی اجازت دیتا ہوں ، اگر آپ نے اسے پڑھا تو آمدنی زیادہ ہو جائے گی۔ آپ خاموش ہو گئے ، لیکن جب پیر علی شاہ نے دو تین مرتبہ فرمایا تو آپ نے کہا کہ حضرت مجھے شرم آتی ہے کہ باہر سے لوگ میرے خیال کر کے آئیں اور اندر پیسوں کے لیے وظیفہ پڑھا جائے (۱)۔

طلبہ کی خدمت اور ان کی تربیت کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے۔ ابتداً جب ہری پور میں دارالعلوم رحانیہ قائم ہوا تو وہاں مطبخ کا انتظام نہ تھا ، طلبہ کے لیے کھانا پک کر چھوڑی سے جاتا تھا۔ ایک دن شدید بارش ہو رہی تھی۔ یہ بارش رات تک مسلسل جاری رہی ، یہاں تک کہ رات کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ آپ نے خدام سے فرمایا کہ طالب علم بھوکے ہوں گے ، انہیں کھانا پہنچا دو ، مگر موسلا دھار بارش میں کسی کی ہمت نہ پڑی۔ آپ اس تیز بارش میں کھانا لے کر ہری پور پہنچے۔

(صفحہ ۶۰۲ کا بقیہ حاشیہ)

حضرت حاجی صاحب کے مشورے پر ہندوستان تشریف لائے اور رشد و ہدایت اور علمی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔ تبحر علمی کے اعتبار سے سید پیر مہر علی شاہ پنجاب کے ممتاز ترین علما میں تھے۔ آپ کے ملفوظات جو ”ملفوظات طیبہ“ کے نام سے شائع ہوئے ہیں ، آپ کی وسعت نظر اور تبحر علمی ، وسیع معلومات اور حقائق و معارف کے شاہد ہیں۔ وہ اپنی تعلیمات میں اتباع سنت پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے ، شاعری میں مہر تخلص کرتے تھے۔

(ماخوذ از تذکرہ صوفیائے پنجاب صفحہ ۶۷۰ تا ۶۷۵)

۱۔ ماخوذ از تذکرہ علماء و مشائخ و سرحد مولفہ محمد امیر شاہ قادری

تذکرہ صوفیائے سرحد

جب طالب علموں نے کھانا کھا لیا تو آپ کو اطمینان ہوا (۱)۔
 قناعت و توکل اس درجہ طبعیت میں تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں سوت پیش کیا اور اس کی بنوائی اور رنگوائی کی اجرت پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت ! یہ سوت حاضر ہے اور اس کی بنوائی اور رنگوائی کی اجرت بھی پیش ہے ، آپ اپنے لیے دو چادریں بنوائیں۔ آپ نے اسے واپس کرتے ہوئے فرمایا ، میاں ! میں نے تو اب ضروریات زندگی سے بھی بے نیازی اختیار کر لی ہے۔ جب سے میں نے مخلوق خدا سے اپنی ضروریات زندگی میں استغنا اختیار کیا ہے ، میرا مولیٰ تعالیٰ مجھے بغیر کسی سے طلب کرنے اور مانگنے کے موسم گرما میں موسم گرما کا لباس اور موسم سرما میں موسم سرما کا لباس عنایت فرما دیتا ہے ، جو میرے لیے کافی ہوتا ہے (۲)۔

وفات :

”سیرت رحمانیہ“ میں ہے کہ یکم رمضان ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ع) سے حضرت شیخ عبدالرحمن چھوڑی نے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا ، مگر پورے روزے آپ نے باجماعت نماز و تراویح کا التزام رکھا۔ دو ماہ تک اس عالم یا معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ نماز باجماعت کی پابندی ، حاجت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا ، ارشاد و تلقین اور ہند و موعظت کے فرائض انجام دیتے رہے ، لیکن آخر میں ضعف بڑھ گیا تھا ، پہلے بیٹھ کر پھر اشاروں سے نماز ادا فرمائے لگے۔ اس عرصہ علالت و ضعف میں آپ کو بعض اوقات پیچش اور اسہال کا عارضہ ہو جاتا تھا۔ وفات سے کچھ دن پہلے اپنے صاحبزادے مولانا فضل الرحمن صاحب عرف چن پیر صاحب کو طلب فرمایا اور انہیں دارالعلوم رحمانیہ کی ترقی و انتظام ، لنگر کی برقراری ، مسلمانوں کی خدمت اور بعض دوسری ضروری وصیتیں فرمائیں۔ اپنے مریدوں اور معتقدین کے متعلق جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی کہ

ما اتا کم الرسول فخذوه و ما لہا کم جو تم کو رسول دے وہ مضبوطی
فانتھوا سے پکڑو اور جس سے منع
کرے اس سے رک جاؤ۔

نوے سال کی عمر میں یکم ذالحجہ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ع) کو آپ
رحمت حق سے بیوست ہو گئے۔

مزار :

آپ کی وصیت کے مطابق مسجد دربار شریف قادریہ کے شمالی جانب
آپ کا روضہ مبارک تعمیر کیا گیا ، جس کی تعمیر آپ کے صاحبزادے
مولانا فضل الرحمن صاحب نے کرائی۔

۱۳۸۳ھ میں صدر مملکت پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب
کے صاحب زادے اختر ایوب صاحب نے جو صوفیائے کرام سے دلی عقیدت
رکھتے ہیں حضرت شیخ عبدالرحمن کی قبر شریف کو کابل سے سنگ مرمر
منگوا کر بنوایا (۱)۔

اولاد :

حضرت شیخ عبدالرحمن کے دو بیویوں سے تین صاحب زادے تھے ،
جن کے نام یہ ہیں :

۱۔ مولانا محمد فضل الرحمن عرف چن پیر صاحب

۲۔ حاجی محمد فضل سبحان صاحب

۳۔ محمد محمود الرحمن صاحب

حضرت شیخ عبدالرحمن کے بعد آپ کے بڑے صاحب زادے مولانا
فضل الرحمن عرف چن پیر صاحب نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔ وہ
اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر تھے اور صاحب علم و فضل اور صاحب
تقویٰ و تقدس بزرگ تھے۔ وہ ۱۳۹۳ھ (۱۸۷۷ع) میں پیدا ہوئے ،
ابتدائی تعلیم سکندر پور کے مدرسے میں پائی اور ہندوستان کی مشہور درس گاہ
دارالعلوم دیوبند سے سند تکمیل حاصل کی۔ غالباً کچھ عرصہ ہندوستان

کی دوسری مشہور درس گاہ مظاہر العلوم سہارنپور میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے ، پھر چھوڑ میں مقیم ہو کر دارالعلوم رحانیہ کے نظام و ضبط اور سلسلہ قادریہ کے فیوض کو عام کرنے میں مشغول رہے ۔ ۱۲ ذی الحجہ مطابق ۱۳۵۸ھ (۲ جنوری ۱۹۴۹ع) کو ۶۳ سال کی عمر میں مختصر سی علالت کے بعد انھوں نے وصال فرمایا (۱) ۔ اُن کی وصیت کے مطابق ، اُن کے چھوٹے بھائی صاحب زادہ محمد محمود الرحمن نے مسند سجادگی کو رونق بخشی جو اس وقت بھی اس درگاہ کے موجودہ سجادہ نشین ہیں اور تقویٰ و تقدس میں اپنے بزرگوں کے طریقے کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں اور اپنے بزرگوں کی طرح دارالعلوم رحانیہ کے فروغ و ترقی کے لیے بے حد سعی ہیں (۲) ۔

خلفا :

شیخ عبدالرحمن چھوڑی کے خلفا کی تعداد کثیر ہے ۔ صاحب "سیرت رحانیہ" محمد عباس خاں قادری نے اپنی کتاب میں آپ کے ۲۸ خلفا کا تذکرہ کیا ہے ۔ ہم ان میں سے چند خلفا کا تذکرہ یہاں لکھتے ہیں ، جنھوں نے مختلف علاقوں میں سلسلہ قادریہ کی نشر و اشاعت اور اسلامی تہذیب و تمدن کے ترویج کے فرائض انجام دیے ۔ ان میں حافظ قاری سید احمد صاحب سری کوٹی ہزاروی مشہور ہیں ، جنھیں آپ نے رنگون بھیجا تھا تاکہ وہ وہاں جا کر سلسلہ قادریہ کو فروغ دیں اور دعوت الی الحق اور اشاعت اسلام کے فرائض انجام دیں ۔ چنانچہ انھوں نے اس خطے میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی (۳) ۔

اس کے علاوہ آپ کے خلفا میں جنھوں نے سابق صوبہ سرحد و پنجاب میں سلسلہ قادریہ کو فروغ بخشا ، سید امان علی شاہ قادری ترمذی ہیں ، جو حضرت سید علی ترمذی کی اولاد سے تھے ۔ انھوں نے ہزارہ میں

۱ ۔ سیرت رحانیہ قلمی ص ۷۹-۸۰ ۔

۲ ۔ ایضاً ص ۵۱

۳ ۔ ایضاً ۔

آکر مختلف مقامات پر علوم دینیہ کی تکمیل کی اور علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد حضرت عبدالرحمن چھوڑی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر بہت سی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے اور موضع گنجان تحصیل ہری پور ہزارہ میں مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ سید اسان علی نے ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۳ ع) میں وفات پائی۔ آپ کا مزار گنجان میں زیارت گاہ خلائق ہے (۱)۔

آپ کے ایک اور خلیفہ شاہ اسد الحق دہلوی ثم پشاوری ہیں، جو طلب معرفت میں دہلی سے نکل کر موضع کبان شریف ضلع مظفر گڑھ (آزاد کشمیر) پہنچے اور میان نظام الدین کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے مرشد کی وصیت کے مطابق پھر حضرت عبدالوہاب چھوڑی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آخر میں پشاور میں مقیم ہو گئے، وہیں وفات پائی اور پشاور کے قبرستان کلاں میں مدفون ہوئے (۲)۔

آپ کے ایک اور ممتاز خلیفہ مولانا حافظ نور محمد صاحب تھے، جو موضع لنگ (علاقہ پکھلی) تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ حافظ نور محمد صاحب علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد اپنے قصبے کی مسجد میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ پھر طلب معرفت الہی کے سلسلے میں حضرت میاں محمد اسحاق کی خدمت میں حاضر ہوئے جو جبڑی علاقہ کاغان کے رہنے والے تھے۔ کچھ دنوں ان کی خدمت میں رہے، پھر طلب حق ان کو حضرت عبدالرحمن چھوڑی کے آستانے پر لے کر آئے۔ وہیں ان کو اطمینان قلب کی دولت حاصل ہوئی اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے، پھر وہ آخر وقت تک عبادت و ریاضت اور تبلیغی جد و جہد میں مصروف رہے۔

۱۔ سیرت رحانیہ قلمی، ص ۸۸ - ۱

۲۔ ایضاً ص ۹۰



ایک روز پکھلی کے قریب موضع منڈھاراں میں جہاں ان کے پیر حضرت عبدالرحمن چھوڑی بھی تشریف فرما تھے میلادخوانی ہو رہی تھی کہ اچانک حافظ نور محمد پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور مرغ لیم بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ حضرت عبدالرحمن چھوڑی نے ان کی کیفیت کو دیکھ کر فرمایا اب ان کا جان پر ہونا مشکل نظر آتا ہے، انہیں گھر پہنچاؤ۔ لوگوں نے ارشاد کی تعمیل کی۔ لوگ اسی حالت میں ان کو گھر لائے۔ آخر میں ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ اور حالت نازک ہو گئی۔ جاں کنی کے عالم میں حضرت شاہ عبدالرحمن چھوڑی اس مرید صادق کے سرہانے تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کیا انہیں پہچانتے ہو؟ مرید صادق نے جواب دیا کیوں نہیں، یہ وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پہچانتا تو شاید خدا کو نہ پہچان سکتا اور نہ خدائے تعالیٰ کی رحمت مجھے پہچان سکتی یہ کہ کر کلمہ شہادت پڑھا اور جان، جان آفریں کے سپرد کی۔

حافظ نور محمد کا روضہ مبارک موضع لنگ میں مرجع خاص و عام ہے (۱)

تصانیف :

اگر حضرت شاہ عبدالرحمن چھوڑی نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی، صرف آپ کی تعلیم قرآن مجید تک محدود تھی، لیکن آپ نے غالباً چند کتابیں اپنے مریدین سے املا کرائی تھیں۔ ان میں سے آپ کی مشہور تصنیف ”تعمیر العقول الفحول فی بیان اوصاف عقل العقول مجموعۃ صلوات الرسول“ ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحمن کی اس کتاب کے متعلق آپ کے خلیفہ قاری سید احمد سری کوٹی نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا کہ اس کتاب کو میرے مرشد نے بارہ سال، آٹھ مہینے اور بیس روز میں مکمل کیا۔

۱۔ یہ تمام تفصیل سیرت رحانیہ قلمی - مولفہ محمد عباس خان قادری

ص ۹۶ تا ۱۰۰ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ ایضاً ص ۵۷۔

یہ کتاب درود شریف کے طرز پر تیس پاروں پر مشتمل ہے ، ہر پارے کا ایک مستقل عنوان ہے اور وہ عنوان حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت و شہاںل پر ہے ۔ اس کتاب کو پہلی مرتبہ اپنے پیر کے ارشاد کی بنا پر قاری سید احمد سری کوٹی نے چھپوایا ۔ اس کے طباعت کے اخراجات سیٹھہ احمد اللہ صاحب کباؤ اور دوسرے مریدین نے برداشت کیے ۔ دوسری دفعہ یہ کتاب ۱۹۵۳ع میں حافظ سید احمد نے پشاور سے شائع کی ۔ اس کے علاوہ آپ کی حسب ذیل تصانیف ہیں :

- ۲ - شفاعت الکبائر فی مغفرت الکبائر و الصغائر (قلمی)
- ۳ - اصل اصول شریف (قلمی)
- ۴ - شجرہ طیبه یا سلسلہ عالیہ قادریہ (مطبوعہ)
- ۵ - حرز بسم اللہ (مطبوعہ)
- ۶ - فتوح الازکار (مطبوعہ)
- ۵ - صلوة العظمی (مطبوعہ)
- ۸ - ہفت کفلی شریف
- ۹ - حرز قل هو اللہ
- ۱۰ - چہل قل
- ۱۱ - صلوة الکبری (مطبوعہ)
- ۱۲ - مجموعہ قادری کبیر (غیر مطبوعہ)
- ۱۳ - مجموعہ قادری صغیر (غیر مطبوعہ)

یہ تینوں وظائف مجموعہ صلوة
الرسول میں شامل ہیں

حاجی صاحب ترنگ زئی

نام و نسب و خاندان :

سر زمین سرحد کے درویش و مجاہد جس کی ساری زندگی تزکیہ نفس ، تبلیغ اسلام ، اشاعت تعلیم اور فرنگی استبداد کے خلاف جہاد میں گزری وہ حاجی صاحب ترنگ زئی ہیں ۔ وہ وادی پشاور کے سلسلہ عالیہ قادریہ کے آخری دور کے مشہور بزرگ ہیں ۔

آپ کا نام نامی فضل واحد ، آپ کے والد کا اسم گرامی فضل احمد تھا۔ آپ سلسلہ سید ہیں ۔ آپ کے جد اعلیٰ شیخ المشائخ سید بہاء الدین علیہ الرحمۃ ہیں جو اپنے دور میں زہد و ورع اور تقویٰ و تقدس میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے اور پیر بودے بابا کے نام سے مشہور تھے ۔ سید بہاء الدین کے والد ماجد بابا ولی قندھاری کے نام سے مشہور تھے ۔ ان کا مزار پر انوار قندھار (افغانستان) کے متصل ایک پہاڑی ایلے پر واقع ہے اور آج بھی مرجع خاص و عام ہے ۔

راولپنڈی کے مشہور بزرگ شاہ عبداللطیف بری کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں شیخ بہاء الدین (پیر بودے بابا) سے جا ملتا ہے ۔

۱۔ شاہ عبداللطیف بری ، پنجاب کے مشہور صوفیائے کرام میں ہیں ۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات زندگی ہمیں تذکروں میں نہیں ملتے ۔ متاخر تذکرہ نگاروں میں مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی کتاب ”حقیقۃ الاولیا“ میں ان کا تذکرہ صرف چند سطروں میں کرتے ہوئے لکھا کہ :

”شاہ لطیف بری قادری قدس سرہ بزرگان پنجاب سے

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۱۱)

حضرت پیر بابا بودے کی هندوستان میں آمد کے سلسلے میں بیان کیا

(صفحہ ۶۱۰ کا بقیہ حاشیہ)

حضرت بڑے بزرگ مشہور ہیں ۔ حضرت کے خوارق و کرامات ہزاروں مشہور ہیں ۔ حضرت بڑے عابد و زاہد گوشہ نشین ، مست و مجذوب تھے ۔ ہزاروں مرید مدارج تکمیل کو پہنچے ۔ حضرت نے نعمت باطنی حضرت حیات المیر زندہ پیر سے پائی ، جو حضرت غوث الاعظم کے پوتوں میں سے ہیں اور زندہ جاوید ہیں ۔ حضرت کی وفات ۹۶۴ھ (۱۵۵۶ع) میں ہوئی اور روضہ مقدس مشہور ہے۔“

(”حدیقة الاولیاء“۔ مطبوعہ نول کشور صفحہ ۹)

بادری عبدالسبحان نے اپنی کتاب ”صوفیزم، اٹس سینٹس اینڈ شرائنز“ میں لکھا ہے کہ :

”شاہ لطیف ملقب بری سلطان ، حضرت حیات المیر سے بیعت تھے اور حیات المیر حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے سلسلے میں بیعت تھے ۔ پہلول شاہی سلسلہ حضرت شاہ عبداللطیف بری کے مرید پہلول شاہ سے چلا۔“

(صوفیزم اٹس سینٹس اینڈ شرائنز ، مصنفہ جان ۔ اے سبحان) شمر جالندھری نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ :

حضرت شاہ لطیف بری کی ولادت باسعادت موضع جولیان کرسال ، ضلع جہلم میں ہوئی ۔ بچپن ہی سے عبادتوں اور ریاضتوں کی طرف مائل تھے ۔ ان کے والد کا اسم گرامی شاہ محمود تھا ۔ شاہ محمود نے انہیں کئی مرتبہ بھیسیں چرانے کا کام سپرد کرنا چاہا ، لیکن وہ اس طرف متوجہ نہ ہوئے اور (باقی حاشیہ صفحہ ۶۱۲ پر)

تذکرہ صوفیائے سرحد

جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری (۱) معروف بہ معزالدین سام جب ہندوستان پر کامیاب حملے کے بعد واپس ہوا تو اس کے لشکر میں بارہ ہزار

(صفحہ ۶۱۱ کا بقیہ حاشیہ)

عبادت و ریاضت میں لگے رہے۔ بعض مخالفتوں کی وجہ سے شاہ محمود ترک وطن کر کے ضلع راولپنڈی کے علاقہ گولڑہ کے ایک گاؤں ”باغ کلاں“ میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں آنے کے بعد بھی شاہ لطیف پر کوئی دنیوی اثر نہیں ہوا بلکہ وہ عبادت الہی میں مصروف رہے۔ ان کے والد نے انہیں تعلیم کے لیے کیمبل پور کے ایک مقام غور غشتی میں بھیج دیا۔

ظاہری علوم کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ حج کے لیے مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور حج و زیارت روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹے۔

وطن واپس تشریف لانے کے بعد وہ ریاضتوں میں مشغول ہو گئے اور اپنے وطن ہی میں انہوں نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی۔

شاہ لطیف بری کی تبلیغی کوششوں سے یہاں کی دو قوموں ڈھونڈ اور رستی میں اسلام پھیلا اور انہیں کی نواریت اور ضیا باریوں کے باعث یہ موضع جو پہلے ”چور پور“ کہلاتا تھا ”نور پور“ سے مشہور ہوا اور غالباً یہ انہیں بزرگ کی برکت کا اثر ہے کہ ”نور پور“ پاکستان کے نئے دارالحکومت اسلام آباد میں مرکزی مقام کی حیثیت حاصل کر رہا ہے۔

شاہ لطیف بری کے خلفا میں شیخ بہلول دریائی اور شاہ حسین خاص طور پر مشہور ہیں۔ شاہ حسین کی بیٹھک شاہ لطیف بری کے مزار مباوک کے بالکل سامنے ہے۔ اس بیٹھک پر یہ مصرعہ لکھا ہوا ہے :

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۱۳ پر)

افغان غازی شامل تھے۔ ان کو شہاب الدین غوری نے اشغر (علاقہ چارسدہ) کوہ سلیمان اور باجوڑ میں آباد کیا۔ اور ان افغانوں میں وہ غازی جو

(صفحہ ۶۱۲ کا بقتہ حاشیہ)

میرے مرشد کی گلی کی خاک بھی اکسیر ہے
شاہ حسین کا مزار بھی حضرت شاہ لطیف بڑی کے مزار کے
باہر ہے۔

سالہا سال سے شاہ برہی کا میلہ راولپنڈی شہر سے بارہ میل
دور نور پور شاہاں میں منایا جاتا ہے۔ میلے کے بعد ہی شاہ
لطیف برہی کا عرس ہوتا ہے۔

(ماخوذ از "تذکرہ صوفیائے پنجاب"، مولفہ اعجاز الحق قدوسی
از صفحہ ۵۳۱ تا ۵۳۴)

۱۔ سلطان غیاث الدین غوری کی وفات کے بعد ۵۹۹ھ (۱۲۰۲ع)
میں اس کا بھائی سلطان شہاب الدین غوری فیروزہ کوہ میں
تخت نشین ہوا۔ اس کا اصل نام توحید تھا لیکن تخت نشین
ہونے کے بعد اس نے معزالدین کا لقب اختیار کیا۔ اُسے ایام
شہزادگی میں شہاب الدین بھی کہتے تھے۔ اس نے ایام
شہزادگی میں اکثر فتوحات ہندوستان میں حاصل کی تھیں اور
وہ سلطان غیاث الدین غوری کا نائب بھی تھا اس لیے اسے
بعض مورخین نے سلطان شہاب الدین غوری بھی لکھا ہے۔
"اپنی بادشاہت کے بعد وہ صرف ایک مرتبہ ہندوستان
آیا۔ یہاں سے وہ غور جا رہا تھا کہ ۶۰۲ھ (۱۲۰۵ع)
میں مقام ڈمیک میں فداویوں یا کھوکھروں کے ہاتھ
سے اپنے خیمے میں رات کے وقت دھوکے سے شہید
کیا گیا۔

(ماخوذ از "تاریخ اسلام"، جلد ۳ صفحہ ۲۷۹۔ اکبر شاہ خاں
نجیب آبادی)

تذکرہ صوفیائے سرحد

محمد زئی (مامون زئی) قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور اصل میں قندھار سے آئے تھے۔ ان کو بھی علاقہ، اشغر (موجودہ چارسدہ) میں آباد کیا۔ یہاں سکونت پذیر ہونے کے بعد ان کے چند سردار اپنے پہلے وطن قندھار گئے اور بابا ولی قندھاری کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ان کی دینی رہنمائی کے لیے وہ اپنے صاحبزادے سید بہاء الدین (پیر بابا بودے) کو ان کے ساتھ روانہ کریں تاکہ وہ اشغر میں مقیم ہو کر ہم لوگوں میں اصلاح و تزکیہ نفس کے فرائض انجام دیں۔ چنانچہ بابا ولی نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور اس طرح سید بہاء الدین سابق صوبہ سرحد میں آکر آباد ہوئے۔ ان کی وادی پشاور میں تشریف آوری کا زمانہ ۱۲۵۰ھ (۱۲۵۲ع) کے لگ بھگ ہے۔

اس زمانے سے لے کر آج تک حضرت حاجی ترنگ زئی کے خاندان کے افراد اس علاقے میں تبلیغ دین، اشاعت اسلام اور اصلاح مسلمین میں مصروف ہیں۔

حضرت حاجی ترنگ زئی کی والدہ محترمہ کا کاخیل خاندان سے تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب سابق صوبہ سرحد کے مشہور بزرگ شیخ رحیمکار معروف بہ کاکا صاحب سے جا ملتا ہے۔

حضرت رحیمکار کے ایک صاحبزادے خلیل گل مشہور بہ مرزے بابا تھے جو ٹوٹی علاقہ آتمان خیل (یا غستان) میں رہتے تھے۔ حاجی ترنگ زئی کی والدہ محترمہ بھی اسی گاؤں کی رہنے والی تھیں۔

ولادت :

جنگ آزادی سے ایک سال پہلے ۱۸۵۶ع میں اس سر زمین میں گلشن ولایت و حریت کا وہ پھول کھلا، جس کی خوشبو نے اس سر زمین کو دیا۔ حاجی صاحب ۱۸۵۶ع میں مقام ترنگ زئی تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔

تعلیم :

ابتدائی تعلیم آپ نے اس دور کے مشہور عالم مولانا ابوبکر اخوندزادہ سے حاصل کی، اور اس کے کچھ عرصے تک تھکال میں تعلیم حاصل کرتے

رہے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ اپنے وطن تشریف لائے اور اپنے لیے کھیتی باڑی کے مشغلے کو پسند فرمایا اور زراعت کرنے لگے جہاد کا ذوق :

لیکن چند ہی دنوں بعد ملک میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے آپ کی زندگی کے رخ کو بدل کر رکھ دیا۔ ۱۸۹۷ ع میں انگریزوں نے دوسری دفعہ ملاکنڈ پر حملہ کیا۔ یہ وہ نازک وقت تھا کہ اس علاقے کے مسلمان بہت سی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ اخوند عبدالغفور بابا سوات صاحب ۱۸۷۷ ع میں وفات پاچکے تھے مشہور مجاہد عمرا خاں کی حکومت ۱۸۹۶ ع، ۱۸۹۵ ع میں ختم ہوچکی تھی۔ سوات اور سمہ دونوں علاقوں میں کوئی شخصیت ایسی باقی نہ تھی جو اس نازک زمانے میں مسلمانوں کی قیادت کے فرائض انجام دیتی۔ ہر طرف مشکلات اور مایوسی کے بادل چھائے ہوئے تھے کہ عین اس مایوسی کے عالم میں افق سے امید کی کرن پھوٹی اور حضرت اخوند سوات کے دو مرید مسلمانوں کے حق میں فرشتہ رحمت بن کر نمودار ہوئے جنہوں نے مجاہدین کی قیادت کو ہاتھ میں لیا۔

ان میں سے ایک سر تور فقیر تھے جن کا نام سعد اللہ خاں تھا۔ انہوں نے سوات اور اس کے ملحقات کے غازیوں کی قیادت کو سنبھالا۔

دوسرے حضرت نجم الدین اخوند زادہ معروف بہ ہڈے ملا صاحب تھے، جنہوں نے کونٹر، سہمند اور باجوڑ کے غازیوں کی قیادت سنبھالی۔ انہیں کے ساتھ حاجی ترنگ زئی، ہشتنغر اور ٹوٹئی کے ماموں زئی اور آتمان خیل کے غازی شامل ہوئے۔

اس مرد مجاہد کی قیادت میں ملاکنڈ، ہیرکلی، بٹ خیلہ اور چکدرہ کے محاذ پر جو لڑائیاں لڑی گئیں، ان میں حضرت حاجی ترنگ زئی نے شریک ہو کر خوب داد شجاعت دی۔ یہ ۱۸۹۷ ع کی بات ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ یہ بطل حریت جہاد میں شریک ہوا۔

ہڈے ملا صاحب سے ملاقات :

اسی جہاد میں ان کی ملاقات ہڈے ملا صاحب سے ہوئی۔

بیعت :

اس ملاقات نے حاجی ترنگ زئی کے قلب پر ہلے ملا صاحب کی عقیدت و محبت کے نقش کو اس طرح مرتسم کیا کہ جب حاجی ترنگ زئی علاقہ مہمند میں گئے ، اس زمانے میں ہلے ملا صاحب بھی وہیں مقیم تھے ۔ انہوں نے وہاں سلسلہ قادریہ میں حضرت ہلے ملا صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اور اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر فیوض باطنی اور اُن کی برکات سے مستفید ہوتے رہے ۔

تجدید بیعت :

۱۹۰۲ع میں جب ہلے ملا صاحب نے وصال فرمایا تو حضرت حاجی ترنگ زئی نے اُن کے مشہور خلیفہ و ماذون حضرت صوفی عالم گل کے دست حق پرست پر تجدید بیعت کی اور اُن سے روحانی استفادہ کیا ۔ حضرت صوفی عالم گل نے آپ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنی دستار اور تلوار عنایت کی ۔

ہج :

اس سے قبل حاجی ترنگ زئی صاحب ایک حج کر چکے تھے ، ۱۹۰۸ع میں حاجی صاحب دوبارہ حج کے لیے تشریف لے گئے ۔
امر بالمعروف ونہی عن المنکر :

حج سے واپسی کے بعد حاجی صاحب نے علاقہ مردان اور پشاور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری کیا ۔ عوام پر ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا بڑا گہرا اثر پڑا ۔ عوام کے قلوب حاجی صاحب کی طرف کھینچے جاتے تھے ۔ اُن میں اسلامی شعور بیدار ہو جاتا تھا ، اور لوگ نیکی صلاح اور تقویٰ کی طرف مائل ہو جاتے تھے ۔ حاجی صاحب نے عوام کی گمراہیوں اور اس کی جڑ کو معلوم کر لیا تھا ۔ انہیں اس کا پوری طرح احساس ہو چکا تھا کہ جب تک عوام سے جہالت کو دور نہ کیا جائے گا اور اُن میں اسلامی تعلیم کی روشنی عام نہ کی جائے گی ، اس وقت تک صحیح معنی میں برائیوں کا انسداد اور اُن کی روک تھام نہ ہو سکے گی ، اور نہ انگریزوں کے عذاب سے نجات حاصل ہو سکے گی ۔

دینی مدارس کا قیام :

چنانچہ آپ نے علاقہ پشاور اور مردان میں دینی مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی مخلصانہ کوششوں سے اسلامی مدارس قائم ہوئے۔ اُن میں سب سے زیادہ اہمیت گذر حمزہ خاں اور آسمان زئی کے مدارس کو حاصل ہے۔

آپ ہی کی تحریک پر مولانا علی احمد معروف بہ ملا سندھا نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس نے بعد میں چل کر بڑی اہمیت حاصل کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلامیہ کالج پشاور (۱) کی داغ بیل حاجی ترنگ زئی کے مدارس کے سلسلے ہی کی وجہ سے پڑی تو شاید بے جا نہ ہو گا۔

مسلمانانِ سابق صوبہ سرحد میں حاجی صاحب کی تحریکات کا اثر دیکھ کر انگریز گھبرا اٹھا اور انہیں جیل میں ڈال دیا۔ تین سال تک حاجی صاحب جیل میں رہے، لیکن انگریز نے مجبور ہو کر آخر میں آپ کو رہا کر دیا۔ فرنگی استبداد نے حاجی صاحب کے اس تبلیغی جذبے کو اور بھی

۱۔ حضرت حاجی ترنگ زئی کی تعلیمی سرگرمیوں کو دیکھ کر حکومت سرحد کو اس کے توڑ کا خیال پیدا ہوا اور اس دور کی انگریزی حکومت نے پشاور میں اسلامیہ کالج کی بنیاد رکھنے کی ٹھانی۔ موضع سپنہ وڑی اور تھکال بالا کی زمینات میں رقبہ تعدادی ۹۱۶ کنال اور ۱۷ مرلے زمین اسلامیہ کالج کی تعمیر کے لیے خریدی گئی اور ۲۱ مارچ ۱۹۱۲ع کو اس کالج کے سنگ بنیاد کی رسم ادا کی گئی۔ سنگ بنیاد کی رسم کے موقع پر مولانا عبداللہ عباسی معروف بہ قطب شاہ نے تلاوت قرآن مجید کی۔ نواب عبدالقیوم خاں لودھی اور کرنل اسام خاں سدوزئی ایک بالٹی مین چوننا اور چاندی کی کرنی لے کر حاجی صاحب کی طرف بڑھے اور آپ سے سنگ بنیاد رکھنے کی درخواست کی، حضرت حاجی صاحب نے اپنے دست مبارک سے اس کالج کی خشت اول رکھی۔

تذکرہ صوبائے سرحد

تیز تر کر دیا اور آپ پہلے سے زیادہ اشاعت دین ، اصلاح رسوم اور اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف ہو گئے ۔

پہلی جنگ عظیم اور ترک وطن :

۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو ترکی کے شیخ الاسلام نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد دیا ۔ برصغیر ہندو پاک کے علما نے بھی اس فتویٰ کی تائید کی اور علما کے فتویٰ کی بنا پر جہاد کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں ۔ اُس وقت انگریزوں نے محسوس کیا کہ اگر حاجی صاحب کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو حکومت کو خاصا پریشان ہونا پڑے گا ، اس لیے آپ کی نظر بندی کی حکومت نے سکیم مرتب کی ۔ یہ سکیم ایک خفیہ اجلاس میں مرتب کی گئی ۔ اتفاق سے اعظم خاں نامی مہمند کو اس سکیم کی اطلاع کسی طرح فوراً ہی مل گئی ، اور اس نے یہ خبر اسی وقت حاجی ترنگ زئی کو پہنچائی ۔ حاجی صاحب نے اس خبر کے سنتے ہی راتوں رات اپنے اہل و عیال کے ساتھ موضع زئی سے نکل کر براہ لونڈ خوڑ بنیر کے علاقے طوطائی پہنچے ۔ رمضان المبارک کا مہینہ قریب تھا ، وہیں آپ نے رمضان گزارا ، وہیں آپ کے مریدین اور عقیدت مندوں کی جماعت آپ کے گرد جمع ہو گئی اور اسی جمعیت کے ساتھ کچھ دن کے بعد آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا ۔ یہ جھڑپیں ۲۷ دن کے بعد بند ہو گئیں ۔

سورکمر میں سکونت :

ان جھڑپوں کے بند ہونے کے بعد حاجی صاحب سوات تشریف لائے ، پھر وہاں سے باجوڑ گئے ، پھر آپ مہمندی قبائلی علاقے میں قندھاری اور صافی قبائل کے ایک مقام سورکمر میں مستقل طور پر متوطن ہو گئے ۔ پہلے اس جگہ کا نام کند غار تھا ۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد یہ مقام غازی آباد کے نام سے موسوم ہوا ، اور بعد میں یہی مقام مجاہدین کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ۔ اس علاقے میں آپ کی تشریف آوری کا زمانہ اواخر ۱۹۱۵ء ہے ۔ اس سے قبل چھ ماہ کا عرصہ آپ نے علاقہ باجوڑ میں گزارا تھا ۔

شب قدر پر حملہ : ۱۹۱۹ء میں انھوں نے انگریزوں کے خلاف پہلے شب قدر پر اور پھر ڈکھ پر حملہ کیا ، اور بڑی شجاعت و بہادری سے انگریزوں کا مقابلہ کیا ۔

۱۹۲۸ء میں اگرچہ ایک عارضے کی وجہ سے آپ کے پاؤں متاثر ہو گئے تھے اور ایک حد تک معذور ہو چکے تھے مگر اس عالم میں بھی آپ فرنگی استبداد کے خلاف نبرد آزما رہے اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں کسی قسم کی کمی نہ آئی ۔

میخی اوغلی میں جہاد :

۱۹۳۰ء میں حضرت حاجی ترنگ زئی نے انگریزوں کے خلاف میخی اوغلی کو میدان جہاد بنایا ۔ انگریزی فوجیں جدید سامان حرب سے لیس تھیں ۔ انھوں نے مجاہدین کے مورچوں پر بمباری کی ، لیکن تائید ایزدی مسلمانوں کے شامل حال رہی ۔ یہ معرکہ ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء سے شروع ہو کر ۷ نومبر ۱۹۳۰ء کو ختم ہوا ۔ اس معرکے میں مسلمان خاصی تعداد میں شہید ہوئے ، لیکن انگریزی فوجوں کو بھی شدید نقصان پہنچا ۔

دو سازشیں :

۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۳ء میں انگریزوں نے حاجی صاحب کے خلاف دو سازشیں کیں لیکن خدائے تعالیٰ نے آپ کو اُن کے شر سے محفوظ رکھا ۔ فیصلہ کن جنگ :

آخر کار ۱۹۳۳ء میں حاجی صاحب اور انگریزوں میں وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی ، جس میں انگریزوں نے اپنی شکست کو تسلیم کر لیا اور صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے ۔

۱۹۳۵ء میں پھر ایک بار انگریزوں نے غازیوں کے کیمپ پر ہوائی جہازوں سے بم گرائے لیکن فتح و نصرت غازیوں کے قدم چوم رہی تھی ۔ اسی لڑائی میں انگریزوں کی وہ مشہور پلٹن جسے گائڈ پلٹن کہا جاتا تھا غازیوں نے بالکل تباہ کر دی ۔

لذکرہ صوفیائے سرحد

۱۹۳۶ع میں انگریز متعدد شکستوں کے بعد صلح نامے پر راضی ہوئے اور اس طرح حق تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو فتح و نصرت عطا فرمائی ۔

وصال :

وہ مجاہد اعظم جس نے مختلف اذوں پر انگریزوں کے چھکے چھڑا دیے ۱۹۳۶ع کے اواخر میں بیمار پڑا ۔ بیماری نے طول کھینچا ، اور ایک طویل بیماری کے بعد ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ع ۱۳۵۶ھ کو یہ مرد مجاہد واصل الی اللہ ہوا ۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۱ سال کی تھی ۔

مدفن :

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو غازی کی مسجد کے صحن میں دفن کیا گیا ۔

اولاد :

حاجی صاحب نے اپنی وفات کے بعد تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں چھوڑیں ۔

